بدرقۂ نبوت، ثانی یحییٰ
امام الحنفائی قریش
مجدّد دین ابراہیم
جد رسول اللہ
حضرت عبدالمطلب بن ہاشم

قریش کا مردِ خدا

سرکار زینی جارچوی

Sabeel-e-Sakina (SA)

ناشر ادارۂ احیائے تراث اسلامی کراچی، پاکستان

Presented by Ziaraat.net

Sabeel-e-Sakina (SA)

Presented by Ziaraat.net

بدرقۂ نبوت، ثانیٔ یحییٰ   مجدّدِ دینِ ابراھیم
اما م الحنفاء قریش   جدِّرسول اللہؐ
حضرت عبد المطلب بن ہاشم

قریش کا مرد خدا

سرکار زینی جارچوی

ناشر

ادارۂ احیاءِ تراث اسلامی، کراچی، پاکستان

The Foundation for the revival of Islamic Heritage,
Karachi, Pakistan

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : قریش کا مردِ خدا
تالیف : سرکار زینی جارچوری
کمپیوٹرائزڈ کمپوزنگ : راحت حسین، احمد گرافکس(021-36364924)
ناشر : ادارۂ احیاءِ تراث اسلامی، کراچی، پاکستان
تعدادِ اشاعت :
ہدیہ :

ملنے کا پتہ
احمد اسٹیشنرز و بک سیلرز
اسٹاکسٹ و جنرل آرڈر سپلائرز
718/20، فیڈرل بی ایریا، کراچی
فون:021-36364924
Email: ams_17_83@hotmail.com

انتساب

اپنی بڑی لڑکی
عیاضیہ خاتون کے نام
درازیٔ عمر اور خوشحال زندگی بسر کرنے کی دعاؤں کے ساتھ

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

فرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر
پیش گفتنی	17
○ مورخین کی ستم ظریفی	17
ابتدائیہ	23
○ معاون نور رسالت	24
○ فضیلت میں وسعت	24
○ قصی بن کلاب	25
○ ہاشم بن عبد مناف	26
حصہ اول	
حضرت عبدالمطلب	29
○ پیدائش	29
○ بچپن	30
○ جوانی	31
○ حضرت عبدالمطلب کی مکہ میں آمد	32
○ حضرت عبدالمطلب کا پیدائشی نام	33
○ شیبہ	33
○ عبدالمطلب نام کی شہرت	35
○ دور جوانی اور شغل تجارت	37
○ شغل تجارت	38
○ ازواج اور اولاد	40
○ مزید شادیاں	41
○ اولاد	42
○ حضرت عبدالمطلب کی بیٹیاں	45
حضرت عبدالمطلب کی مسند نشینی	49
○ مطلب کی وفات	49
○ قریش کا اجماع	49
○ نوفل کے اتحاد کا سبب	50
○ مخالفت میں پہلا اقدام	50
○ مخالفانہ گروہ بندی کی ابتداء	51

Sabeel-e-Sakina (SA)

Presented by Ziaraat.net

- حب بن امیہ 52
- عبدالمطلب کا صلح جویانہ اقدام 52
- قبائل عرب میں فضیلت کی اہمیت 53
- فضیلت پر طویل تنازع 54
- ثالث کا فیصلہ 54
- حرب میدان مخالفت میں 55
- حرب کی شکست 56
- منصبی فرائض کی جانب توجہ 56
- سیاسی و مذہبی اصلاحات 57
- سقایہ 57
- رفادہ 58
- خانہ کعبہ کی صفائی اور مرمت 59
- عوام سے رابطہ 60
- ذوالہزم کی بازیابی 60
- بنی ثقیف اور بنی امیہ 62

حضرت عبدالمطلب کیلئے پہلی اور عظیم فضیلت 65

- چاہ زم زم 65
- زم زم کا پس منظر 65
- سچا خواب 66
- خواب کے اشارے 68
- لید اور خون 68
- زم زم کی کھدائی اور قریش کی مخالفت 69
- خزانہ پر جھگڑا 70
- حرب کی مخالفت 71
- قرعہ اندازی پر فیصلہ 72
- حرب کی سازش 73
- چاہ زم زم کی برآمدگی 73
- حرب کی مداخلت 75
- بنی عبد مناف کا جوش 76
- کاہنہ کی تلاش 77
- وراثت زم زم 79
- خانہ کعبہ سے سونے کی چوری 80
- بددیانتی کی مثال 82

- محدث شیرازی کی روایت 84
- خزانہ کعبہ کی چوری کرنے والے دراصل کون تھے؟ 87
- مورخین کی بددیانتی اور مصلحت بینی 87
- چوری کا واقعہ کب ہوا 88
- بدنام کرنے کی سازش 88
- چوری کون کر سکتے تھے؟ 89
- اذینہ نام یہودی کا قتل 91

سخاوت والقاب 95

- مطعم الطیر اور فیاض 95
- شیبۃ الحمد 96

سخاوت میں مسابقت 97

- سخاوت 97
- سخاوت وراثت 97
- سخاوت کا مقابلہ 98

نذر کی تکمیل 101

- اولاد نرینہ کی پیدائش 101
- تیروں سے فال کا طریقہ 103
- عرافہ کا عارفانہ حل 106
- نذر کا نعم البدل 106
- سو اونٹوں کی قربانی 107
- آل رسول پر صدقہ حرام 108
- دیت کا تقرر 108
- عبداللہ کی شادی 109
- عبداللہ کا تجارتی سفر 111
- سفر کے دوران وفات 111
- حضرت عبدالمطلب کی زندگی کا اہم ترین تاریخی واقعہ 113
- ابرہہ کون تھا؟ 113
- عیسایت پھیلانے کی مہم 114
- اریط مارا گیا 114
- ابرہہ کی کامیاب حیلہ سازی 114
- یمن میں قلیس کی تعمیر 115
- کعبہ پر حملہ کی تیاری 117
- بنی امیہ اور بنی ثقیف کی سازش 117

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

- بنی امیہ اور بنو ثقیف کے بت — 117
- بنی امیہ نے ابرہہ کی در پردہ مدد کی — 121
- ابرہہ کی ہر قدم پر مزاحمت — 121
- پیامی وکلامی جنگ کا آغاز — 125
- ابرہہ کا پیغام — 125
- حضرت عبدالمطلب کی دفاعی تیاریاں — 127
- حضرت عبدالمطلب کا اقدام — 127
- قربانی اور دعا — 128
- ابرہہ کا حملہ اور انجام — 129
- قریش کے ذہنوں میں تبدیلی — 130
- حضرت عبدالمطلب کے پوتے ''رسول اللہؐ'' کی ولادت — 133
- پیش گوئی اور خواب — 133
- خواب پورا ہوا — 134
- حاشیہ — 134
- عجیب وغریب خبروں کا ہجوم — 136
- صفیہ بنت عبدالمطلب کی روایت — 136
- فاطمہ ثقفیہ کا بیان — 137
- عبدالرحمٰن کی ماں کا بیان — 137
- حدود مکہ سے باہر کی خبریں — 137
- عقیقہ کی دعوت عام — 138
- دور دراز کی حیرت انگیز خبریں — 139
- حفاظتی اقدامات — 139
- گمشدگی اور بازیابی — 141
- مورخین کے بیانات — 142
- حضرت آمنہ کی وفات — 145
- مورخین کی ہرزہ سرائی — 145
- سیف بن ذی یزن اور عبدالمطلب بن ہاشم — 147
- سیف بن ذی یزی کون تھا؟ — 147
- سیف نے حکومت واپس لے لی — 148
- ایک صدی ...قبل کی پیش گوئی — 149
- سردار قریش کو دعوت نامہ کیوں بھیجا گیا — 150
- قرابت قریبہ — 151
- وفد کی تیاری — 152

- تخلیہ میں راز ونیاز — 152
- پوتے کے حق میں دادا کا احترام — 155
- حضرت عبدالمطلب کا دور تخت — 158
- عبدالمطلب کا مقام تخت — 158
- دعائے استسقاء — 159
- دعا کا نیا طریقہ — 161
- حضرت عبدالمطلب کی وفات حسرت آیات — 162
- عجیب خواہش — 165
- عربوں کی رسم نوحہ گری — 165
- عجیب خواہش کا تجزیہ — 166
- اشعار صفیہ — 168
- برّہ کا نوحہ — 168
- عاتکہ کا مرثیہ — 169
- اُمّ حکیمہ کے المیہ اشعار — 169
- اشعار امیمہ — 170
- اردیٰ کا نوحہ — 170
- تدفین — 173

حصہ دوم (قریش کا مردِ خدا) — 175

حضرت عبدالمطلب کا دورِ سرداری — 175

- شخصیت اور کردار — 175

حضرت عبدالمطلب میدانِ تجارت میں — 179

- مکہ مرکز تجارت — 179
- امور تجارت کی تربیت — 182
- قریش میں تعلیم کی ابتداء — 184
- قریش مکہ کا معلم اول — 185
- نبی اکرمؐ کی تعلیم — 187
- صلح نامہ میں نوشت وخواند — 188
- مستقبل میں تعلیم کے فوائد — 190
- دور اسلامی میں تعلیم — 190
- قریش میں کتابت کی ابتداء — 192

حضرت عبدالمطلب کی بحیثیت متفنن — 195

- عرب میں سماجی ادارے — 195
- نئے قوانین کی طرف التفات — 196

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

- مکہ کا قدیم سماجی نظام 197
- حضرت عبدالمطلب کا سماجی وسیاسی شعور 198
- عرب ریاستیں 198
- جاری نظام میں اصلاحات واستحکام 199
- دارالندوہ کے عہدوں میں اضافہ ونفاذ قانون 199
- اموال محجرہ 200
- اشناق 201
- حکومہ 202
- نقیب 203

حضرت عبدالمطلب کا دور اصلاحات 205

- معاشرتی اصلاحات 205
- حرام مہینوں کی حرمت 205
- نذر اور قسم کا پورا کرنا 206
- محرم سے عقد کی ممانعت 206
- اولاد کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت 207
- شراب نوشی سے روکنا 207
- زنا کی ممانعت 209
- سودخوری سے روکنا 210
- تحریر اور گواہ 211
- امانت کی واپسی 211
- داخلہ سے قبل اجازت 211
- مشورہ سے کام کرنا 212
- جنگ کے اصول 212
- رواداری کا اجراء 212
- صلح کل کی بنیاد 213

عظیم ترین عوامی اور مذہبی خدمات 215

- وقف 215
- کنوئیں کی اہمیت 216
- کنوئیں کی ملکیت کا تصور 217
- قریش کے کنوئیں 217
- چاہ زم زم اور آب زم زم 218

حضرت عبدالمطلب کا دور اصلاحات 221

مذہبی اصلاحات 221

- عریانی کی حالت میں طواف پر پابندی 221
- حرام وحلال کے مسائل 222
- بتوں پر ذبیحہ کی ممانعت 223
- یوم الجمعہ کی اہمیت 224
- حج ایک عبادت 224
- حج کے رسوم میں اصلاحات 225
- رسم حمس کا خاتمہ 225
- صفاومروہ کا تقدس 227
- زکوٰۃ 227
- روزہ کا التزام 229
- نماز ایک طریق عبادت 230
- حضرت عبدالمطلب کی نماز 323
- موضوع روایات 233
- ابوجہل کے لیے جنت 235
- اقوام کی بازگشت 236
- بنی اسماعیل کی عقیدہ توحید پر بازگشت 236
- حضرت عبدالمطلب کا طریقہ تبلیغ 237
- عمل کی تحریک 239
- مخالف عمل کا اثر 240
- بت پرستی پر آخری اور کاری ضرب 241
- بروقت اقدام 241
- قریش میں نمایاں انقلاب 242
- بدرقہ نبوت وثانی یحییٰ 244
- حدیث رسول 244
- دین کیلئے راہ کی ہمواری 245
- عرب میں دیگر مذاہب کے اثرات 245
- بدرقہ نبوت 246
- دین حنیف کی ابتداء حضرت عبدالمطلب کا عظیم ترین کارنامہ 249
- دین ابراہیمی کی تجدید 251

دور احناف 255

- مجدد دین ابراہیم 255
- تحنث کیا ہے 255
- تحنث ہی تحنف ہے 256

Sabeel-e-Sakina (USA)
Presented by Ziaraat.net

- دین حنیف ہی دین اسلام ہے 257

دین حنیف کے پیروکار 259

- احناف کا وجود 259
- احناف کی تعداد 259
- دین حق کی تلاش 261
- دین حق کے پانچ متلاشی 262
- ورقہ بن نوفل 263
- عثمان بن الحویرث 263
- عبداللہ بن جحش 264
- زید بن عمر بن نفیل 264
- امیہ بن ابی الصلت 265
- قریش کا مرد خدا 266
- وحدت الہ تک رسائی 267
- حضرت عبدالمطلب اور نزول وحی 268
- وحی کے معنی و مفہوم 268
- وحی کے اصطلاحی معنی 269
- وحی جلی 269
- وحی خفی 269
- حضرت عبدالمطلب کو بذریعہ وحی ہدایات 271
- رویائے صادقہ 272
- حضرت عبدالمطلب کا خواب 272
- القاء یا الہام 273
- حضرت عبدالمطلب پر القاء یا الہام 274
- غیبی آواز سننا 274
- صلصلۃ الجرس 275
- نبی کے اوصاف 277
- آیات و دلائل 278
- علامات نبوت 278
- قرآن میں انبیاء کے اوصاف 279
- احادیث میں مومن صفات 279
- انبیاء کے فرائض 280
- حضرت عبدالمطلب نبی تھے یا نہیں؟ 280
- تاریخ کا غلط فیصلہ 281

- شیاطین کا وحی کرنا 282
- رسول اور نبی کا فرق 284
- رسول اور نبی کی آمد کا مقصد 285
- صدقہ نہ کھانا علامت نبوت 285

نبی کا خصوصی منصب 257

- آخری نبی کی ضرورت اور اہمیت 291
- خواہش کے عین مطابق 291
- مددگار نبی 294
- حضرت عبدالمطلب کیلئے نبوت کی پیش گوئی 295
- ایلیاہ کی آمد کا انتظار 297
- حاشیہ 298
- ایلیاہ کون ہیں؟ 299
- ایلیاہ یا الیاس 300
- قرآن کی گواہی 301

الیاس ثانی 305

- عبدالمطلب ہی الیاس علیہ السلام ہیں 305
- تاریخی دلائل 306
- پہلا واقعہ 306
- دوسرا واقعہ 307
- قرآن سے استدلال 309
- آنحضرت کا نام محمد رکھنا 311
- آپ کا نام نامی و اسم الہامی 315
- طور سینین، یاسین، الیاسین 318
- طور سینین 320
- یاسین 321
- الیاسین 322
- تربیت رسالت آغوش نبوت 324
- علمائے اسلام کا عقیدہ 325
- تربیت رسالت 328
- محمد رسول اللہؐ کی تربیت رسالت 329
- بنی امیہ کا بنی ہاشم کے خلاف اقدام 332
- بنوامیہ کا ابتدائی مخالفانہ اقدام 333
- بنوامیہ کی کامیاب تدبیر 335

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

○ نئے عہدوں کا اضافہ	337
○ مخالف گروہ کی غلط بیانیاں	338
○ قریش میں بت پرستی کی بازگشت	340
○ دیگر اخلاقی و مذہبی رسوم کا خاتمہ	343
○ مثلہ کرنا	343
○ مردار خوری	344
○ محرم سے نکاح	344
○ لڑکیوں کا قتل	344
○ شراب نوشی	345
○ زنا کاری	345
○ رسم درع پوشی	346
○ قانونِ قصاص و دیت	346
○ حرام مہینوں کے احترام کا خاتمہ	347
○ نذر کی تکمیل سے گریز	348
○ عریانی کی حالت میں طواف	348
○ رسم حمس کا دوبارہ اجراء	349
○ تلبیہ میں اضافہ	350
○ بنوامیہ کی ناکامی اور اسلام کا غلبہ	351
○ مقاطعہ	357
○ بیعت عقبہ اولیٰ	349
○ مدینہ کی جانب ہجرت	361
بنوامیہ کا اسلام پر قبضہ	365
کلام اختتام	369
○ ہمارے مورخ	369
کتابیات	373

عرض ناشر

کسی بھی واقعہ کو درست طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پس منظر سے مکمل آگاہی حاصل ہو، یہی قرآن کا اسلوب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاءؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ تک کے واقعات قرآن میں ذکر نہ ہوتے، بلکہ جس زمانے میں قرآن نازل ہوا صرف اسی زمانے کے واقعات درج ہوتے یا زیادہ سے زیادہ مستقبل قریب کے یا اس لحاظ سے کہ قرآن اللہ کی جانب سے آخری کتاب ہے آئندہ کے حوالے سے بھی گفتگو کر لی جاتی لیکن ماضی اور ماضی بعید کے حالات بیان نہ ہوتے۔

لہٰذا حضرت محمد مصطفیٰؐ خاتم الانبیاء کی تاریخ کا اگر آپؐ کی ولادت باسعادت سے آغاز کریں تو تاریخ نویسی کا حق ادا نہ ہوگا اور نہ ہی آنحضرتؐ کی ان مشکلات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو اپنی پیدائش سے رحلت تک برداشت کیں، علاوہ ازیں نہ ہی رحلت کے بعد امت میں پیدا ہونے والے شدید اختلافات کی وجوہات کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت سے قبل عربوں کی جبلّت ان کے طرزِ زندگی اور ان میں موجود رسوم سے مکمل آگاہی حاصل کی جائے۔

یہ جو غیر مسلم اور خود مسلم نوجوان یہ سوال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی قائم کی ہوئی اسلامی ریاست ۴۰ھ میں ملوکیت میں کس طرح تبدیل ہوگئی اور ملوکیت کا یہ سلسلہ اس قدر دراز کس طرح ہو گیا کہ اسلامی ریاست کا وہ تصور اور عملی نمونہ جسے آنحضرتؐ نے قائم کیا تھا آج نظروں سے ہی اوجھل ہو گیا تو اس کا جواب بعثت سے قبل کی عربوں کی تاریخ جانے بغیر نہیں دیا جا سکتا، کتاب ہٰذا کے مطالعہ کے بعد یہ جواب مل جاتا ہے۔

علامہ زینی جارچوی کسی تعارف کے محتاج نہیں، اسلامی انسائکلو پیڈیا میں علامہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ان کی مختلف تصانیف کی قبولیت کا باعث ہے۔

ادارہ کتاب ہٰذا ''**قریش کا مرد خدا**'' کے بارے میں اپنی جانب سے کوئی رائے دینا نہیں چاہتا، البتہ آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔ بس یہ بتانا ضروری ہے کہ علامہ زینی جارچوی نے کتاب ہٰذا میں جو پس منظر قارئین کے لیے پیش کیا ہے اس کے لیے انہوں نے مستند اور مانے ہوئے تاریخ دانوں اور مصنفین کے حوالے پیش کیے ہیں جنہیں پڑھ کر رحلت رسولِ اکرمؐ کے بعد اسلامی ریاست

Presented by Ziaraat.net

میں پیدا ہونے والی خرابیوں اور ان خرابیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اختلافات کے اسباب بآسانی سمجھ میں آجائیں گے۔

حضرت عبدالمطلبؑ نے تمام زندگی وہی کام انجام دیے جو ایک رسولؐ کے آنے سے پہلے ایک نبی نے قبل ازیں انجام دیئے تھے، زندگی بھر آپ کا دامن ہر قسم کی آلودگی سے پاک رہا اور ایسی راہ ہموار کردی اور ایسا میدان فراہم کردیا کہ حضرت محمد مصطفیؐ اپنے الٰہی مشن کا آغاز کرسکیں۔

قبل بعثت اور بعد بعثت، اسلام کا صرف ایک ہی قبیلہ سخت ترین دشمن اور مخالف رہا ہے اور وہ ہے خاندانِ بنو اُمیہ، قبل بعثت بنی اُمیہ کے جن بزرگوں نے دینِ حنیف اور حلیف دینِ حنیف حضرت عبدالمطلبؑ کی مخالفت کی اور مرتے مرگئے مگر دینِ حنیف سے دشمنی نہ چھوڑی، ان ہی کی اولاد نے حضرت عبدالمطلبؑ کے پوتے حضرت محمد مصطفیؐ اور دینِ اسلام کی مخالفت اور دشمنی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہ کہاوت یا مثال کے دادا پودا لگاتا ہے پوتے پھل کھاتے ہیں شاید بنو اُمیہ کے تاریخی اسلام دشمن کردار کی وجہ سے ہی وجود میں آئی تھی۔ جو پودا اسلام دشمنی کا حرب اور اُمیہ نے لگایا تھا پوتوں نے اس کے پھل کھائے پھر کس طرح اسلامی ریاست کا وہ تصور جس کا عملی نمونہ آنحضرت نے پیش کیا تھا باقی رہ سکتا تھا۔

مؤلف مرحوم اپنی حیات میں ''ادارۂ احیاءِ تراث اسلامی'' کے دفتر کتاب ہٰذا کی اشاعت کے لیے تشریف لائے تھے۔ مسودہ کی کمپوزنگ کی جارہی تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ ایک طویل عرصے بعد مرحوم کے فرزند جناب تنویر صاحب نے ادارہ سے اشاعت کے لئے رجوع کیا اور ان کے دیئے ہوئے مسودے کے بعد ہی یہ کتاب طباعت سے آراستہ ہوئی۔ ادارہ مؤلف مرحوم کے بلندی درجات کے لئے دُعاگو اور ان کے صاحبزادے جناب تنویر صاحب کا مشکور ہے جنھوں نے ہمیں مسودہ فراہم کیا۔

شہنشاہ جعفری ایڈوکیٹ
ناظم ادارہ: احیاءِ تراث اسلامی کراچی، پاکستان

پیش گفتنی

مورخین کی ستم ظریفی

کسی بھی انسانی شخصیت کی زندگی کے حالات جب ترتیب دیئے جاتے ہیں تو دراصل یہی حالات اپنے ماحول اور گردوپیش کی تاریخ مرتب کررہے ہوتے ہیں۔ ٹامس کارلائل کی نظر میں دنیا کی تاریخ دراصل ایسے ہی افراد کی سوانح حیات سے مرتب ہوئی ہے۔ اس کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب ایک فرد کی سوانح حیات لکھی جاتی ہے تو اس کے گردوپیش بکھرے متعلقہ واقعات اس عہد اور عہد کے افراد کی مکمل تاریخ پیش کردیتے ہیں۔ یوں سوانح نگار تاریخ کو بھی ترتیب دیتے ہیں، حضرت عبدالمطلب کی سوانح حیات آپ کے عہد اور اس زمانہ میں زندگی بسر کرنے والے قریش کی پوری تاریخ سامنے لاتی ہے اور واقعات کی تعبیر حضرت عبدالمطلب کے کردار کو پیش کرتی ہے لیکن مورخین نے اس سے صرف نظر کیا ہے۔ خاص طور سے بنو امیہ سے متعلق ابتدائی اسلامی مورخین کی مخاصمانہ روش نے اس کی ابتدا کی وہ ایسے تاریخی واقعات کو جو بنی ہاشم کی سیرت و کردار کو ظاہر اور واضح کرتے تھے قطعی طور پر نظرانداز کرتے رہے ہیں کہا جاتا ہے کہ بالخصوص ابن حجر اور امام بخاری نے یہ وطیرہ اختیار کیا تھا جسے دوسرے مورخین نے بھی بعد میں اپنا وسیلہ بنایا، افراد بنی ہاشم سے متعلق یہ تمام واقعات اگرچہ عربی کے تمام قدیم ماخذوں اور عہد جاہلیت کی شاعری میں موجود ہیں اور انہی قدیم عربی ماخذات سے بعد میں آنے والے مورخین نے استفادہ کیا اور تاریخیں مرتب کیں لیکن مخاصمت کی روش کو باوجود مورخ ہونے کے ترک نہیں کیا۔

ان اموی مورخین نے ہاشم بن عبد مناف اور قصیٰ بن کلاب کے ان خطبات کا کبھی ذکر نہیں کیا جو حجاج کی ضیافت اور خدمت کعبہ سے متعلق قریش کو دیئے جاتے رہے تھے۔ ایسا انہوں نے صرف اسلئے کیا کہ بنی ہاشم کے بزرگوں کی دینی وقومی خدمات اور ان کے مفاخرات ومشارفات سے اگلی نسلیں واقف نہ ہوسکیں۔ اسی طرح انہوں نے امیہ کے ان اقدامات کو چھپائے رکھا جن سے اسکی عداوت ومخاصمت کا اظہار ہوتا تھا۔ چونکہ ان واقعات کے نشر ہونے سے اجداد رسول اللہؐ کے فضائل ومناقب کا انکشاف ہوتا اور اموی بادشاہوں کے مصائب ونقائص کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے اموی مورخین نے جنھوں نے طبقات ابن سعد کو اپنی تاریخ کی ترتیب میں ذریعہ بتایا ان خطبات کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ خطبات طبقات ابن سعد میں وضاحت کیساتھ موجود ہیں اور وہ ایسا کرتے بھی کس لئے جبکہ سلاطین بنی امیہ کے زر وجواہر کی چکاچوند نے انہیں اندھا بنا دیا تھا اور ولید ابن عبدالملک انکی تالیفات کا ہیرو بن چکا تھا۔ ان لوگوں نے اس زمانہ کے اہل قلم کو خریدا اور ابتدائی تاریخیں اپنے حق میں مرتب کرائیں، یہ عبدالملک بن مروان اموی ہی تھا جس نے بالجبر قرآن حکیم کی تفسیر

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

لکھوائی اور موضوع روایات کی بنیاد پر رسول اللہؐ کے خاندان کے بعض افراد کو مورد الزام ٹھہرایا، اور پھر تمام مفسرین نے اسی روشنی میں تفاسیر مرتب کیں۔

مورخین نے اپنے عہد کی گران ڈیل اور عظیم شخصیت، جس نے قریش کو عظمت بخشی جس نے نئے انداز سے قریش کی تاریخ کو ترتیب دیا جس نے اپنی پوری قوم قریش کی کایا پلٹ کر رکھدی۔ جس نے محض اپنے کردار وعمل اور ذہانت سے لوگوں کے اذہان بدل ڈالے اور جس کی شخصیت کا ڈنکا مشرق ومغرب میں بجتا رہا۔ اس عبدالمطلب کی کردار کشی تو کی مگر صحیح تصویر کشی نہ کی۔ اسلئے کہ یہ مورخ روایت کا غلام تھا راوی کا معتقد اور راوی متعصب تھا۔

ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب مورخ لکھتا ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ نے خواب دیکھا جو سچ ثابت ہوا تو وہ اسکی تعبیر کیوں نہیں کرتا؟ یا جب وہ یہ کہتا ہے کہ عبدالمطلب نے غیب کی آوازیں سنیں اور جو کچھ سنا وہ درست ثابت ہوا تو وہ اس کے ساتھ ہی یہ کیوں نہیں بتاتا کہ غیبی آواز کا مخاطب کس شخصیت وکردار اور کس صلاحیت وادراک کا مالک ہوتا ہے جب حضرت عبدالمطلب سے ایسے امور وابستہ بیان کئے جاتے ہیں جن سے القاء والہام کا یقین ہوتا ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ گھنٹیوں کی آوازیں سنتے تھے جو وحی کے نزول کی ایک شکل ہے تو یہ کیوں نہیں بتایا جاتا کہ ''منزل وحی'' کون ہوتا ہے؟ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ''امعان'' کی راہ میں آپ کے لئے چشمہ جاری ہوا بیٹے کی قربانی سو (۱۰۰) اونٹوں کی قربانی سے بدل دی گئی تو اس شخص کے مرتبہ اور منصب کے تعین کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا؟ جس کے لئے یہ خرق عادت امور انجام دیئے گئے تھے۔

یہ پیش گوئیاں تو بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت عیسٰی کے بعد حضرت الیاس (ایلیاہ) آئیں گے۔ مگر یہ کھوج کیوں نہیں لگایا گیا کہ آخر الیاس ابتک کیوں نہیں آئے؟ اور اگر آئے تو وہ کس کی شخصیت میں ظاہر ہوئے؟ مورخ لکھتے ہیں کہ قریش میں سب سے پہلے تحنث کی ابتدا حضرت عبدالمطلب نے کی پھر یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تحنث ہی تحنف ہے۔ یعنی دین حنیف قبول کرنا۔ پھر اس کا صحیح نتیجہ کیوں بیان نہیں کرتے؟ کیا تحنث وتحنف کا حاصل کفر وشرک ہوسکتا ہے؟ لیکن انہی لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کو کافر ومشرک کہا۔ یہیں سے ہمیں ایک خاص گروہ کے عصبیت زدہ اہل قلم کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ جو رسول اللہ کے بزرگ واعزّا کی کردار کشی پر مائل وآمادہ رہا ہے اور جو انکے اصل خد وخال کو لاعلمی کی تاریکی میں پوشیدہ کر دینا چاہتا ہے۔ اسکی بنیاد عصبیت اور حسد ہے۔ جو عربوں کا وطیرہ امتیاز رہا ہے۔ جو واقعات ہم تک پہنچے ہیں ظاہر ہے کہ وہ صرف جزوی واقعات ہی نہیں بلکہ واقعات کے خاص خاص حصے ہیں اور ان میں بھی تعصب کی کارفرمائی نمایاں ہے۔

انسان میں تعصب کا مادہ بھی اسی طرح وجود رکھتا ہے جس طرح اس میں خطاء ونسیان کا مادہ موجود ہوتا ہے مگر یہ اس وقت خطرناک اور لائق مذمت بن جاتا ہے جب اسے دوسروں کو نقصان پہنچانے اور فنا کر دینے کیلئے ابھارا اور استعمال کیا جائے۔ تاریخ شاہد ہے اور کوئی مورخ اس سے انکار نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس سے انکار کرسکا ہے کہ بنوامیہ، بنو ہاشم سے تعصب وحسد اور کینہ رکھتے تھے اور ان کا یہ حسد صدیوں پر محیط ہے۔ اسلام

لانے کے بعد بھی نسل در نسل جاری ہے۔ جب انہوں نے مکر وفریب اور ظلم وزیادتی سے اقتدار پر قبضہ کیا تو یہ تاریخ وجود میں آئی۔ انہوں نے جس واقعہ کو جس طرح لکھ کر رکھنے کے قابل سمجھا، لکھا، وہی ہم تک پہنچا۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک برسر اقتدار قبیلے کی پیش کردہ تاریخ ہے۔ جسٹس ہومز کہا کرتا تھا سچائی اس قوم کی اکثریت کا ووٹ ہے جس نے دوسری قوموں کو شکستیں دیکر برباد کردیا'' اور ہنری اسٹیل'' کہتا ہے۔ تاریخ بھی جزواً اس قوم کا فرمان ہے جو دوسروں پر مسلط ہوگئی۔

ان حقائق پر مبنی اقوال کی روشنی میں اب ہم یہ کہنے کے لائق ہیں کہ'' تاریخی واقعات ایک متعصب اور صاحب اقتدار قبیلے کا فرمان اور نام نہاد سچائی تو صرف اسکی اکثریت کا ووٹ ہے۔'' کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ تاریخیں مفتوح اقوام نے مرتب کیں؟ ہمیشہ فاتح قومیں ہی صرف اپنی تاریخ مرتب کرتی رہی ہیں۔ اس وقت انکے پاس وہ ذرائع ہوتے ہیں۔ جن سے وہ اپنے دشمن کو زیادہ ذلیل، دوں ہمت اور برائیوں کا پتلہ ظاہر کرکے دوسری اقوام کے سامنے پیش کرسکیں اور اپنی جرأت، بہادری، دوراندیشی بلکہ ہمہ صفت موصوف ہونے کے ثبوت فراہم کرسکیں۔

حضرت الیاسؑ (ایلیاہ) ''اخی اب'' کے زمانہ قحط میں اللہ سے دعا کریں اور پانی برسنے لگے تو وہ نبی اور حضرت عبدالمطلب مکہ کے دورانِ قحط اللہ سے دعا کریں اور بارش ہو تو وہ ان کی نظر میں کافر۔ حضرت الیاسؑ اللہ سے دعا کریں اور آسمان سے آگ نازل ہوکر قربانی اور قربان گاہ کو بھسم کردے تو وہ نبی تھے اور اگر حضرت عبدالمطلب ہی در کعبہ کی زنجیر پکڑ کر اللہ سے دعا کریں، اور آسمان سے آتشیں کنکریاں نازل ہوکر ابرہہ کے لشکر کو بھسم کرڈالیں تو عبدالمطلب ان کی نظر میں مشرک تھے۔ آخر یہ کیسی نتیجہ براری ہے؟ یہ کس قسم کا تجزیہ ہے؟ اور یہ کیسی تاریخ ہے؟ اب اسے برسر اقتدار گروہ کی تاریخ سازی کا کرشمہ نہیں تو اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ یہ تو ہر شخص سمجھتا ہے کہ تعصب واقعات کی سادہ اور بدیہی تعبیرات میں بھی دخیل ہوجاتا ہے۔ بڑا مورخ وہی ہے جو واقعات کی تعبیر صحیح کرسکے اور تعبیر؟ تعبیر حقائق کی فراہمی اور ان کی ہنر مندانہ تنظیم پر منحصر ہے۔

سن ہجری کا اجراء رسول اللہ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد ہوا، اس سے ۶۲۲ء سال قبل سن عیسوی کا استعمال شروع ہوچکا تھا۔ پیدائش مسیح کے بعد تقریباً پانچ سو سال کا یہی عرصہ وہ زمانہ ہے جب جزیرۃ العرب میں تیزی کے ساتھ سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں، خصوصاً قصّٰی سے عبدالمطلب تک سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ مذہبی انقلاب کی تیاریاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔ اسی زمانہ کے نصف آخر میں عیسائیت عرب میں داخل ہوئی۔ ان تبدیلیوں کے باعث قریش کی چند شخصیتیں تاریخ میں اہمیت کی حامل پیدا ہوئیں۔

لیکن جب ہم تاریخ میں ان کے حالات، واقعات اور کمالات تلاش کرتے ہیں تو بے ترتیب جزوی واقعات کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ عربوں کی کوئی تاریخ مدّون نہیں ہوئی یہ جو کچھ ملتا ہے ان کے اشعار اور قدیم روایات سے یا ہمسایہ ملکوں کی تاریخ میں متعلقہ جزوی واقعات سے ان واقعات میں بھی سنین کا تعین نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے واقعہ کا تاثر یا تصور پھیکا رہتا ہے۔ یعنی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ کب پیش آیا؟ صاحب واقعہ

Presented by Ziaraat.net

کی اسوقت کیا عمر تھی؟ وغیرہ یہ صورت حال تاریخ کا تقاضا پورا نہیں کرتی اور فنِ تاریخ اسے تاریخ ماننے سے انکاری ہے۔اسی لئے اسے تاریخ کم اور روایت زیادہ کہا گیا ہے۔اس کی کئی اہم اور بنیادی وجوہات ہیں۔

(۱) عربوں میں تاریخ نویسی کا رواج نہ تھا۔نہ وہ فنِ تاریخ اور اسکے فوائد سے واقف تھے۔

(۲) وہ روایات پر تکیہ کرتے تھے، روایتیں دن، تاریخ اور سن کا التزام نہیں کرتیں۔نہ ہی مقام کا ذکر ان میں پایا جاتا ہے، کبھی کبھی شخص واقعہ کا نام بھی نہیں ہوتا۔

(۳) عربوں میں کوئی کیلنڈر رائج نہیں تھا۔وہ کسی اہم واقعہ سے مدت کا تعین کرلیا کرتے تھے۔مثلاً جب ابرہہ نے مکہ پر فوج کشی کی اور یہ بات پورے عرب میں پھیل چکی تھی۔انہوں نے اسی سال کو "عام الفیل" کہا اور اس کے بعد واقعات کو انہوں نے باعتبار مدت اس سے منسوب کرکے بیان کیا۔مثلاً یہ واقعہ عام الفیل سے اتنا سال پہلے یا بعد میں ہوا۔

(۴) عربوں کے حالات، اہم شخصیات اور انکے نام، جنگوں وغیرہ کے جزوی واقعات انکی شاعری میں ملتے ہیں مگر نہ تو شاعری سنین کے ذکر کی پابند ہوتی ہے اور نہ ہی شعر اس کا متحمل ہوتا ہے۔

یہ تھا عہد جاہلیت کی تاریخ کا المیہ، یہی صورت حال مکہ کے عہد رسالت میں رہی، چنانچہ سیرت کی تمام کتابیں دیکھتے جایئے۔روایات پر مبنی چند بے ترتیب واقعات ملیں گے۔جن میں تقدیم و تاخیر نمایاں نظر آئے گی۔جو واقعات کو بے اثر بنا دیتی ہے۔اس سے قاری کا تجسس تشنہ رہتا ہے۔واقعات و حادثات کے جائے وقوع، وقت، زمانہ، اسباب واقعہ اور شخص متعلقہ کا نام تک موجود نہیں ہوتا۔(بعض مواقع پر مورخ و مولف عمداً ایسا کرتے ہیں) چنانچہ صاحب سیرت کا کوئی واضح تصور قاری قائم کرنے میں ناکام رہتا ہے۔سیرت کی کوئی کتاب فنِ سیرت نگاری پر کماحقہ پوری نہیں اتری۔

یہی رکاوٹ ہماری راہ میں حائل ہے۔حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات وحادثات کی تفصیل تو کتب تاریخ قدیم میں ملتی ہے۔مگر واقعات سنین کے تعین کے بغیر ایک دوسرے سے متصادم نظر آتے ہیں، اسی وجہ سے واقعات میں صحیح ترتیب نہیں ملتی۔یعنی کونسا واقعہ کس واقعہ کے بعد پیش آیا۔اس بڑی کمی کے سبب صاحبِ تذکرہ کے کردار اور شخصیت کا کوئی واضح تصور قائم نہیں کیا جاسکتا۔

کچھ مولفین نے حضرت عبدالمطلب کی پیدائش اور وفات کے وقت کا تعین کیا ہے مگر جب ہم ان سنین کو ان کی مبینہ عمر سے مطابق کرتے ہیں۔تو یہ جمع تفریق بالکل غلط ہوجاتی ہے۔یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی مدت آپ نے مدینہ میں پرورش پائی؟ مکہ آئے تو کیا عمر تھی؟ کس عمر میں مسند نشین ہوئے؟ کس عمر میں شادی کی؟ یہ اور ایسی ہی متعلقہ تفصیل کے بغیر واقعات کا ذکر بے معنی اور بے اثر ہوجاتا ہے۔ہمیں تو اس موقع پر اعتقاد سہارا دیدیتا ہے۔مگر کبھی یہ بے اعتقادی کا خطرناک سبب بھی بن جاتا ہے۔

اگرچہ بے ترتیب بیان کئے گئے واقعات کے تیور، ان میں عمل ورد عمل، وقوعہ گفتگو متعلقہ واقعہ وغیرہ جیسی باتیں ترتیب کا اظہار کرتی ہیں مگر مولفین نے محنت سے کام نہیں لیا ہے، سیرت کے واقعات میں بھی ایسے

اشارے موجود ہیں کہ واقعات میں ترتیب و تسلسل قائم کیا جاسکے، وقت اور مدت کا تعین ہوسکے۔واقعہ سے متعلق شخص کا نام معلوم کیا جاسکے۔مگر مولفین نے عمداً اس پر توجہ نہیں دی ہے اور جان بوجھ کر نام حذف کیا ہے۔اس کی ایک خاص وجہ ہے جس کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔

Sabeel-e-Sakina (SA)

Presented by Ziaraat.net

ابتدائیہ

عالم اسلام کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اسلام کے دور اوّل ہی میں اسلامی روایات وتاریخ کی باگ ڈور قبائلی عصبیت کے ہاتھوں میں چلی گئی اور پھر اسلامی تاریخ کا یہ اسپ تازی تعصب کے ادنی اشاروں پر دوڑنے لگا۔ اس نے ان راستوں کی جانب اپنا رخ کرلیا جو غیر نسلی سلسلوں سے جاملتا تھا۔

آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباس ابن عبدالمطلب کا وہ قول متفقہ طور پر تاریخ کی زینت ہے جو انہوں نے چند صحابہ کے اس سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ''رسولؐ اللہ جس طرح آپ میں سے ہیں اس طرح ہم میں سے بھی ہیں''۔ حضرت عباس نے جواب میں کہا تھا۔

''رسولؐ اللہ اس درخت میں سے ہیں جسکی ہم شاخیں ہیں، اور تم؟ تم تو اس (درخت) کے گرد خودرو گھاس ہو''۔ (کتاب الامامت والسیاست ص: ۲۵)

ہم نے شجرِ نبوت کی اصل وفرع کو چھوڑ کر صرف خودرو گھاس کو اپنا ملجاء بنالیا ہے۔ اسلئے اس تحقیقی دور میں ہم پر لازم ہوجاتا ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ شجر نبوت کی جڑیں کہاں تھیں؟ اور اسکے برگ وبار کون لوگ تھے۔ کن لوگوں نے اسے سیراب کیا اور وہ کون تھے جنہوں نے اسکے برگ وبار بن کر اسے شادابی وزینت بخشی۔

جد رسول اللہؐ حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے کردار وعمل اور تاریخی حقائق وشواہد اس امر کے متقاضی ہیں کہ آپ کو بغیر کسی تردد کے بدرقہ نبوت، ثانی یحییٰ اور امام الحنفاء کہا جائے۔ آپ نے اپنی طویل عمر میں جو امور، نبوت کی پیش رفت اور ترقی کے لئے قبل از وقت انجام دیئے وہ بھی اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ انہیں ان اوصاف سے متصف گردانا جائے۔ جب تک نبیؐ کے تربیتی ماحول اور اس کے نسلی تعلق کے اوصاف اور صلاحیتوں کو ظاہر نہ کیا جائے اسوقت تک نبیؐ کی ذات سے متعلق وہ پیچیدہ مسائل ونظریات جو آج تک وجہ اختلاف ونزاع بنے ہوئے ہیں، حل نہیں ہوسکتے ہم نے ابتدا ہی میں نبیؐ کے نسبی اور نسلی سلسلہ اُفراد کا نبوت سے تعلق توڑ کر وہ بڑی غلطی کی ہے۔ جس سے ہماری قسمت پر بدی کی مہر ثبت ہوچکی ہے۔ حالانکہ نبیؐ ہی کے قول کے مطابق یہ سلسلہ اللہ کی طرف سے انتخاب کیا ہوا تھا۔

احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے سلسلہ نسل سے آگے چل کر عدنانؔ کو منتخب کیا۔ عدنانؔ کی کل اولاد سے معدؔ کا انتخاب ہوا۔ معدؔ کی اولاد سے مضرؔ۔ مضرؔ سے الیاسؔ۔ پھر مدرکہؔ، اس کے بعد خزیمہؔ۔ خزیمہؔ سے کنانہؔ کا انتخاب ہوا۔ کنانہؔ کی کل اولاد سے نضرؔ۔ نضرؔ کے بعد مالکؔ۔ پھر فہرؔ پھر غالبؔ پھر لوئیؔ، نوئیؔ کی اولاد سے کعبؔ۔ کعبؔ کے بعد مرّہؔ۔ مرّہؔ کی اولاد سے صرف کلابؔ اور کلابؔ سے قصیؔ۔ پھر عبدمنافؔ اور عبدمنافؔ کے چار بیٹوں میں سے ہاشمؔ کو منتخب کیا گیا۔ پھر ہاشم کی اولاد میں سے عبدالمطلبؔ کا انتخاب کیا گیا اور عبدالمطلب ہی کے پوتے اللہ کے رسولؐ ہیں۔

Presented by Ziaraat.net

معاون نور رسالت

آپؐ نے فرمایا"اوّل ماخلق الله نوری"۔ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو خلق کیا۔ ظاہر ہے اس نور کو اظہار کی منزل تک پہنچنے اور مجسم شکل اختیار کرنے کیلئے کتنے مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ یہ بات بآسانی تصور میں لائی جاسکتی ہے کہ اس نور کو جو اوّل مخلوق ہے آدم سے لیکر عبداللہ بن عبدالمطلب تک کتنے اصلاب سے گزرنا پڑا اور پھر منصۂ مشہود پر جلوہ گر ہوا یعنی یہ نور پردہ ہائے اصلاب میں مستتر و مستور منزل شہود کی جانب رواں دواں رہا اور جس صلب سے جس دوسری صلب کی طرف منتقل ہوا ان ہی اصلاب اور صاحبان اصلاب کی طرف آپؐ نے انتخاب کا اشارہ کیا ہے۔ یعنی نور محمدیؐ جس صلب میں آیا اسے پہلے سے انتخاب کا درجہ دیا گیا تھا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ کی نظر میں منتخب کون ہوتا ہے۔ وہی جو متقی ہو۔ یہ ضرور ہے کہ یہ سلسلۂ افراد بت پرستوں میں زندگی گزار رہا تھا۔ مگر انتخاب کے تو معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ اپنے ہم جنسوں سے بہتر اور متقی۔ یہ لوگ حقیقتاً بت پرست نہ تھے بلکہ وحدتِ الہٰ کے قائل تھے۔ یہ امر تو مسلمہ ہے کہ اولادِ اسمٰعیلؑ دین ابراہیمی کی پیرو تھی۔ پھر جب مکہ کی ہمسایہ اقوام نے بت پرستی کو دخیل کیا تو اگرچہ ان سے متاثر ہوئے مگر وحدت الہٰ کے قائل رہے۔ عرب قبائل میں ہر قبیلہ کا خدا الگ تھا اور نبی اسمٰعیل کے خدا کو الہٰ کہا جاتا تھا۔ قریش میں بھی الہٰ کا تصور موجود تھا جو بعد میں اللہ ہوگیا۔ قریش میں یہ ضرور ہوا کہ امور الہٰ میں بتوں کی شرکت کا تصور در آیا تھا۔ ظاہر ہے منتخب افراد اس کے قائل نہ تھے۔ اس کا ثبوت ان مختصر حالات اور انکے اقوال و اعمال سے ملتا ہے جو تاریخ نے انتہائی دشواریوں سے ہم تک پہنچائے ہیں۔

فضیلت میں وسعت

اگر منتخب افراد کے سلسلہ پر ذرا گہری نظر ڈالیں تو اس بات کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ یہ نور رسالت جس قدر اپنی منزل گاہِ شہود سے نزدیک تر ہوتا رہا صاحب صلب کی فضیلت میں وسعت ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ جب یہ سلسلہ قصٰی پر پہنچا تو قصٰی اپنے ماقبل افراد سے زیادہ بہتر اوصاف کا مالک ثابت ہوا پھر عبد مناف اور اسکے بعد ہاشم، ہاشم کی دانشمندی، فہم و فراست معاملہ فہمی، قومی حمیت، سیاسی تدبر، دینی لگن اور سخاوت وحمیت کی بنیاد پر ہوا۔ انہیں "متحمر" "تجارتی سوجھ بوجھ اور اپنی قوم کو غارتگری سے نجات دلاکر تجارت پیشہ بنانے کی وجہ سے کہا گیا۔ اسی طرح شام، یمن، ایران، عراق اور روم سے تجارتی روابط و سیاسی تعلقات کی بناء پر انہیں "صاحب الایلاف" کا خطاب ملا۔ سب سے بڑی فضیلت یہ کہ قرآن نے بہت بعد میں "رحلت الشّتاء و الصیف" کہہ کر بالواسطہ و بالکنا یہ ان ہی کی تعریف کی ہے۔ آپ رسول اللہؐ کے پردادا ہیں۔

حضرت عبدالمطلب اپنے باپ ہاشم سے بھی فضیلت میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ آپ کے اوصاف اپنے ماقبل افراد سے بہت زیادہ تھے۔ حتیٰ کہ اپنے باپ ہاشم سے بھی بہت زیادہ مورخین لکھتے ہیں کہ

"عبدالمطلب فضیلت میں اپنے باپ ہاشم سے بہت بڑھے ہوئے تھے"۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ روحانیت سے بھی متصف تھے۔ آپ نے نبوت کے لئے راہیں ہموار اور صاف کیں۔ اس لئے بدرقۂ نبوت تھے۔ آپ نے دین ابراہیمی کی تجدید کی اس لئے "امام الحنفاء" تھے۔ قرآن نے آپ کی روحانیت کی تعریف بالکنا یہ سورہ فیل میں کی ہے۔

نور نبوت جوں جوں شہود کی منزل سے قریب تر ہوتا گیا آپ کے قریب ترین افراد خاندان مزید فضیلتوں سے متصف ہوتے گئے۔ یوں وہ لوگ جن کے درمیان نور نبوت مجسم ہوکر آیا۔ جن کی آغوش میں یہ نور مجسم پرورش کی منزلوں اور تربیت کے مرحلوں سے گزرا وہ فضیلت میں اپنے ماقبل افراد سے بہت آگے بڑھ گئے کہ اللہ نے ان کو اس خدمت کیلئے منتخب فرمایا، ان میں آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب اور آپ کے چچا جناب ابوطالب شامل ہیں۔ جنہوں نے نبوت کو پروان چڑھایا، کچھ حصہ ابوعتبہ کا بھی ہے۔

اس مقام پر وہی سوال ہمارے سامنے آتا ہے کہ کیا متعصب مورخین نے انکی فضیلت کی تردید نہیں کی؟ کیا ان کے افعال و کردار کی تنقیص میں قولاً اور تحریراً کوشش نہیں کی ہے؟ اگر ان متعصب افراد نے ایسا کیا ہے تو یقیناً انہوں نے نبیؐ کے قول کو غلط قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

قصٰی بن کلاب

کلابؔ بن مرّہ کے بیٹے قصٰی تقریباً ۴۰۰ء یعنی آنحضرتؐ کی ولادت سے تقریباً ایک سو ستر سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ ابھی ظہور اسلام میں دو سو دس سال باقی تھے۔ قبائل قریش اسوقت منتشر حالت میں تھے اور باہم اختلاف بھی رکھتے تھے۔ قصٰی نے اس کیفیت کو قریش کے حق میں مضر جانا اور ان کو خانہ کعبہ کے نزدیک لاکر آباد کیا اور ان کے درمیان اختلاف کو ختم کیا۔ اس لئے ان کا لقب "مجمع" (یکجا جمع کرنے والا) ہوا۔ محمد رضا مصری اپنی کتاب "محمد رسول اللہؐ" میں لکھتے ہیں۔ یہ اس دور میں ان کی فضیلت کے لئے بہت بڑی بات تھی۔ قصٰی ہی نے مزدلفہ میں آگ روشن رکھنے کا رواج قائم کیا تھا تاکہ عرفات سے آنے والے حاجی راستہ معلوم کرسکیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم کے بعد خانۂ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ زمانہ جاہلیت میں قصٰی ہی کعبہ کے کلید بردار تھے۔ وہی کعبہ کے متولی تھے، حجاج کے لئے پانی اور کھانے کا انتظام انہی کے سپرد تھا۔ قصٰی ہی نے دارالندوہ کی بنیاد ڈالی۔ لوگوں کے نکاح، جنگی مشورے، باہمی تنازعات کے فیصلے اور مشورے اسی دارالندوہ میں طے پاتے تھے۔ وہ پوری قوم کے ملجاء و ماویٰ تھے۔ وفات کے وقت انہوں نے اپنے بیٹوں کو شراب نوشی سے منع کیا تھا۔ ۴۸۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے اقوال ان کے تجربات، عقل و دانش پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱) جو شخص کسی بد بخت اور شقی کا احترام کرتا ہے وہ اسکی شقاوت میں برابر کا شریک ہے۔

(۲) جو شخص اپنے فن سے زیادہ طلب کرتا ہے وہ محروم رہتا ہے۔

(۳) جسے عزت راس نہیں آتی۔ اسے ذلت حاصل ہوتی ہے۔

Presented by Ziaraat.net

(۴) حاسد ایک پوشیدہ دشمن ہے۔ (محمد رسول اللہؐ۔ محمد رضا مصری)

قصّی کو برائیوں سے نفرت تھی دلیر اور بہادر تھے۔

عبد مناف بن قصّی: اصل نام مغیرہ تھا، نہایت حسین وجمیل تھے۔ اسی نسبت سے عرب آپ کو ''بطحا کا چاند'' کہا کرتے تھے۔ قریش میں آپ کو ''فیاض'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ کیونکہ آپ بہت سخی تھے۔ آپ نے اپنے باپ قصّی کی جاری کردہ اصلاحات کو ترقی دی اور انہیں قریش میں مستحکم کیا۔

ہاشم بن عبد مناف

اصل نام عمرو بتایا جاتا ہے، بلند مرتبہ ہونے کے سبب آپ کو ''عمر العلا'' بھی کہا جاتا تھا۔ ایک بار شدید قحط کے زمانہ میں آپ نے تمام قریش کو ''ثرید'' کھلایا اور انہیں بھوکا مرنے سے بچالیا، اس لئے لوگ آپ کو ''ہاشم'' کہنے لگے۔ ہاشم کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے والا کے ہیں۔ چونکہ آپ نے روٹی کے ٹکڑے شوربے میں ڈال کر ثرید بنایا تھا۔ اس لئے ہاشم کہلائے۔ آپ اپنے اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ اگرچہ آپ کو آپ کا دسترخوان وسیع وعام ہونے کے سبب ''سید البطحا'' اور ''ابوالبطحا'' بھی کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں القاب آپ کی ہردلعزیزی، سرداری وسیادت کی علامت ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ نے اپنی قوم کو غارتگری اور لوٹ مار کی ذلت سے ہمیشہ کے لئے نجات دلادی تھی اور تجارت جیسے باعزت عالمی پیشے سے وابستہ کر کے ان پر تجارتی شاہراہیں اس قدر وسیع کردی تھیں کہ وہ سارا سال تجارت میں مصروف رہتے تھے اور دولت کماتے تھے۔ انہوں نے سردی اور گرمی دونوں موسموں میں تجارت کا طریقہ رائج کیا تھا اور قریش کو اس کا عادی بنادیا تھا اور جاہلیت کی شاعری میں اس طریقہ تجارت اور ان کی ہردلعزیزی کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔ حتّٰی کہ بعد میں قرآن نے بھی سورۂ قریش میں ان ہی موسمی سفروں کا ذکر کر کے آنحضرتؐ کے پردادا اور بنی ہاشم کے اس مرد جلیل کی دانشمندی کی طرف بالکنایہ اشارہ کیا ہے۔

ہاشم کا انتقال ۵۱۰ء میں ایک تجارتی سفر کے دوران غزہ کے مقام پر ہوا۔ اس کے بعد اس سلسلہ انتخاب میں آنحضرتؐ کے دادا حضرت عبد المطلب کا نمبر ہے۔ جن کا ذکر ہم اس کتاب میں تفصیل سے کررہے ہیں۔

یہ ہیں آنحضرتؐ کے آباواجداد کے مختصر فضائل جو جاہلی شاعری اور عرب روایات سے ہم تک پہنچے ہیں۔ یہ تاریخی شواہد نبی اکرمؐ کے قول کی صداقت پر کھلی دلالت کرتے ہیں۔ اگر انسان کی ذات کے متعلق اس کے اقوال، افعال اور کردار سے نیک وبد کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ تو بلاشبہ یہ سلسلۂ انتخاب الٰہی اپنے ہم عصروں میں فضیلت کا حامل تھا۔ اس دور کے لوگوں نے اسے سراہا بھی مگر بعد کے حاسد وفاسد اور مخالف افراد بنی امیہ اور ان کے مورخین نے ان فضائل کو چھپانے کی کوشش کی۔ حضرت عبد المطلب کی فضیلتوں اور نبوت کے لئے خدمات کے اظہار سے اغماض برتا۔ نبوت سے تعلق ان کے اقوال اعمال اور کردار وخدمات کو قابل ذکر نہ جانا۔

انہوں نے آئندہ نبوت کے لئے راہیں ہموار کیں۔ مگر اس کا ذکر کرنا انہوں نے اپنے حق میں مناسب نہ سمجھا۔ آپ کی روحانیت کا بیان درخور اعتنا نہ جانا۔ ان لوگوں نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ دین حنیف کی تجدید کا آپ کی ذات سے تعلق ظاہر ہو۔ حتّٰی کہ ایک موضوع حدیث اور ناممکن الوقوع واقعہ سے آپ کو کافر ومشرک اور جہنمی ظاہر کیا۔ یہ سب کچھ ان راویوں اور مورخوں پھر مؤلفوں نے صرف اس لئے کیا کہ وہ بنی امیہ کو آگے بڑھانا چاہتے تھے۔

بنی امیہ نے روایات واحادیث میں ردوبدل اور موضوع احادیث وروایات کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ اس منصوبہ پر عمل کا آغاز معاویہ بن ابی سفیان کے زمانہ میں ہوا۔ اپنی فضیلت اور خاندان رسولؐ کی ذلت وتحقیر میں حدیثیں وضع کرائی گئیں۔ اہلبیت کی فضیلت میں احادیث کے بالمقابل ویسی ہی حدیثیں گھڑی گئیں یا ان میں ردوبدل اور اضافے کئے گئے۔ آیات کی تفسیر میں تاویل وتوجیہ کو داخل کیا گیا۔ ان کو اصل مفہوم اور مطالب سے ہٹادیا گیا۔ آیات واحادیث کی غلط تطبیق کی گئی۔ عام کو خاص اور خاص کو عام میں تبدیل کیا گیا، واضح اور صاف مفاہیم میں غلط فہمیاں پیدا کی گئیں اور ان امور کے ذریعہ اپنے حق میں فضیلتوں کی دستاویزات تیار کرالی گئیں۔ طوالت کے خیال سے ہم مثالیں پیش کرنے یا معتبر کتب کے اقتباسات تحریر کرنے سے گریز کرتے ہوئے صرف اتنا کہیں گے کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کی تائید بعد کے مورخین، مولفین ومفسرین اور محدثین کی تحریروں سے ہوتی ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ لاتعداد حدیثیں وضع کی گئی تھیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ حاکم شام معاویہ بن ابی سفیان کا حضرت ابوہریرہ کو شام بلا کر رہائش کا انتظام اور وظیفہ کی سہولتیں دینا اسی مقصد کے تحت تھا۔ ہمارے یہاں علم اسماء الرجال کا وجود اور غلط وصحیح احادیث وروایات کے پرکھنے کے متفقہ اصول اس امر کا بین ثبوت ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو علمائے متقدمین کو نہ تو اسماء الرجال پر کتابیں ترتیب دینے کی ضرورت پیش آتی اور نہ صحت حدیث کی کسوٹی متعین کرنے کی احتیاج ہوتی اور نہ ہی ہمارے یہاں تلبیس، تقنیس، تطبیق وغیرہ جیسی اصطلاحات وضع ہوتیں۔

الغرض بنی امیہ اور اس کے موید قبائل نے اپنے لئے حصول فضیلت اور خاندان بنی ہاشم کے افراد کیلئے فضیلت کو ختم کرنے کا جو سلسلہ قائم کیا تھا۔ وہ قبل اسلام بھی تھا اور بعد اسلام بھی جاری رہا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: سُنا میں نے رسول اللہؐ سے ان سے جبریل نے کہا: اے محمدؐ میں تمام زمین پر مشرق ومغرب تک پھرا ہوں۔ کوئی قبیلہ یا قوم خاندان بنی ہاشم سے بہتر میں نے نہیں پایا۔

(ترجمہ: تاریخ ابوالفدا، ص: ۱۷)

Presented by Ziaraat.net

حصہ اول

حضرت عبدالمطلب

پیدائش

حضرت عبدالمطلب کے والد ہاشم بن عبد مناف اپنے زمانہ کے ملک التجار تھے۔ انہوں نے اپنے جد حضرت اسمٰعیلؑ کے پیشہ تجارت کو اپنایا اور قریش کو تجارت کی طرف راغب کیا۔ اس سے پہلے قریش لوٹ مار کرتے تھے۔ ڈاکہ زنی ان کا پیشہ بن چکا تھا۔ ہاشم اپنا تجارتی قافلہ لیکر اکثر شام جایا کرتے تھے۔ مکہ اور شام کے درمیان یثرب (مدینہ) آتا تھا۔ جہاں آپ قیام کرتے اور پھر آگے روانہ ہو جاتے تھے۔ یمن میں جب سیلاب آیا تھا تو وہاں کے قبیلے گردونواح کے محفوظ علاقوں میں نقل مکانی کر گئے تھے۔ دو قبیلے اوسؔ اور خزرجؔ یثرب (مدینہ) میں آباد ہو گئے تھے۔ ہاشم نے پہلی شادی ان میں سے ایک قبیلہ خزرجؔ کی ایک عورت سے کی تھی۔ جس سے ایک لڑکی حیّہ اور ایک لڑکا ابوصیفی پیدا ہوئے تھے۔

ہاشم کی عمر کا آخری زمانہ تھا جب ایک بار آپ تجارتی سفر کے لئے شام روانہ ہوئے اور مدینہ کے قریب منبط کی تجارتی منڈی میں آپ نے ایک انتہائی حسین و جمیل اور نہایت متناسب الاعضا عورت کو دیکھا جو تجارتی امور میں انتہائی تجربہ کار تاجرہ معلوم ہوتی تھی۔ آپ نے دیکھا وہ عورت اپنے غلاموں کو اپنی اشیاء فروخت کرنے اور دوسری ضروری اشیاء خریدنے کے حکم جاری کر رہی ہے اور اس کے ساتھ انہیں خرید و فروخت کے تجارتی گر بھی سمجھاتی جاتی ہے۔ ہاشم خود ایک تجربہ کار و مشہور تاجر تھے۔ انہوں نے اندازہ کر لیا کہ وہ اچھے مال کی خریداری اور اپنے مال کی فروخت میں مہارت رکھتی ہے اور یہ خاتون تجارتی امور میں غیر معمولی ذکاوت و ذہانت کی مالک ہے۔ اس کی تجارت میں اس قدر دلچسپی اور تجارتی فہم و فراست کو دیکھ کر ہاشم نے اس خاتون سے شادی کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔

اس کے بارے میں جب آپ نے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ وہ خاتون یثرب کے ایک قبیلہ خزرج کے خاندان بنی نجّار کے ایک بڑے تاجر عمر بن زید کی لڑکی ہے تو آپ کو بے انتہا خوشی اور اطمینان حاصل ہوا کیونکہ بنی نجّار یثرب کے قبیلہ بنی خزرج ہی کی ایک شاخ تھے اور آپ ایک شادی اس قبیلہ میں کر چکے تھے۔ چنانچہ جب آپ نے اس خاتون سے شادی کا پیغام بھیجا تو بلا حیل و حجت قبول کر لیا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ خود ایک مشہور تاجر ہوتے ہوئے خاندانی نجابت اور تجارتی سوجھ بوجھ میں شہرت رکھنے کے ساتھ متولّی کعبہ ہونے کا اعزاز بھی رکھتے تھے۔ لیکن خاتون نے شادی کی یہ شرط رکھی کہ وہ اپنی مرضی کی مالک و مختار ہوگی۔ اگر وہ شوہر کو کبھی

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

سبب سے ناپسند کرے گی تو علیحدگی اختیار کرنے کی مجاز ہوگی۔ہاشم نے ان شرائط کو قبول کرلیا۔اس طرح یہ خاتون جن کا نام سلمٰی بنتِ عمر بن زید تھا، ہاشم کے زوجیت میں آ گئیں۔یہی حضرت عبدالمطلب کی والدہ ماجدہ ہیں۔

محمد رضا مصری لکھتے ہیں۔ ''ہاشم نے چند راتیں اپنی زوجہ کے ساتھ گزاریں اور پھر آگے سفر پر روانہ ہوگئے''۔ جبکہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ''ہاشم عقد کے بعد شب باشی کئے بغیر شام روانہ ہوگئے اور واپسی پر سلمٰی کے گھر قیام کے دوران شب رفاقت منائی۔ پھر بیوی کے ساتھ مکہ روانہ ہوگئے۔اس اثنا میں بیوی حاملہ ہوچکی تھیں۔ چونکہ یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اولاد سلمٰی کے میکے میں ہوگی، اس لئے سلمٰی کو میکے بھیج دیا تھا''۔ جبکہ محمد رضا مصری کا کہنا ہے کہ ''ہاشم کی یہ بیوی شرط کے مطابق مدینہ میں رہیں۔مکہ نہیں آئیں۔ ہاشم جب مکہ سے سفر پر روانہ ہوتے یا شام سے واپس مکہ آتے تو ان کے پاس قیام کرتے تھے''۔

حضرت عبدالمطلب سلمٰی بنت عمر بن زید خزرجی کے بطن سے ۴۹۵ء میں، مدینہ ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ (سیرت سرور عالم) مولانا مودودیؒ کی تحقیق کے مطابق اگر یہ سن ولادت صحیح ہے تو آپ کی عمر اپنے والد ہاشم کی وفات کے وقت پندرہ سال تھی۔ ہاشم معمول کے مطابق شام کے تجارتی سفر پر تھے۔ جب آپ غزہ کے مقام پر پہنچے تو بیمار ہوگئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ کے ساتھیوں نے جو اس وقت قافلے کے ساتھ تھے۔ وہیں دفن کردیا، آپ کی وفات ۵۱۰ء میں ہوئی آپ نے مرتے وقت اپنے بھائی مطلب بن عبد مناف کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔

بچپن

چونکہ آپ کی والدہ نے اپنے شوہر ہاشم سے شادی کی شرط اپنی خودمختاری منوالی تھی۔اس لئے وہ مکہ کبھی نہ گئیں اور مدینہ ہی میں قیام پذیر رہیں، وہیں حضرت عبدالمطلب کی پرورش ہوئی۔اس طرح آپ نے زندگی کے تقریباً پندرہ ابتدائی سال مدینہ کی نرم وگرم سرزمین اور ماحول میں گزارے مدینہ جو زرعی پیداوار کا علاقہ تھا اور جہاں کے لوگ نرم خو، قول وقرار کے سچے اور جنگجو تھے ان میں رہ کر آپ نے نرم خوئی اور صلح جوئی کو اپنا شعار بنالیا تھا۔ جب آپ اپنے آبائی وطن مکہ کی سنگلاخ زمین پر لوٹے تب بھی آپ نے اپنی اس نرم خوئی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور جنگ وجدل سے کبھی سروکار نہ رکھا۔ ہر متنازع مسئلہ کو صلح وصفائی اور حکم کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش کی آپ اپنی ننھیال سے بڑی محبت کرتے تھے۔آپ کا ننھیالی خاندان بھی آپ کی جودت طبع سے بہت متاثر تھا۔ پورا مدینہ آپ کا گرویدہ تھا اور آپ کے والد ہاشم کی شہرت اور منصب سے مرعوب تھا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ ایک قدرتی نظام تھا جس نے اس نامعلوم ونامحسوس طریقہ سے اپنے آنے والے نبی کا ''مامن'' ان کے دادا کے ذریعہ مدینہ کو پہلے ہی سے قرار دے دیا تھا۔

آپ جب بچپن سے لڑکپن کی عمر کو پہنچے تو آپ نے بنی نجار اور بنی خزرج کے دوسرے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ مدینہ کی گلی کوچوں میں کھیلنا شروع کردیا تھا۔عرب قبائل کی ریت اور ماحول کے مطابق اس وقت بچوں

کے کھیل کود میں دوڑنا، کشتی لڑنا، نیزہ بازی اور تیراندازی ہی شامل تھے۔آپ اپنے ہم عمر ساتھی لڑکوں پر ہمیشہ سبقت لے جاتے تھے۔اہل مدینہ اور بالخصوص آپ کے ننھیال کے افراد آپ کی اس کم عمری میں کامیابی پر حیرانی کے ساتھ خوشی کا اظہار بھی کرتے تھے۔انہیں اس بات کا بھی پوری طرح احساس تھا کہ یہ بچہ مکہ کے سردار اور خانہ کعبہ کے متولی کا بیٹا ہے اور اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آبائی وقار کو قائم ودائم اور سربلند رکھے۔

جب یہ بچے تیراندازی کرتے تو ان کے والدین، عزیز واقارب ان کے گرد جمع ہوکر ان کے اس کھیل میں دلچسپی کا اظہار کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے جاتے۔دیگر اہل مدینہ بھی ان کے گرد جمع ہوکر ان کے اس کھیل میں دلچسپی لیتے ان کا دل بڑھاتے اور سبقت میں ایک دوسرے کی دلچسپی اور محنت کی داد دیتے۔

مشہور روایت ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب تیر چلاتے اور تیر نشانے پر لگتا تو آپ جوش ومسرت اور دوسروں پر فخر کے اظہار کیلئے نعرہ بلند کرتے ''انا ابن ھاشم'' لوگ یہ سنتے تو حیران ہوتے اور اس بچے کا باپ سے اس قدر لگاؤ اور خاندانی فخر کے اس اظہار کو سراہتے۔اس روایت کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی والدہ اپنے شوہر ہاشم سے محبت کرتیں تھیں۔ان کے خاندانی اعزاز واکرام سے وہ اپنا سر اونچا رکھتی تھیں۔انہوں نے اسی احساس کے سبب اپنے بیٹے کو انکے باپ ہاشم کے حالات سے آگاہ کردیا تھا اور انکے مرتبے وقار کا احساس بھی دلا دیا تھا۔اپنی شرط کے مطابق ان کا ہاشم کی زوجیت میں تاوفات رہنا بھی اس امر کو واضح کرتا ہے۔

جوانی

حضرت عبدالمطلب کی جوانی کا زمانہ مکہ میں گزرا، آپ کی والدہ خوشحال گھرانے سے تھیں اور شرط کے مطابق وہ اپنی مرضی سے مدینہ ہی میں رہنے کا حق رکھتیں تھیں۔اسلئے انہوں نے بچے کی پرورش کا بوجھ بھی اپنی سسرال والوں پر نہیں ڈالا تھا۔یہی وجہ تھی کہ قریش مکہ اور بنی ہاشم کے افراد حضرت عبدالمطلب کی پیدائش سے بھی باخبر نہ تھے۔ادھر مطلب امیہ کی ریشہ دوانیوں کے سبب سیاسی مسائل میں مصروف رہے۔

جب دوران سفر غزہ کے مقام پر ہاشم کا انتقال ہوا تو انہوں نے اس وقت موجود ساتھیوں کو وصیت کا گواہ ٹھہرایا تھا اور یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرا بھائی مطلّب سقایہ ورفادہ کا متولی ہوگا اور وہی میرے اہل و عیال اور میری جائیداد کی نگہداشت کرے گا۔ چنانچہ ہاشم کے بعد ان کے بھائی مطلّب بن عبد مناف کعبہ کے متولی ہوئے۔امیہ بن عبدالشمس ہاشم کے زمانہ سے اس عہدہ کی مخالفت کررہا تھا جب وہ جلاوطنی کی مدت پوری کرکے واپس مکہ آیا تو اس نے مطلّب کے جانشین ہونے پر ان کی مخالفت جاری رکھی اور فتنہ وفساد بھی برپا کرتا رہا۔ مطلّب اپنی تولیت کے اس ابتدائی زمانہ میں سخت پریشان اور مصروف رہے۔انہیں اپنے بھتیجے یعنی ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب کا خیال نہ آسکا جو مدینہ میں اپنی ماں کے پاس پرورش پا رہا تھا۔

مطلب کو اچانک اپنے بھتیجے کا خیال کیسے آیا؟ اس کے متعلق طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام اور تاریخ کبیر میں ایک ہی جیسا بیان ملتا ہے۔وہ کہتے ہیں ثابت ابن منذر ابن خرام جو مشہور شاعر حسان

Presented by Ziaraat.net

ثابت کے باپ ہیں۔ حج عمرہ کرنے مکہ آئے اور مطلب متولی کعبہ سے ملے۔ ان کے ہاشم سے بھی اچھے مراسم تھے، انہیں اپنے بھتیجے کا خیال آیا اور پھر انہوں نے دورانِ گفتگو اس کے متعلق دریافت کیا تو ثابت بن منذر نے کہا "مطلب! اگر تم اپنے بھتیجے کو جو فی الحال ہمارے قبیلے میں ہے دیکھو تو حیران ہو جاؤ گے۔ ایسا خوبصورت جوان کہ اس پر جس قدر فخر کرو کم ہے۔ بڑا بارعب، پروقار شخصیت رکھنے والا ہے۔ میں نے اس کو اس کے ماموں کے لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جب اس کا تیر نشانہ پر بیٹھتا ہے تو بلند آواز سے پکارتا ہے **"انا ابن ھاشم" "انا ابن سید البطحا"**۔

یہ سن کر مطلب نے کہا ثابت؛ اب میں اسے یہاں لائے بغیر نہیں رہوں گا۔ ثابت نے کہا "میں نہیں کہہ سکتا کہ سلمٰی یا اس کے ماموں اسے تمہارے ساتھ مکہ آنے دیں گے اور آپ کو بھی ابھی اسے یہاں نہیں لانا چاہیے وہ اپنے ماموں کے ساتھ ہے کسی غیر کے گھر تو نہیں رہتا"۔ مطلب نے نہایت متانت سے جواب میں کہا۔ اے ابــــاوس! (ثابت کی کنیت) یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اسے یہاں لائے بغیر رہوں اور اسے اس اقتدار، نسبی افتخار اور آثار سے علیحدہ رکھوں جو میری قوم میں اسے حاصل ہیں، بھلا میں کیسے اسے ان مراتب سے محروم رکھ سکتا ہوں۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عبدالمطلب کی مکہ میں آمد

کچھ ہی دن بعد مطلب اپنے بھتیجے کو مکہ لانے کے لئے مدینہ روانہ ہوئے اور مدینہ کے باہر قیام کیا اور عبدالمطلب کو تلاش کرنے لگے۔ بالآخر انہیں پالیا بالکل اسی حالت میں جیسا ثابت نے بیان کیا تھا۔ عبدالمطلب اور لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی میں مصروف تھے۔ مطلب نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور ان کو ہو بہو ہاشم کی شکل پایا۔ مطلب کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، فوراً سینے سے چمٹالیا اور ایک یمنی حلہ جو جوان کیلئے ساتھ لے کر گئے تھے انہیں پہنایا اور یہ شعر پڑھا۔

> "(ترجمہ) میں نے شیبہ کو ایسی حالت میں کہ بنی نجار کے لڑکے تیر اندازی میں اسے گھیرے ہوئے تھے۔ پہچان لیا۔ اسلئے کہ میں نے اس کی جسمانی ساخت بالکل اپنے لوگوں کے مطابق پائی۔ اس کے جسم سے اپنی ہی خوشبو آ رہی تھی۔ پس میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔"

سلمٰی کو مطلب کے آنے کی خبر ہوئی۔ انہوں نے فوراً انہیں اپنے گھر بلایا، مطلب ان کے گھر گئے اور کہنے لگے۔ "میرے لئے بڑی بدنامی کا باعث ہوگا۔ اگر میں اپنے بھتیجے کو اپنے قبیلے اور اپنے شہر نہ لے جاؤں"۔ یہ سنکر سلمٰی نے کہا "میں اسے تمہارے ساتھ بھیجنے پر کبھی رضامند نہ ہوں گی"۔ اس پر سلمٰی نے قسمیں کھانا شروع کر دیں۔ جس پر مطلب نے فوراً کہا: ایسا نہ کرو اور قسمیں نہ کھاؤ اس لئے کہ میں اسے اپنے ساتھ لے جائے بغیر ہرگز نہ ٹلوں گا اور تم خود سوچو کہ اب میرا بھتیجا بالغ ہونے کے قریب پہنچ گیا ہے اور وہ اب تک

ایک غیر قوم اور قبیلے میں اکیلا ہے اور ہم لوگ اہل بیت ہیں جو اپنے تمام قوم و قبیلہ میں اشرف ترین افراد میں شمار ہوتے ہیں اور یہ بھی سوچو کہ اس کے لئے اسی مقام پر رہنے سے اپنے شہر میں رہنا زیادہ مناسب ہے اور یوں تو وہ جہاں بھی رہے گا تمہارا ہی بیٹا رہے گا۔

جب سلمٰی کو یقین ہو گیا کہ مطلب باز نہ آئیں گے تو رضامند ہو گئیں۔ مطلب کو سلمٰی اور بنی نجار کی رائے کا تین روز تک انتظار کرنا پڑا۔ اسکے بعد برضا و رغبت مطلب شیبہ (عبدالمطلب) کو لے کر مکہ روانہ ہو گئے۔ بنی نجار کے تمام لوگ رسم کے مطابق مطلب کی مشایعت کیلئے ان کے ہمراہ دور تک گئے۔ مطلب اپنے بھتیجے شیبہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو قریش نے انکے پیچھے اس لڑکے کو بیٹھا دیکھ کر کہا "یہ تو عبدالمطلب، یعنی مطلب کا غلام ہے"۔ مطلب نے انکے اس غلط قیاس کی فوراً تردید کر دی اور کہا۔ "افسوس ہے تم پر، یہ شیبہ ابن عمر (ہاشم) میرا بھتیجا ہے۔" (طبقات ابن سعد حصہ اول، ص:۴۹-۴۸)

شیبہ کو عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام کہہ کر جوان کا مذاق اڑایا تھا یہ حرکت امیہ کی اولاد اور اسکے حلیفوں نے کی تھی۔ اسی وجہ سے مطلب نے ایک جوڑا خرید کر شیبہ کو پہنایا اس سے پہلے وہ مدینہ میں حلہ یمنی ان کو تحفہ میں دے چکے تھے۔ پھر مطلب انہیں اپنے ساتھ بنی عبد مناف کی شام کی مجلس میں لے گئے اور اعلان کیا کہ یہ ہاشم کا بیٹا شیبہ اور میرا بھتیجا ہے۔ یہ مدینہ میں اپنی ننھیال میں تھا۔ جسے اب میں مکہ لے آیا ہوں۔

حضرت عبدالمطلب کا پیدائشی نام

آپ کے کئی صفتی نام اور القاب ملتے ہیں۔ لیکن حتمی طور پر آپ کا پیدائشی نام کیا تھا۔ اس بارے میں کوئی فیصلہ کن اور متفق علیہ بیان کہیں نظر نہیں آتا۔ آپ عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوئے اور اسی نام سے آپ کو تاریخ میں پہچانا جاتا ہے۔ عبدالمطلب کے معنی "مطلب کا غلام" ہوتے ہیں، ظاہر ہے یہ آپ کا پیدائشی نام نہیں ہے۔ کیونکہ پیدائش مدینہ میں ہوئی اور پیدائش کے وقت آپ کے والد بھی موجود نہ تھے۔ پھر ان کی والدہ یہ نام کیسے رکھ سکتی تھیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ اور آپ کے ننھیالی رشتہ داروں نے آپ کی پیدائش کے فوراً بعد کیا نام رکھا تھا۔

شیبہ

عبدالمطلب جب پیدا ہوئے تو آپ کا پیدائشی رنگ سرخی مائل سفید تھا اسی مناسبت سے آپ کے بال سفیدی مائل بھورے تھے۔ اس وجہ سے آپ کو بعد میں شیبہ کہا جانے لگا اور یہی نام مدینہ میں مشہور ہو گیا۔ شیبہ عربی میں سفید بالوں والے بوڑھے کو کہتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے اس قسم کے انسان پیش کرتی ہے۔ جن کے بال پیدائش کے وقت سفید تھے اور ایسے نام بھی ملتے ہیں جو ان کی اس صفت کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ ایران کی قدیم تاریخ میں ہمیں ایران کی مشہور شخصیت رستم کے والد "زال" کا

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

نام ملتا ہے، کہتے ہیں پیدائش کے وقت اس کے بال بھی سفید تھے، اسی نسبت سے وہ ''زال'' کے نام سے مشہور ہوا۔ ''زال'' فارسی قدیم میں سفید بالوں والے بوڑھے کو کہتے ہیں اور عربی میں ایسے شخص کو ''شیبہ'' کہا جاتا ہے۔ ''زال دنیا'' سے مراد فارسی زبان میں وہ شخص ہوتا ہے جس کی عمر طویل ہو، مبینہ طور پر زال کی عمر بہت زیادہ تھی۔ اس قسم کے لوگ خلقاً بڑے ذہین وفطین اور شہرت کے مالک ہوتے ہیں ذہانت اور تدبر میں غیر معمولی ملکہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کیلئے بھی ایسے حقائق ثابت ہیں۔ گویا پیدائشی سفید بال بچپن ہی سے بزرگی کی علامت سمجھے جاتے تھے۔

محمد رضا مصری اپنی کتاب ''محمدؐ رسول اللہ'' میں لکھتے ہیں۔ ''آپ کا نام اسی نسبت سے بطور شگون رکھا گیا تھا''۔ اسی قسم کا خیال دیگر مورخین نے بھی ظاہر کیا ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ توجیہ غلط ہے۔ یہ نام والدین یا اعزا نے نہیں رکھا بلکہ یہ نام اہل مدینہ میں بالوں کی سفیدی کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا۔ یہ درست ہے کہ آپ کے بال سفید تھے لیکن کوئی ماں اپنے بیٹے کو شیبہ یعنی بوڑھا کہنا پسند نہ کرے گی۔ مطلب جب اپنے بھتیجے کو مدینہ سے لے کر آئے تو وہ ان کے پیچھے اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اہل مکہ نے دیکھا کہ ان کے پیچھے ایک نوجوان بیٹھا ہے اور جب وہ مکہ سے گئے تھے تو تنہا گئے تھے، ان لوگوں نے سمجھا کہ شاید مطلب کوئی غلام خرید لائے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے شیبہ کو عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام کہنا شروع کر دیا اور یہی نام زبان زد عام ہو گیا۔

یہ روایت محض قیاس پر مبنی ہے کیونکہ مطلب کے ساتھ شیبہ کو بیٹھا دیکھ کر غلام خرید لانے کا خیال تو آ سکتا ہے۔ لیکن شیبہ کو مطلب کا غلام کہہ کر پکارتے رہنا ممکن نہیں ہے۔ جبکہ مطلب متولی کعبہ ہونے کے ساتھ اعلیٰ نسب بھی ہیں اور وہ بتا چکے ہیں کہ یہ ہاشم کا بیٹا ہے۔ یہاں بھی محمد رضا مصری نے اسی قیاس پر یہ موضوع روایت بیان کی ہے کہ جب لوگوں نے پوچھا۔ ''اے مطلب! تم تو تنہا گئے تھے یہ تمہارے ساتھ لڑکا کون ہے؟'' تو انہوں نے اس خیال سے کہ شیبہ کے کپڑے میلے اور پرانے تھے ٹالنے کیلئے کہہ دیا۔ ''یہ میرا غلام ہے۔'' اور اسی نام سے لوگ پکارنے لگے۔

محمد رضا کی یہ روایت قطعاً غلط اور محض مفروضہ ہے۔ جو انہوں نے اس کی شہرت کی نسبت کی بنا پر کیا ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب مطلب مدینہ گئے اور انہیں شیبہ ملے تو انہوں نے ایک حلہ یمانی انہیں پہنایا تھا۔ اس کے باوجود اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ شیبہ کے کپڑے میلے اور بوسیدہ تھے پھر بھی مطلب کا یہ کہنا کہ ''یہ میرا غلام'' ہے نہ تو قرین عقل ہے اور نہ ہی قرین قیاس اور نہ ہی اس کا کوئی امکان نظر آتا ہے۔ وہ اپنے بھتیجے کی صلاحیت مدینہ میں دیکھ چکے ہیں پھر وہ اپنے چہیتے بھتیجے کو غلام کیسے کہہ سکتے ہیں اور اگر الفرض محال وقتی طور پر یہ مان بھی لیا جائے تب بھی یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ یہ ہاشم کا بیٹا ہے اور مطلب کا بھتیجا لوگوں کا انہیں عبد المطلب ہی کہہ کر پکارتے رہنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک ان دونوں روایتوں کی بنیاد محض قیاس ہے، اس وجہ سے کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات

کے بعد بالخصوص اور ان کی زندگی میں بالعموم بنی عبدالشمس اپنی محفلوں اور باہمی گفتگو میں شیبہ کی جگہ بطور تفریح و تذلیل عبدالمطلب کا لفظ استعمال کرتے تھے لیکن عام لوگوں کے درمیان ابن ہاشم کہتے یا ان کے وہ القابات استعمال کرتے جو شہرت پا چکے تھے۔ مثلاً مطعم الطیر وغیرہ۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد بنی امیہ کے افراد نے اقتدار حاصل کر لیا تو عبدالمطلب کا نام عام طور سے استعمال کیا جانے لگا۔ ایسا ان لوگوں نے تحقیر و تذلیل ہی کیلئے کیا تھا۔ بنی امیہ کے راویوں نے یہی نام استعمال کیا۔ ان کے مورخوں نے بھی اسی نام کو کتابوں میں درج کیا پھر بعد کے مورخین بھی انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ وہ اور کوئی نام اسکے سوا نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے یہی قیاس کیا کہ قریش کے پوچھنے پر مطلب نے آپ کو ''اپنا غلام'' کہہ دیا ہوگا۔

پہلی روایت میں لوگوں کا شیبہ کو دیکھ کر غلام سمجھنا تو قرین عقل ہے لیکن اس کی شہرت قرین عقل نہیں۔ اس لئے کہ اس غلط فہمی کو مطلب نے اسی وقت دور کر دیا تھا۔ اس کے باوجود شیبہ کو عبدالمطلب کہنا عقل کیونکر تسلیم کر سکتی ہے۔

دوسری روایت میں خود مطلب کا اپنے بھتیجے کو غلام ظاہر کرنا اور بھی عقل وفہم سے دور ہے۔ وہ مطلب جو اپنے بھائی ہاشم کے احسان مند ہوں اپنے بعد انہیں متولی کعبہ بنانے کی وصیت کی اور اپنی اولاد اور مال کا نگراں بنایا اور وہ اپنے بھتیجے سے محبت بھی کرتے ہوں تو پھر وہ کس طرح اس بھتیجے کو غلامی جیسی ذلت سے نسبت دے سکتے ہیں۔ عربوں میں غلامی کوئی اچھی اور قابل تعریف بات تو تھی نہیں، پھر یہ کہ مطلب کی یہ بات کتنی دیر چھپی رہتی آخر جلد ہی معلوم ہو جانا تھا کہ یہ لڑکا غلام نہیں بلکہ ان کا بھتیجا ابن ہاشم ہے اور ایسا ہی ہوا بھی، جلد ہی اہل مکہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ ہاشم بن عبد مناف کا لڑکا ہے، جو مدینہ میں اپنی ننھیال میں پرورش پاتا رہا تھا۔ یہ معلوم ہونے پر بھی قریش شیبہ کو عبدالمطلب ہی کہتے رہے ہوں حیرتناک اور تعجب خیز ہے اور کیا خود شیبہ نے اس پر اعتراض نہ کیا ہوگا؟ کیا کسی بھی موقع پر خود انہوں نے اس کی وضاحت نہ کی ہوگی؟ جبکہ وہ قریش کی مجالس میں شرکت بھی کرتے تھے۔

عبدالمطلب نام کی شہرت

روایتوں کو رد کرنے کے باوجود ہم اس نام کی شہرت سے انکار کی پوزیشن میں ہرگز نہیں ہیں لیکن اس نام کی شہرت کب؟ اور کیسے ہوئی نیز اس نام کو شہرت دینے والے کون لوگ تھے اور اس میں وہ کامیابی کس طرح حاصل کر سکے یہ بتانے کے لئے ہمیں تاریخ سے مواد ضرور ملتا ہے اور اس مواد کو حاصل کرنے کیلئے ہمیں اس کے پس منظر پر نظر ڈالنا ہوگی۔

ہمیں ہاشم سے امیہ کی دشمنی کی تاریخی تفصیلات معلوم ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جب امیہ ثالثی میں ہاشم کے مقابلہ میں شکست خوردہ جلاوطن ہوا اور جلاوطنی کی مدت گزار کر مکہ آیا تو ہاشم کے بعد مطلب مسند تولیت پر متمکن ہو چکے تھے۔ امیہ اپنی قسمت کے اس طنزیہ انداز پر بل کھا کر رہ گیا تھا۔ اس نے بنی نوفل کو اپنے ساتھ

Presented by Ziaraat.net

ملا لیا اور مطلب کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ شاید مطلب کے بعد وہ اپنی یا اپنی اولاد میں سے کسی کیلئے منصب تولیت کعبہ کی امید لگائے بیٹھا تھا کہ شیبہ بن ہاشم مدینہ سے مکہ پہنچ گئے۔ شیبہ کی آمد یقیناً امیہ کی امیدوں کے خرمن کیلئے برق ناگہاں تھی۔ شیبہ کا وجود اس کی آنکھ کا کانٹا بن گیا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ مطلب کے بعد منصب تولیت شیبہ کی طرف منتقل ہونا ہے۔ حقیقی وارث اپنے حق کے قریب پہنچ چکا ہے اور حقدار بھی کیسا؟ شکیل و جمیل، قد آور، بارعب، عقل و فہم کا پتلا، جس کے گرد قریش ہر وقت جمع رہتے ہیں اور جو اس سے دانش سیکھتے اور عقل و فہم حاصل کرتے ہیں وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ قریش کا شیبہ کو مطلب کے پیچھے اونٹ پر بیٹھا دیکھ کر غلام سمجھنا ہمیں تسلیم مگر یہ بات کبھی قابل تسلیم نہ ہوگی کہ قریش ہی نے شیبہ کو عبدالمطلب کہہ کر شہرت دی۔ اس لئے کہ قریش تو شیبہ کی شخصیت کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ وہ ایسی پسندیدہ شخصیت کو غلام کہہ کر کیسے پکار سکتے تھے۔ اس لئے ہمارا یہ دعویٰ ناقابل تردید ثابت ہوگا کہ اس ذلت آمیز نام کی شہرت صرف بنی امیہ نے دی تھی۔ انہوں نے قریش کے پہلے خیال اور تاثر یا غلط فہمی سے فائدہ ضرور اٹھایا جو انہیں شیبہ کے غلام ہونے کا ہوا تھا اور بالکل اسی طرح جس طرح عبدالمطلب کے ایک بیٹے عبدالعزیٰ کو بہت بعد میں یعنی تقریباً ۶۵ھ میں سورۂ تبت کا مصداق قرار دیکر اس کا نام ابولہب مشہور کیا۔ اسی طرح عبدالمطلب کی وفات کے بعد انہیں شیبہ کی جگہ عبدالمطلب کے نام سے شہرت دی۔ پہلے اپنی محفلوں میں اس نام کو استعمال کرتے رہے۔ پھر رسول اللہؐ کی وفات کے بعد عام روایتوں میں یہی نام لیتے رہے۔ یہی نام لوگوں نے سنا اور پھر خود استعمال کیا اور یہی نام اوّل بار ابن اسحاق نے لوگوں کی روایت کی بنیاد پر تاریخ میں استعمال کیا۔ مولانا مودودی ''سیرت سرور عالم'' میں اسکی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''قریش کے لوگوں نے اس نوجوان لڑکے کو ساتھ آتا دیکھا تو کہنے لگے۔ ''یہ مطلب کا غلام ہے'' مطلب نے لوگوں کو ڈانٹا بھی کہ یہ میرے بھائی ہاشم کا لڑکا شیبہ ہے میرا غلام نہیں۔ مگر عبدالمطلب کچھ ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام اس کے نیچے دب کر رہ گیا۔''
>
> (سیرت سرور عالم، ص: ۸۶)

اور ابن اسحاق کے الفاظ اس موقع پر یہ ہیں۔

> ''قریش نے کہا مطلب کا غلام ہے جسے وہ خرید کر لایا ہے۔ مطلب نے کہا بھی کہ کم بختو! یہ تو میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے جسے میں مدینہ سے لیکر آیا ہوں''۔ (ص: ۱۶۳)

مولانا مودودیؒ نے بھی اس نام پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ مگر وہ اس کی وجہ بتانے سے قاصر رہے ہیں۔ ابن اسحاق کے الفاظ سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب قریش نے اس شک کا اظہار کیا تو مطلب نے ان کا یہ شک دور کر دیا یہ میرا زر خرید غلام نہیں ہے۔ تمہارا خیال غلط ہے اور یہ میرے بھائی کا وہ لڑکا ہے جو مدینہ میں اپنی ننھیال میں زیر پرورش تھا اور اب میں اسے بالغ ہونے کے بعد مکہ لے آیا ہوں تاکہ یہ اپنے خاندان میں رہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مطلب کی ہر وقت وضاحت کے بعد بھی لوگ شیبہ کو عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام

کہتے اور سمجھتے رہے ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس نام کی شہرت دو مخالف قبیلوں نے دی جو شیبہ جیسے جوان رعنا کو تعصب کی بنیاد پر پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ کی تضحیک اور آپ کو دوسروں کی نظروں سے گرانے کیلئے وہ ایسا کرتے رہے۔ مگر شاید شیبہ اپنے چچا سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ انہوں نے اس کو برا نہ سمجھا۔ بلکہ شاید اس پر فخر کیا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ وقت کی اس معنی خیز مسکراہٹ کو دیکھ یا محسوس کر رہے ہوں جب یہی نام پوری دنیا کے لئے حرز جان ہوگا۔

بہت بعد میں اس وقت اور بعد کے مورخین نے تمام تاریخی واقعات کو اسی نام سے نسبت دے کر بیان کیا ہے۔ جو ان کی انتہائی لاپرواہی، کوتاہ اندیشی اور بڑی غلطی ہے۔ ہمارا خیال ہے شیبہ کے ہمعصر بیرونی لوگ آپ کو عبدالمطلب کے نام سے نہ مخاطب کرتے تھے اور نہ ہی وہ اس نام سے واقف تھے۔ ایسا بعد کو تاریخی دور اسلامی میں ہوا اس کی بہت سی مثالیں تاریخ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کے اصل نام سے مورخ اور محقق تک واقف نہیں ہیں۔ مثلاً ابوجہل کا اصل نام عمر بن ہشام اور لقب ابوالحکم تھا۔ ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ اور کنیت ابوعتبہ تھی مگر اصل ناموں سے آج کوئی واقف نہیں لیکن۔ بعد کو انہیں ان ناموں سے مشہور کیا گیا۔ حتیٰ کہ خطاب کے اس شہرت زدہ نام سے لوگ واقف نہیں ہیں۔ لیکن اس کا پیدائشی نام تک کوئی نہیں جانتا یہاں تک کہ مورخ بھی۔ حضرت عبدالمطلب کے اس مجوزہ نام سے جو آپ کو وحی کیا گیا تھا ہم آگے بحث کرینگے۔

دور جوانی اور شغل تجارت

جب آپ اپنے چچا کے ہمراہ مکہ آئے تو آپ کی عمر تقریباً سترہ سال تھی۔ اس کے بعد آپ کی تمام زندگی مکہ میں گزری۔ آپ کی آئندہ تربیت آپ کے چچا مطلب نے کی جب لوگ مطلب سے ملنے ان کے پاس آتے تو آپ حضرت عبدالمطلب کو بھی اپنے ساتھ بٹھاتے تاکہ آپ اپنے قبیلے اور لوگوں کے معاشرتی آداب سے واقف ہوں اور بیرونی لوگوں کے طرز طریق سے واقفیت حاصل کر سکیں اور جب مطلب قریش کی محفلوں میں شرکت کیلئے جاتے یا دارالندوہ میں کسی مسئلہ کے لئے اجتماع ہوتا تو آپ کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ اس ذریعہ سے جب حضرت عبدالمطلب کو قریش کی محفلوں اور مجلسوں میں گفتگو کا موقع ملا تو آپ کے فطری جوہر قریش کے بزرگوں پر آشکار ہوئے قریش اسی وقت سے آپ کی فکر انگیز گفتگو کے گرویدہ ہو گئے تھے اور آپ کی ہوشمندی اور دوررسی دیکھ کر انہوں نے بالخصوص آپ کے چچا مطلب نے آپ کے ستارۂ بلند اور اعلیٰ ظرفی کا اندازہ کر لیا تھا۔ آپ کی صلح جوئی اور انصاف پسندی کیساتھ پرامن ماحول میں زندگی بسر کرنے کی خواہش کا اندازہ بھی وہ کر چکے تھے۔ عربوں میں چالیس سال سے کم عمر کی شخصیت کو بالغ نظر اور بالغ الذہن نہیں سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اس عمر سے کم تجربہ کار کو وہ دارالندوہ کا ممبر بناتے تھے اور نہ کسی مسئلہ میں رائے دہی کا حق دیتے تھے۔ لیکن یہ حضرت عبدالمطلب کی اولین شخصیت تھی جنہیں ایسے مسائل کے حل کے موقع پر شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔

Presented by Ziaraat.net

ثابت بن منذر کا بیان کردہ واقعہ اور جو کچھ مطلب نے مدینہ جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ بچپن ہی سے بلند ذہنیت کے مالک تھے اور اپنے باپ ہاشم کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اپنے باپ کی طرح سرداری کی صلاحیت آپ کے اندر قدرتی طور پر موجود تھی۔ تیر نشانے پر لگنے کے بعد آپ کا بے اختیار، فخریہ یہ کہنا کہ "انا ابن هاشم" جبکہ آپ اپنے باپ کی پدری شفقت اور محبت سے مدینہ میں رہنے کے سبب محروم رہے تھے ہر وہ شخص جو بچوں کی نفسیات سے ذرہ برابر بھی واقف ہے وہ اسکی توجیہ یہی کریگا کہ یہ بچہ اپنے باپ کی پوری پوری صفات و خصائص کا فطرتاً حامل ہے۔ یہ بچہ نہیں بلکہ اسکے اندر اسکا باپ بول رہا ہے۔ وہ "انا ابن هاشم" نہیں بلکہ دراصل "اناهاشم" کہہ رہا ہے۔

آپ کا دور شباب جو مطلب کی نگرانی میں گزرا آپ کیلئے بڑی احتیاط کا دور تھا۔ آپ مکہ کے ہم عمر نوجوان کی ٹولیوں میں بہت کم بیٹھتے تھے اکثر آپ کی نشست قریش کے بزرگوں کے درمیان رہتی تھی۔ اس طرح آپ نے اپنے شباب کے ابتدائی ایام میں اہل مکہ خصوصاً قریش کے معاشرتی آداب پر گہری نظر رکھی اور ان کی عادات و خصائل کا گہرا مطالعہ کیا۔ دراصل یہ مستقبل کی سرداری کی تیاری و تربیت تھی آپ نے قریش کی قبائلی نفسیات کے علم سے اپنے زمانہ سرداری میں خاطر خواہ فائدہ حاصل کیا۔ بعد میں حضرت عبدالمطلب ہی نے اپنے زمانہ سرداری میں قریش کو اخلاق کی تعلیم دی اور برے کاموں سے روکا۔ محمد رضا مصری "محمد رسول اللہ" میں لکھتے ہیں۔

"عبدالمطلب عوام و خواص میں مقبول اور ہر دل عزیز تھے۔ وہ قریش میں معزز اور ہیرو مانے جاتے تھے۔"

دغفل نسابہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عبدالمطلب سفید رنگ، خوبرو اور دراز قامت تھے ان کی پیشانی سے فلکی عزت و وقار جھلکتا تھا۔"

شغل تجارت

ہمیں کسی قدیم و جدید تاریخ سے دور جوانی میں تجارتی سفر کرنے اور تجارتی معاملات میں دلچسپی لینے کا کوئی نشان دستیاب نہیں ہوا اور کسی مصنف نے آپ کی زندگی کے اس پہلو اور دور جوانی کے کسی ایسے واقعہ پر روشنی نہیں ڈالی ہے ممکن ہے اس زمانہ میں تجارتی مصروفیات کا ذکر غیر ضروری سمجھا گیا ہو۔ کیونکہ دور سرداری اور بڑھاپے میں تجارتی سفروں کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔ مگر یہ بات ممکن نہیں ہے کہ آپ نے اس عمر میں تجارت کے بعد سفر نہ کئے ہوں۔ اس لئے کہ قریش کا ذریعہ معاش محض تجارت تھا اور اس کی تربیت بلوغت کے فوراً بعد دی جانے لگتی تھی۔ پھر آپ اپنی ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے تجارت پیشہ تھے۔ آپ کی والدہ سلمٰی بنت، عمر بن زید خود ایک بڑی تاجرہ تھیں۔ حضرت عبدالمطلب کے آئندہ حالات بھی ہمارے اس دعویٰ کی دلیل بنتے ہیں کہ خود حضرت عبدالمطلب اپنے بالغ بچہ کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے تا کہ وہ تجارتی

معاملات، سفر میں قیام کے طریقے، خرید و فروخت کے اصول اپنی آنکھوں سے دیکھ کر سمجھ لے۔ پھر جب آپ کا لڑکا اس قابل ہو جاتا تو آپ اپنا سامان تجارت دے کر اسے تنہا سفر کرنے کی ہدایت کرتے یہی سبب تھا کہ جناب ابو طالب، عبدالعزیٰ اور حضرت عباس نوجوانی ہی میں اچھے تاجر بن گئے تھے۔ جب آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی کر دی تو فوراً ہی علیحدہ گھر بنانے اور تجارت کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اس تجارتی سفر کیلئے حضرت ابو طالب، عبدالعزیٰ اور حضرت عبدالمطلب نے جمع شدہ مال دے کر عبداللہ کو تجارتی سفر پر شام بھیجا تھا۔

پھر غور طلب وہ کلمات ہیں جو مطلب نے زوجہ ہاشم سلمٰی بن عمر سے اپنے بھتیجے کو مکہ لانے کے موقع پر کہے تھے۔ انہوں نے کہا تھا۔ "اب یہ بالغ ہو گیا ہے اور غیر خاندان میں اجنبی زندگی گزارتا ہے ہم عالی خاندان اور اپنی قوم کے معاملات کے سربراہ ہیں اس لئے اب اسے اپنے خاندان اور قوم میں ہونا چاہیئے۔" ان کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر عبدالمطلب اس عمر میں مدینہ میں رہے تو وہ اپنے خاندان اور قوم کے معاشی و معاشرتی طریقوں سے ناواقف رہیں گے اور خاندانی سرداری وقار کو قائم نہ رکھ سکیں گے اس لئے انہیں مدینہ کے بجائے مکہ میں ہونا چاہیے۔

اب قبیلے کا سردار ہو یا پوری قوم کا سردار اسے سرداری کی تنخواہ یا سرداری ٹیکس ادا نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ معاش کی طرف سے بے فکر ہو کر قوم کے معاملات اور دشمن کے حملوں سے حفاظت کی تدابیر کرے بلکہ سردار قوم ہو یا متولی کعبہ ان فرائض کے ساتھ اسے اپنی روزی خود اپنے ہاتھ سے پیدا کرنا ہوتی تھی اور سرداری قائم رکھنے کیلئے اپنی جیب سے بہت کچھ خرچ کرنا پڑتا تھا اور قریش کا ذریعہ معاش صرف تجارت تھا۔

مطلب سے اوپر قصی تک متولی کعبہ اور سردار تھے مگر تجارت کے ذریعہ اپنی روزی خود پیدا کرتے تھے۔ مطلب بھی تجارتی سفر کرتے تھے، یہ بات کتب تاریخ سے ثابت ہے حتیٰ کہ ان لوگوں کی موت بھی اکثر تجارتی سفر کے دوران وطن سے دور ہوئی جس کا مطلب ہے کہ وہ آخری سانس تک تجارت میں مشغول رہتے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ مطلب نے اپنے بھتیجے کو جبکہ وہ جانشین ہونے والا ہو تجارت کی تربیت نہ دی ہو اور انہیں تجارتی سفروں پر اپنے ہمراہ نہ لے گئے ہوں یا تنہا نہ بھیجا ہو۔

تاریخی ثبوت موجود ہیں کہ ہاشم نے اپنے بیٹوں کیلئے جائیداد چھوڑی تھی اور بچوں کے بالغ ہونے تک اپنے بھائی مطلب کو نگران مقرر کیا تھا۔ اسلئے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے دور جوانی میں اپنے مال سے تجارت کی ابتدا کر دی تھی۔ اسی دور جوانی میں تجارت کے سبب آپ اپنے دور سرداری میں تمام قریش سے زیادہ مالدار ہو گئے تھے۔ سب سے زیادہ سخی اور کھانا کھلانے والے تھے غیر ملکی مسافروں اور تاجروں کو قرض بھی دیدیا کرتے تھے، دوران سفر نقصان اٹھانے والے تاجروں کی مدد بھی کرتے تھے اور مفلوک الحال قریش کی روزی کا ذریعہ بھی بنتے تھے۔ محمد رضا لکھتے ہیں۔

"ان (عبدالمطلب) کے دسترخوان سے پرندوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے درندوں تک کو غذا پہنچائی جاتی تھی، اسی بنا پر انہیں قوم کی طرف سے "مطعم

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

الطہر" اور "فیاض" کے لقب سے نوازا گیا وہ مصائب میں قریش کے کام آتے اور مشکلات میں ان کا ملجاء وماویٰ بنے رہتے تھے۔" (محمد رسول اللہؐ، ص:۱۹-۱۸)

یہ تمام صفات بغیر مال کے نہیں ہوتیں اور مال قریش میں بغیر تجارت کے نہیں ہوتا تھا۔ تاجر قبیلے ہی مالدار قبیلے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے تجارتی سفر کا آغاز شام کے شہروں سے کیا کیونکہ ان کے والد ہاشم اور چچا مطلب شام کی تجارتی منڈیوں میں اپنا مال فروخت کرتے تھے۔ لیکن بعد میں آپ نے یمن کی منڈیوں میں تجارت کو پسند کیا آپ کو یمن کا سرسبز علاقہ اور وہاں کا تمدنی ماحول بہت پسند آیا وہاں تجارت کے بہت اچھے ذرائع اور مواقع بھی تھے۔ حضرموت اور یمن کا علاقہ خوشبودار چیزوں کی پیداوار کیلئے طبعی طور پر بہت موزوں تھا۔ یمن کے بلند مقامات بالخصوص جبل الیمن میں وسمہ اور وہ پودے کافی تعداد میں پیدا ہوتے تھے جن کی لکڑی جلانے سے ماحول معطر ہو جاتا تھا۔ اس زمانہ کے معبدوں میں خوشبودار لکڑیاں جلائے رکھنے کا رواج تھا اس لئے ان کی مانگ بہت زیادہ تھی۔ آپ دیگر اشیاء کے ساتھ وسمہ اور لوبان وغیرہ کی تجارت بھی کرتے تھے اور آپ نے بعد میں یمن میں اس کی پیداوار اور پھر کھپت کا اندازہ کر کے اپنے بیٹے جناب ابوطالب کو اس کی تجارت کا مشورہ دیا تھا۔ ان کے اجداد بنی اسمٰعیل بھی اسی کی تجارت مصر سے کرتے تھے۔

ازواج اور اولاد

حضرت عبدالمطلب جب مدینہ سے مکہ آئے تو اس وقت آپ کی عمر تقریباً سترہ سال تھی آپ تقریباً ۵۱۲ء میں مکہ آئے تھے۔ کوئی سات سال بعد ۲۴ سال کی عمر میں آپ کے چچا مطلب نے ۵۱۹ء میں آپ کی شادی "سمراء بنت جندب" کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کرائی۔ بعض مورخین نے صفیہ نام بتایا ہے اور قبیلہ بنی نضر لکھا ہے۔ ۵۲۱ء میں آپ کے یہاں پہلا لڑکا پیدا ہوا اس کا نام آپ نے حارث رکھا جس کی وجہ سے بعد میں آپ کی کنیت ابوحارث ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب کا یہی وہ بیٹا ہے جس نے آڑے وقت میں کم عمری کے باوجود آپ کا ہاتھ بٹایا۔ بنی امیہ کی مخالفت کے موقع پر آپ کے شانہ بشانہ رہا۔ تجارت اور دوسرے فرائض میں اپنے باپ کی مدد کی اور بعد میں اپنے چھوٹے بھائیوں کی پرورش میں حصہ لیا۔ رسول اللہؐ کے والد جب سفر میں بیمار ہوئے تو یہی بیٹا ان کی خیریت معلوم کرنے اور انہیں مکہ واپس لانے کے لئے مدینہ گیا تھا مگر وہ حارث کے پہنچنے سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ جب آنحضرت نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس وقت حارث کی اولاد جوانی کی عمر سے بہت آگے جا چکی تھی، حارث کا انتقال ہو چکا تھا اس کی تمام اولاد نے اسلام قبول کیا اور اپنے چچازاد بھائی رسول اللہ کی محافظت میں دوسرے عزیزوں اور بھائیوں کے ساتھ ہر محاذ پر سینہ سپر رہی۔

جنگ حنین میں جب اسلامی لشکر نے پسپا ہو کر راہ فرار اختیار کی اور سرور کائنات تنہا رہ گئے اس وقت آپؐ کے چچا عباسؓ اور آپ کے تایازاد بھائی سفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب ہی آپ کے دائیں بائیں خچر کی لگام پکڑے مسلمان لشکریوں کو آوازیں دے کر واپس بلا رہے تھے۔

اسی طرح جنگ بدر میں جب ابوجہل نے رسول اللہؐ کے خاندانی افراد کو جنگ کے لئے چیلنج کیا تھا تو حضرت حمزہ اور حضرت علی کے ساتھ حارث کے ایک بیٹے عبیداللہ بن حارث بھی میدان میں آئے تھے۔ جو اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

مزید شادیاں

حضرت عبدالمطلب کی یہ پہلی بیوی "سمرہ بنت جندب" قبیلہ بنی بکر بن ہوازن سے تھیں جن سے صرف ایک لڑکا حارث پیدا ہوا۔ اس بیوی سے کوئی اولاد پیدا نہ ہو سکی اس کے باوجود آپ نے اپنی اسی بیوی پر اکتفا کیا اور مزید انیس سال آپ نے نہ دوسری شادی کی اور نہ ہی مزید اولاد کی تمنا ہوئی۔ لیکن چاہ زمزم کے جھگڑے کے موقع پر حرب بن امیہ نے آپ کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تھا جس میں قریش بھی شریک تھے۔ عربوں میں کثرت اولاد بہت بڑی مادّی وافرادی قوت سمجھی جاتی تھی وہ کثرت سے بیویاں اور کنیزیں رکھتے اور اولاد پیدا کرتے تاکہ خاندان اور قبیلہ کا دفاع ہو سکے اور دوسرے خاندانوں پر رعب غالب رہے۔ بے اولاد ہونا ایک طرف طعنہ تھا تو دوسری جانب کمزوری کی نشانی تھی۔ آنحضرتؐ کو بھی یہ طعنہ اسی بنیاد پر دیا گیا تھا۔

حضرت عبدالمطلب نے اس موقع پر اللہ سے اولاد کی دعا کی اور تمام قریش کے سامنے اسی موقع پر قسم کھا کر یہ نذر مانی تھی کہ "اگر اللہ نے مجھے بیٹے دیئے اور وہ میرے سامنے زندہ رہے تو میں ان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔" آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ مستجاب الدعوات کہلائے۔

قبول دعا کے بعد اس کی مقبولیت کا اظہار ضروری تھا۔ لہٰذا اس واقعہ کے بعد آپ کو مزید شادیاں کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور غالباً اس کی تحریک آپ کو اسی تجارتی سفر کے بعد ہوئی جو آپ نے اسی سال یعنی اس واقعہ کے بعد کیا تھا اور جس میں آپ پر ایک عجیب وغریب چیز کا انکشاف ہوا تھا اور وہ عجیب وغریب چیز خضاب تھی۔ آپ کو یمن کی منڈی میں معلوم ہوا۔ اس چیز کے استعمال سے سفید بال سیاہ ہو جاتے ہیں۔ آپ کے بال پیدائشی سفید تھے اور یوں آپ جوانی میں بوڑھے نظر آتے تھے۔ تجربہ کیا تو اسے درست پایا۔ آپ نے بہت سا خضاب مکہ میں فروخت کے لئے خرید لیا اور جب آپ خضاب شدہ بالوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کو کوئی پہچان نہ سکا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ آپ اس وقت تیس سال کے جوان معلوم ہوتے تھے۔ جبکہ آپ کی عمر اس وقت ۴۳ سال تھی۔

محمد بن سعد نے طبقات الکبیر میں اس کی وضاحت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب جب بھی یمن جاتے تو اپنے کاروباری دوست ایک حمیری سردار کے یہاں قیام کرتے تھے۔ ایک روز اس نے عبدالمطلب کو خضاب کے استعمال کی طرف توجہ دلائی اور بتایا تمہارے یہ سفید بال سیاہ ہو جائیں گے اور تم نوجوان نظر آؤ گے۔ آپ نے اسے خضاب لگانے کو کہا اس نے پہلے مہندی کا خضاب لگایا بال سیاہ ہو گئے اور جب آپ مکہ پہنچے تو لوگ حیران رہ گئے اس وقت تک مکہ والے خضاب سے واقف نہ تھے۔

Presented by Ziaraat.net

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ قریش کی نوجوان لڑکیاں بنی ہاشم کی عظمت، فضلیت اور دولت کے سبب ان میں شادی کرنے کی تمنا اور دعا کرتی تھیں۔ حضرت عبدالمطلب کا اعزاز اور پاکیزہ سیرت وشہرت اور پھر مکہ میں اس بات کا مشہور ہونا کہ عبدالمطلب یمن سے جوان ہوکر آئے ہیں قریش کی عورتوں کے لئے اس خواہش میں مزید اضافہ کا سبب بن گیا۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے جس خاندان میں اپنا رشتہ بھیجا بڑی خوشی اور فخر سے قبول کرلیا گیا۔

آپ نے سمراء سے شادی کے ۱۹ سال بعد اس عمر میں کئی شادیاں کیں جن سے آپ کے یہاں اس قدر اولاد ہوئی جس قدر کی آپ نے تمنا کی تھی اور دعا کے ساتھ نذر مانی تھی۔ اسی کے ساتھ حرب بن امیہ نے جو آپ کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تھا وہ بھی ختم ہوگیا اور اولاد سے متعلق آپ کو حرب پر فوقیت حاصل ہوگئی۔

اولاد

حارث کی والدہ سمراء کے بعد آپ نے ایک شادی بنی مخزوم میں فاطمہ بنت عمر سے کی جن کے بطن سے تین لڑکے ابوطالب، زبیر اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ ابوطالب سب سے بڑے تھے انکی ولادت ۵۳۹ء میں ہوئی اور پانچ لڑکیاں برّہ، ام الحکیم البیضاء عاتکہ امیمہ اور اروی پیدا ہوئیں۔ دوسری شادی آپ نے بنی زہرہ میں "ہالہ بنت اہیب" سے کی اس کے بطن سے حمزہ، مقوم اور حجل پیدا ہوئے، اور ایک لڑکی صفیہ ہالہ اور آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ چچازاد بہنیں تھیں۔ یوں ہالہ آپؐ کی دادی ہونے کے ساتھ خالہ بھی تھیں۔ تیسری شادی قبیلہ بنی النمر بن قاسط میں "نُتیلہ بنت خباب" سے کی انکے بطن سے دو لڑکے عباس اور ضرار پیدا ہوئے، چوتھی شادی بنی خزاعہ میں لبنیٰ بنت ہاجریہ سے کی جس سے عبدالعزیٰ پیدا ہوا۔

حذیفہ بن غانم نے اس خاتون سے متعلق اپنے اشعار میں کہا ہے کہ لبنیٰ خزاعہ کا بہترین جوہر تھیں اور وہ سبا کے مشاہیر کی جانب منسوب ہوتی ہے اور یہ اس کی بڑی عظمت ہے۔

(ابن ہشام، سیرت النبی جلد اول۔ بحوالہ سوانح عبدالمطلب مرتبہ محمد رحیم دہلوی)

پانچویں شادی بھی بنی خزاعہ میں ممنعہ بنت عمرو سے کی جن سے دو لڑکے پیدا ہوئے قثم اور غیداق۔

حارث سمراء کے بطن سے پہلے موجود تھے۔ اس طرح آپ نے چھ شادیاں کیں جن سے بارہ لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بعض مورخین نے جن میں ابن ہشام پیش پیش ہے آپ کے دس لڑکے بتائے ہیں جبکہ محمد بن سعد نے ان کے بارہ بیٹوں کے نام لکھے ہیں۔ تاریخ میں دس بیٹوں کے حالات موجود ہیں۔ دو بیٹے تاریخ میں مقام حاصل نہ کرسکے شاید اسی وجہ سے دس بیٹے مان لئے گئے جبکہ عبدالمطلب کے پوتے اور انکے بیٹے حجل کے بیٹے قرہ نامی نے عبدالمطلب کے بارہ بیٹے بتائے ہیں اور چونکہ یہ اسی خاندان کے فرد ہیں ان کا قول درست ماننا ہوگا۔ پھر بارہ نام تاریخ میں موجود ہیں اور یہ بھی کہ وہ عبدالمطلب کی کس بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ قرۃ شاعر تھے اور ان کا کلام کتب میں موجود ہے۔

حضرت عبدالمطلب کے جن دس بیٹوں کے حالات تاریخ میں ملتے ہیں ان میں سات بیٹے، ابوطالب، زبیر، عباس، حمزہ، عبداللہ، حارث اور عبدالعزیٰ (ابولہب) ایسے ہیں جن کا تعلق اسلامی تاریخ سے بھی ہے اور ان کی خدمات کا ذکر کئے بغیر تاریخ کے اس دور کی تکمیل ممکن نہیں۔

(۱) حارث یہ حضرت عبدالمطلب کے سب سے بڑے اور سب سے پہلی بیوی صفیہ کے بیٹے ہیں۔ ان ہی کے نام پر آپ کی کنیت ابوحارث ہوئی۔ زم زم کا کنواں کھودنے میں حارث ہی نے آپ کی مدد کی تھی بہت غنی تھے۔ آنحضرتؐ کے والد حضرت عبداللہ جب سفر سے واپسی میں بیمار ہوئے تو ان کو لینے مدینہ یہی گئے تھے مگر انکے پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اپنے باپ کی زندگی ہی میں وفات پائی دو بیٹے چھوڑے۔ ایک بیٹا عبیداللہ بن حارث مسلمان ہوا۔ مدینہ ہجرت کی اور جنگ بدر میں مشرکین سے جنگ کی اسی میں شہید ہوئے دوسرا بیٹا سفیان بن حارث نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ جنگ میں شرکت کی اور اس وقت جب مسلمانوں نے فرار اختیار کیا تو آنحضرتؐ کی سواری کے دائیں بائیں عباس اور سفیان بن حارث ہی تھے جو مسلمانوں کو آوازیں دے کر واپس بلا رہے تھے۔

(۲) زبیر آنحضرتؐ کے قریب ترین عزیز تھے۔ نیک دل اور حق پسند شخص تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ بے سہارا غریبوں اور مظلوموں کی دادرسی کرتے تھے۔ مکہ میں حلف الفضول کے نام سے انجمن کی داغ بیل ان ہی نے ڈالی تھی یہ انجمن کمزوروں اور مظلوموں کو ان کا حق دلانے میں مدد کرتی تھی۔ خانہ کعبہ کی مرمت میں مٹی ڈھونے کا کام انہوں نے بھی انجام دیا تھا۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اس خدمت کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے "ہم نے کعبہ کی مرمت وتعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس طرح اللہ نے ہمیں عزت وتوقیر بخشی"۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت زبیر ہی کو وصیت کی تھی کہ وہ ان کی وفات کے بعد بنی خزاعہ سے کئے گئے معاہدہ کو باقی رکھیں۔ چنانچہ آپ نے اس معاہدہ کی تجدید کی اور کبھی اس کی خلاف ورزی نہ ہونے دی۔ آپ کا انتقال اعلان نبوت سے پہلے ہی ہوگیا تھا۔ تجدید معاہدہ کی یہی وصیت حضرت زبیر نے جناب ابوطالب کو کی اور انہوں نے حضرت عباس اور ابولہب کو یوں یہ معاہدہ فتح مکہ تک قائم ودائم رہا۔

(۳) ابوطالب یہ بھی آنحضورؐ کے سگے تایا اور حضرت علیؑ کے والد ماجد ہیں، ان کے بڑے بیٹے طالب کے نام پر انکی کنیت ابوطالب ہوئی۔ مورخین نے آپ کے کئی نام لکھے ہیں لیکن آپ کا اصل نام عمران ہے۔ آپ اپنے وقت کے بہترین مقرر اور شاعر تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ ہی نے اپنے یتیم بھتیجے کی پرورش اور حفاظت میں بے مثال کردار ادا کیا۔ اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت وشفقت سے آپؐ کی پرورش وتربیت کی اور اعلان نبوت کے بعد دشمنوں سے آپ کی حفاظت میں اپنی اور اولاد کی جان کی بھی پرواہ نہ کی۔ تاریخ بلا اختلاف اس امر کی تائید کرتی ہے۔

(۴) عبداللہ: یہ حضرت نبی ﷺ کے والد ماجد ہیں۔ یہ اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے سب

Presented by Ziaraat.net

سے زیادہ لاڈلے اور پیارے بیٹے تھے۔ ان کے والد نے منت مانی تھی کہ اگر میرے دس بیٹے ہو گئے تو ان میں سے ایک کو اللہ کے نام پر قربان کردوں گا۔ منت پوری ہوئی تو آپ نے یہ معلوم کرنے کیلئے کہ کس بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کیا جائے قرعہ ڈالا تو عبداللہ کا ہی نام نکلا۔ اب نہ آپ کو اس بیٹے کے قربان کرنے اور نہ بیٹے کو قربان ہونے میں کوئی عذر تھا۔ لیکن آپ کے ننھیال والوں نے مداخلت کی تو اللہ تعالیٰ نے عبداللہ کے بدلے سو اونٹوں کی قربانی قبول کر لی۔

(۵) حمزہ آنحضرتؐ کے سوتیلے چچا ہیں اور دودھ شریک بھائی بھی کیونکہ ان دونوں نے ابوعتبہ کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ ان کی کنیت ابوعمارہ اور ابویعلیٰ تھی، سخی اور بہادر تھے، جنگ بدر میں شریک ہوئے دشمن کو شکست دی۔ جنگ احد میں انہیں دھوکہ سے شہید کیا گیا۔ اسد اللہ کے لقب سے شہرت پائی۔ اپنے وقت کے مشہور شاعر حُذیفہ بن غانم نے اپنے ایک شعر میں آپ کی یوں تعریف کی ہے۔ ''حمزہ چاند کی طرح روشن جبیں ہیں۔ سخاوت کر کے خوشی سے جھومتے ہیں ان کا لباس اور ذمہ داریاں بیوفائی کے دھبے سے پاک صاف ہیں''۔ (ابن ہشام سیرت النبی جلد اول)

(۶) عباس قد آور، بارعب، نیک دل، صاحب عقل و دانش شخص تھے۔ بنی ہاشم کے غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتے تھے۔ اسلام سے قبل سود کا کاروبار کرتے تھے، مالدار تھے بہت سے قریشی آپ کے مقروض تھے۔ مسلمان ہوئے مگر اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔ بیعت عقبہ کے موقع پر حضورؐ کے ساتھ رہے اور مدد کی۔ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ اور اسلام کیخلاف ہونے والی سازشوں کی اطلاع آپ مدینہ بھیجتے رہے۔ فتح مکہ سے قبل آپ نے مدینہ ہجرت کی۔

(۷) ابولہب پیدائشی نام عبدالعزیٰ اور کنیت ابوعتبہ تھی۔ بڑا ہی سخی اور غریبوں کا مددگار تھا، مقروضوں کا قرض ادا کر کے ان کی جان چھڑاتا تھا اور پردیسیوں کی بھی مدد کرتا تھا۔ بہت بڑا تاجر تھا۔ اپنے وقت کے مالدار تاجروں میں تیسرے نمبر کا تاجر تھا۔ جناب ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کی سرداری اور کعبہ کی تولیت اس کو ملی۔ اس نے اپنے بھتیجے کو اپنی امان میں لیا مگر دشمنوں نے اس کی امان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور نہ ہی اپنے کسی لڑکے کو جنگ میں شریک ہونے دیا اپنے یتیم بھتیجے سے بڑی محبت کرتا تھا اور آپؐ کی پیدائش کی خوشی میں اس نے اپنی کنیز ثوبیہ کو صرف اسلئے آزاد کر دیا تھا۔ کہ یہ اطلاع سب سے پہلے اسی نے دی تھی اور ثوبیہ ہی نے آپؐ کو دودھ پلایا تھا۔ لیکن بعد میں بنی امیہ نے جب اپنے دور اقتدار میں موضوع روایات کے ذریعہ آنحضرتؐ کے اعزا کو مشرک ظاہر کیا تو ابوعتبہ کو بری طرح بدنام کیا کیونکہ اس نے انہیں بری طرح بیوقوف بنا کر ان کے راز جناب ابوطالب اور آنحضرت تک پہنچا کر ان کی تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ انہوں نے ابوعتبہ کو ابولہب کے نام سے مشہور کیا اور سورہ تبت کا مصداق اسی کو ٹھہرایا۔

(معلومات کے لئے دیکھئے کتاب ''ابولہب'')

حضرت عبدالمطلب کی بیٹیاں

آپ کی چھ لڑکیاں تھیں ہر لڑکی دلی جذبات کو شعر کے سانچے میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ ہر لڑکی نے نوحہ خوانی کی اور باپ کی موت پر اپنے درد بھرے جذبات کا اظہار کیا۔ آپ کی ایک بیٹی صفیہ ثانی تھیں۔ یہی حضرت حمزہ کی سگی بہن ہیں۔ ان کی دوسری شادی عوام بن خویلد سے ہوئی تھی جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھائی تھے۔ آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں تھیں۔ آنحضرتؐ جب کسی غزوے میں جاتے تو مسلمان عورتوں کو حسان بن ثابت انصاری کے مکان میں چھوڑ جاتے تمام مدینہ میں ان کا یہ مکان انتہائی مضبوط اور محفوظ تھا۔ غزوۂ احد کے موقع پر صفیہ نے چھت کے اوپر سے دیکھا کہ ایک یہودی مکان کے دروازے پر کان لگائے کھڑا ہے یقیناً وہ جاسوس تھا۔ گھر میں کوئی مرد نہ تھا۔ حسان بن ثابت بیمار تھے اسی لئے وہ جنگ احد میں نہ جا سکے تھے، انہیں اس جاسوس کی خبر صفیہ نے دی لیکن وہ اس حالت میں نہ تھے کہ یہودی جاسوس کو قتل کر دیں یا اسے بھاگ جانے پر مجبور کر سکیں۔ مکان میں موجود مسلمان عورتوں اور ازدواج مطہرات کو خطرہ لاحق تھا۔ اس موقع پر صفیہ نے خود مردانہ دلیری و جرأت سے کام لیا اور چھت کے اوپر سے ایک بھاری پتھر اس کے سر پر مار کر اسے مار ڈالا پھر اس کا سر کاٹ کر وہاں پھینک دیا جہاں یہودی جمع تھے۔ جب یہودیوں کی نظر اپنے اس ساتھی کے بریدہ سر پر پڑی جو جاسوسی کرنے گیا تھا تو وہ خوفردہ ہوئے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کی فوج یقیناً اس قلعہ میں حفاظت کے لئے موجود ہے اور یوں انہوں نے حملہ کا ارادہ ترک کر دیا۔

صفیہ اپنے بھائی حضرت حمزہ کی طرح جراتمند، بہادر اور نڈر تھیں انہوں نے کئی غزوات میں شرکت کی اور مجاہدین کی مدد کی احد کی جنگ میں بھی آپ شریک ہوئیں، اس جنگ میں بھی مسلمانوں نے فتح حاصل کی لیکن ایک منافق غدار نے خفیہ طور پر دشمن کو پہاڑی درہ سے تیراندازوں کے ہٹ جانے کی اطلاع دے کر فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا اور مسلمان مجاہد میدان چھوڑ کر فرار ہونے لگے تو یہی حضرت عبدالمطلب کی بیٹی اور حضرت حمزہ کی شیر دل بہادر بہن تھیں۔ جو نیزہ ہاتھ میں لئے بھاگنے والوں کو روک کر کہہ رہی تھیں کہ تم کیسے اللہ کے بہادر بندے ہو کہ اپنے رسول کو تنہا چھوڑ کر فرار کی راہ پر چل نکلے ہو۔

ا۔ آپ کے بھائی حضرت حمزہ اسی جنگ میں فریب کارانہ منصوبے کے تحت شہید کئے گئے۔ ان کی لاش کے اعضا کاٹے گئے اور سینہ چیر کر کلیجہ نکالا گیا جسے ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے چبایا اور نگل نہ سکی تو تھوک دیا۔ حضرت صفیہؑ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے بھائی کی لاش کی تلاش میں نکلیں۔ لاش کی حالت اتنی خراب تھی کہ اسے دیکھنا برداشت سے باہر تھا، آنحضرت نہیں چاہتے تھے کہ بہن بھائی کی لاش دیکھے مگر کوئی چارہ نہ تھا حضرت صفیہ بہادر ہی نہیں صبر و ضبط اور تحمل و برداشت کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھیں۔ آپ نے اپنے بھائی کی لاش کی حالت زار دیکھی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں مگر صبر و ضبط سے کام لیا اور اللہ سے آپ کے حق میں

Presented by Ziaraat.net

دعا کی حضرت زبیر بن عوام آپ ہی کے بیٹے ہیں حضرت صفیہ شاعرہ تھیں اور آپ نے اپنے والد کی وفات پر نوحہ کہا تھا۔

۲۔ عاتکہ: یہ بھی شعر کہتیں تھیں۔ اسلام سے پہلے ان کی شادی ابوامیہ سے ہوئی تھی، ابوامیہ بنی مخزوم سے تھا۔ یہ قبیلہ بھی بنی امیہ کی طرح اسلام اور بانی اسلام کیخلاف تھا۔ ابوجہل اسی قبیلے سے تھا۔ حضرت عاتکہ نے اسلام قبول کرلیا تھا، آپ کا ایک بیٹا عبداللہ نامی تھا۔ جس نے اپنے باپ کی ہدایت پر رسول اللہ کی مخالفت کی مگر بعد میں مسلمان ہوگیا تھا۔ حضرت عاتکہ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلی گئی تھیں۔ دوسرا بیٹا زہیر اسلام کا دشمن رہا، باپ کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ البتہ اس معاہدہ کو ختم کرانے میں اس نے شرکت کی تھی جس کی وجہ سے بنی ہاشم کا مقاطعہ کیا گیا تھا حالت کفر ہی میں مرا۔ آپ کے ایک لڑکی قریبہ نامی تھی جسے قریبۃ الصفرٰی بھی کہتے تھے۔ اسکی شادی حضرت ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن سے ہوئی تھی۔ حضرت عاتکہ کا ایک خواب تاریخی حیثیت کا حامل ہے جس میں غزوہ بدر کے اسباب کا اظہار ہوتا ہے۔

۳۔ اروٰی: شاعرہ تھیں، اسلام سے قبل آپ کی شادی عمیر بن وھب سے ہوئی اور طُلَیب نامی لڑکا پیدا ہوا۔ دوسری شادی ارطاۃ بن شرجیل سے ہوئی اور ایک بیٹی فاطمہ نامی ہوئی۔ حضرت اروٰی اپنے شوہر کے دباؤ سے خاموش رہیں مگر آپ کے بیٹے طُلَیب نے آنحضرت کی تبلیغ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا اور جن دنوں آپؐ دارارقم میں پناہ گزیں تھے طُلَیب قریش سے چھپ کر وہاں گئے اور اسلام قبول کیا۔ پھر اس کی خبر اپنی والدہ حضرت اروٰی کو دی اور انہیں بھی مسلمان ہونے کا مشورہ دیا اور ان سے پوچھا وہ کونسی مجبوری ہے جو آپ کو مسلمان ہونے سے روکتی ہے اسکے جواب میں حضرت اروٰی نے اپنے خاوند کی طرف سے دباؤ ہی کو ظاہر کیا اور کہا: بیٹا! اس دنیا میں جن امور پر مردوں کو اختیار ہے اور قدرت حاصل ہے عورتیں اس سے محروم و مجبور ہیں۔ لیکن طُلَیب نے حضرت اروٰی کو ہمت دلائی اور وہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ وہ خود بھی آنحضرت کی حمایت کرتی رہیں اور اپنے بیٹے طلیب کو بھی ان کی حمایت کرنے کیلئے آمادہ کرتی رہیں۔ آنحضرتؐ طلیب کے ماموں زاد بھائی تھے۔ حضرت اروٰی بھی شاعرہ تھیں۔ اس بارے میں انہوں نے ایک شعر کہا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

”طلیب نے اپنے ماموں زاد بھائی کی مدد کی اور ان کے ساتھ ہمیشہ عزیز داری کا
سلوک کرتا رہا“۔

۴۔ برّہ: یہ بھی شاعری سے شغف رکھتی تھیں۔ اسلام آنے سے پہلے ان کی شادی قبیلہ بنی مخزوم میں عبدالاسد نامی شخص سے ہوئی تھی، ان ہی کے بیٹے ابوسلمہ مسلمان ہوئے جنگ بدر میں شریک تھے، قریش نے تنگ کیا تو حبشہ ہجرت کر گئے اور حبشہ کی طرف دونوں ہجرتوں میں شامل رہے اور جب مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو ابوسلمہ سب سے پہلے مہاجر تھے۔ جو مدینہ پہنچے ابوسلمہ نے بدر اور احد دونوں جنگوں میں مشرکین سے جنگ کی احد میں جام شہادت نوش کیا۔ ابوسلمہ بہت سی احادیث کے معتبر راوی ہیں۔

حضرت برّہ کے دوسرے شوہر ابورھم بن عبدالعزٰی سے ابوسبرہ پیدا ہوئے، یہ بھی ابتدا ہی میں مسلمان ہوگئے تھے۔ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ پھر مدینہ ہجرت کی بدر، احد، خندق وغیرہ میں شرکت کی۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد جو اختلافات مسلمانوں میں خلافت کے بارے میں پیدا ہوئے وہ آپ کو پسند نہ آئے اور آپ دوبارہ مکہ واپس لوٹ گئے اور اپنی وفات تک وہیں رہے۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کی والدہ حضرت برّہ بھی مسلمان ہوگئی تھیں۔

۵۔ امیمہ: یہ بھی شاعرہ تھیں۔ اسلام سے قبل ان کی شادی جحش ابن ریاب سے ہوئی۔ ان کے تین بیٹے عبداللہ، عبیداللہ اور عبد تین بیٹیاں آم حبیب، حمنہ اور زینب ہوئیں، حضرت امیمہ نے اسلام قبول کرلیا تھا، تینوں بیٹے بھی مسلمان ہوگئے تھے۔ حبشہ کی طرف دوسری بار ہجرت کے موقع پر انہوں نے ہجرت کی، اسلام سے قبل عبیداللہ بن جحش کی شادی حضرت امّ حبیبہؓ بنت ابوسفیان اموی سے ہوئی تھی۔ حضرت حبیبہ بھی مسلمان ہوگئیں تھیں اور اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کرگئیں تھیں۔ حبشہ میں عیسائی آباد تھے اور ان ہی کی حکومت تھی۔ نجاشی عیسائی تھا۔ عبیداللہ نے وہاں عیسائیت اختیار کرلی۔ اس نے وہیں وفات پائی۔ حضرت امّ حبیبہ اسلام پر قائم رہیں اور پھر آنحضرتؐ کی شریک حیات ہوئیں۔

دوسرے بیٹے عبداللہ بن جحش نے آنحضورؐ کی جانب سے مہاجروں کی ایک جماعت کا امیر بن کر مہم پر جانے کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ بدر میں شریک ہوئے اور احد کی جنگ میں شہادت پائی وہ اور حضرت حمزہؓ دونوں ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے۔

زینب کی شادی آنحضرتؐ کے غلام اور مُنہ بولے بیٹے زید بن حارثہ سے ہوئی ذہنی اختلاف کے سبب طلاق ہوئی تو آنحضرتؐ نے ان سے شادی کرلی تھی۔ ان کی دوسری بیٹی حمنہ کی شادی مصعب بن عمیر سے ہوئی۔ مصعب مالدار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ابتدا ہی میں دارارقم جا کر مسلمان ہوگئے تھے۔ لیکن جب ان کی برادری کے لوگوں کو پتہ چلا تو انہوں نے مصعب کو قید کردیا اور ان پر سختیاں کیں مگر انہوں نے اسلام ترک نہ کیا اور فرار ہوکر حبشہ چلے گئے۔ بیعت عقبہ اول کے موقع پر آنحضرتؐ نے ان ہی کو دینی تعلیم دینے کیلئے مدینہ بھیجا تھا۔ جنگ احد میں شرکت کے دوران جام شہادت نوش کیا۔ حضرت حمنہ بھی مسلمان ہوگئی تھیں۔ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئیں تھیں۔ جنگ احد میں شریک تھیں پیاسوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے میں برابر مصروف رہیں۔ اپنے شوہر اور بیٹے کی شہادت کا غم برداشت کیا۔ انکی دوسری شادی طلحہ بن عبیداللہ سے ہوئی ان کے بیٹا پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا نام ”محمد“ رکھا۔

۶۔ بیضاء یہ اپنی کنیت امّ حکیم سے زیادہ مشہور تھیں اور آنحضرتؐ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کی جڑواں بہن تھیں۔ یہ بھی شاعرہ تھیں اور اپنے والد حضرت عبدالمطلب کا سب سے زیادہ پُراثر مرثیہ کہا تھا۔ ان کی شادی اسلام سے پہلے کریز بن ربعیہ سے ہوئی تھی۔ ان کے یہاں چار بچے پیدا ہوئے ان میں ایک بیٹی اروٰی ثانی بھی تھی، یہی حضرت عثمانؓ کی والدہ ہیں اور حضرت بیضاء انکی نانی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کا مسلمان ہونا اور

Saqeefe-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

اپنے عزیز و اقارب سے جدائی اور ان کے مظالم برداشت کرنے کا سبب یہی تھا۔ حضرت عثمانؓ کی ایک بہن آمنہ تھیں۔

حضرت اروی کی دوسری شادی عقبہ بن ابی معیط سے ہوئی۔ یہ شخص اسلام اور بانی اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا۔ یہی شخص آنحضرتؐ کو سب سے زیادہ پریشانیوں میں مبتلا کرتا اور تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنتا تھا۔ اسی نے حضرت اروی پر پابندیاں عائد کیں، یہ بدر کی جنگ میں مارا گیا تو حضرت اروی ہجرت کر کے مدینہ گئیں اور آنحضرتؐ سے بیعت کی۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں مدینہ ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

(بحوالہ سوانح عبدالمطلب مولف محمد رحیم دہلوی مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی)

حضرت عبدالمطلب کی مسند نشینی

مطلب کی وفات

ابن سعد عبدالشمس اور ہاشم دونوں سے مطلب کو بڑا لکھتا ہے جبکہ دیگر مورخین مطلب کو تیسرے نمبر پر بتاتے ہیں، وہ ہاشم اور عبدالشمس دونوں سے چھوٹے تھے، اور یہ درست معلو ہوتا ہے۔ ابن سعد مطلب کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ ''مطلب ابن عبدمناف، ابن قصٰی ہاشم اور عبدالشمس دونوں سے بڑے تھے، اور یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے قریش کے لئے بادشاہ نجاشی سے تجارتی معاہدہ کیا تھا۔ وہ اپنی قوم قبیلے کے سیدو سردار اور اشرف ترین مرد تھے اور یہ وہی ہیں جن کی فیاضی اور سخاوت کے اعتبار سے قریش نے ان کا لقب ''الفیض'' رکھا تھا ہاشم کے بعد خدمت کعبہ میں سقایہ اور رفادہ کے متولی ہوئے۔

(طبقات ابن سعد اوّل، ص:۴۰)

ابن ہشام نے لکھا ہے مطلب اپنے بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔ آپ نے تقریباً ۲۳ رسال کعبہ کی تولیت کے فرائض انجام دیئے۔ آخری بار آپ تجارتی سفر پر یمن گئے تھے۔ یہ سردی کا موسم تھا راستہ میں بیمار ہوگئے اور بیماری کے سبب رومان نامی بستی میں قیام کیا۔ (ابن سعد نے اس بستی کا نام قروان لکھا ہے) اور وہیں مطلب کا انتقال ہوا ان کی وفات پر کہے گئے مرثیہ کا یہ ایک شعر اس موقع پر واقعات کے تسلسل میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

''قُدظَمِئی الهَجَحِیجُ بَعداَ المطلّبِ بعدَ الجِفاَنُ واَلشّرَابِ الُمنتَعِب
لئیتَ قریشاً بعدَةَ نَصُب''

(ترجمہ) حجاج چھلکتے اور لبریز پیالوں کے پینے کے بعد مطلّب کے مرجانے سے پیاسے رہ گئے، کاش قریش اس کے بعد کسی جھنڈے پر متفق ہوتے''۔

پہلے دو مصرعوں میں تو مطلّب کے فرائض سقایہ کی انجام دہی کی تعریف ہے۔ لیکن تیسرا مصرعہ ''کاش قریش مطلب کے بعد ایک جھنڈے تلے جمع ہوجاتے''۔ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ امیہ نے مطلب کے بعد ان کے جانشین عبدالمطلب سے بھی منصب تولیتِ کعبہ پر جھگڑا کیا تھا اور اسی سبب قریش دو حصوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔

قریش کا اجماع

مطلب کی وفات تقریباً ۵۳۳ء میں ہوئی ان کی وصیت کے مطابق کعبہ کا متولی حضرت عبدالمطلب کو

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

بنایا گیا اور سقایا اور رفادہ کے منصب حضرت عبدالمطلب کو سونپ دیئے گئے، اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۳۸ سال تھی۔ امیہ جو اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا قریش کے اس اقدام پر سیخ پا ہو گیا۔ اس نے حضرت عبد المطلب کی سخت مخالفت کی اور اپنے چچا نوفل کو جو حضرت عبدالمطلب کا بھی چچا تھا اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح بنی عبدالشمس اور نوفل کے گھرانے حضرت عبدالمطلب کی مخالفت پر متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

نوفل کے اتحاد کا سبب

اگرچہ نوفل جس طرح امیہ کا چچا تھا اسی طرح حضرت عبدالمطلب کا بھی چچا تھا۔ لیکن امیہ کا ساتھ دینے کا بڑا سبب یہ تھا کہ اس کے تین بڑے بھائی عبدالشمس، ہاشم اور مطلب ایک ماں عاتکہ بنت مرّہ کے بطن سے تھے جبکہ نوفل عبد مناف کی دوسری بیوی وَاقِدَہ بنت عمر مازنیہ سے تھا، سب سے چھوٹا اور دوسری ماں ہونے کے سبب وہ احساس کمتری کا شکار تھا، امیہ نے اس احساس میں شدت پیدا کر کے اسے اپنے ساتھ حضرت عبدالمطلب کی مخالفت پر آمادہ کر لیا، لیکن یہ مخالفت کارگر ثابت نہ ہوئی قریش پہلے ہی حضرت عبدالمطلب کے کردار و سے بیحد متاثر تھے۔ چنانچہ انجام کار ماسوائے ان دو خاندانوں کے تمام قریش نے حضرت عبدالمطلب کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا۔

مخالفت میں پہلا اقدام

پہلے بتایا گیا ہے کہ ہاشم نے مرتے وقت اپنی اولاد کے لئے جائیداد چھوڑی تھی اور اس کا نگران اپنے بھائی مطلب کو مقرر کیا تھا۔ مطلب نے ان کے باپ ہاشم کی جائیداد حضرت عبدالمطلب کے قبضہ میں دیدی تھی۔ جب تک مطلب زندہ رہے کسی نے کوئی مداخلت نہیں کی، مگر مطلب کی وفات کے فوراً بعد امیہ اور نوفل کو شکست ہوئی تو امیہ نے نوفل کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ ہاشم کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر دعویٰ کرے۔ نوفل نے حضرت عبدالمطلب کے گھر کے صحن پر بزور قبضہ کر لیا اور انہیں بیدخلی پر مجبور کرنے لگا۔

ابھی آپ پوری طرح اپنے منصب اور فرائض کی انجام دہی کیلئے کوئی لائحہ عمل تیار نہ کرنے پائے تھے کہ دشمنوں کی مخالفت کا دوسرا پریشان کن مرحلہ سامنے آ گیا۔ آپ طبعاً شریف اور نرم خو تھے، فتنہ و فساد سے نفرت کرتے تھے۔ یہ تربیت آپ کو مدینہ کی سرزمین میں حاصل ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے چچا نوفل کو سمجھانے کی کوشش کی مطلب کی اولاد نے بھی ایسا کرنے سے منع کیا۔ قریش کے بزرگوں نے بھی فہمائش کی مگر نوفل ان کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ ہوا۔ تب آپ نے قریش کے تمام سرداروں اور بزرگوں کو جمع کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس معاملہ کو رفع دفع کرا دیں لیکن ان بزرگوں نے اس معاملہ میں پڑنے سے پہلو تہی کیا اور کہا کہ یہ تمہارا خانگی معاملہ ہے، چچا بھتیجے کے معاملہ میں ہم دخل دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ حضرت عبدالمطلب جب ہر طرف سے مایوس ہو گئے اور یہ جان لیا کہ اس وقت کی خاموشی مستقبل کی کمزوری پر محمول ہوگی تو انہوں نے مدینہ میں اپنی ننھیال بنی نجار سے

مدد طلب کی، پیغام ملتے ہی ان کا ماموں ابوسعید بن عدس (سیرت سرور عالم) فوراً اپنے ساتھ ۸۰ آدمی لیکر مکہ پہنچا اور اپنے بھانجے کا حق زبردستی نوفل سے دلایا۔

ابن اثیر جلد دوم میں لکھتا ہے: جب حضرت عبدالمطلب کے ماموں مکہ پہنچے تو حضرت عبدالمطلب نے انہیں گھر پہنچانا چاہا لیکن ابوسعید آپ کے ماموں نے کہا نہیں پہلے میں نوفل سے ملوں گا۔ چنانچہ مقام حجر کی مجلس میں جہاں سرداران قریش جمع ہوتے تھے۔ ابوسعید نے پہنچ کر نوفل کے سر پر تلوار سونت لی اور قسم کھا کر کہا یا تو ہمارے بھانجے کا صحن واپس لوٹا دے ورنہ یہ تلوار تیرے جسم میں پیوست ہوگی۔ نوفل خوفزدہ ہو گیا اور صحن واپس کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ ابوسعید نے حاضرین کو اس پر گواہ بنایا اس واقعہ سے حضرت عبدالمطلب کو اچھا سبق ملا اور آپ نے بعد میں دوسرے قبائل سے معاہدے کئے۔

مخالفانہ گروہ بندی کی ابتدا

یہ دوسری شکست تھی جو حضرت عبدالمطلب کے مقابلہ میں امیہ اور نوفل کو اٹھانا پڑی، یہ اندازہ کرنے کے بعد کہ حضرت عبدالمطلب کی پشت پناہی مدینہ سے ہو سکتی ہے، امیہ نے آپ کے مقابلہ میں گروہ بندی کی ابتدا کی۔ بنی عبدالشمس اور بنی نوفل نے علی الاعلان گٹھ جوڑ کر لیا اور کھل کر بنی ہاشم کے مقابلے پر آ گئے۔ حضرت عبدالمطلب اس اعتبار سے مکہ میں تنہا تھے اور یہ مستقبل کیلئے ایک کھلا خطرہ تھا۔ آپ بڑی دور رس نظر رکھتے تھے، وہ ۲۰۰ رمیل کے فاصلہ پر اپنی ننھیال سے مدد کی جلد توقع نہیں کر سکتے تھے خطرہ سر پر منڈلانے لگا تھا۔ معاملہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہی آپ نے دانشمندانہ قدم اٹھایا، بنی مطلب تو پہلے ہی آپ کیساتھ تھے، آپ نے پیش بندی کے طور پر بنی خزاعہ سے معاہدہ کر لیا۔ مولانا مودودی اس موقع پر ''سیرت سرور عالم'' میں لکھتے ہیں۔

> ''عبدالمطلب نے جب یہ دیکھا کہ بنی نوفل ان کے مخالف جتھے سے جا ملے ہیں تو انہوں نے خزاعہ کے سرداروں سے بات چیت کی اور ان کے ساتھ حلف (اتحاد اور امداد باہمی) کا معاہدہ کیا، اور کعبہ میں جا کر باقاعدہ معاہدہ کی تحریر لکھی۔''

پھر بلاذری اور ابن سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> ''بنی خزاعہ نے عبدالمطلب سے خود درخواست کر کے باہم دوستی اور معاونت کا وعدہ کیا تھا اس معاہدے میں بنی ہاشم اور بنی مطلب دونوں شریک تھے بنی عبدالشمس اور بنی نوفل اس سے الگ رہے تھے۔ معاہدہ دارالندوہ میں لکھا گیا اور کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔''

اس دور اندیشانہ اقدام سے ایک طرف امیہ طاقت کے استعمال سے گریز پر مجبور ہوا دوسری طرف پورے قریش پر سرداری مستحکم ہو گئی۔

Presented by Ziaraat.net

حرب بن امیہ

اس معاہدہ کی تشہیر سے مخالفت کی شدت میں کمی واقع ہوگئی اور حضرت عبدالمطلب کو اپنے امور اور فرائض کے لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے امن نصیب ہوگیا۔ ادھر امیہ اپنی عمر کے آخری سفر پر گریزاں تھا۔ تمام عمر کی ناکامی اسے نتائج کی پرواہ کئے بغیر دھمکیوں پر آمادہ کررہی تھی۔ اگرچہ قریش کی اکثریت حضرت عبدالمطلب کی حامی تھی مگر وہ اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو جو اپنی فضیلت کا دعویٰ لے کر کھڑا ہوا تھا رد کرنے کا حق بھی نہیں رکھتی تھی۔ اسی دوران امیہ کا انتقال ہوگیا۔ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹے حرب کو وصیت کی کہ وہ بنی ہاشم سے انتقام ضرور لے۔ امیہ کی وفات کے بعد حرب خاندان کا سردار مقرر ہوا جو ابوسفیان کا باپ اور معاویہ کا دادا تھا۔ حرب نے اپنے باپ امیہ کی ذلت و ناکامی اور اس پر اس کی تلملاہٹ اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی وہ وصیت کے بغیر بھی انتقام پر آمادہ ہوسکتا تھا۔

عبدالمطلب کا صلح جویانہ اقدام

اور اس بات کو حضرت عبدالمطلب خود بھی پوری طرح سمجھتے تھے۔ کسی وقت بھی حرب کی بھرپور مخالفت کا سامنا آپ کو بہرحال کرنا تھا، حرب عبدالمطلب سے عمر میں کافی چھوٹا تھا۔ آپ یہ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ یہ خاندانی دشمنی آئندہ اپنا وجود برقرار رکھے۔ وہ صلح جو اور نرم مزاج تھے۔ لہٰذا انہوں نے کوشش کی کہ حرب کی دلجوئی کی جائے اور اس کے دل سے انتقامی جذبے کے باقیات کو مٹایا جائے اس لئے آپ نے حرب کو اپنا مصاحب بنایا۔ اسے اپنی مجلسوں میں شریک کرتے۔ اس کے حق میں رویہ نرم رکھتے وفد کی صورت میں اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ قومی امور میں اس کا حق مقدم جانتے۔ نصیحت و فہمائش بھی کرتے رہتے اس طور پر آتش انتقام کو سرد اور مخالفانہ روش کو ختم ہوجانا چاہے تھا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ حرب کی بدنیتی کے سبب حضرت عبدالمطلب کی تمام کوششیں نقش برآب ثابت ہوئیں۔ حرب مخالفت، کینہ، حسد اور دشمنی سے باز نہ آیا، البتہ اس عمل سے یہ فائدہ ضرور پہنچا کہ حرب کھل کر مخالفت کیلئے سامنے نہ آسکا۔ درپردہ مخالفت کرتا اور حضرت عبدالمطلب کے انتظامی امور میں برابر روڑے اٹکاتا رہا اور جب اسے اس طرح کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی تو وہ آخر عمر میں کھل کر مخالفت کے میدان میں اتر گیا۔

• (جیسا کہ آگے اپنے مقام پر معلوم ہوگا)

سیرت خاتم النبیین کے ص: ۱۳۰ پر شبیر احمد ابن سعد کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

''عبدالمطلب کا بڑا ''ہم مجلس'' ابوسفیان کا والد حرب بن امیہ تھا۔ لیکن بالآخر عبدالمطلب کی ترقی نے اس کے دل میں بھی حسد کی چنگاریاں بھر دیں اور اس نے اپنے باپ کی طرح بنو ہاشم سے مقابلہ کرنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ اس منافرت کے بعد

عبدالمطلب کی مجلس زیادہ تر عبداللہ بن جدعان کے ساتھ رہتی جو مکہ کا ایک شریف مزاج رئیس تھا۔'' (ابن سعد)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے تو حرب کو اپنا ہم مجلس بنا کر اس کے دل سے مخاصمت کو دور کرنا چاہا مگر حرب نے یہ گوارہ نہ کیا۔

قبائل عرب میں فضیلت کی اہمیت

عرب عہد جاہلیت کی تمام شاعری فخر و فضیلت سے بھری پڑی ہے کوئی عرب شاعر ایسا نہ ملے گا جو اپنے خاندان یا قبیلہ کا ذکر فخریہ نہ کرتا ہو یا اپنے نسب میں فضیلتوں کا پہلو نہ نکالتا ہو۔ جنگ ہو یا امن، سفر ہو یا حضر، تجارتی معاملات ہوں یا ذاتی ملاقاتیں، وہ خاندانی اور ذاتی فضیلت و فخر کے بیان سے باز نہ رہتے تھے۔ جنگ میں رجز خوانی، امن کی محفلوں میں نسب بیانی اور سالانہ میلوں میں شاعرانہ فن لن ترانی اس امر کا تاریخی ثبوت ہے۔ قبائل عرب میں کسی کو فضیلت سے عاری قرار دینا گالی تصور کی جاتی تھی اور اس قسم کی تضحیک پر اکثر جنگیں چھڑ جایا کرتی تھیں۔ حج کے موقع پر سالانہ میلوں میں شاعری کا مقابلہ درحقیقت اپنے اپنے قبیلوں اور خاندانوں کی فضیلت کے بیان کا مقابلہ ہوتا تھا۔ ایک صاحب فضیلت قبیلہ دوسرے صاحب فضیلت قبیلہ کو اپنا ہم کفو سمجھتا تھا، غیر کفو میں شادی بیاہ عیب اور ذلت سمجھا جاتا تھا۔ قبیلے اسے برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب بنی مخزوم کے ایک فرد یعنی عمر جسے ابوجہل کہا جانے لگا تھا، کے باپ ہشام نے اپنی بیٹی ایک خاص مقصد کے تحت کم رتبہ اور گذر یہ قبیلے عدی کے ایک غیر معروف شخص خطاب کو بیاہ دی تو اسکے چچا زاد بھائی، خالد کے باپ ولید نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور تمام عمر اس سے گفتگو نہیں کی۔ اس موقع پر ولید کے الفاظ تھے کہ ''کیا ہم اس مقصد کیلئے اپنی بیٹیاں غیر کفو اور کم درجہ قبیلوں میں بیاہتے رہیں گے''۔

ہم جانتے ہیں کہ انبیاء میں، فرشتوں میں، انسانوں میں، اقوام و قبائل میں، اسلام کی طرف سبقت میں، جہاد اور ہجرت کی طرف رغبت میں قرآن نے فضیلت کا بیان کیا ہے اور خود رسول اللہؐ نے فضیلت کا تعین کیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان امور میں اولیت کو فضیلت قرار دیا تو صحابہ فضیلت کیلئے آپس میں لڑنے اور جھگڑنے لگے۔ اس پر بحث و مباحثے کرنے لگے۔ یہ وہی صحابہ تھے جو خاص طور پر قریش سے متعلق تھے۔ بہت سے ایسے تنازعات کا فیصلہ خود رسول اللہؐ نے فرمایا۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ میں جھگڑا ہوا، بات آنحضرت تک پہنچی تو یہ کہہ کر آپ کو ان کے درمیان درجہ بندی کرنا پڑی کہ ''اے عمرؓ! اللہ نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا تو تم نے میری تکذیب کی اور ابوبکرؓ نے تائید''۔ (بخاری)

اسی طرح جب ہجرت کو فضیلت قرار دیا گیا تو حضرت عمرؓ نے اسماء بنت عمیس سے کہا۔ ''اس فضیلت میں ہم تم سے زیادہ آگے ہیں کہ مدینہ کی طرف ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی۔ اسماء بنت عمیس کو یہ بات بہت ناگوار گزری آپ نے رسول اللہؐ سے ذکر کیا، تو آپؐ نے یہ کہہ کر فیصلہ کردیا کہ ''تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ ہم نے دوبار

Presented by Ziaraat.net

ہجرت کی پہلے حبشہ کی طرف پھر مدینہ کی طرف اسلئے ہماری فضیلت تمہاری فضیلت سے بہت زیادہ ہے''۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے میں کس نے سبقت کی اس فضیلت کے تعین میں آج تک بحث جاری ہے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد فضیلت کا درجہ دائمی صورت اختیار کر گیا ہر صحابی کے قبیلے نے اپنے آدمی کو افضل قرار دینے کیلئے غلط تفسیر، تطبیق اور تاویل سے کام لیا۔ احادیث و روایات وضع کی گئیں اور اپنے قبیلے اور افراد کو آنحضرتؐ کے قبیلے اور اہل بیت پر فضیلت ثابت کرنے کیلئے بے شمار حیلے تراشے گئے یہ تنازع آج تک ہم میں موجود ہے۔ اسی بنیاد پر بعض مسلم فرقے اپنے بزرگوں کو افضل قرار دینے کیلئے خاندانِ نبوت کے افراد کی تنقیص کرتے ہیں۔

فضیلت پر طویل تنازع

ایسی فضیلتیں جو مسلمہ تھیں عرب ان پر اکثر جھگڑتے رہتے تھے اور یہ سلسلہ نسل بعد نسل جاری رہتا تھا۔ بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ کی تولیت ایک مسلمہ فضیلت تھی جسے ہر قبیلہ بلا چوں و چرا تسلیم کرنے پر مجبور تھا۔ جب یہ فضیلت کسی قبیلہ کو حاصل ہو جاتی تو دوسرے تمام قبیلے اسے چھیننے کے لئے کوشاں رہتے۔ چنانچہ بنی اسمٰعیلؑ سے کعبہ کی تولیت بنی جرھم نے چھینی ان سے بنی خزاعہ نے اور پھر قریش کے ایک شخص قصّی بن کلاب نے اسے حاصل کیا۔ حصول فضیلت تولیت کی یہ کوششیں کئی سو سال پر محیط ہیں۔

جب اللہ نے قولِ رسولؐ کے مطابق اس فضیلت کیلئے قریش کے ایک شخص قصّی کو منتخب کر لیا اور پھر یہ فضیلت عبد مناف سے ہو کر ہاشم تک پہنچی اور بنی ہاشم میں مستحکم ہو گئی تو قریش کے دیگر قبیلوں نے اگرچہ ہاشم کی اس فضیلت کو تسلیم کر کے سر اطاعت خم کر دیا مگر اپنے طور پر اسے حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہے بالخصوص بنی امیہ۔

ہاشم کے تین بھائی تھے عبد الشمس، مطلب اور نوفل ہاشم نے اپنی وفات پر یہ فضیلت اپنے بھائی مطلب کے سپرد کی کیونکہ عبد الشمس نالائق، لاپروا اور مذہبی امور میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ تمام قبائل قریش نے ہاشم کی اس فضیلت کو تسلیم کر لیا لیکن عبد الشمس کے بیٹے امیہ نے اسے تسلیم نہیں کیا اور یہ منصب خود حاصل کرنے کیلئے قوم میں فساد کی بنیاد رکھ دی۔

حقائق سے روشناس کرتے ہوئے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب عبد مناف کے بیٹے ہاشم اس منصب عظمیٰ پر فائز ہوئے۔ تب بھی امیہ نے جھگڑا کیا تھا۔ اس نے اپنے چچا ہاشم کے مقابلہ میں اس منصب کیلئے خود کو پیش کیا تھا۔ یہ تنازع اس قدر طول پکڑ گیا کہ قتل و مقاتلہ کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ قریش کے بزرگوں نے امیہ کو مشورہ دیا کہ وہ فساد نہ ڈالے اور کسی ثالث سے اس امر کا فیصلہ کرا لے امیہ اس پر رضامند ہو گیا۔

ثالث کا فیصلہ

فریقین کی رضامندی سے ثالث کا تقرر ہونے کے بعد یہ لوگ دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ سید احمد عراقی

نے علامہ ابو النصر قدوسی کی عربی کتاب کے ترجمہ ''یزید بن معاویہ'' کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس تنازع میں بنی خزاعہ کے بڑے پادری یعنی مذہبی پیشوا کو ثالث مقرر کیا گیا تھا۔ ایک اور روایت میں بنی خزاعہ کے اس مذہبی پیشوا کا نام ''کاہن خزاعی'' بیان کیا ہے۔ ثالث نے فریقین کے بیان سننے کے بعد فیصلہ ہاشم کے حق میں کیا۔ یہ فیصلہ کتب تاریخ میں محفوظ ہے۔ تاریخ کامل کے مولف نے فیصلے کے یہ الفاظ درج کئے ہیں۔

> ''روشن چاند چمکتے ستارے، برسنے والے بادل اور فضا میں رہنے والے پرندوں کی قسم اور جب تک کسی نشانی سے بلندی و پستی کے جانے والے مسافر ہدایت پاتے رہیں۔ میں ان کی قسم کھا کر فیصلہ کرتا ہوں کہ ہر خوبی، ہر فضیلت، ہر شرف، ہر فخر اور ہر امر میں ہاشم کا درجہ امیہ اور اس کے اول و آخر سے کہیں بلند ہے اور امیہ ان سے کہیں پست ہے امیہ کا خسر ''ابو ہبہہ بن عبد القریٰ'' بھی اس سے خوب واقف ہے''۔
>
> (تاریخ کامل جلد ۲ ص: ۷)

اس فیصلہ سے امیہ کو نہ صرف ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ بلکہ اس دور کے مقررہ قبائلی قانون کے مطابق بیس سال بقولے دس سال کیلئے شام کی طرف امیہ کو جلاوطن ہونا پڑا، اور تاوان کے طور پر کچھ اونٹ ہاشم کو دینا پڑے اور اسے اپنے مطالبہ سے دستبردار ہونا پڑا۔ ہاشم نے اپنی وفات کے موقع پر اپنے بھائی مطلب کے حق میں اس منصب کی منتقلی کی وصیت کی ''جب امیہ جلاوطنی کی مدت پوری کر کے اپنے وطن مکہ واپس آیا تو مطلب منصب دار تھے''۔ امیہ نے مطلب کی بھی مخالفت کی اور اپنے چچا نوفل کو بھڑکایا، اور اسے حق محرومی کا احساس دلا کر اپنے ساتھ ملا لیا، مگر کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ جب امیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے حرب کو بنی ہاشم سے اپنی شکست کا انتقام لینے کی وصیت کی۔ یوں یہ ایک عام تنازع خاندانی دشمنی میں تبدیل ہو گیا۔

حرب میدان مخالفت میں

مطلب کے بعد یہ منصب اور فضیلت پوری قوم نے ہاشم کے بیٹے حضرت عبد المطلب کے حق میں تسلیم کر لی۔ امیہ کے بیٹے حرب نے مخالفت کی۔ وہ تمام عمر آپ کے معاملات میں فتنہ و فساد پیدا کرتا رہا۔ مگر حضرت عبد المطلب کے تدبر اور سیاسی سوجھ بوجھ کے سبب کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے حضرت عبد المطلب کے خلاف گروہ بازی کی اور بنی نوفل کو اپنے ساتھ شریک کر لیا، تب حضرت عبد المطلب نے ان کے معاملہ میں بنی خزاعہ سے معاہدہ کر لیا۔ اس طرح حرب طاقت کے استعمال سے گریز پر مجبور ہو گیا۔ آپ نے حرب پر اپنے اخلاق، نیک سلوک اور اس کے ساتھ ہمدردی وغیرہ سے بھی دباؤ ڈالے رکھا۔ وہ اگرچہ کھل کر سامنے نہ آتا لیکن اس کی در پردہ سازشیں حضرت عبد المطلب کے امور سیاسی و مذہبی میں مداخلت اور پریشانی کا مسلسل سبب تھیں۔ بالآخر آپ نے اس تنازع کو ختم کرنے اور ہر روز کے اس خلفشار سے بچنے کیلئے ثالثی کی

Presented by Ziaraat.net

تجویز پیش کی۔ جسے تمام قوم نے پسند کیا۔ عربوں میں کسی تنازع کو ختم کرنے کے دو ہی طریقے تھے جنگ یا ثالثی۔ اگر جنگ نہ کرسکیں تو فریقین کو ہر اعتبار سے ثالثی قبول کرنا ہوتی تھی اور جو ثالثی قبول نہ کرتا اسے جھوٹا تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حرب کو مجبوراً اس تجویز کے سامنے جھکنا پڑا۔

حرب کی شکست

علامہ شبلی اس واقع سے متعلق ''الفاروق'' میں لکھتے ہیں۔ حرب بن امیہ نے اپنے باپ کا انتقام پورا کرنے اور (حضرت) عبدالمطلب سے اعزاز چھیننے کیلئے اپنی فضیلت کا دعویٰ کیا۔ اس جھگڑے نے طول کھینچا اور یہ معرکہ مہینوں قائم رہا۔ بنوامیہ متحد ہوکر (حضرت) عبدالمطلب کے مقابلہ پر کہنے لگے کہ ہم بنوہاشم سے افضل ہیں، اور اب یہ عہدہ تولیت کعبہ حرب بن امیہ کو ملنا چاہیے۔ بنوہاشم بالطبع شریف تھے۔ جب نوبت جدال وقتال تک پہنچی تو دوسرے لوگوں نے حکم (ثالث) مقرر کرکے فیصلہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ نفیل بن عبدالعزیٰ کو ثالث مقرر کیا گیا۔ نفیل نے (حضرت) عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ نفیل بن عبدالعزیٰ نے حرب سے مخاطب ہوکر کہا۔

> ''کیا تو اس شخص سے جھگڑتا ہے جو تجھ سے زیادہ عظیم الجثہ اور (دشمنوں کیلئے) مرگ ناگہاں ہے اور تجھ سے زیادہ عظیم سردار ہے، تجھ سے زیادہ سخی ہے اور جو متحمل مزاج ہے۔ تمام عرب میں جس کی شہرت ہے اور جو سزا دینے میں سخت اور صلۂ رحمی کرنے والا ہے۔'' (الفاروق، ص: ۶۹-۶۸)

نفیل بن عبدالعزیٰ کے ان جملوں نے حرب بن امیہ کے دعویٰ کا پول کھول کر رکھ دیا اور وہ شکست خوردہ، شرمسار مگر غیض وغضب کی حالت میں نفیل سے یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ ''یہ اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہے جس نے تجھ جیسے شخص کو اس معاملہ میں پنچ بنادیا۔ یوں حرب کو اس شکست خوردگی کے سبب کچھ عرصہ روپوشی میں گزارنا پڑی، اور شرمندگی کے باعث گھر سے باہر نہ نکل سکا۔

ابن سعد نے طبقات جلد اول میں لکھا ہے کہ (حضرت) عبدالمطلب اور حرب کے درمیان فیصلے کیلئے نجاشی حاکم حبشہ سے حکم بننے کی درخواست کی گئی تھی لیکن اس نے حکم (ثالث) بنے سے انکار کیا تو نفیل ابن عبدالعزیٰ کو حکم بنایا گیا تھا۔ اس نے اپنے فیصلہ میں وہی کہا جو اوپر بیان کیا گیا۔

منصبی فرائض کی جانب توجہ

حرب کی وقتی خاموشی، ہنگامی رورعایت یا ناکامی وشرمندگی کے سبب مخالفت میں پس وپیش کی وجہ سے جو امن وسکون کا ایک مختصر عرصہ آپ کو میسر آیا آپ نے اس وقفہ میں فوری طور پر اپنے منصب کے امور میں اصلاح سرداری کے استحکام اور قریش میں مزید ہر دلعزیزی کی طرف توجہ دی۔ آپ نے سقایہ و

رفادہ کے انتظام میں مزید بہتری پیدا کی، قریش کے ہر فرد کو ربط وضبط کی آسانیاں مہیا کیں۔ خانہ کعبہ کی صفائی اور مرمت کا انتظام کیا اور دیگر انتظامی امور کا کلی احاطہ کرنے کیلئے دارالندوہ کے عہدوں میں اضافہ کیا۔ قصی کے زمانہ میں دارالندوہ کے صرف پانچ عہدے تھے اور وہ سب قصی کے پاس تھے، حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں یہ عہدے بڑھ کر بارہ ہوچکے تھے۔ ''بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھے ہیں۔ ممکن ہے یہ اضافہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد ہوا ہو''۔ اس طرح آپ نے قریش کے ہر قبیلے کو ایک عہدہ دے کر مکمل جمہوریت قائم کی اور کسی کو اعتراض کا موقع نہ دیکر یگانگت قائم کردی تھی۔

سیاسی ومذہبی اصلاحات

قصی نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق انتظامی امور کو بہتر بنانے کیلئے لواء، سقایہ، رفادہ، حجابہ اور قیادہ صرف پانچ عہدے قائم کئے تھے۔ (علامہ جاحظ) اور دارالندوہ کی بنیاد مشاورت کیلئے قائم کی تھی۔

جس میں ضرورت کے وقت قریش کے بزرگ جمع ہوکر باہمی مشورہ سے کسی اہم معاملہ کا فیصلہ کرتے تھے۔ جب ہاشم آئے تو انہوں نے بڑھتی ہوئی ضروریات کو مدنظر رکھ کر ان میں مزید چار عہدے ندوہ، حکومہ، سفارت اور ایسار کا اضافہ کیا۔ ظاہر ہے کہ قصی کے زمانہ میں دارالندوہ قائم ہونے کے بعد جب ہاشم کے عہد میں مشاورتی مجالس کا اضافہ ہوا ہوگا تو دارالندوہ میں مجلس شوریٰ کے انتظام واہتمام کے لئے ندوہ کے عہدے کی ضرورت پڑی ہوگی۔ اس طرح جب امیہ نے تنازعات کی داغ بیل ڈالی تو مقدمات میں اضافہ کے سبب ''حکومہ'' کی ضرورت پیش آئی اور جب آپ نے تجارت کے فروغ کیلئے بیرونی حکام سے گفت وشنید کی ہوگی تو سفارت کا باقاعدہ مستقل عہدہ قائم کیا ہوگا۔ اسی طرح ایسار یعنی بتوں سے استخارہ کی خدمت کسی کے سپرد کرنے کی ضرورت پیش آئی ہوگی۔

مگر جب حضرت عبدالمطلب اس عہدہ پر فائز ہوئے تو آپ نے اپنے عہد اور اس کی ضروریات کے پیش نظر (اشناق، عمارہ، اموال محجرہ کے انتظام اور نگہداشت کا عہدہ بڑھادیا تھا (ان کی تفصیل واسباب اپنے مقام پر آئیں گے۔)

سقایہ

یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت، یہ عہدہ عام عہدوں میں سب سے زیادہ محترم اور معروف تھا۔ جس کے پاس یہ عہدہ ہوتا دور دور سے آنے والے عرب حاجی اس کے بہت ممنون احسان ہوتے۔ اس کی تعریف اور عزت کرتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام عرب اور مکہ میں پانی کی شدید قلت تھی، زمزم کا کنواں بند ہوجانے سے یہ تکلیف عرصہ دراز سے چلی آرہی تھی، اہل مکہ نے جو اپنے لئے کنوئیں کھود کر پانی کا انتظام کیا تھا وہ سال بھر جاری نہ رہتے تھے۔ بلکہ شدید گرمی کے موسم میں اکثر خشک ہوجاتے تھے۔ پھر حج کے موقع پر جب

Presented by Ziaraat.net

دور دراز سے آئے ہوئے عرب خانہ کعبہ کے گرد جمع ہوتے تو انسانوں کے اس جمِ غفیر اور ان جانوروں کے لئے مکہ کا پانی کسی طرح کفایت نہ کرتا تھا۔ حاجیوں کو طویل سفر کے علاوہ مکہ میں قیام کی ضرورت کے مطابق بھی پانی لانے کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ جو سخت دشوار ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

قصّی نے جب بنی خزاعہ سے کعبہ کی تولیت اپنے قبضہ میں کرلی۔ تو حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام بھی کیا اور اس خدمت کا نام سقایہ رکھا۔ ہاشم نے اسے اور بہتر بنایا۔ انہوں نے اونٹوں کے چمڑے سے بڑے بڑے حوض تیار کرائے۔ دور دور کے کنوؤں سے پانی جمع کیا جاتا۔ ہاشم نے پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ایک نیا کنواں بذر نامی مقام المستندر کے قریب کوہ خندمہ کے نکڑ اور شعب ابی طالب کے دہانے پر کھدوایا اور کہا ''میں یہ کنواں ایسا بناؤں گا کہ اس کے پانی سے ہر قریب و دور کا شخص فائدہ اٹھائے''۔ (ابن ہشام) یہ بات انہوں نے غالباً اس لئے کہی تھی کہ ہر قبیلہ کا علیحدہ کنواں ہوتا تھا اور کسی غیر کو اس سے پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ امیہ نے بھی ایک کنواں کھودا لیا تھا جس کا نام الحضر تھا۔ امیہ کے باپ عبدالشمس نے بھی ایک کنواں کھدوایا تھا جس کا نام ''الطویٰ'' رکھا تھا۔ امیہ ان دونوں کنوؤں سے کسی کو ایک گھونٹ پانی نہ لینے دیتا تھا اور اس سے اس کا مقصود پانی کے مسئلہ میں حضرت عبدالمطلب کو پریشانی میں مبتلا رکھنا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے آب رسانی کے نظام کو زیادہ بہتر بنانے کی سعی کی تاکہ حاجیوں کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے باپ ہاشم کے بنائے ہوئے کنوئیں بذر اور اپنے بھائی اسد بن ہاشم کے کھدوائے ہوئے کنوئیں۔ سجلہ سے پانی جمع کرنے کی ابتدا کی۔

رفادہ

سقایہ کے ساتھ رفادہ کا انتظام بھی آپ نے مزید بہتر بنایا، رفادہ حاجیوں کو کھانا کھلانے کی خدمت کا نام تھا۔ یہ ذمہ داری بھی حضرت عبدالمطلب کے ذمہ تھی۔ پہلے آپ کے باپ ہاشم اسے اپنی جیب سے پورا کرتے تھے اور اس کے لئے کسی سے کوئی مدد نہیں لیتے تھے۔ ایک بار تمام حاجیوں کو جبکہ قحط کا زمانہ تھا آپ نے اپنے خرچ پر ''ثرید'' کھلایا تھا جس سے آپ کا لقب ہاشم ہوا، اس کے بعد آپ نے اس کا مستقل انتظام کیا۔ چونکہ تمام نظام سیاسی و مذہبی کا دارومدار مجلس مشاورت پر تھا۔ اس لئے حضرت عبدالمطلب نے اس میں مزید آسانیاں پیدا کیں۔ جہاں ضرورت کے مطابق عہدوں میں اضافہ کیا وہاں اجتماعات میں بھی سہولتیں مہیا کیں۔ مثلاً اس سے پہلے ممبران کو اطلاع دینے اور ہر وقت جمع کرنے نیز کسی اعلان کو تمام قبیلوں تک پہنچانے کا کوئی خاص بندوبست نہیں تھا۔ آپ نے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے نقباء کا تقرر کیا۔ نقیب کو ''منادی'' بھی کہتے تھے۔ یہ منادی تمام قبیلوں میں ایک ساتھ اطلاع پہنچا دیا کرتے تھے اگر کسی اہم معاملہ میں مشاورت کی فوری ضرورت پیش آجاتی تو یہی نقیب یا منادی تمام ممبران کو اطلاع پہنچاتے بعد میں مزید سہولت کے لئے ہر قبیلہ کے سردار اور دارالندوہ کے ممبر کے تحت ایک نقیب ہوتا تھا۔ یہ نقیب شادی کی دعوت کی اطلاع

دیتے تھے۔ اگر کوئی سردار اونٹ ذبح کرتا اور دعوت دیتا یا کسی کو کسی جرم کی سزا کے طور پر ذات برادری سے خارج کیا جاتا تو یہی نقیب پورے مکہ میں ڈھنڈورا پیٹ کر اس کی اطلاع کرتے۔ گھریلو اور معمولی تنازعات کو طے کرنے کیلئے آپ نے ہر قبیلہ اور محلہ میں ایک مجلس قائم کردی تھی جسے ''نادی'' کہا جاتا تھا۔

حضرت عبدالمطلب نے ایک اور اقدام ایسا بھی کیا جو ان کی منصف مزاجی کا پتہ دیتا ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ ان کی اپنی ذات سے متعلق پیدا ہوا تو انہوں نے کبھی اس کو دارالندوہ کے ممبروں کے ذریعہ طے نہیں کرایا۔ بلکہ قریش سے باہر کے کسی قبیلہ کا معزز آدمی ثالث مقرر کرایا، تاکہ قریش بالخصوص مخالفین یہ الزام عائد نہ کرنے پائیں کہ جانبداری سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت جب حرب نے اپنی فضیلت کا دعویٰ کیا تو وہ یہ مسئلہ دارالندوہ کے ممبروں یا قریش کے سامنے نہیں لائے بلکہ انہوں نے باہر کے کسی ثالث کی تجویز پیش کی جس پر حرب اور بنی امیہ رضامند ہوں۔

حضرت عبدالمطلب نے رفادہ کا ایسا انتظام کیا کہ قریش زیادہ زیر بار نہ ہوتے اور حجاج اپنے قیام کے دوران کھانے اور پینے سے قطعی بے پرواہ ہوجاتے۔ آپ نے ان حاجیوں کیلئے جو لباس سے محروم ہوتے لباس کا بندوبست کیا۔ جس نے بعد میں احرام کی شکل اختیار کرلی تھی۔ آپ کئی کئی سو اونٹ حاجیوں کیلئے ذبح کرادیتے تھے۔

اس طرح انہوں نے اپنی قوم میں اس قدر بلند درجہ حاصل کرلیا کہ ان کے بزرگوں میں سے کوئی اس مرتبہ تک نہ پہنچا تھا۔ قوم ان سے بہت محبت کرتی تھی اور پورے قبیلہ میں ان کی عزت بہت بڑھ گئی تھی۔

(سیرت ابن ہشام ص: ۱۷۰)

خانہ کعبہ کی صفائی اور مرمت

حضرت ابراہیمؑ کے بعد اگرچہ قصّی نے خانہ کعبہ از سر نو تعمیر کردیا تھا۔ مگر جس طرح حضرت ابراہیمؑ سے قصّی تک اس کی دیکھ بھال اور صفائی وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا اسی طرح قصّی سے حضرت عبدالمطلب کی تولیت تک تقریباً ڈیڑھ سو سال سے کسی نے اس طرف توجہ نہ دی تھی حضرت عبدالمطلب نے خیال کیا کہ حج سے پہلے خانہ کعبہ کی صفائی ہوجانی چاہیے اور اس کی شکست و ریخت سے بچاؤ کا بھی کوئی بندوبست ہونا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا مستقل انتظام کرنے کیلئے ''عمارہ'' کا عہدہ قائم کیا۔ عمارہ سے متعلق شخص کا فرض تھا کہ وہ خانہ کعبہ کی دیواروں کی دیکھ بھال حفاظت اور صفائی کا بندوبست کرتا رہے۔ اکثر سیلاب کے دنوں میں سیلاب کا پانی کعبہ کی دیواروں اور اس کی بنیاد کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتا رہتا تھا۔ چنانچہ ہر سال حج سے پہلے خانہ کعبہ کی صفائی اور ستھرائی ہونے لگی جس سال آپ متولی کعبہ مقرر ہوئے اسی سال حج سے پہلے صفائی کا کام شروع ہوا اور غالباً غسل کعبہ کی رسم اسی موقع پر آپ ہی کی جاری کردہ ہے جو آج تک جاری ہے۔

Presented by Ziaraat.net

عوام سے رابطہ

ایک بادشاہ حاکم یا رہنما کی کامیابی کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اس کا رابطہ عوام سے براہ راست ہو۔ وہ ہر ایک کے دکھ درد ضروریات اور ان کے خیالات سے آگاہ ہو، اور ہر ایک کو پوری طرح پہچانتا ہو، یوں تو اس زمانہ میں کسی عرب سردار اور عوام کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ تھی۔ وہ عوام میں گھلے ملے رہتے تھے۔ نہ ہی ملاقات کیلئے کسی پیشگی اجازت کی ضرورت ہوتی تھی۔ مگر حضرت عبدالمطلب نے ہر روز عوام میں گھل مل کر بیٹھنے اور ہر موضوع پر گفتگو کرنے کا خاص اہتمام کیا تھا۔ آپ بلا ناغہ شام کے وقت جب سائے ڈھلنے لگتے۔ دیوار کعبہ کے قریب ایک مسند بچھا کر بیٹھتے قریش کے لوگ آتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے۔ خصوصی اور اہم واقعات سناتے، سیاسی و سماجی امور پر گفتگو ہوتی ان میں وہ لوگ بھی آزادانہ شامل ہوتے جو باہر سے بغرض تجارت یا کسی اور کام سے مکہ آتے تھے، ان سے بیرونی خبریں حاصل ہوتی تھیں۔ کوئی حاجت ہوتی تو بیان کرتے۔ اس طرح آپ بیرونی حالات سے باخبر رہتے اور اندرونی حالات پر بھی نظر رکھتے، شکایات کا ازالہ کرتے، لوگ آپ کو بہت چاہتے، آپ کی یہ شان اور یہ عزت حرب کیلئے سوہان روح ہوتی جا رہی تھی۔

ذوالہزم کی بازیابی

جب آپ نے مذہبی اور سیاسی و سماجی امور میں پوری طرح اطمینان حاصل کر لیا اور مخالفین کا کوئی خدشہ باقی نہ رہا تو آپ نے تجارتی سفر کرنا شروع کر دیئے۔ آپ سال میں دو بار معمول کے مطابق کبھی یمن اور کبھی شام کا سفر کرتے، بقیہ ایام اپنی قوم اور بیت اللہ کی خدمت میں گزارتے۔ حج کے ایام میں حاجیوں کے لئے پانی کے انتظام میں آپ کو ضرور پریشانی کا سامنا ہوتا۔ اس لئے کہ آپ کے خاندانی دو کنوؤں بذر اور سجلہ کا پانی کافی نہ ہوتا تھا۔ اس طرح قریش کے دوسرے کنوؤں سے پانی لینا پڑتا تھا۔ یہ لوگ پہلے ہی پانی کی کمیابی کے شاکی رہتے تھے اور بنی امیہ اپنے کنوؤں سے پانی نہیں دیتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب پانی کی اس کمی کو دور کرنے کی فکر میں غلطاں رہتے، اسی دوران آپ کو اپنے ایک چشمہ کا خیال آیا جو طائف کے قریب آپکی ملکیت تھا۔ اس چشمہ کا نام ''ذوالہزم'' تھا۔ یہ چشمہ طائف میں مکہ سے کافی دور تھا، اس لئے اس پر قبیلہ ثقیف نے قبضہ کر رکھا تھا، دور ہونے اور فتنہ و فساد سے گریز کے سبب حضرت عبدالمطلب نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ پھر آپ کو پانی کی اس وقت اتنی ضرورت بھی نہ تھی۔ مگر کعبہ کا متولی بن جانے اور سقایہ کا وسیع بندوبست کرنے کیلئے آپ کو پانی کی قلت کا احساس ہوا اور آپ نے اپنے اس چشمہ کا مطالبہ بنی ثقیف سے کیا۔ جندب بن حارث جو ثقیف کا سردار تھا فکرمند ہوا۔ وہ چشمہ دینا نہیں چاہتا تھا، چشمہ عرب میں سب سے بڑھ کر خزانہ ہوتا ہے۔ ابھی جندب بن حارث نے جواب نہیں دیا تھا کہ حرب بن امیہ نے اس سے رابطہ کیا اور اسے اپنی اور اپنے قبیلہ کی طرف سے درپردہ مدد دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ وہ

حضرت عبدالمطلب کا چشمہ انہیں دینے سے انکار کر دے۔ بنی ثقیف نے چشمہ دینے سے انکار کر دیا۔

آپ جنگ و جدل سے پرہیز کرتے تھے، مجبوراً آپ نے بنی ثقیف کو مناظرہ کی پیشکش کی جو انہوں نے قبول کر لی۔ ان لوگوں کو بنی امیہ کی جانب سے مدد کی امید تھی لیکن اس میں بھی حضرت عبدالمطلب کو کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ مناظرہ بنی ثقیف یعنی ایک غیر قبیلہ سے تھا اور اس موقع پر قریش کا فرض تھا کہ وہ عصبیت اور صلہ رحمی کی بنا پر حضرت عبدالمطلب کا ساتھ دیں مگر برا ہو حرب بن امیہ کا اس نے اپنے قبیلے اور ساتھیوں کو اس سے الگ کر لیا، یوں تو اس حد تک حرب کو کامیابی حاصل ہوئی مگر مناظرہ میں حضرت عبدالمطلب کی کامیابی کو وہ نہ روک سکا۔ ثالث نے حضرت عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ دیا اور چشمہ پر قبضہ دلوا دیا فوق بلگرامی لکھتے ہیں۔

> ''اگرچہ (طائف) غیر مقام تھا اور غیر لوگ (بنی ثقیف) تھے مگر حسد و نفسانیت کی وجہ سے قریش میں سے کسی نے بھی اس مناظرہ میں (حضرت) عبدالمطلب کا ساتھ نہ دیا لیکن ایسی تنہائی اور غربت کے عالم میں بھی خدا نے (حضرت) عبدالمطلب کی بات رکھ لی''۔ (اسوۃ الرسول، حصہ اول، ص: ۷۹۸)

اس واقعہ کی تفصیل ابن سعد نے طبقات میں درج کی ہے۔ ابن ہشام نے یوں لکھا ہے۔

''عبدالمطلب بن ہاشم کا طائف میں ایک چشمہ تھا۔ جس کا نام ''ذوالہزم'' تھا اور وہ مدت سے بنی ثقیف کے قبضہ میں چلا آ رہا تھا۔ عبدالمطلب نے اس کا مطالبہ کیا۔ قبیلہ ثقیف نے انکار کر دیا۔ جندب بن الحارث ان کا امیر تھا۔ اس نے چشمہ دینے سے انکار کیا اور مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ جانبین سے مناظرہ کی شرائط مقرر ہوئیں اور قبیلہ عذرا کا کاہن جو عزیٰ سلمٰی کے نام سے مشہور تھا۔ طرفین سے حکم مقرر ہوا اور معاوضہ میں دونوں فریق سے ایک ایک اونٹ علیحدہ کیا۔ اس لئے کہ جس کا حق ثابت ہو، ناحق والے سے ایک اونٹ تاوان میں لے۔

عبدالمطلب قریش کی جماعت کو لیکر نکلے اور آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے حارث بھی تھے اور اس وقت (آپ) کے یہی ایک بیٹے تھے۔ اُس طرف سے جندب بھی بنی ثقیف کی حمایت لے کر باہر نکلا۔ دونوں جماعتیں۔ حکم (ثالث) کے آنے کی منتظر رہیں۔ حکم کے آنے میں غیر متوقع طور پر کافی دیر لگ گئی اسی اثناء میں عبدالمطلب کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا۔ انہوں نے ثقیف سے پانی مانگا۔ ان سب نے پانی دینے سے قطعی انکار کر دیا۔ قدرت خدا نے عبدالمطلب کے پاؤں کے نیچے پانی کا چشمہ پیدا کر دیا۔ عبدالمطلب اور ان کے ہمراہیوں نے خدا کا شکر ادا کیا، پانی پیا اپنی جماعت کو پلایا اور بقدر ضرورت بار کر لیا۔ اب بنی ثقیف کا پانی بھی ختم ہو گیا تو سب عبدالمطلب کے پاس آئے اور پانی کے طلب گار ہوئے۔ آپ نے ان کو بھی پانی پلایا

Presented by Ziaraat.net

پھر دونوں فریق مل کر کاہن کے پاس آ گئے۔ اس نے عبدالمطلب کے حقوق کو ترجیح دی اور شرط مناظرہ کے مطابق عبدالمطلب نے ان اونٹوں کو لے لیا۔ ذبح کیا اور چشمہ آب موسومہ ''ذی الہزم'' بنی ثقیف سے واپس عبدالمطلب کو دلوا دیا، عبدالمطلب واپس مکہ آئے اور اس دن سے ان کو اور انکی قوم کو بنی ثقیف اور ان کی قوم پر فضیلت اور ترجیح حاصل ہوگئی''۔

(سیرت ابن ہشام، ص:۵۳، طبقات ابن سعد، جلد اوّل)

بنی ثقیف اور بنی امیہ

۵۳۵ء کا یہی وہ واقعہ ہے جو حرب بن امیہ اور جندب بن الحارث اور پھر بنی ثقیف اور بنی امیہ کے درمیان اتحاد کا سبب بنا۔ یہی اتحاد آگے چل کر پورے بنی ہاشم اور پھر خاص طور پر رسولؐ اللہ کی مخالفت کی وجہ بنا۔ بنوثقیف طائف میں رہتے تھے۔ طائف مکہ سے جنوب مشرق کی طرف تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر سلسلہ کوہ ''سراۃ'' کی سطح مرتفع میں واقع ہے، اس کو ''وَج'' کے نام سے بھی پکارا جاتا رہا ہے۔ سرسبز علاقہ ہے یہاں انگور، انجیر، بہی اور انار وغیرہ کے باغات ہیں۔ سطح سمندر سے طائف کی بلندی تقریباً پانچ ہزار فٹ ہے، گرمی کا موسم انتہائی خوشگوار ہوتا ہے۔ طائف کب آباد ہوا اور کس نے آباد کیا اس بارے میں تاریخ فی الحال خاموش ہے۔ البتہ یہ ایک بہت قدیم شہر اس بناء پر ثابت ہوتا ہے کہ اسکے مضافات میں ماقبل تاریخ کے کئی آثار دستیاب ہوئے ہیں جو بالعموم چٹانوں پر کھدے نقوش اور تصویروں کی صورت میں ہیں۔

جس زمانہ میں قصی بن کلاب نے خانہ کعبہ کی تولیت پر قبضہ کیا۔ طائف میں بنی ثقیب کا تسلط تھا۔ اور آج بھی کثرت سے آباد ہیں، مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ بنوثقیف بھی قریش مکہ کی طرح عدنان کی نسل سے ہیں۔ ان کا مورث اعلیٰ ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن قصی کی تولیت سے تقریباً ایک صدی پہلے طائف میں آیا۔ اس وقت طائف میں بنوعدوان نامی قبیلہ کی حکومت تھی۔ ثقیف بن منبہ نے بنوعدوان کو وہاں سے نکال دیا اور خود وہاں قابض ہوگیا۔

بنی ثقیف جفاکش کاشتکار تھے۔ ذہین اور جنگجو بھی، انہوں نے طائف سے متصل وادی وج میں پھلوں کے باغ لگائے گندم مکئی اور سبزیوں کی کاشت کی۔ انہوں نے انگور اور مکئی سے شراب تیار کی اور کھالوں کی دباغت کے کارخانے لگائے۔ ان کی یہ زرعی اور صنعتی پیداوار مکہ، یمن شمالی عرب، ایران اور شام تک فروخت کیلئے جاتی۔ یوں اس دور میں طائف اہم منڈی کی صورت اختیار کر گیا۔

جب ہاشم کا دور آیا اور ہاشم نے مکہ میں تجارت کو فروغ دیا، اور مکہ کو وہی تجارتی حیثیت دینی چاہی جو طائف کو حاصل تھی تو بنی ثقیف بہت ناراض ہوئے مگر ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ جب مطلب کا انتقال ہوا تو انہوں نے حضرت عبدالمطلب کے اس چشمہ پر قبضہ کرلیا جو ''وَج'' کے قرب و جوار میں تھا۔ حرب نے اسی

اندرونی خاموش مخالفت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ جندب بن الحارث ثقفی سے تعلقات استوار کئے اور اسے حضرت عبدالمطلب کی اعلانیہ مخالفت پر آمادہ کیا بعد میں یہ دیکھتے ہوئے کہ قریش کے دوسرے قبیلے بنی امیہ کا ساتھ نہیں دیتے اور وہ بنی ہاشم ہی سے مذہبی معاملات میں منسلک رہتے ہیں اور یہ جان کر کہ ایسے مواقع پر اب صرف بنی ثقیف ہی سے مدد لی جاسکتی ہے۔ بنی امیہ کے افراد نے طائف میں باغات خریدے، زمینیں خرید کر باغ لگائے اور سبزیاں، اناج اُگا کر انہیں تجارت میں مدد دی، اس میں بنی ربیعہ یعنی ابوسفیان کے سسرالی پیش پیش تھے، بعد میں ابوسفیان نے اپنی ایک لڑکی بنی ثقیف میں بیاہ کر شادی کے رشتے قائم کئے، وہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں تو کچھ نہ بگاڑ سکے۔ مگر رسولؐ اللہ کے زمانہ میں ابوسفیان نے اسی رشتہ سے پورا فائدہ اٹھایا، یہ بنی امیہ کے ہی لوگ تھے جو طائف کے سرداروں کو بھڑکانے اور رسالت کی مخالفت پر آمادہ کرنے کے لئے کہا کرتے تھے کہ قرآن نازل ہوتا تو مکہ کے ولید یا طائف کے مسعود پر۔ اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ جب آنحضرتؐ مکہ والوں سے ناامید ہوکر طائف گئے تو اسی ابوسفیان اموی نے ان لوگوں کو آگاہ کردیا اور اشارہ دیدیا تھا۔ چنانچہ وہاں پذیرائی تو کجا انتہائی ذلت آمیز مخالفت سے کام لیا گیا تھا۔

خدمات سقایہ کو ناکام بنانے کیلئے بنوامیہ نے اپنے کنوؤں سے پانی نہیں دیا اور دوسروں کو بھی پانی کی قلت کا احساس دلا کر منع کرنے کی کوشش کی تو آپ نے طائف میں اپنے چشمہ کی بازیابی کا اقدام کیا۔ جب ابرہہ نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا تھا تو چونکہ اس کی ذمہ داری بنی ہاشم اور خصوصاً حضرت عبدالمطلب پر تھی اس لئے حرب کے کہنے پر طائف ہی کے ایک باشندے ''ابورغال'' نے اس کے لشکر کی رہبری کی تھی جبکہ تمام قبائل ابرہہ کے لشکر کی راہ میں آتے تھے ان کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب کیلئے پہلی اور عظیم فضیلت

طائف کے اپنے چشمہ پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد آپ کو کافی سہولت مہیا ہوگئی تھی۔ آپ کے اونٹ اور دیگر چوپائے ''ذوالہزم'' کے گرد سبزہ زار میں چرا کرتے تھے اور حج کے موقع پر اس چشمہ کا پانی اونٹوں پر لاد کر مکہ لایا جاتا اور اونٹ کی کھال کے بنے حوضوں میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ آپ پورا سال تجارت میں مشغول رہتے اور حج کے زمانہ میں مکہ کے قیام کے دوران یہ تمام فرائض انجام دیتے تھے۔ حجاج آپ سے بہت خوش تھے اور آپ کی عزت کرتے تھے۔ لیکن بہرطور مکہ سے پچاس میل کے فاصلے سے پانی لانا کچھ اتنا آسان بھی نہ تھا اگر یہ چشمہ مکہ کے قرب و جوار میں ہوتا تو زیادہ سہولت ہو جاتی آپ ہمہ وقت اسی سوچ میں غلطاں رہتے کیونکہ بنی ثقیف کبھی کبھی اونٹوں کے اس قافلہ کی آمد و رفت میں حارج ہوتے تھے جو ''ذوالہزم'' سے پانی لے کر مکہ کی طرف آتے تھے۔ اس سوچ بچار اور پریشانی میں تین ہی سال گذرے تھے کہ اللہ نے اپنے گھر خانہ کعبہ سے آپ کی یہ محبت اور کعبہ کا طواف کرنے کیلئے آنے والوں کی تندہی سے یہ خدمت دیکھی تو آپ کو سب سے بڑا اعزاز اور آسمانی فضیلت عطا کرنے کا حکم بارگاہ ایزدی سے صادر ہوا۔

چاہ زمزم

یہ عطیۂ الٰہی اور فضیلت آسمانی جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد حضرت المطلب کا مقدر ہوئی زم زم تھی، سب ہی جانتے ہیں، زمزم کا کنواں حضرت اسمٰعیلؑ نے خود نہیں کھودا تھا، وہ تو اس وقت طفل شیر خوار تھے۔ ان کے پیاس سے جاں بلب ہونے پر یہ چشمہ اچانک قدرت الٰہی سے خود پھوٹ نکلا تھا۔ گویا یہ براہ راست اللہ کا عطیہ تھا۔ جو ہونے والے اللہ کے نبی حضرت اسمٰعیلؑ کو عطا ہوا تھا تا کہ آپکی والدہ اس بیابان میں زندگی گزار سکیں اور آپ کو اس مقام ''غیر ذی زرع'' میں پانی کی تکلیف نہ ہو۔

زمزم کا پس منظر

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے تقریباً دو ہزار ستر برس (۲۰۷۰) قبل اور پیغمبر اسلام کی پیدائش سے دو ہزار چھ سو چالیس (۲۶۴۰) سال پہلے زمزم کا چشمہ قدرت الٰہیہ سے جاری ہوا تھا۔ یہ اس مقام کے قریب تھا جہاں اب خانہ کعبہ ہے۔ بعد میں ایک قبیلہ بنی جرھم نامی پانی کا چشمہ پا کر اس کے قریب آباد ہو گیا تھا۔ زمزم کے قریب ہی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے خانہ کعبہ بنایا جب حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہوئے تو آپ کی والدہ نے ایک مصری لڑکی سے آپ کی شادی کر دی، بعد میں اسے طلاق دیدی گئی اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اسی قبیلہ جرھم کے ایک ممتاز اور صاحب حیثیت شخص مضاض بن عمر کی لڑکی اعلہ سے شادی کر لی۔ خانہ کعبہ کے متعلق

Presented by Ziaraat.net

حضرت اسمٰعیلؑ تھے، ان کے بعد ان کا بڑا لڑکا نبایوط متولی ہوا۔ تقریباً پانچ سو سال خانہ کعبہ کی تولیت بنی اسمٰعیل میں رہی۔ اس کے بعد بنی اسمٰعیلؑ کے ننھیالی قبیلے بنی جرھم نے خانہ کعبہ کی تولیت پر قبضہ کرلیا، زمزم بھی ان کے تسلط میں چلا گیا۔ اسی دوران یمن میں عظیم سیلاب آنے سے کچھ قبیلے نقل مکانی کر کے آئے اور خانہ کعبہ کے گرد آباد ہوگئے۔ ان میں ایک قبیلہ بنی خزاعہ تھا۔ یہ بنی جرھم اور بنی اسمٰعیلؑ کے مقابل آباد رہے۔ جب بنی جرھم نے تولیت کعبہ کے امور میں بدعنوایناں شروع کیں اور وہ بنی اسمٰعیل اور دیگر قبائل کو گراں گزریں تو خزاعہ نے ان قبیلوں کی مدد حاصل کر کے بنی جرھم کو وہاں سے نکال دیا اور خود خانہ کعبہ اور اسکی تولیت کو اپنے قبضہ میں کرلیا، شکست خوردہ بنی جرھم جب یہاں سے بھاگے تو انہوں نے یہ سوچ کر کہ قابض قبیلہ کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے اور ہمیشہ پریشانیوں میں مبتلا رہے۔ اس وقت کے جرھمی رئیس عمر بن حارث کے مشورہ سے خانہ کعبہ میں جمع تمام اسلحہ اور سونے کے دو ہرن جو فارس کے شاہ اسفندیار کی جانب سے چڑھاوے اور نذرانے کے طور پر آئے تھے۔ زمزم کے کنوئیں میں ڈال کر کنوئیں کو پتھروں سے بھر دیا اور اس پر مٹی اس طرح برابر کردی کہ جب بنی خزاعہ اس جگہ آئے تو زمزم کا کوئی نشان تک نہ تھا۔

اس طرح اللہ نے دیا ہوا یہ انعام واپس لے لیا کیونکہ بنو اسمٰعیل اب یہاں موجود نہ تھے وہ خانہ کعبہ کے گردوپیش سے اٹھ کر دور آباد ہوگئے تھے۔ تب ان لوگوں نے مکہ سے باہر ''خم'' اور ''مرّہ'' نامی دو کنوئیں کھدوائے۔ اس طرح سینکڑوں سال گزرنے کے بعد ۴۰۰ء میں بنی اسمٰعیل ہی سے ایک شخص قُصّی نامی پیدا ہوا اور اس نے ۴۳۰ء میں بنی کنانہ اور بنی قضاعہ کی مدد حاصل کر کے بنی خزاعہ سے خانہ کعبہ کا قبضہ حاصل کرلیا اور بنی اسمٰعیل جو دور آباد ہوگئے تھے انہیں واپس لاکر کعبہ کے گرد آباد کیا۔ دارالندوہ بنایا اور اپنی قوم کے مشورہ سے تمام امور انجام دینے لگا۔ قُصی کے بعد عبد مناف پھر ہاشم، پھر مطلب اور انکے بعد حضرت عبدالمطلب مسند تولیت کعبہ پر متمکن ہوئے، قریش نے اپنے قبیلوں کے الگ الگ کنوئیں کھدوائے۔ اس طرح تقریباً ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک زمزم زیر زمین رہا، جب بنی اسمٰعیل کی نسل یعنی قریش مکہ میں آگئے اور بنی ہاشم کو اللہ نے منتخب کرلیا تو کعبہ کی تولیت کو پہلے اس میں مستحکم کیا پھر زمزم دوبارہ انہیں دینے کا ارادہ فرمایا، زمزم کس طرح حضرت عبدالمطلب کو ملا یہ ایک دلچسپ اور حیرت انگیز داستان ہے۔

سچا خواب

۵۳۸ء میں جبکہ حضرت عبدالمطلب کی عمر ۴۳ رسال تھی یعنی منصب تولیت حاصل کرنے کے کوئی پانچ سال بعد آپ نے زندگی کا انتہائی حیران کن خواب دیکھا۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالب بن حضرت عبدالمطلب نے اپنے دادا کے اس تاریخی خواب کی تفصیل بیان کی ہے۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یزید ابن ابی حبیب مصری نے مرثد بن عبداللہ یزنی سے اور انہوں نے عبداللہ بن زریر الغافقی سے روایت بیان کی کہ انہوں نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو حدیث زمزم بیان

کرتے سنا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔

''(میرے دادا) عبدالمطلب نے کہا۔ میں مقام حجر میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور کہا۔ ''طیبہ (۱) کو کھودو'' میں نے پوچھا طیبہ کیا چیز ہے؟ یہ سنتے ہی وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ دوسرا دن ہوا تو میں اپنی آرام گاہ کو لوٹا اور سو گیا۔ پھر خواب میں اشارہ ہوا۔ کہا برّہ (۲) کو کھودو۔ میں نے پوچھا برّہ کیا چیز ہے؟ یہ سنتے ہی اشارہ کرنے والا میرے پاس سے چلا گیا۔ تیسرا دن ہوا۔ میں اپنی آرام گاہ میں آ گیا اور سو گیا۔ پھر اشارہ کرنے والا خواب میں آیا اور کہا۔ ''مضنونہ'' (۳) کو کھودو۔ میں نے پوچھا مضنونہ کیا ہے؟ وہ پھر میرے پاس سے چلا گیا۔ پھر جب چوتھا روز ہوا میں اپنی آرام گاہ کو لوٹا اور سو گیا۔ تو وہ پھر میرے پاس خواب میں آیا۔ اور کہا ''زمزم'' کھودو۔ میں نے پوچھا زمزم کیا چیز ہے؟ اس نے کہا (وہ کنواں) جو کبھی نہ سوکھے گا، اور اس کا پانی کبھی کم نہ ہوگا۔ وہ حج کرنے والے بڑے بڑے گروہوں کو سیراب کرے گا۔ وہ اس وقت لید اور خون کے درمیان ''غراب اعصم'' کے گھونسلے کے پاس چیونٹیوں کی بستی کے قریب ہے۔''

(سیرت ابن ہشام، ص: ۱۷۰، مطبوعہ، غلام علی اینڈ سنز)

یہ وہ روایت ہے جو مقام زمزم معلوم ہونے سے متعلق حضرت علیؑ کے ذریعہ ہم تک پہنچی۔ لیکن اپنے آخری دور میں حضرت عبدالمطلب نے اپنے ہم عصر دوسرے لوگوں سے بھی خواب کا یہ واقعہ بیان کیا تھا۔ چنانچہ دوسرے راویوں کے ذریعہ اس کی تفصیل ابن اسحاق نے یوں بیان کی ہے۔

''جب خواب میں (عبدالمطلب) کو زمزم کھودنے کا حکم دیا گیا تو یہ بھی کہا گیا کہ پانی کے بہت ہونے اور گدلا نہ ہونے کی دعا کر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حجاج کو مناسک حج میں سیراب کرتا رہے گا اور اسکے سبب سے عمر بھر کسی بھی چیز کا خوف باقی نہ رہے گا''۔

یہ سن کر حضرت عبدالمطلب قریش کے پاس آئے اور کہا۔ ''اے قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے تمہارے لئے زمزم کھودنے کا حکم دیا گیا ہے''۔ قریش نے پوچھا۔ ''کیا تمہیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ زمزم کہاں (پوشیدہ) ہے؟'' حضرت عبدالمطلبؑ نے کہا۔ ''نہیں''۔ انہوں نے کہا۔ ''تو آپ اپنی آرام گاہ کی طرف جائیں جہاں آپ کو اسکے متعلق بتایا گیا ہے جو کچھ بتایا گیا اگر وہ صحیح ہے اور اللہ کی جانب سے ہے تو اس کی وضاحت کی جائے گی اور اگر وہ شیطان کی طرف سے ہے تو وہ دوبارہ لوٹ کر نہ آئیگا''۔

''حضرت عبدالمطلب اپنی آرام گاہ کی جانب چلے گئے اور سو گئے، پھر اشارہ کرنے والا آیا اور اس نے کہا زمزم کھود۔ اگر تو نے اسے کھود لیا تو ہرگز نادم نہ ہوگا۔ یہ تیرے جدِ اعلیٰ کی میراث ہے، نہ وہ کبھی سوکھے گا اور نہ اس کا پانی کبھی کم ہوگا۔ وہ بڑے بڑے ایسے

Presented by Ziaraat.net

حجاج کو سیراب کریگا جو لوگوں سے الگ رہنے والے شتر مرغ کی طرح ہوں گے (زمزم) تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اسکے پاس نذر کرنے والے، فقراء کیلئے اپنی نذریں گزاریں گے، وہ تیری اولاد کیلئے میراث ہوگا۔ جس سے (تجھے) مضبوط تعلق ہوگا، یہ ان دوسری چیزوں کی طرح نہیں ہے جنہیں تو جانتا ہے اور وہ لید اور خون کے درمیان ہے"۔ (سیرت ابن ہشام، ص: ۱۷۳-۱۷۲)

خواب کے اشارے

یہ تھا وہ عجیب وغریب خواب جس نے تمام قریش کو ورطۂ حیرت میں ڈالدیا اور حضرت عبدالمطلب کو انکی حیثیت اور شخصیت کا عرفان بھی کرادیا، راوی کے الفاظ ہیں۔ "خواب میں کہنے والے نے کہا۔ پانی کے بہت ہونے اور گدلا نہ ہونے کی دعا کر"۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو بھی کئی مرتبہ دعا کے الفاظ سکھائے تھے۔ اس سے حضرت عبدالمطلب کی ذات کا مرتبہ معلوم کرنے میں کس قدر آسانی ہوگئی ہے۔ اسی دعا کے الفاظ نے یہ بھی بتادیا کہ مکہ میں جو کنوئیں اس وقت موجود تھے، ان میں زیادہ پانی نہیں ہوتا تھا اور یہ سارا سال جاری نہیں رہتے تھے اور جو پانی ہوتا تھا وہ بھی گدلا ہوا کرتا تھا۔ یہ دشواریاں تھیں جو حضرت عبدالمطلب کی راہ میں منصب سقایہ کے امور کی باآسانی انجام دہی کی راہ میں حائل تھیں۔

خواب میں کہنے والے کا دوسرا جملہ صاف بتارہا ہے کہ زمزم کا یہ پانی نہ تو حضرت اسمٰعیلؑ کے زمانہ میں کم ہوا اور نہ اب کم ہوگا، اور اسکے مقابلے میں قریش کے تمام کنوئیں کوئی حیثیت نہ رکھ پائیں گے۔ چنانچہ ساڑھے ۱۴ سو سال سے آج تک آب زمزم جاری ہے اور دنیا بھر کے حجاج یہ پانی اپنے ساتھ بھی لے جاتے ہیں۔ پھر خواب میں کہنے والے کے یہ الفاظ ہمیں بہت کچھ سمجھانے کیلئے کافی ہیں۔ "یہ تیرے جدِ اعلیٰ کی میراث ہے (اس زمانہ میں کنواں غیر منقولہ جائداد میں شامل تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی کنویں بطور جائیداد چھوڑے تھے جو حضرت اسحاق کو ملے) اور یہ تیری اولاد کیلئے میراث ہوگا"۔ اس سے معلوم ہوا انبیاء کی میراث ہوتی ہے اور وہ انکی اولاد کو منتقل ہوتی ہے اور تمام قریش نے زمزم کو بنی ہاشم کی میراث تسلیم کیا بھی تھا۔

لید اور خون

خواب میں زمزم کی نشاندہی کرانے کیلئے کہا گیا تھا کہ وہ اس وقت لید اور خون کے درمیان غراب اعصم کے گھونسلے کے پاس ہے اور چیونٹیوں کی بستی کے قریب ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا بنی جرہم نے مکہ سے فرار اختیار کرتے وقت زمزم کو بند کردیا تھا اور کعبہ کا خزانہ بھی اسی میں دفن کر گئے تھے۔ بعد میں یہ زمین اس طرح برابر ہوگئی کہ یہ خیال آنا ممکن ہی نہ تھا کہ یہاں کوئی کنواں یا چشمہ بھی ہوا کرتا تھا۔ جب مکہ میں انہی دنوں بت پرستی نے فروغ حاصل کیا تو اہل مکہ نے اساف اور

نائلہ دو بت اسی زمزم کے مقام پر نصب کردیئے، انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ انکے نیچے زمزم ہے۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کعبہ کی تولیت بنو جرہم کے پاس تھی۔ اسکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ بنو جرہم کے ایک مرد اساف بن بغی اور نائلہ بنت دیک نے خانہ کعبہ میں زنا کیا تھا۔ جس کی سزا کے طور پر اللہ نے انہیں پتھر میں تبدیل کردیا تھا اہل مکہ نے ان بتوں کو بعد میں زمزم کے مقام پر نصب کردیا اور انہیں حسن وعشق کے دیوی دیوتا قرار دیدیا۔ پھر ان پر قربانیاں کرنے لگے۔ قربانیوں کے جانوروں کی لید اور خون ان دونوں مجسموں کے درمیان جمع ہوتا رہا۔ کسی کو گمان تک نہ ہوا کہ اس کے نیچے زمزم دفن ہے۔ جب کوئی تازہ قربانی کی جاتی تو کوے خون اور گوشت پر ٹوٹ پڑتے اور اسی سبب سے چیونٹیاں بھی وہاں جمع رہتی تھیں۔ یہی وہ نشانیاں تھیں جو خواب میں حضرت عبدالمطلب کو بتائی گئی تھیں، جب حضرت عبدالمطلب اس نشان کی تلاش میں نکلے تو کوؤں کو وہاں ٹھونگیں مارتے دیکھا اور پھر اسکے چاروں اطراف میں چیونٹیوں کے جتھے پائے تو آپ نے جلد ہی وہ مقام معلوم کرلیا۔ جہاں زمزم پوشیدہ تھا اور جس کی طرف خواب میں اشارہ کیا گیا تھا، یہ جگہ اساف اور نائلہ دونوں بتوں کے درمیان تھی۔

ابن سعد نے کہا ہے "زم زم" خاص خدا کی رحمت کی سقائی تھی۔ عالم رویاء میں یہ متواتر طور پر (حضرت) عبدالمطلب کو بتلایا اور اس کے کھودنے کا حکم دیا۔

زم زم کی کھدائی اور قریش کی مخالفت

خواب میں بتائے گئے مقام کو معلوم کرنے کے بعد آپ نے اس جگہ کو کھودنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اور اگلے دن صبح اپنے بیٹے حارث کو لے کر پہنچ گئے۔ اس وقت آپ کا یہی لڑکا تھا۔ جس کی عمر اس وقت تقریباً سترہ سال تھی۔ قریش نے جب یہ دیکھا تو آپ کے گرد جمع ہوگئے اور زم زم کی کھدائی سے آپ کو روکنے لگے۔ ایک طرف باپ اور بیٹا تھے، دوسری جانب تمام قریش مخالفت پر آمادہ تھے مگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور ان پر واضح کردیا کہ مجھے خدا نے جس کام کا حکم دیا ہے، میں اس کی تعمیل سے کسی طرح باز نہ آؤں گا۔ چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے اس موقع پر ابن ہشام نے لکھا ہے۔

"جب عبدالمطلب تیار ہوکر کنواں کھودنے آئے تو کدال وغیرہ ان کے پاس تھے۔ قریش ان کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور کہا ہم تم کو اپنے ان دونوں بتوں کے درمیان کنواں ہرگز نہ کھودنے دیں گے۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث سے کہا ان لوگوں کو یہاں سے ہٹادو ہم کنواں کھودے بغیر نہیں جائیں گے اور کبھی اس کام کو نہ چھوڑیں گے۔ جس کے انجام دینے کا حکم ہم کو مل چکا ہے۔ یہ سن کر قریش کو یقین ہوگیا کہ عبدالمطلب اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں گے۔ اس لئے قریش وہاں سے چلے گئے"۔

(ابن ہشام، ص: ۵ مطبوعہ مصر)

Presented by Ziaraat.net

قریش تو آپ کو اپنے ارادہ پر ثابت قدم دیکھ کر چلے گئے لیکن بنی امیہ کے افراد آپ کا مذاق اڑاتے رہے اور آپ کو دیوانہ کہنے سے بھی باز نہ آئے۔ حضرت عبدالمطلب مٹی کھودتے جاتے اور حارث کھجور کے پتوں کی ٹوکری میں بھر کر دور پھینکتے جاتے۔ قریش کے کسی فرد نے نہ آپ کی اس کام میں مدد کی اور نہ ہی آپ کی حوصلہ افزائی کی۔

یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی۔ سخت گرمی اور دھوپ کی شدت کے باجود دونوں باپ بیٹے کھدائی میں مصروف رہے۔ اس موقع پر آپ کے ایک غلام نے مٹی پھینکنے میں آپ کے بیٹے حارث کی مدد کرنا چاہی تو آپ نے اسے منع کیا اور کہا۔ ''تمہیں اس کام میں ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ صرف عبدالمطلب اور اس کے فرزند کیلئے مخصوص کام ہے''۔ (محمد رسول اللہ)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ''تین دن تک باپ بیٹا کنواں کھودتے رہے۔ تیسرے روز کنوئیں کا نشان ظاہر ہوا''۔ جب کھدائی کے دوران کدال نے ایک مرتبہ کسی سخت چیز سے ٹکرا کر آواز پیدا کی تو آپ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ غور سے دیکھا تو چمکتا ہوا سونا دکھائی دیا۔ آپ بے اختیار چلائے خزانہ۔ آپکے بیٹے حارث نے بھی حیرت سے جھک کر دیکھا، وہاں واقعی سونا تھا اور بہت سے ہتھیار۔ دونوں نے مل کر مٹی صاف کی تو اندر سے پہلے سونے کے دو ہرن نکلے، یہ وہی ہرن تھے جو شاہ فارس اسفندیار نے کعبہ کی نذر کئے تھے۔ اور بنی جرھم انہیں ہتھیاروں کے ساتھ زم زم بند کرتے وقت اس میں دفن کر گئے تھے۔ سونے کے ہرنوں کے بعد وہاں سے تلواریں، خنجر اور زرہیں برآمد ہوئیں۔ یہ خبر اُنا فانا قریش تک پہنچی تو ہر طرف سے دوڑتے آئے اور حضرت عبدالمطلب کے گرد جمع ہوگئے۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت، استعجاب اور حسد کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر رہ گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس خزانہ کا مالک دراصل کون ہوسکتا ہے؟ اور یہ کہ اس خزانہ پر کس طرح ہم قبضہ حاصل کریں یا اس میں اپنا حصہ کیونکر ثابت کیا جائے؟ ان کی نیت میں فتور دیکھا تو حضرت عبدالمطلب نے اس سے پہلے کہ وہ اپنا حق ظاہر کریں۔ ان کو مخاطب کر کے صاف صاف الفاظ میں کہا۔

''مجھ سے تو میرے اللہ نے پانی کا وعدہ کیا تھا۔ مگر یہ دیکھو اس نے مجھے پانی کی جگہ خزانہ بھی عطا کر دیا ہے''۔

خزانہ پر جھگڑا

یہ خبر جب حرب بن امیہ کو ملی تو وہ بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچ گیا اور ان کی گفتگو میں شریک ہوگیا۔ حرب کو جب تصدیق ہوگئی کہ عبدالمطلب کو کھدائی کے دوران یہ خزانہ ملا ہے اور قریش کے سب لوگ اس پر اپنا حق جتا کر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو اس نے فوراً اپنے دل میں ایک منصوبہ تیار کرلیا تا کہ وہ خود اس خزانہ میں حصہ دار بن سکے۔

عمر (ابوجہل) کا باپ ہشام بن مغیرہ آگے بڑھا اور حضرت عبدالمطلب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ''تم

یہ دعویٰ کس طرح کرتے ہو کہ یہ خزانہ اللہ نے صرف تم ہی کو دیا ہے؟ یہ تو تمام قریش کی ملکیت ہے اس لئے کہ یہ خزانہ حرم کی حدود میں ملا ہے اور جو چیز حرم میں پائی جائے وہ تمام قریش کی ملکیت ہوگی''۔ جب قریش نے ہشام کے یہ الفاظ سنے تو انہیں حوصلہ ہوا اور وہ سب بیک آواز کہنے لگے۔ ہم بھی اس خزانہ میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ صرف آپ ہی نہیں۔

حضرت عبدالمطلب ان کو جواب دینے ہی والے تھے کہ حرب بن امیہ درمیان میں بول پڑا، اور اس نے ہشام بن مغیرہ سے کہا'' قریش اس کے دعویدار کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اسے صرف عبدالمطلب اور ان کے بیٹے نے دریافت کیا ہے۔ انہوں نے اسے کھودا اور اس کے حاصل کرنے میں محنت کی ہے۔ اگر یہ ملکیت ہوسکتی ہے تو صرف بنی عبد مناف کی تمام قریش کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہمیں دیوتاؤں سے ملی ہوئی دولت میں حصہ دار بن جائیں''۔

اس پر قریش کے دوسرے سردار متحد ہو کر اپنا حق جتانے لگے۔ بنی عبد مناف کے لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کے حق میں آواز بلند کی تو دوسرے سرداروں نے ان سے کہیں زیادہ تیز آواز میں نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ دونوں کے درمیان ہاتھا پائی شروع ہوگئی۔ قریب تھا کہ دونوں جانب سے تلواریں بے نیام ہو جائیں اور خونریزی تک نوبت پہنچ جائے۔ حضرت عبدالمطلب جو اس وقت خاموش تھے۔ انہوں نے خطرہ کو بھانپ لیا اور سمجھ گئے کہ جس اتحاد کو میرے باپ دادا نے قائم کیا تھا۔ وہ میری وجہ سے ختم ہوا چاہتا ہے اور قریش کے درمیان شدید اختلاف کا سبب بننے والا ہے۔ تو آپ آگے بڑھے اور ان کو مخاطب کر کے کہا۔

اب یہ خزانہ ہم میں سے کسی ایک کی بھی ملکیت نہیں ہے۔ اسلئے کہ میں نے اسے ایک غیبی حکم کے مطابق کھودا تھا۔ لہٰذا جب تک وہی غیبی طاقت اس کی ملکیت کا فیصلہ نہ کر دے، ہم میں سے کوئی ایک بھی اس کا حقدار نہ ہوگا۔ لہٰذا آؤ غیب کا حکم ہم سب تمہارے کاہنوں سے دریافت کریں، جنگ وجدال سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

حرب کی مخالفت

حضرت عبدالمطلب کی اس تجویز پر قریش تو خاموش ہوگئے مگر حرب بن امیہ اور اس کے ساتھی خود کو محروم پا کر بگڑ بیٹھے۔ اس لئے کہ حرب کا منصوبہ ناکام ہوگیا تھا۔ امیہ کا بیٹا حرب جو بنی ہاشم کا دشمن تھا اور انتقام کی راہیں تلاش کر رہا تھا۔ اگرچہ حضرت عبدالمطلب کے حق میں ان کی نرمی اور مہربانی کی وجہ سے خاموش تھا۔ مگر یہ فضیلت برداشت بھی نہ کرسکتا تھا۔ یہ اس کیلئے ایک ایسا موقع تھا کہ ایک تیر سے دو شکار کرسکتا تھا۔ اس طرح موقع پر حضرت عبدالمطلب کا ہمدرد اور دم ساز بھی خود کو ظاہر کیا اور بنی عبد مناف کا حق کہہ کر خود بنی امیہ کو بھی اس حق میں شامل کرلیا۔ اس موقع پر اس نے جو آواز حضرت عبدالمطلب کے حق میں بلند کی تھی۔ وہ بلا مقصد نہ تھی اسے تو اصولاً حضرت کے خلاف اور قریش کی حمایت میں بول کر حضرت عبدالمطلب کو اس خزانہ سے محروم کر دینا چاہیے تھا۔ مگر اس طرح اسے خود بہت کم حصہ ملتا۔ لہٰذا اس نے اس موقع پر حضرت عبدالمطلب کی بظاہر حمایت

Presented by Ziaraat.net

کا منصوبہ بنایا اور اس خزانہ کو یہ دلیل دیکر کہ اسے عبدالمطلب نے کھودا ہے۔ صرف بنی عبد مناف کا حق قرار دیا، اور اسی نکتہ نے اسکے مخالفانہ منصوبہ کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ اصول تو یہ کہتا ہے کہ جب خزانہ حضرت عبدالمطلب نے دریافت کیا اور اس پر محنت کی تو وہ صرف حضرت عبدالمطلب کی ملکیت یا زیادہ سے زیادہ بنی ہاشم کی ملکیت ہونا چاہیے۔ قدیم قبائل میں یہ اصول رائج تھا اور اب بھی ہے کہ محنت کا صلہ، محنت کرنے والے کی ملکیت ہوتا ہے۔ قریش جانتے تھے کہ زم زم کھودنے میں ان میں سے کسی ایک شخص نے بھی ان کی مدد نہیں کی تھی۔ بلکہ الٹا مذاق اڑایا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کو دیوانہ قرار دیکر اسے سعی لاحاصل قرار دیا تھا۔ اس کام میں ان کے ایک ہی موجود بیٹے نے مدد کی تھی، غلام کی مدد کو بھی انہوں نے رد کر دیا تھا۔ مگر حرب نے ملکیت کے حق کا دائرہ بڑھا کر باپ سے دادا عبد مناف تک پہنچا دیا تا کہ اس دائرہ حق ملکیت میں بنی امیہ بھی شامل ہو جائیں۔ یہی سبب تھا کہ جب حضرت عبدالمطلب نے قرعہ اندازی کی تجویز پیش کی تو تمام قریش رضامند ہو گئے۔ مگر حرب بگڑ گیا اور کھل کر حضرت عبدالمطلب کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔

قرعہ اندازی پر فیصلہ

ابن اسحاق لکھتا ہے۔ عبدالمطلب کی اس تجویز کو قریش نے مان لیا اور پوچھا۔ ''تم یہ فیصلہ کس طرح کرو گے؟'' آپ نے جواب دیا تیروں کے ذریعہ قرعہ اندازی سے جو طریقہ تم میں رائج ہے، میں دو تیر کعبۃ اللہ کیلئے مقرر کروں گا۔ اپنے لئے دو تیر اور اسی طرح تمہارے لئے دو تیر مخصوص ہونگے۔ پھر جسکے دو تیر جس کسی چیز پر نکلیں وہ چیز اسی کی ہوگی اور جس کیلئے دونوں تیر نہ نکلیں اسے کچھ نہ ملے گا۔

قریش نے کہا۔ ''آپ نے یہ انصاف کی بات کہی۔ ہم اس پر رضامند ہیں''۔ پھر ان سب نے دو تیر زرد رنگ کعبۃ اللہ کیلئے کالے رنگ کے دو تیر حضرت عبدالمطلب کیلئے اور دو سفید رنگ کے تیر قریش کیلئے مقرر کئے اور یہ تیر اس شخص کو دے دیئے جو ہبل بت کے پاس قرعہ اندازی کے لئے معین تھا۔ ہبل کعبۃ اللہ میں ایک بت تھا جو دوسرے بتوں میں سب سے بڑا بت تھا۔ ابوسفیان بن حرب نے جنگ احد کے روز اسی بت کا مدد کیلئے نعرہ لگایا تھا اور کہا تھا۔ ''اعل ہبل'' یعنی اے ہبل! اپنے دین کو غالب کر۔ قرعہ اندازی کے موقع پر جس وقت قریش ہُبل سے آس لگائے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب اللہ عزّ وجل سے دعا کرنے کھڑے ہو گئے۔

قرعہ انداز نے تیر ڈالے تو دونوں زرد تیر دونوں ہرنوں پر کعبۃ اللہ کے لئے نکلے اور (حضرت) عبدالمطلب کے دونوں سیاہ تیر تلواروں اور زرہوں پر نکلے۔ قریش کے دونوں سفید تیر کسی چیز پر نہ نکلے۔ (سیرت ابن ہشام، ص: ۱۷۴)

فیصلہ ہو گیا اور قریش دم بخود مایوس ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کی یہ مایوسانہ کیفیت دیکھ کر با آواز بلند کہا۔

''تم نے دیکھ لیا اور فیصلہ ظاہر ہو گیا۔ لہٰذا اے جماعت قریش! اب منتشر ہو جاؤ اور اے بنی عبد مناف! تم بھی چلے جاؤ کہ اس خزانہ میں اللہ کے حکم کے مطابق تمہارا بھی کوئی حصّہ نہیں ہے۔ یہ سب اللہ کا ہے اور اب یہ سونا کعبہ پر صرف ہوگا اور یہ ہتھیار بیت اللہ ہی میں سجائے جائینگے''۔

حرب کی سازش

قریش مایوس اور خاموش ہو گئے مگر حرب بڑبڑاتا ہوا غصہ کی حالت میں رخصت ہو گیا۔ اگرچہ ہتھیار حضرت عبدالمطلب کے نام قرعہ میں نکلے تھے مگر وہ بھی آپ نے بیت اللہ کی تزئین کیلئے وقف کر دیئے اور ان باپ بیٹے نے سونے کے وہ بھاری دو ہرن خانہ کعبہ میں رکھ دیئے اور تمام ہتھیار تلواریں اور زرہیں کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیں۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ یہ پہلا سونا ہے جو کعبۃ اللہ کی تزئین و آرائش میں استعمال ہوا۔

جس وقت حضرت عبدالمطلب اور آپ کے صاحبزادے ہتھیار آویزاں کرنے کا یہ کام انجام دے رہے تھے، اس وقت حرب اور اس کے ساتھی آپ کے خلاف اور اس خزانہ کو حاصل کرنے کی سازش کر رہے تھے۔ اس موقع پر نقوش سیرت کے مولف طٰہٰ حسین مصری لکھتے ہیں۔

''راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں میں سے تین آدمی خانہ کعبہ کے باہر باپ بیٹے کو کام کرتے کچھ دیر دیکھتے رہے۔ اور پھر خزانہ سے متعلق ایک منصوبہ بنا کر یہ تینوں بھی وہاں سے چلے گئے''۔ (نقوش سیرت۔ طٰہٰ مصری)

(ان تینوں میں ایک حرب بن امیہ اور دو اسکے ساتھی تھے، تفصیل متعلقہ عنوان کے تحت آگے آئیگی)

چاہ زم زم کی برآمدگی

وہ تمام دن قریش کے ساتھ جھگڑے میں گزرا اور آپ شام کو گھر لوٹ گئے۔ آپ کو اچھی طرح علم تھا کہ خواب میں غیبی آواز نے آپ سے پانی کا وعدہ کیا تھا۔ خزانہ دینے کا نہیں۔ اس لئے آپ نے سوچا چونکہ ابھی وعدہ پورا نہیں ہوا اس لئے میرا کام بھی باقی ہے۔ لہٰذا آپ اگلی صبح اپنے بیٹے حارث کو لے کر پھر اسی مقام پر پہنچے اور کھدائی کے کام میں مصروف ہو گئے۔ قریش نے دیکھا تو پہلے سے بھی زیادہ مذاق اڑایا، طعنے دیئے اور پاگل کہا۔ وہ گزشتہ روز قیمتی اثاثے سے محروم ہو چکے تھے۔ حرب نے بھی آپ کا مذاق اڑانے میں کسر نہ چھوڑی مگر آپ نے ان کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اپنے کام میں برابر مصروف و منہمک رہے۔ قریش قہقہے لگاتے واپس ہوئے اور حطیم میں جا کر گپیں مارنے لگے۔ یہ لوگ ایسے موقعوں پر جب محفل محدود ہو تو حضرت عبدالمطلب کو ''مطلب کا غلام'' یعنی اپنی زبان میں عبدالمطلب کہا کرتے تھے۔ اس وقت بھی ان لوگوں کا موضوع گفتگو آپ ہی کی ذات تھی۔ قریش آپ کیخلاف گفتگو میں مصروف تھے اور آپ اپنے کام میں مستغرق۔

Presented by Ziaraat.net

تھوڑی ہی دیر کھدائی کرتے گزری تھی کہ زم زم کی جل پری نے اپنے رخ زیبا سے پردہ خاک کا نقاب الٹ دیا اور چھل چھل کرتی آپ کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب مبہوت رہ گئے۔ زم زم کا سوتہ بیدار ہو گیا تھا۔ پانی جوش مارتا ہوا ابل رہا تھا۔ پہلے گدلا پھر صاف و شفاف شیریں پانی ابلنے لگا۔ حضرت عبدالمطلب نے پہلے چلو بھر کر خود پیا۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی، پھر اپنے بیٹے حارث کو پلایا اور پھر جوش مسرت میں ایسا نعرہ بلند کیا کہ آواز حطیم تک پہنچی۔ صحنِ حرم میں بیٹھے اپنی گفتگو میں مصروف قریش پہلے چونکے اور پھر بے تحاشا دوڑ پڑے کہ شاید ہاشم کے بیٹے نے پھر کوئی خزانہ پالیا ہے۔ اس بار انہوں نے آپس میں تہیہ کر لیا کہ اگر پھر خزانہ عبدالمطلب کو ملا ہے تو ہم اپنا حصہ ہرگز نہ چھوڑیں گے اور وہ صرف اپنے ہی ایک حصہ کا حقدار ٹھہرے گا۔ قریش وہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ عبدالمطلب جوش اور مسرت کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے پانی ادھر ادھر اچھال رہے ہیں، منہ پر ڈال رہے ہیں اور دیوانگی کی حد تک خوشی میں آوازیں نکال رہے ہیں، گویا انکی خوشی دیوانگی کا روپ دھار چکی ہے۔ جب آپ نے قریش کے لوگوں کو اپنے گرد پایا تو مسرت سے چلائے۔

''اللہ کا وعدہ پورا ہوا، میری تمنا بر آئی، دیکھو اے قریش! یہ اسمٰعیل کا کنواں ہے۔ یہ حاجیوں کے پینے کیلئے پانی ہے جو اللہ نے دیا ہے''۔

قریش نے جب یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو جو تہیہ انہوں نے کیا تھا۔ سب بھول گئے وہاں تو کوئی خزانہ موجود ہی نہ تھا۔ جسے ابن ہاشم سے چھین لیتے بلکہ پانی کا کنواں تھا جس پر وہ اپنا حق ہی جتا سکتے تھے اور پھر میٹھے پانی کا کنواں جو کبھی خشک ہونے والا نہیں۔ عرب میں سب سے زیادہ گراں قدر ملکیت چشمہ یا کنواں تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ زم زم صرف عبدالمطلب کی ملکیت قرار پائے اور وہ سب پانی کیلئے صرف بنی ہاشم کے محتاج ہو جائیں، لہٰذا انہوں نے پہلے نرم رویہ اختیار کیا اور جھگڑنے والی بات پسند نہ کی تاکہ پہلے کی طرح قرعہ اندازی تک نوبت نہ پہنچے اور گفت و شنید سے باہم شرکت کا تصفیہ ہو جائے۔ قریش نے پہلے تو حضرت عبدالمطلب اور آپ کے آباء کے اخلاص و اخلاق اور جذبات کی تعریف کی پھر کہنے لگے۔

''اے شیبہ! یہ تو تم نے صلہ رحمی کا بڑا اچھا کام کیا ہے اور اپنی قوم قریش پر بڑا احسان کیا ہے۔ جسے وہ تمام عمر یاد رکھیں گے۔ بھلا ایسا میٹھے پانی کا کنواں ہمیں کہاں مل سکتا تھا۔ یہ تو تمہاری ہی محنت و برکت ہے اور اب ہم سمجھ گئے ہیں کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہاری ہی وجہ سے اس قوم کو اب ایک ایسے پانی کا منبع مل گیا ہے۔ جو کبھی خشک نہ ہوگا اور جب قرب و جوار کے سب کنوئیں خشک ہو جایا کریں گے تو اس سے پانی بآسانی حاصل کر لیا کریں گے''۔

حضرت عبدالمطلب جوان کا حاسدانہ اور مخالفانہ رویہ پہلے دیکھ چکے تھے۔ ان کی اس خوشامد سے متاثر نہیں ہوئے اور وہ ان کی اس روش کا مطلب خوب جانتے تھے۔ لہٰذا آپ نے بغیر کسی پس و پیش کے صاف

''خوب سن لو! پورے قریش کے کسی فرد کا اس میں ذرہ برابر حصہ نہیں ہے۔ یہ کنواں صرف میرا ہے۔ میں نے ہی اسے تلاش کیا ہے اور اسے میں نے اور میرے بیٹے نے مل کر کھودا ہے۔ پھر تمہارا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ یہ پانی حاجیوں کیلئے ہے اور یہی مجھے حکم بھی دیا گیا ہے۔ میں اس میں سے تمہیں ایک قطرہ نہیں دوں گا، ہاں اس وقت جب حاجیوں کی ضرورت پوری ہو جایا کرے''۔

یہ صاف جواب سن کر قریش اشتعال میں آ گئے۔ حرب بن امیہ نے انہیں مزید بھڑکایا۔ وہ یہ نہ کہہ سکا کہ یہ کنواں بنی عبد مناف کا حق ہے اس نے کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابن ہاشم تنہا زم زم پر اپنی ملکیت قائم کریں اور ہم سب اس سے محروم رہیں''۔

اس پر قریش کہنے لگے۔ یا ابن ہاشم! تم کیوں اپنے اوپر ظلم اپنی قوم پر زیادتی کر رہے ہو؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش کی مشترکہ ملکیت کی حدود میں جو کنواں برآمد ہو جائے خواہ تم ہی نے کھودا ہو صرف تم ہی اسکے تنہا مالک بن بیٹھو۔ پانی میں ہمارا حصہ ہر حال میں ہوگا۔ یہ زمین اللہ کی ہے اسکے بعد قریش کی لہٰذا اس میں ہم سب برابر کے شریک ہیں، کیا ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ ہمارے باپ دادا نہ تھے؟ صرف تمہارے ہی تھے؟

حضرت عبدالمطلب نے انتہائی متانت سے جواب میں کہا۔ ''وہ باپ دادا تو ہم سب ہی کے تھے۔ مگر پھر اللہ نے تم میں سے کسی ایک کو خواب میں یہ حکم کیوں نہ دیا؟ اور کیوں نہ تم میں سے کسی ایک کو زم زم کے مقام گمشدہ کی نشاندہی کی؟ اور کیوں نہ کسی کو اس خدمت کیلئے منتخب کیا؟ اور اب تم اچھی طرح جان لو گے کہ سقایہ کی خدمت کے لئے اللہ نے ہمیں ہی مخصوص کیا ہے اور یہ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ کے اس گھر کا حج کرنے والوں کو پانی مہیا کرنے اور کھانا کھلانے کی خدمت تمہارے نہیں ہمارے سپرد کی ہے اور تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ ہمیں ان امور کو انجام دینے میں کس قدر مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہم پچاس میل دور سے پانی لا کر چمڑے کے بنے حوضوں میں جمع کرتے ہیں۔ جس سے اللہ کے مہمان حجاج ہی نہیں تم بھی سیراب ہوتے ہو اور کیا تم نے یہ سوچا ہے کہ تم ہی ہمیں ایسے دنوں میں اپنے کنوؤں سے پانی نہیں لینے دیتے۔ اب اللہ نے ہماری اس تکلیف کو دور کیا، ہم پر مہربانی کی اور خواب میں اس کی نشاندہی کر کے ہمیں ہدایت کی تو تم اپنا حق جتاتے ہو، نہ تم نے ہماری مدد کی، نہ ہمارے کام میں ہاتھ بٹایا اور اب اپنا حصہ مانگنے آ گئے ہو۔ سو چو تم کس طرح اللہ کی دی ہوئی اس برکت میں حصہ دار بن سکتے ہو؟ چلے جاؤ میں تمہیں اس میں سے کوئی حصہ نہیں دوں گا۔

حرب کی مداخلت

حرب بن امیہ یہ سب کچھ سنتا رہا، اور پھر قریش کو ان کی طاقت اور حضرت عبدالمطلب کی کمزوری کا احساس دلانے اور انہیں مشتعل کر کے مخالفت پر آمادہ کرنے کیلئے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

Presented by Ziaraat.net

''اے ابن عم! تم کیوں ہم پر اتنا غصہ کر رہے ہو؟ کیا تم نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ تمہارا صرف ایک ہی تو بیٹا ہے سوچ لو! کیا تم ہمارے مقابلے میں کامیاب ہو سکو گے؟''

حرب نے بے اولادی کا طعنہ دے کر احساس دلایا تھا کہ تم ہم سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر یہ نوبت آ گئی تم شکست کھا جاؤ گے، اور یہ کنواں تمہارے ہاتھ سے چلا جائے گا۔ حضرت عبدالمطلب حرب کا یہ طعنہ سن کر اور مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے جواب میں کہا۔

''اے امیہ کے بیٹے! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ نے یہ اعزاز ہم ہی کو بخشا ہے اور تجھے اور تیرے باپ کو باوجود کوششوں کے محروم ہی رکھا اور تو جو میرا مذاق اڑاتا رہا اب اپنا حصہ مانگ رہا ہے۔''

اور تم اے قریش! اپنی تعداد کی کثرت کا مجھ پر رعب قائم کرتے اور مجھ پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔ مگر یاد رکھو جس اللہ نے مجھے پانی کے اس چشمہ کا نشان بتایا اور اسے کھود کر پانی نکالنے کا حکم دیا وہی میری مدد کرے گا اور میرے خلاف تمہاری چالبازیوں کو ناکام بنا دے گا۔

تم مجھے صرف ایک بیٹے کا طعنہ دیتے ہو اور صرف اس بنا پر مجھے کمزور سمجھتے ہو اور یہ کبھی نہیں سوچتے کہ جو اللہ مجھے ایسے اہم کام کا حکم دے سکتا ہے وہی تم سب کے مقابلے میں مجھے کثرت اولاد سے بھی نواز سکتا ہے، اور سن لو! آج میں تم سب کے سامنے تمہیں گواہ ٹھہرا کر قسم کھاتا ہوں کہ اگر مجھے اللہ نے دس بیٹے دیئے اور وہ میری نظروں کے سامنے زندہ رہے تو میں اپنے ایک بیٹے کو اللہ کے لئے قربان کر دوں گا۔

بنی عبد مناف کا جوش

حضرت عبدالمطلب کی یہ ولولہ انگیز اور پر جوش تقریر اس مستحکم اور پُر یقین لہجہ میں جب بنی عبد مناف کے افراد نے سنی تو سوائے بنی امیہ کے تمام افراد جوش و جذبہ سے سرشار غضبناک حالت میں آ گئے بڑھے اور انہوں نے کھل کر حضرت عبدالمطلب کی حمایت میں بنی امیہ اور دیگر قریش کو شرم دلائی اور ان کی ہوا و ہوس کے اظہار کیلئے ایسے الفاظ استعمال کئے کہ وہ بھی برداشت نہ کر سکے۔ زبانی سخت کلامی سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہر ایک کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستہ تک پہنچ گیا۔ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ کر دیں اگر ایسا ہو جاتا تو قریش کے درمیان اختلاف کی یہ آگ کبھی نہ بجھتی۔ حضرت عبدالمطلب نرم خو اور صلح جو انسان تھے وہ نہ چاہتے تھے کہ اپنے آباء کے قائم کردہ اس اتحاد کو اپنی وجہ سے برباد کر دیں اور پھر قریش میں اتحاد و یکجہتی کا امکان باقی نہ رہے۔ آخر کار آپ پھر مجبور ہو کر آگے بڑھے، قبائلی جھگڑوں کا یہی ایک مسلمہ اور پر امن حل تھا۔ آپ نے ایک بار پھر ثالثی کی تجویز پیش کی اور کہا۔

آخر تم لوگ اللہ کی جانب سے ایک کھلی نشانی ہونے کے باوجود ایک دوسرے کا خون بہانے پر کیوں آمادہ ہو گئے ہو اور اگر تمہیں میری اس بات پر یقین نہیں ہے تو میں ایک بار پھر ثالثی پر تیار ہوں اور اس کا اختیار

بھی تم کو دیتا ہوں کہ تم خود جسے چاہو اپنا ثالث مقرر کر لو میرے اور تمہارے درمیان ثالث فیصلہ کر دے گا اور وہ فیصلہ تمہیں ماننا ہو گا۔

قریش کے سرداروں نے کہا کہ اب تم نے انصاف کی بات کی ہے۔ ہم اس پر راضی ہیں اور اس کا فیصلہ ہم اب اپنی مرضی کے ثالث سے کرائیں گے اور جو وہ فیصلہ کر لے گا ہمیں منظور ہو گا اور فی الحال بنی سعد بن ھذیم کی کاہنہ سے بہتر انصاف کرنے والا اور کوئی ہماری نظر میں نہیں ہے۔ ہم اسی سے زمینی تنازع کا فیصلہ کرانا پسند کریں گے حضرت عبدالمطلب نے اسے منظور کر لیا۔

کاہنہ کی تلاش

کچھ ہی دن بعد قریش کا ایک قافلہ تجارت کیلئے شام جانے کیلئے تیار ہوا۔ فیصلہ کیا گیا کہ قریش کے نمائندے اسی قافلہ کے ہمراہ شام کے بالائی علاقہ میں ''معان'' جائیں اور کاہنہ سے اس تنازع کے فیصلہ کی درخواست کریں۔

دونوں جانب سے بیس بیس آدمیوں کا انتخاب ہوا جو اس قافلہ کے ہمراہ گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے بنی عبد مناف سے جس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے افراد شامل تھے بیس آدمیوں کا انتخاب کیا۔ اسی طرح قریش کے مختلف قبائل سے بیس آدمی منتخب کر کے روانہ کر دیئے گئے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ قریش کے ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی لیا گیا تھا۔ بہر حال حرب بن امیہ بھی اس گروہ میں شامل ہو گیا۔

اس وقت راستے میں بے آب و گیاہ چٹیل میدان تھے جب یہ لوگ حجاز و شام کے درمیان ایسے علاقے سے گزرے جہاں سبزہ تھا نہ سایہ اور نہ دور دور تک پانی کا نام و نشان تو حضرت عبدالمطلب اور ان کے بیس آدمیوں کا پانی ختم ہو گیا۔ وہ پیاس سے بدحال اور جاں بلب ہو گئے۔ قریش کے گروہ کے پاس پانی تھا مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس حالت اور اس جگہ پر ہم تمہاری طرح ہلاکت کا شکار ہونا نہیں چاہتے۔ اب حضرت عبدالمطلب اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسی جگہ ٹھہر گئے اور آپس میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ اس حالت میں کیا صورت اختیار کی جائے۔ سب ہی اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ہم آگے بڑھیں یا واپس جائیں۔ بہر حال اگر پانی میسر نہ آیا تو ہماری ہلاکت یقینی ہے۔ لہٰذا یہیں ٹھہر کر انتظار کریں کہ کوئی قافلہ پہنچ جائے اور ہمیں کچھ پانی مل جائے۔

حضرت عبدالمطلب نے ساتھیوں کی تجویز سنی اور پھر ہر طرف سے مایوس ہو کر انہیں مشورہ دیا، یوں بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے سے تو یہ بہتر ہے کہ ہم موت کا مقابلہ کریں، اگر اسی طرح بیٹھے رہے تو ہم یقیناً موت کا شکار ہو جائیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ جب تک ہم میں قوت ہے آگے بڑھتے رہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ آگے کسی بستی میں پانی دلا دے۔

یہ سن کر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے۔ قریش کے باقی لوگ الگ پڑاؤ ڈالے

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کی اس بے بسی اور حالت زار کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب حضرت عبدالمطلب اپنی سواری کی طرف بڑھے اس پر سوار ہوئے اور اونٹ کو چلنے کے لئے اٹھایا۔ تو اس کے نیچے پانی کا چشمہ بہہ نکلا۔ سب حیران ہو کر اپنے اونٹوں سے کود پڑے۔ سیر ہو کر پانی پیا اپنے مشکیزے بھرے۔ پھر حضرت عبدالمطلب نے قریش کی جماعت کو آواز دی اور کہا۔

''آؤ! اور دیکھو لو میرے اللہ نے یہاں بھی مجھے پانی دیا۔ آؤ اور جس قدر چاہو پانی پیو اور سفر کے لئے مشکیزوں میں بھر لو''۔

یہ سن کر قریش دوڑے آئے۔ دیکھا تو واقعی پانی موجود تھا۔ انہوں نے پانی پیا اور اپنے مشکیزے بھی بھرے ہر ایک شرمسار تھا اور فکر مند بھی حرب ان سے الگ رہا۔ اس نے نہ پانی پیا اور نہ مشکیزہ میں بھرا، وہ ان قریش کی اچانک تبدیلی پر غضبناک اور فکر مند سا تھا۔ جب حضرت عبدالمطلب نے آگے جانے کے ارادے سے انہیں اونٹوں پر سوار ہونے کے لئے کہا تو قریش مزید سوچ میں پڑ گئے۔ آخر کار انہوں نے مایوسی اور شرمندگی کے انداز میں کہا۔

اے شیبہ! اب ہم آگے جا کر کیا کریں گے؟ اللہ نے یہیں تمہارے حق میں فیصلہ کر دیا ہے اور اب ہم سمجھ گئے کہ جس خدا نے تمہیں یہاں بیابان میں پانی دے دیا، اسی اللہ نے زم زم بھی تم ہی کو دیا ہے، ہمارا ضد کرنا غلط ہے اور اب فیصلہ کیلئے جانا بے سود ہے، فیصلہ تمہارے ہی حق میں ہوگا۔ اس موقع پر ابن اسحاق لکھتا ہے۔

''اس کے بعد قریش نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارے خلاف اور تمہارے حق میں فیصلہ ہو گیا ہے۔ اے عبدالمطلب اب ہم آپ سے زم زم کے بارے میں کبھی جھگڑا نہیں کریں گے۔ جس ذات نے اس بے آب و گیاہ صحرا میں تمہیں پانی سے سیراب کیا ہے بلا شبہ اس نے تمہیں زم زم بھی عنایت کیا ہے۔ پس سیدھے اپنے چشمہ کی طرف لوٹ چلو۔ چنانچہ عبدالمطلب بھی لوٹے اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ بھی واپس آ گئے۔ یوں قریش عبدالمطلب اور زم زم کے درمیان حائل ہونے سے ہمیشہ کے لئے باز آ گئے''۔

(سیرت ابن ہشام، ص: ۱۷۲)

اسی واقعہ کے ضمن میں مولانا مودودیؒ نے لکھا۔

''چنانچہ وہ سب (قریش) پانی سے سیراب ہوئے اور کہا ''اے عبدالمطلب! خدا ہی نے ہمارے خلاف اور تمہارے حق میں فیصلہ دیدیا ہے۔ خدا کی قسم اب ہم زم زم کے معاملہ میں تم سے کبھی جھگڑا نہیں کرینگے۔ جس خدا نے تمہیں اس بیابان میں پانی دیا ہے اسی خدا نے زم زم بھی تمہیں عطا کیا ہے۔ اب پانی کی طرف بخیر و خوبی واپس چلو'' اس طرح سب اس کاہنہ کے پاس جانے کے بجائے مکہ واپس ہو گئے۔

اسی موقع پر ابن سعد نے لکھا ہے۔

''یہ سن کر وہ لوگ (حضرت عبدالمطلب کے ساتھی) وہاں سے چلنے پر تیار ہو گئے اور حضرت عبدالمطلب بھی سوار ہونے کے لئے اپنی سواری کے قریب آ کھڑے ہوئے اور جوں ہی وہاں سے چلے آپ کے پیروں کے نیچے آب شیریں کا چشمہ ریگ میں دکھائی دینے لگا۔ پس وہ لوگ (قریش) بھی آئے، انہوں نے پانی پیا اور پلایا پھر کہنے لگے۔ اب ہمارے نزاع کا فیصلہ ہو گیا۔ جس شخص نے ہمیں اس سرزمین کے چشمے سے پانی پلایا بے شک وہی ہم کو چاہ زم زم کا پانی بھی پلائے گا۔ خدا کی قسم اب اس امر میں ہم کبھی اس کے ساتھ جھگڑا نہیں کریں۔ پس وہ لوگ حضرت عبدالمطلب کے ساتھ اسی وقت لوٹ آئے اور اس کاہنۂ شامیہ کے پاس نہیں گئے اور پھر حضرت عبدالمطلب اور زم زم کے معاملات سے بالکل دست بردار ہو گئے''۔

(طبقات ابن سعد جلد اول، ص: ۵۰)

ان غیر متوقع واقعات سے قریش تو مطمئن ہو گئے اور انہوں نے زم زم پر آپ کی ملکیت کو تسلیم کر لیا لیکن حرب بن امیہ اور پھر تمام بنو امیہ کی شکست اور مایوسی نے انہیں آمادہ کیا کہ وہ حضرت عبدالمطلب کے خلاف سازشوں اور پریشان کن منصوبوں سے کام لیں۔ چنانچہ حرب نے زم زم کی تعمیر کے دوران ہی خانہ کعبہ سے چوری کی واردات کی۔ حضرت عبدالمطلب نے واپس آ کر زم زم کی تعمیر کی اور پھر قریش کیلئے زم زم کو وقف کر دیا۔

روضۃ الاحباب کے مولف نے مواہب لدینہ کی اسناد سے لکھا ہے کہ ''زمزم کی تعمیر کے بعد مکہ کے تمام کنوئیں بے کار ہو گئے۔ ان کا مصرف اتفاقی ضرورتوں کے وقت تک کیلئے محدود ہو کر رہ گیا''۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ قریش نے زم زم کا پانی استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور ان کو اجازت دیدی گئی تھی۔ فوق بلگرامی لکھتے ہیں۔

''جب زم زم کی تعمیر تمام ہو گئی تو حضرت عبدالمطلب نے چاہ زم زم کو تمام اقوام مکہ کیلئے وقف کر دیا''۔ (اسوۃ الرسولؐ ص: ۷۹۳)

وراثت زم زم

یہ تھا وہ خدائی فیصلہ جو زم زم کے بارے میں حضرت عبدالمطلب کے حق میں معجزاتی طور پر بیابان میں ہوا اور قریش اس پر ایمان لے آئے۔ خواب میں کہنے والے نے کہا تھا۔ ''یہ تیرے جدِ اعلیٰ کی میراث ہے اور اب یہ تیری اولاد کیلئے میراث ہوگا''۔ لیکن جب قریش نے اس بات کو ماننے سے انکار کیا اور اس میراث میں حصہ کا دعویٰ لیکر کھڑے ہو گئے تو قدرت الٰہیہ کو وہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ جس سے قریش پر اس کی منتخب شخصیت کا مزید رعب غالب ہو جائے اور وہ ہمیشہ کیلئے مطیع ہو کر دوبارہ لڑنے جھگڑنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ نیز بیاباں میں یوں چشمہ جاری کر کے زم زم کو حضرت عبدالمطلب کی میراث دائمی سمجھنے اور اس کے قائل ہونے میں آسانی پیدا

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

کردی۔ چنانچہ قریش نے متحدہ اور متفقہ طور پر یہ بات تسلیم کرلی کہ زم زم صرف حضرت عبدالمطلب کی اولاد کی میراث ہوگا۔ یوں بھی قدیم دور میں جو قدرتی چیز کو حاصل کرنے میں کوئی محنت کرتا تھا وہ اسی کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ ابتدائی دور میں عربوں میں یہی قانون تھا۔

اس کے بعد اسلام آنے تک سقایہ کا عہدہ حضرت عبدالمطلب ہی کی اولاد میں رہا اس پر کسی اور قریش نے کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں۔

"یہ سقایہ کا منصب جس میں اب سب سے اہم زمزم کی سقایت تھی زندگی بھر عبدالمطلب کے پاس رہا انکے بعد یہ انکے بیٹے ابوطالب کو ملا۔ مگر ابوطالب اپنی فیاضی کے باعث اپنی مالی استطاعت سے بڑھ کر حاجیوں کو پانی شربت اور دودھ وغیرہ پلانے لگے۔ جسکی وجہ سے انہیں کئی مرتبہ اپنے بھائی عباس سے قرض لینا پڑا اور اسے ادا نہ کرسکے۔ آخر کار حضرت عباس نے شرط لگائی کہ اب اگر آپ رقم ادا نہ کرسکیں تو سقایت کا عہدہ آپ کو میرے لئے چھوڑنا ہوگا۔ چنانچہ یہ ہوا کہ سقایت حضرت عباس کو مل گئی۔ یہ زمانہ قبل از اسلام کی بات ہے۔ زمانہ اسلام میں بھی یہ منصب بنی عباس ہی میں رہا۔" (سیرت سرور عالم حصہ دوئم، ص: ۸۸)

آج تک زم زم جاری و ساری ہے اور اس کا فیض حضرت عبدالمطلب اور ان کی اولاد ہی سے مخصوص و منسوب ہے۔

خانہ کعبہ سے سونے کی چوری

اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ زم زم میں پانی نکلنے سے پہلے سونے کے ہرن اور ہتھیاروں کا ذخیرہ برآمد ہوا تھا جو قرعہ اندازی کے سبب حرب بن امیہ اور قریش کو نہ مل سکا تھا۔ بلکہ خانہ کعبہ میں رکھ دیا گیا تھا۔ اس وقت بغیر نام کے تین آدمیوں کا ذکر ڈاکٹر طہٰ مصری کے حوالے سے کیا گیا تھا کہ انہوں نے اپنے منصوبہ میں ناکامی کے سبب حضرت عبدالمطلب کے خلاف ایک اور منصوبہ بنایا تھا اور وہاں سے چلے گئے تھے۔ اس کے بعد مزید کھدائی سے جب کنوئیں میں پانی نکل آیا اور اس پر بھی بنی امیہ اور قریش کے دیگر قبائل کو کوئی حصہ نہ ملا بلکہ وہ کلی حق حضرت عبدالمطلب کا تسلیم کرلیا گیا تو یہ تین ناکام سازشی مزید مشتعل ہوگئے اور انہوں نے اپنی ناکامی کا انتقام اس طرح لیا کہ ایک رات خانہ کعبہ سے وہ تمام خزانہ چوری کرلیا جو حضرت عبدالمطلب نے چاہ زم زم سے نکال کر خانہ کعبہ میں رکھ دیا تھا۔

خانہ کعبہ میں رکھی جانے والی ان اشیاء کے متعلق جو روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عبدالمطلب نے سونے کے ہرنوں کو توڑ کر اس سے کعبہ کے دروازے کیلئے گل میخیں قفل اور کنجیاں بنوائیں اور تلواروں کو باب خانہ کعبہ پر عظمت و

وجاہت کے اظہار کیلئے آویزاں کردیا۔ (طبقات اول، ص ۵۰)

دوسری روایت ہے کہ ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی بلکہ ان اشیاء کو اسی طرح درکعبہ پر آویزاں کردیا گیا۔ ایک مدت تک یہ دونوں چیزیں آویزاں رہیں پھر قریش ان کو چرا لے گئے۔ (طبقات اول، ص: ۵۰)

ابن سعد نے مختصر الفاظ میں اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

"جب عبدالمطلب نے زم زم کھودا تو اس میں سے سونے کے دو ہرن، قلعی کی ہوئی تین تلواریں اور زرہیں برآمد ہوئیں، ان پر قرعہ اندازی کی گئی یہ خانہ کعبہ کے نام نکلے وہ سونے کے ہرن باب کعبہ پر آویزاں کردیئے گئے وہ وہاں آویزاں تھے یہاں تک کہ قریش کے تین آدمی اسے چرا لے گئے"۔ (طبقات ابن سعد)

محدث شیرازی اس واقعہ کو روضۃ الاحباب میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"عبدالمطلب نے ان زرہوں کو جو ان کے نام پر نکلیں تھیں، خانہ کعبہ کے صلاح کے کاموں پر صرف کیں، ان سے کعبہ کے آہنی دروازے بنوائے اور ان سونے کے ہرنوں سے خانہ کعبہ کے کواڑوں کی گل میخیں تیار کرائی گئیں اور کواڑوں پر بٹھلائیں۔ دوسری روایت میں وارد ہے کہ ان کو اسی صورت میں دروازہ کعبہ پر آویزاں کردیا اور یہ آویزاں تھے کہ ایک جماعت قریش جس میں ابولہب بھی شامل تھا بیٹھی ہوئی شراب پی رہی تھی، گانے والی لونڈیاں بھی ہمراہ تھیں۔ جب ان کا سامان عیش تمام ہوگیا تو وہ لوگ خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ سونے کے دونوں ہرنوں کو جو لٹکے ہوئے تھے چرا لے گئے اور اسی رات شراب فروشوں کے قافلہ کے ہاتھ جو مکہ میں ٹھہرا ہوا تھا، بیچ ڈالا اور جتنی شراب ان کے پاس تھی۔ سب ایک ہی بار خرید لی اور ایک مہینہ تک شراب پیتے رہے، یہ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ یہ فعل کس نے کیا۔ یہاں تک کہ ایک شب کو عباس ابن عبدالمطلب کا قریش کی اس صحبت عیش و طرب کی طرف گزر ہوا۔ کنیزاں مغنیہ گا رہی تھیں اور اپنے گیتوں میں ان دونوں طلائی ہرنوں کے چوری کرنے اور قافلہ کے ہاتھ بیچ دینے کے پورے حالات با آواز بلند بیان کررہی تھیں۔ عباس نے ان گیتوں کو سنا اور قریش کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ جماعت کی جماعت پکڑی گئی۔ ان کی سخت تنبیہ و تادیب اور بعلت جرم سرقہ بعضوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے"۔

(روضۃ الاحباب، ص: ۶۴)

محدث شیرازی نے یہ روایت کہاں سے لی اس کا ماخذ کیا اور راوی کون ہے؟ اس کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں ہوسکا۔ لیکن بہرحال یہ روایت اصل چوروں کو چھپانے کیلئے گھڑی گئی اور عہد بنوامیہ میں اسے شہرت

Presented by Ziaraat.net

دی گئی۔ اس حد تک کہ یہ تحریری شکل اختیار کر گئی چوروں کی تعداد تین بتائی گئی ہے اور اس تعداد پر تمام مورخین متفق ہیں۔ اس روایت سے راوی کا مقصد اپنے لوگوں کو بچانا اور خاندان رسول کے افراد کو بدنام کرنا ہے۔ چنانچہ اس میں ایک نام ابولہب (عبدالعزیٰ) کا بھی موجود ہے۔ جبکہ اکثر مورخین نے نام بتانے سے گریز کیا ہے۔ اگر واقعی چور یہی تین اشخاص ہوتے تو اکثر مورخین کو نام لینے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ مگر بعض کا نام نہ لینا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ تینوں یہ نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جن کا نام لینے سے مورخین گریز کرنا پسند کرتے ہیں اور اصل چوروں کی موجود نسل کے طعن تشنیع سے بچنا چاہتے ہیں۔

بددیانتی کی مثال

ایسی بے شمار مثالیں ہیں جنہیں اس ضمن میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایسے سینکڑوں مقام اسلام کی تاریخ میں آتے ہیں جہاں ایک ہی واقعہ کو دو مورخوں نے اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت واقعہ ایک ہی ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی ایک مورخ نسلی تعصب یا مصلحت کا شکار ہو گیا ہے اور یہی وہ تاریخی بددیانتی ہے جو بالخصوص اسلامی تاریخ میں پائی جاتی ہے۔ اس کی ابتدا ہمارے یہاں پہلی صدی ہجری ہی میں ہو گئی تھی۔

ہم یہاں حاکمِ شام امیر معاویہ بن ابوسفیان کے خط کی مثال پیش کر سکتے ہیں، جو محمد بن ابی بکرؓ کو انکے اپنے ایک خط کے جواب میں بھیجا گیا تھا۔ چونکہ اس خط کے مضمرات سے بہت سے صحابہ کے تقدس کو ٹھیس پہنچتی تھی، بہت سے پارساؤں کے چہروں سے نقابیں الٹ جاتی تھیں اور ان کے کردار کا پول کھلتا تھا، ان کے قول و فعل کا تضاد اور سازشوں کا اظہار ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ ابتدائی خلافت سے متعلق جو روایات مشہور کر کے حقائق چھپائے گئے تھے، وہ ظاہر ہو جاتے تھے، اس لئے کسی مورخ کی جرأت نہ ہو سکی کہ وہ اس خط کے متن کو اپنی تاریخ میں شائع کر سکے۔ وہ خط کا ذکر تو کرتے ہیں۔ اس خط کے اثرات بھی بتاتے ہیں مگر خط کا مضمون شائع کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ ہر اک مورخ نے حتیٰ کہ طبری نے بھی یہ کہہ کر خط کا مضمون حذف کر دیا کہ ''اگر اس خط کا مضمون ظاہر کیا گیا تو مسلمان برداشت نہ کر سکیں گے۔ اس لئے ہم خط کا مضمون ظاہر کرنا نہیں چاہتے''۔ گویا ان مورخین کے نزدیک تاریخ نویسی کا مطلب یہی ہے کہ اصل چھپاتے رہئے اور فروعات بیان کرتے چلے جایئے۔ ہیرو کے کارنامے تو بیان کیجئے مگر اسکی شکست کی ذلتوں پر پردہ ڈالتے رہئے اور اگر کہیں ذکر کرنا ہی پڑے تو کہیں اصل نام چھپا جایئے۔ کہیں فرضی نام لکھ دیجئے یا پھر تاویلات کے ساتھ خطوط وحدانی میں مفہوم کے رخ کو موڑتے ہوئے، مختصر یہ ہے ہماری تاریخ نویسی اور سیرت نگاری۔ اسکی وجہ بتاتے ہوئے ترکی کے مفتی اعظم آقائے بہلول بہجت اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

''ادھر خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا ادھر حالات بد سے بدتر ہو گئے، یعنی بنی امیہ کا قابل نفرت، ظالمانہ اور غاصبانہ دور شروع ہو گیا۔ ظالم و مکاری کے اطراف ناعاقبت اندیش

اور بددیانت لوگ جمع ہونے لگے اور ان کی مکاریوں اور مظالم کی وجہ سے حقائق پوشیدہ ہوتے رہے۔ (فارسی ترجمہ، تشریح و محاکمہ در تاریخ آل محمدؐ۔ مصنف مفتی اعظم ترکی بہلول بہجت) مزید لکھتے ہیں۔ ''ہمیں دلخراش تاریخی واقعات کو دہرانا منظور نہیں ہے بلکہ یہ ثابت کرنا مطلوب ہے کہ (بنی امیہ کے) اس دور میں آل محمدؐ کے فضائل بیان کرنا کہنا یا ان کے حالات کا معمولی ذکر بھی مشکل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بنوامیہ کے دور میں اہل بیت کے حق اور حقیقت کا ذکر ہی نہ تھا بلکہ ان پر مکر و فریب کے پردے ڈالے جاتے رہے۔'' (ایضاً ص:۲۷)

اسی طرح عقبہ بن ابی معیط جو آنحضرتؐ کا ہمسایہ تھا۔ آپ کے دروازہ پر غلاظت پھینکتا تھا لیکن یہ الزام بعد میں ابولہب کے سر لگایا گیا اور اسے آنحضرتؐ کا دشمن ثابت کیا گیا۔ حالانکہ ابولہب آپ کا ہمسایہ تھا ہی نہیں۔ اس طرح بنی امیہ کے ایک فرد کو اس الزام سے بچا لیا گیا۔ پھر اسے ابولہب مشہور کر کے سورہ تبت کا مصداق ٹھہرایا گیا جبکہ اس کا مصداق خود اس زمانہ کا سردار بنوامیہ تھا۔

بہر حال یہ سب کچھ ایک سازش کے تحت کیا جاتا رہا اور اپنے لوگوں کو مسلمانوں کے طعن و تشنیع سے بچایا جاتا رہا اور جب ایک حقیقت شناس اور حقائق نویس اور دیانت دار مورخ مسعودی نے اس خط کا مضمون اپنی تاریخ میں۔ ''من و عن'' شائع کر دیا تو ایک طوفان برپا ہو گیا اور اس مورخ پر وہ الزام تراشیاں ہوئیں کہ الاماں۔ بجائے اس کے کہ اسکی جرأت اور اور حقیقت بیانی کی تعریف کی جاتی اور اس کی مورخانہ دیانت کو سراہا جاتا۔ اسے جھوٹا، کاذب اور غالی کہا گیا۔ بعض نے اس پر شیعت کا الزام لگایا۔

ہم نے یہاں یہ مثال مختصراً اور اشارتاً بیان کی ہے۔ بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ ایسے مواقع پر مورخ یا مولف کہیں واقعات سے صرف نظر کرتا ہے تو کہیں نام ظاہر نہیں کرتا اور کبھی فرضی نام یا کسی مخالف کو موردالزام ٹھہرانے کے لئے اس کا نام دیدیتا ہے اور اصل مجرم کو محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ بعض روایتوں میں بغیر نام کے تین چوروں کا ذکر کیا گیا ہے اور کہیں فرضی نام ظاہر کئے گئے ہیں۔ اسے یوں بآسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جب تک وہ لوگ جو واقعہ کے وقت موجود تھے زندہ رہتے واقعہ سے متعلق لوگوں کے نام پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی جاتی اور روایت سینہ بہ سینہ آگے چلتی رہتی اور جب یہ لوگ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے تو اس روایت میں فرضی یا مخالف لوگوں کے نام شامل کر دیئے جاتے اور نئی نسل انہی لوگوں کو ایسے واقعہ کا مجرم گردانتی۔ صحابہ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بنی امیہ نے عرب اور غیر عرب نومسلموں کو یہی سبق پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ بعض واقف مورخ بنی امیہ کے متقدر لوگوں سے خائف رہے اور ناموں کے ذکر سے صرف نظر کرتے رہے۔ چنانچہ عموماً خانہ کعبہ کی اس چوری کے واقعہ کو ہر جگہ نظر انداز کیا گیا ہے اور اگر کہیں بیان کیا بھی ہے تو صرف اسقدر کہ ''ایک بار خانہ کعبہ میں چوری ہو گئی تھی''۔ کس نے چوری کی؟ کیوں کی؟ اور کب کی؟ اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ حالانکہ اس کی تفصیلات قدیم ترین ماخذوں میں ضرور ہوں گی

Presented by Ziaraat.net

چوروں کے نام بھی ہونگے مگر بعد کے مولفین ومورخین نے عمداً ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ رسول اللہؐ کے دور میں آپ کے خلاف جو سازشیں کی جاتی رہیں۔ ان کا ذکر بھی اسی طرح ملتا ہے۔ لیکن تفصیلات غائب ہیں کیونکہ ان سازشوں میں بنی امیہ اور ان کے حلیف قبیلوں کے افراد شامل بتائے جاتے ہیں۔ مثلاً مسجد ضرار اور تبوک سے واپسی پر کی گئی سازش کی نہ تفصیل ملتی ہے اور نہ ہی سازشیوں کے نام ملتے ہیں سب پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ کیا اسے تاریخ کہا جائے گا؟

خانہ کعبہ جس کو تمام قریش مانتے ہوں۔ اسکی حفاظت کے ذمہ دار ہوں۔ انکے خداؤں کا وہ گھر بھی ہو۔ تمام عرب کیلئے آئے نذرانے کی چوری ہوجائے اور وہ اسے ایک غیر اہم واقعہ کہہ کر خاموش ہوجائیں یہ کیسے ممکن ہے؟ ضرور اس کا کھوج لگایا گیا ہوگا۔ چور پکڑے گئے ہونگے۔ انکے ناموں کا علم بھی ہوگا، انہیں سزا بھی ملی ہوگی۔ چنانچہ چوروں کی تعداد، ان کا پکڑا جانا اور انہیں سزا کا ملنا تاریخ میں موجو ہے لیکن صحیح نام موجود نہیں ہیں آخر کیوں؟ لیکن وہ چونکہ قریش کے فرد تھے اور ان کا تعلق بنی امیہ سے تھا اسلئے بعد میں انکے نام جرم کی فائل سے حذف کردیئے گئے۔ کیونکہ چوروں کی اولاد بعد میں اقتدار پر قابض ہوئی اور یوں اب انکے آباء کا ذکر مورخوں کو اس طور کرنے اور ان کا نام ظاہر کرنے میں دشواریاں پیش آئیں۔

محدث شیرازی کی روایت

یہ روایت سرتاپا غلط اور موضوع ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اس کا محرکات کے خلاف ہونا ہے۔ خانہ کعبہ کے سامنے یا اس کے قریب ایک جماعت کا شراب نوشی کرنا اور اس کے ساتھ عورتوں کا رقص ونغمہ سرائی کرنا ممکن نہیں ہے جبکہ حضرت عبدالمطلب شراب نوشی سے لوگوں کو منع کرتے تھے۔ روایت میں جماعت کا لفظ استعمال کرنا اور صرف ابولہب ہی کے نام کو ظاہر کرنا قابل غور ہے اور اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ راوی کا ابولہب ہی کو چوری میں شریک کرنا مقصود ہے۔ کیا راوی پوری جماعت سے صرف ایک ہی شخص کا نام جانتا تھا؟ مدت گزر جانے کے بعد راوی نے زمانہ وقوع کو بھی بدل دیا ہے اور حضرت عباس کا ذکر کے اسے حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد کا واقعہ ظاہر کیا ہے۔ حضرت عباس کا اس جماعت کی نشاندہی قریش کو کرنا بھی یہ بتاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب بقید حیات نہیں تھے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس وقت جناب ابوطالب متولی کعبہ تھے، انہیں اس کا ذکر اپنے بڑے بھائی جناب ابوطالب سے کرنا چاہیے تھا لیکن اس روایت میں ان کا کوئی تعلق ہی ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر وہ چور پکڑے گئے تو ان کو سزا کس نے دی؟ اور کیا ابولہب کا ہاتھ کاٹا گیا؟ روایت میں ہاتھ کاٹنے کا ذکر موجود ہے۔

اگر یہ واقعہ حضرت عبدالمطلب کے آخری دور میں ہوا، جب ابولہب کی عمر تیس سال تک تھی تو یہ اس لیے ناممکن ہے کہ حضرت عبدالمطلب جیسے باپ کی موجودگی میں ان کا بیٹا شراب خوری اور چوری کرے، اس کا خیال میں آنا بھی محال ہے۔ حضرت عبدالمطلب نہ شراب پیتے تھے اور نہ ہی انہوں نے اپنی اولاد کو ایسا

کرنے دیا تھا۔ ان کی اولاد شراب نہیں پیتی تھی اور خود حضرت عبدالمطلب تجارت کے سبب پورے قریش میں مالدار اور سخی تھے انکے کسی بیٹے کو چوری کرنے اور اس سونے کو بیچ کر رقم حاصل کرنے کی ضرورت ہرگز نہ تھی۔ اگر اس واقعہ کو آپ کی وفات کے بعد کا سمجھا جائے جیسا کہ روایت میں ظاہر کیا گیا ہے تو تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ مکہ کے تین بڑے مالداروں میں ابولہب کا شمار ہوتا تھا، بہت سے لوگ اس کے مقروض ہوتے تھے۔ بنی امیہ کے حلیف قبیلہ کا ایک فرد ابولہب کا مقروض تھا اس نے اسی شخص کو جنگ بدر میں بھیجا تھا۔ باہر سے آنے والے لوگ اگر کسی مشکل میں مبتلا ہوجاتے تو ابولہب ان کی مالی مدد کرتا تھا۔ ایسے ہی ایک شخص نے اس کی تعریف میں اشعار کہے تھے۔

محمد اسحاق لکھتا ہے کہ جب عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو حذیفہ بن غانم (بن عدی، بن کعب بن لوی) نے آپ کا مرثیہ کہا جس میں اس نے آپ کی اولاد کے اوصاف بھی بیان کئے۔ وہ ابولہب کے متعلق کہتا ہے۔

(۱) ابوعتبہ (ابولہب) جس سے مجھے فیض پہنچا، نورانی پیشانی والا، سرخ وسپید رنگ والا، نیک لوگوں میں سے ہے۔

(۲) ابن لبنیٰ (ابولہب) نے جو احسان کیا ہے اسے بھول نہ جانا کیونکہ ایسا احسان ہے جو میری شکرگزاری کا طالب ہے۔

(۳) اے ابن لبنیٰ جب لوگ اپنے بزرگوں کی جانب منسوب ہونگے تو بنی قصی میں شمار ہوگا جہاں سینوں میں رہنے والے دلوں کے مقاصد منتہی ہوتے ہیں۔

(۴) (اے ابوعتبہ!) تو جو دوستی میں تمام لوگوں سے اتنا آگے بڑھ گیا کہ سب کی نظروں سے غائب ہوگیا اور کم سنی ہی میں بڑے بڑے سرداروں کا سردار بن گیا۔

(۵) تو نے برتری حاصل کرلی اور اس برتری کو ایک ایسی اصل خالص تک ملا دیا جو بزرگی کے لئے عظمت وجرأت والی ہے۔

(۶) علم الانساب کے ماہروں نے جب نسب دیکھے تو معلوم ہوا کہ تیری ماں خزاعہ کا ایک بہترین جوہر تھی۔

(۷) پس اے خارجہ اگر میں مرجاؤں تو تو ان لوگوں کا ہمیشہ شکرگزار رہنا یہاں تک کہ تو قبر میں غائب ہوجائے۔ (سیرت ابن ہشام، ص: ۱۹۷ تا ۲۰۱)

اسی طرح سیرت ابن ہشام میں اس مسافر حذیفہ کی مدد کرنے کا ذکر موجود ہے لکھا ہے "حذیفہ کو چار ہزار درہم کے عوض ایک بار مکہ میں پکڑ لیا گیا تھا، یہ حالت اس کیلئے انتہائی شرم وذلت کی تھی کہ کسی نے کوئی مدد نہ کی، اتفاق سے عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب (ابولہب) کا گزر ادھر سے ہوا تو اسے مرد شریف پر رحم آیا اس نے چار ہزار درہم حذیفہ کی جانب سے اسی وقت ادا کرکے اس کی جان چھڑا دی"۔

(سیرت ابن ہشام، ص: ۱۹۷ اردو ترجمہ)

Presented by Ziaraat.net

ایسے اور بھی کئی واقعات ابولہب سے متعلق تاریخ میں موجود ہیں، کیا ان کے ہوتے ہوئے کوئی باور کرسکتا ہے کہ ابولہب نے خانہ کعبہ سے سونے کے ہرنوں کی چوری کی؟ لیکن ان ہی لوگوں نے ابولہب کو اس قدر بدنام کردیا تھا کہ ہر عیب اس سے منسوب کر کے اپنے آدمی کو بچالیا گیا۔

(مزید معلومات کے لئے ہماری کتاب ابولہب کا مطالعہ کیجئے)

خزانہ کعبہ کی چوری کرنے والے دراصل کون تھے؟

ممکن ہے کہ قدیم روایات اور تاریخی ماخذوں میں ان چوروں کی نشاندہی صاف طور پر کی گئی ہو، اور ان کے نام بھی درج کئے ہوں ان کے ساتھ خاندان اور قبیلہ کا بھی ذکر کیا ہو۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ دستیاب ہونے والی تاریخی کتب میں ان چوروں کا نام ونشان موجود نہیں ہے۔ حیرت کا سبب یہ ہے کہ جب چوروں کی تعداد کا علم ہوگیا۔ تو ان کے ناموں کا معلوم ہونا کیا مشکل تھا۔ یعنی وہ کتنے تھے۔ یہ تو دیکھنے والے نے دیکھا مگر وہ کون تھے؟ یہ اسے معلوم نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے مورخوں نے مصلحتاً نام پوشیدہ رکھے ہیں اور تعداد ظاہر کردی ہے۔ تاکہ بہت بعد میں مسلمان ہوکر صحابی ہوجانے والوں کے باپ دادا کی تضحیک نہ ہو، یا ان کے مکروہ چہرے پہچان نہ لئے جائیں۔ ان مورخین میں کچھ تو ایسے ہیں جو نسباً ان لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ خود اپنے آبا کی ذلت ورسوائی گوارا نہیں کرسکتے۔ کچھ ایسے ہیں جو ایک طبقہ کی ناراضگی سے گھبراتے ہیں۔

مورخین کی بددیانتی اور مصلحت بینی

چنانچہ ہم اسلامی تاریخ اور تذکروں میں ایسی سینکڑوں مثالیں پاتے ہیں۔ جہاں مورخین نے اپنے پیشے سے بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔ تاریخ واقعات پیش کرتی ہے ان کا تجزیہ نہیں کرتی مورخ کا کام ہے کہ وہ صحیح واقعات کو ان کے محل وقوع اور کرداروں کے صحیح نام کے ساتھ ترتیب دے کر پیش کردے۔ اس کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ مصلحتوں کو سامنے رکھ کر یہ سوچنا شروع کردے کہ کس واقعہ کو پیش کرے اور کس واقعہ کو حذف کرجائے، کس نام کو ظاہر کرے اور کس کام کو پوشیدہ رکھے۔ حتیٰ کہ وہ کسی صحابی کے کسی ایسے رشتہ کا اظہار بھی کرنا نہیں چاہتے جو کسی کافر یا مشرک یا دشمن رسولؐ سے تھا۔ آخر کیوں؟ وہ فضیلت کے لئے گزشتہ سات پشتوں کے بعد آنحضرتؐ کے قبیلہ سے رشتہ جوڑتے ہیں جس سے کسی رائج رشتہ کا اظہار نہیں ہوتا لیکن موجود قریبی رشتہ کا ذکر نہیں کرتے۔ وہ یہ تو کہتے ہیں علی الاعلان کہ حضرت علیؑ نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنا چاہی تھی۔ پھر خود ہی کہتے ہیں یہ شادی انہوں نے نہیں کی۔ لیکن کسی کتاب میں اس رشتہ کا ذکر نہیں ملے گا کہ ابوجہل حضرت عمرؓ کا سگا ماموں تھا اور حضرت حمزہ نے جس رات ابوجہل کو آنحضرت سے گستاخی کے سبب مارا تھا اسی صبح وہ اس کا انتقام لینے ننگی تلوار کے ساتھ آنحضرتؐ کو قتل کرنے گئے تھے۔ اسکے بعد تمام مورخ خاموش ہیں۔

مورخ کو بلاکم وکاست واقعات ترتیب دینے چاہیں۔ یہ کام قاری کا ہے کہ وہ ان سے کیا نتائج اخذ کرتا ہے یا پھر یہ فرض مبصر پر عائد ہوتا ہے کہ وہ واقعات کا تجزیہ کرے اور صحیح نتائج اخذ کر کے سامنے لائے۔ لیکن ان لوگوں کے سامنے مبصر کی بھی وہی حالت ہوتی ہے جو مورخ کی تھی اسی لئے ہمارا مبصر بھی عقائد، نسلی تعصب یا خوف کی بنا پر تاریخی واقعات کے صحیح نتائج کی جگہ توجیہات پیش کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

چوری کا واقعہ کب ہوا

چوری کا یہ واقعہ ان دنوں پیش آیا تھا جب حضرت عبدالمطلب نے خواب میں معلوم ہونے کے بعد چاہ زم زم کی کھدائی کی تھی اور اس سے برآمد ہونے والا تمام خزانہ یعنی اسلحہ اور سونے کے دو ہرن خانہ کعبہ میں رکھ دیئے تھے۔ اس پر قریش کے کچھ لوگ جن میں حرب بن امیہ پیش پیش تھا ناراض ہوئے۔ حرب بن امیہ نے اپنے بدمعاش ساتھیوں سے ملکر ایک منصوبہ بنایا اور چند روز بعد ہی وہ خزانہ چوری کر لیا گیا۔ اس حرکت سے حضرت عبدالمطلب کو سخت ذہنی کوفت ہوئی اور دلی صدمہ پہنچا اور یہی دشمنوں کا مقصد اوّل تھا۔

اس وقت جیسا کہ تمام مورخ اور تذکرہ نگار متفق ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کے صرف ایک ہی لڑکا حارث نام کا تھا اسی نے زم زم کی کھدائی میں آپکی مدد کی تھی اور آپ نے اس وقت تک عبدالعزیٰ (ابولہب) کی ماں لبنیٰ بنت ہاجر خزاعی سے شادی بھی نہیں کی تھی پھر وہ چوری میں کیسے شریک ہوا، اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابوطالب اور رسولؐ اللہ کے زمانہ میں اس نے یہ حرکت کی تو اول یہ کہ وہ اس وقت اتنا بڑا مالدار تھا کہ بنی امیہ کے اور دیگر قبیلوں کے لوگ اس کے مقروض رہتے تھے۔ بھتیجے کی ذرا سی خدمت پر وہ کنیز آزاد کرنے میں دریغ کرنے والا نہیں تھا اسے چوری کرنے کی اور وہ بھی خانہ کعبہ میں، اور اس چیز کی جو اسکے خاندان کی ملکیت ہو ضرورت بالکل نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ خود حضرت عبدالمطلب نے اپنے زمانہ میں اس واردات کے بعد باقاعدہ ایک منصب اسی مقصد کے لئے بنا دیا تھا۔ جسے ''اموال مجرّہ'' کی دیکھ بھال سے متعلق کر دیا تھا اور کعبہ کے خزانہ کی نگہداشت کی ذمہ داری قبیلہ سہم کے سردار کے سپرد تھی۔ لہٰذا دوبارہ چوری کا نہ تو امکان تھا اور نہ ہی اس کے بعد خانہ کعبہ میں چوری ہوئی۔

بدنام کرنے کی سازش

اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ بنی امیہ اور بعد کے اموی راویوں نے رسول اللہ کے رشتہ داروں کو انتقام لینے کی غرض سے بدنام کرنے کی سازش کی اور اپنے اعزا کی جگہ ان کے اعزا کے ناموں کو چوری سے متعلق شہرت دی۔ جبکہ عبدالملک بن مروان اموی کے دور اقتدار میں اس کے مقرر کردہ مفسر نے سورہ تبت کا مصداق ایک اموی سردار کی جگہ عبدالعزیز کو ٹھہرایا تھا، اور اس کے نام عبدالفزیٰ اور کنیت ابوعقبہ کی جگہ ابولہب مشہور کر دی تھی۔ اسی طرح اموی راویوں نے اپنے آدمیوں کے کئی کر توت ابولہب سے نسبت دیکر مشہور کئے تھے۔ یوں بلا لحاظ زمانہ وقت چوری کا الزام ابولہب پر رکھ کر اصل چوروں کے نام چھپا دیئے گئے۔ ابولہب کو ابتدا ہی میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق اس قدر بدنام کر دیا گیا تھا کہ مورخوں کو بھی یہاں مصلحت اندیشی کی ضرورت پیش نہ آئی اسی لئے کسی محقق نے اصل ناموں کے تجسس میں سرگردانی کی نہ ضرورت سمجھی اور نہ زحمت گوارا کی۔

چوری کون کر سکتے تھے؟

چوری کی واردات میں مجرموں کا پتہ لگانے کے لئے اس وقت آج کے سائنسی طریقہ ہائے تفتیش موجود نہ تھے جو طریقے اس وقت استعمال کئے جاتے تھے وہ صرف تین تھے۔ (۱) یہ معلوم کرنا کہ چوری کون کر سکتا ہے؟ (۲) یہ پتا لگانا کہ چوری کی وجوہات کیا ہو سکتی ہیں؟ جس کے یہاں چوری ہوئی اس کے قریبی دشمن کون ہیں؟ یہ تینوں چیزیں جس پر متفق و صادق نظر آتیں اسی کو چور سمجھا جاتا اور اس کی مزید تحقیق سے ثبوت فراہم کر لئے جاتے تھے۔

(۱) اس زمانہ میں قریش کعبہ کے محافظ تھے۔ کعبہ ہی کے سبب وہ مالدار ہوئے اور انہوں نے پورے عرب میں عزت و توقیر حاصل کی تھی۔ لہٰذا قریش میں سے وہی لوگ چوری کر سکتے تھے جن کی نظر میں کعبہ کی عزت اور کعبہ کے خزانہ کا کوئی پاس و لحاظ نہ تھا۔ تمام قریش بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت عبدالمطلب کی عزت کرتے تھے اور یہ خزانہ ان ہی کے نام مخصوص تھا۔ اس وقت سب جانتے تھے کہ بنی امیہ خاص طور پر حرب بن امیہ تولیت کعبہ سے محروم اور بنی ہاشم کے مقابلے میں شکست سے دوچار ہونے کے سبب نہ تو متولی کعبہ کی کوئی عزت کرتا تھا اور نہ ہی کعبہ کا کوئی پاس و لحاظ۔ اس لئے یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ کوئی چیز حاصل نہ کر پائے تو اسی چیز کو بے حرمت کرنے یا تباہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تاکہ وہ حق دار کو اس سے محروم کر کے طمانیت حاصل کر سکے۔ کعبہ کا خزانہ حرب بن امیہ اور حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے درمیان وجہ تنازع تھا۔

(۲) یہ بھی معلوم تھا کہ قریش کے تاجر بن جانے کے بعد کچھ لوگ ایسے تھے جو ابھی تک چوری اور لوٹ مار سے اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ اس وقت قتل و غارت اور چوری میں حرب بن امیہ اور اس کے چند ساتھی سرفہرست تھے اور لوگ ان کی اس حرکت سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ انہی دنوں جب چوری کا یہ واقعہ ہوا تھا اور ابھی چوروں کی تلاش جاری تھی، اس طرف سے توجہ ہٹانے کے لئے حرب کے ایماء پر عامر اور صخر نامی دو ساتھیوں نے اذینہ نامی یہودی کو قتل کر کے اس کا مال لوٹ لیا تھا۔

(۳) یہ بات بھی ثابت اور ظاہر تھی کہ حرب ابن امیہ حضرت عبدالمطلب کا سب سے بڑا دشمن تھا جب چاہ زمزم سے خزانہ برآمد ہوا تھا تو صرف دو اشخاص حرب اور ہشام نے اسے حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی تھی مگر وہ حضرت عبدالمطلب کے جوابی حربے کے سامنے ایسے بے بس ہوئے کہ انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ بقول ڈاکٹر طٰہٰ تین آدمیوں نے اس وقت جب حضرت عبدالمطلب اور ان کے صاحبزادے حارث ان اشیاء کو خانہ کعبہ میں سجا رہے تھے ایک منصوبہ بنایا اور اگلے روز تمام خزانہ کعبہ سے چوری کر لیا گیا۔ ڈاکٹر طٰہٰ نے ان تین چوروں کے نام نہیں لکھے لیکن یہ تین حرب بن امیہ، عمر (ابوجہل) کا باپ ہشام بن مغیرہ اور صخر کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے۔

اس واقعہ سے حضرت عبدالمطلب کو ناقابل برداشت صدمہ پہنچا، آپ کو حرب کی طرف سے مخالفت کا

Presented by Ziaraat.net

یقین تو تھا مگر اس قسم کی ذلیل حرکت کا کبھی خیال بھی نہ آیا تھا۔ اگر ایسی حرکت کا تعلق ان کی ذات سے ہوتا تو وہ کبھی پرواہ بھی نہ کرتے مگر معاملہ بیت اللہ اور اس کے سامان سے تھا۔ یہ ایک طرح سے اللہ کے گھر کی بے حرمتی تھی اور اس کی حرمت کا تعلق پورے جزیرہ العرب کے باشندوں سے تھا۔ آپ خاموش کس طرح رہ سکتے تھے۔ چور باہر سے نہیں آئے تھے اور نہ ہی وہ حج کا زمانہ تھا۔ چور قریش ہی میں سے تھے اور آپ انہیں اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے۔ مگر اپنی طبیعت کے تقاضا کے سبب وہ یوں کسی پر ہاتھ ڈالنا بھی نہ چاہتے تھے جب تک کہ ثبوت نہ ہو۔

اس زمانہ میں نہ پولیس کا محکمہ تھا اور نہ کوئی ایسا ذریعہ جس سے مجرم کو زیر حراست لایا جائے۔ آپ چوروں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ لہٰذا آپ نے یہ مسئلہ قریش کے بزرگوں کی ایک جماعت کے سامنے رکھا اور انہیں اعتماد میں لے کر ان تینوں مشتبہ افراد کی تلاش لی۔ ان میں سے ایک شخص کے پاس سے چوری کا مال برآمد ہو گیا۔ تاریخ میں ایک شخص کے پاس سے مال برآمد ہونے کا ذکر تو ہے مگر اس کا نام کیا تھا اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں یہ نام بھی پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

مولانا مودودی نے ''تفہیم القران'' کی چھٹی جلد میں اس کا ذکر کیا ہے۔ مگر انہوں نے بھی اس شخص کا نام نہیں لکھا جس کے گھر سے مال برآمد ہوا تھا۔ بہر حال وہ ان تینوں میں سے ایک تھا جنکے ناموں کا ذکر ہم نے گزشتہ سطور میں کیا ہے اور زیادہ غالب گمان صخر کی نسبت ہے۔ یہ شخص حرب بن امیہ کا انتہائی قابل اعتماد بدمعاش ساتھی تھا۔ اسی نے حرب کے اشارے پر عامر کو ساتھ ملا کر اذینہ کو قتل کیا تھا اور اس کا مال لوٹ لیا تھا۔ حرب نے اس مال پر قبضہ کیا اور اس کا حصہ اسے دے دیا۔ کعبہ سے چوری بھی حرب اور ہشام کے اشارے پر اسی نے کی یہ تینوں اس مال میں برابر کے حصہ دار تھے۔

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القران میں صاف طور پر لکھا ہے۔ ''تلاشی میں سونے کے ہرن ابولہب کے یہاں سے برآمد نہیں ہوئے بلکہ کسی اور شخص کے یہاں سے برآمد ہوئے تھے''۔ لیکن جس شخص کے یہاں سے بھی برآمد ہوئے اس کا کوئی نام مذکور نہیں ہے۔ اس لئے ہم یقین سے کہتے ہیں کہ وہ صخر کے سوا کوئی نہیں تھا۔ کیونکہ ان تین ناموں میں سے یہ بھی ایک ایسا نام ہے جسے ایک خاص صحابی کی نسبت سے پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ حرب اور ہشام نے صخر کو اس پر آمادہ کیا اس نے چوری کی اور سونے کے ہرن اسی کے پاس رکھے گئے۔ تاکہ تلاشی کے وقت حرب اور ہشام مجرم ثابت نہ ہوں۔

اگر ہم قتیبہ کے دیئے گئے حوالے سے علامہ شبلی کا بیان سامنے لائیں تو مولانا مودودی کی تحقیق اس کی صاف تردید کر رہی ہے کہ سونے کے ہرن ابولہب کے گھر سے برآمد نہیں ہوئے اور ابولہب تو چوری کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ بہت بعد کی من گھڑت روایت ہے۔ اس مسئلہ کو ابن اثیر نے اس طرح لکھا ہے۔

''پھر عبدالمطلب نے تلواریں خانہ کعبہ پر نصب کر دیں اور ان کے درمیان خالی جگہوں پر ہرنوں کے سونے سے پتر بنوا کر چسپاں کر دیئے تاریخ کعبۃ اللہ میں یہ پہلا

دن تھا کہ اس کو سونے کے زیور سے آراستہ کیا گیا اور یہ دونوں زینت عرصہ تک باقی رہیں تا آنکہ آخر میں چرا لی گئیں''۔

(ص۔۱۶) ایک عرصہ بعد چوری ہونا ظاہر کیا ہے تاکہ ابوعتبہ کو چور کہا جائے)

ابن اثیر نے آگے چل کر لکھا ہے۔

''جس کے پاس یہ ہرن پائے گئے تھے۔ اس کا نام ''دویک'' اور یہ شخص بنی ملیح بن خزانہ کا غلام تھا، قریش نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا تھا۔ (یہاں تک روایت ابن اسحاق سے لی ہے) اور جو اس چوری میں بدنام ہوئے تھے، ان میں عامر بن نوفل، ابوہارب بن عزیز اور ابولہب بن عبدالمطلب تھے''

(کامل ابن اثیر جلد دوم ص:۵۳ مطبوعہ دائرہ معین المعارف)

اب یہ چوری کا مال یا تو دویک نے خریدا یا اسے فروخت کے لئے دیا گیا یا پھر اس کے پاس پوشیدہ طور سے رکھوایا گیا اور تلاشی کے وقت اسکی طرف اشارہ کیا گیا اور چور خود بچ گئے۔ یا پھر یہ نام بھی فرضی ہی تھا۔ کیونکہ ابن اثیر صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ اس چوری سے متعلق جن لوگوں کو بعد میں بدنام کیا گیا وہ عامر ابوہارب اور ابولہب تھے۔ یعنی اصل تین چوروں کے نام چھپا دیئے گئے۔ ورنہ ان تین کی جگہ ایک نام دویک ہی کا ہونا چاہیے تھا۔ مال تو ایک شخص سے برآمد ہوا لیکن چوروں کا عدد اپنی جگہ برقرار رہا جو تین تھا۔

بہر حال حضرت عبدالمطلب نے پوری توجہ اور تندہی سے چوروں کا سراغ لگا کر انہیں سزا دی اور آئندہ اس قسم کے چوری کے انسداد کی خاطر اس کی زیادہ سے زیادہ سزا قطع ید مقرر کی۔

اذینہ نامی یہودی کا قتل

حرب کے ہاتھوں یہودی کے قتل کا یہ واقعہ خانہ کعبہ میں چوری کے واقعہ کی چھان بین اور چوروں کی تلاش کے دوران ہوا۔ حضرت عبدالمطلب چوروں کی تلاش میں بڑی تندہی سے مصروف تھے کہ حرب نے آپ کو مزید پریشانی میں مبتلا کرنے کے لئے ایک مالدار یہودی کا قتل کرایا اور اس کا مال لوٹ لیا کیونکہ آپ سردار قریش تھے اور یہ ذمہ داری بھی آپ پر عائد ہوئی۔ حرب نے چوروں کی تلاش سے توجہ ہٹانے کیلئے قتل کرایا تھا لیکن یہی واقعہ دراصل چوروں کی شناخت کا ذریعہ بن گیا۔

جب ہاشم بن عبدمناف نے قریش کی مالی حالت بہتر بنانے اور انہیں لوٹ مار کی عادت سے بچانے کیلئے تجارت کی طرف توجہ دلائی تھی اس وقت امیہ انکی مخالفت کر رہا تھا۔ پھر وہ مکہ بدر رہا جب اسکی جگہ حرب نے لی تو حرب بھی اس وقت تجارت کے پیشے سے منسلک نہیں ہوا تھا اور لوٹ مار سے وابستہ تھا۔ اس نے ایسے بے کار لوگوں کا ایک گروہ بنا رکھا تھا جو مسافروں کو لوٹتے تھے۔ ابن اسحاق نے بھی لکھا ہے اور دیگر مورخوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ یہ خاندان اس وقت تک بے مایہ اور مفلوک الحال تھا۔ حرب اکثر چوری اور لوٹ مار کرتا کسی بیرونی تاجر

Presented by Ziaraat.net

سے مال لیتا تو رقم دبالیتا، اس نے ایسے کئی آوارہ اور مفت خورے اپنے گرد جمع کر لئے تھے، جن میں صخر اور عامر سرفہرست بتائے جاتے ہیں، خانہ کعبہ میں جو چوری کی گئی تھی اس میں بھی حرب کے ساتھ یہ دونوں شامل تھے۔

ان دنوں مکہ میں یہود اور عیسائی بھی تھوڑی تعداد میں رہتے تھے۔ یہودی عموماً شراب کی تجارت کرتے تھے اس وجہ سے وہ مالدار تھے۔ ایک مالدار یہودی جس کا نام اذینہ تھا کسی بات پر اس کا جھگڑا حرب سے ہوگیا۔ حرب نے اسے اپنی نظر میں رکھا اور اپنے ساتھیوں کو تیار کیا، ایک روز منصوبہ کے مطابق حرب نے جان بوجھ کر اس یہودی سے سخت کلامی کی۔ بات دست و گریبان تک پہنچ گئی۔ اس موقع پر حرب نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا ان میں سے ایک نے اس یہودی کو قتل کر دیا اور اس کا تمام مال لوٹ لیا، قتل براہ راست حرب نے نہیں کیا تھا اس لئے وہ علانیہ پھرتا رہا مگر قاتلوں کو فرار ہونے کا مشورہ دیا؟ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں اس کی تفصیل یوں دی ہے۔

> ''عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ جس کا نام اذینہ تھا۔ تجارت پیشہ اور مالدار تھا۔ اسوجہ سے حرب بن امیہ کی طبیعت میں جوش وغضب پیدا ہوا (یعنی مال چھیننے کی خواہش ہوئی) اس نے چند قریشی نوجوانوں کو اس کے خلاف اکسایا کہ اس یہودی کو قتل کر دیں اور مال پر قابض ہو جائیں اس منصوبہ کے تحت عامر بن عبد مناف بن عبدالدار اور حضرت ابوبکر کے دادا صخر بن عمر بن کعب تیمی نے اس کو قتل کر دیا۔ عبدالمطلب کو قاتل کا علم نہ ہو سکا۔ مگر برابر ٹوہ میں رہے۔ آخر کار ہر دو قاتلوں کا پتہ چل گیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ دونوں حرب بن امیہ کی پناہ میں ہیں۔ وہ حرب کے گھر گئے اور دونوں قاتلوں کا مطالبہ کیا حرب نے دونوں کو چھپا دیا اس پر حرب بن امیہ اور عبدالمطلب میں سخت کلامی ہوئی''۔

(کامل ابن اثیر، جلد دوم، ص: ۱۷)

مقتول یہودی کے ورثاء حضرت عبدالمطلب کے پاس فریاد لے کر آئے اور اصول کے مطابق قصاص و دیت کا مطالبہ کیا۔ حضرت عبدالمطلب انصاف پسند طبیعت کے مالک تھے، وہ جرم وسزا میں قریش اور غیر قریش کو برابر سمجھتے تھے۔ حرب جو کچھ ان کے ساتھ کرتا رہا انہوں نے کبھی اس پر سختی نہیں کی اور درگزر سے کام لیا۔ حرب کی اس حرکت پر بھی آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ اب آپ نے اس کے خلاف کارروائی کا تہیہ کر لیا۔

آپ نے حرب کو بلایا اس سے پوچھا تو اس نے قتل سے انکار کیا۔ قاتلوں کے متعلق پوچھا تو اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ باوجود اصرار کے اس نے قاتلوں کو حوالہ کرنے سے انکار کر دیا، اور اس تفتیش کو بہانہ بنا کر فساد پر آمادہ ہوگیا۔ آپ نے بات بڑھانا مناسب نہ سمجھا۔ اسے اپنی مصاحبت سے علیحدہ کر کے قطع کلامی اختیار کر لی۔ اس بارے میں ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ''اس واقعہ کے بعد عبدالمطلب نے حرب کی ہم نشینی چھوڑ دی اور عبداللہ بن جدعان کو اپنا ہم نشین اور مصاحب بنا لیا'' اور صاف کہہ دیا۔ ''جب تک قاتلوں کو حوالہ نہ کرو گے یا

دیت ادا نہ کرو گے میں تم سے کبھی کلام نہ کروں گا''۔

حرب پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا قاتلوں کو اس نے پوشیدہ رکھا ہوا تھا اور قاتلوں نے یہ اقدام اسی کے کہنے پر کیا تھا۔ تب آپ نے قریش کے بزرگوں کو جمع کیا۔ قریش آپ کی بات مانتے اور حکم پر عمل کرتے تھے۔ آپ نے انہیں آمادہ کیا کہ حرب بن امیہ سے قطع کلامی اختیار کریں اور جب تک وہ قاتلوں کو ہمارے حوالہ نہ کر دے یا دیت اور لوٹ کا مال نہ دیدے اس وقت تک اس سے کسی قسم کا لین دین نہ کیا جائے۔ اس طرح آپ نے اس پر اس قدر اخلاقی اور سماجی دباؤ ڈالا کہ وہ دیت دینے پر مجبور ہوگیا۔ محمد رضا مصری اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''زمانہ جاہلیت میں ابوسفیان کا باپ حرب ابن امیہ بن عبدالشمس ان (عبدالمطلب) کا مصاحب تھا، عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ اس نے کسی بازار میں حرب ابن امیہ سے سخت کلامی کی اس پر حرب نے ایک شخص کو بھڑکا کر اس یہودی کو قتل کرا دیا۔ جب عبدالمطلب کو اس کا علم ہوا، تو انہوں نے حرب بن امیہ سے میل جول ترک کر دیا اور اسوقت تک نہ چھوڑا جب تک پڑوس کے حق کی حفاظت کے طور پر مقتول یہودی کے چچیرے بھائی کو سو ۱۰۰ اونٹنیاں بطور دیت نہ دلا دیں۔'' (محمد رضا مصری نے بھی ''ایک شخص'' لکھا ہے۔ نام لکھنے کی جرات نہیں کی جبکہ صرف ابن اثیر نے صخر کے نام کی وضاحت کی ہے۔)

(محمد رسول اللہ، ص ۲۰، مطبوعہ تاج کمپنی)

آخر حرب مجبور ہوگیا۔ اس نے قاتل تو حوالے نہ کئے، اس لئے کہ ان سے مزید کام لینے تھے لیکن دیت دینے پر رضامند ہوگیا۔ اس سے پوری طرح ثابت ہوگیا کہ حرب اس معاملہ میں پیش پیش تھا اور یہ دونوں آدمی اس کے ساتھی تھے۔ ابن اثیر ہی نے لکھا ہے کہ ''حضرت عبدالمطلب نے دیت میں حرب سے سو ۱۰۰ اونٹ لئے اور یہودی کے چچازاد بھائی کو دیدیئے اور یہودی کا تمام لوٹا ہوا مال جوان سے واپس ملا اس کو واپس دیدیا اور جو ضائع ہو چکا تھا اس کا تاوان عبدالمطلب نے اپنے مال سے ادا کیا۔ اس سے یہ فائدہ بھی پہنچا کہ خانہ کعبہ میں چوری کرنے والوں کی واضح نشاندہی ہوگئی۔

Presented by Ziaraat.net

سخاوت اور القاب

مطعم الطیر اور فیاض

۵۳۹ء کا پورا سال آپ کے لئے مسرتوں اور اطمینان کا سال تھا۔ ایک طرف آپ نے اپنے تدبر سے قریش کو رام کرلیا تھا تو دوسری طرف آپ فکر مال سے بے نیاز ہوگئے تھے۔ یمن سے لائے ہوئے خضاب سے آپ نے کافی منافع حاصل کیا تھا۔ شادیاں کرلینے سے دشمنوں کی امیدوں پر اوس پڑگئی تھی۔ مخالفین کی پوری طرح زبان بندی کی جاچکی تھی۔ پورے مکے میں اطمینان وسکون کی فضا چھا چکی تھی اور جب اسی سال آپ کے یہاں ابو طالب اور عبدالعزیٰ (ابولہب) دو بیٹے پیدا ہوئے تو آپ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ داد و دہش کا دروازہ کھول دیا اور قریش کے تمام قبائل کو بلاتخصیص و بلاتمیز دوست دشمن دعوت عام کا اعلان کردیا۔ اس روز آپ نے اتنے اونٹ ذبح کئے کہ کوئی اپنا یا پرایا آپ کے در سے خالی نہ گیا۔

اس دعوت عام سے آپ کو ایک ایسی قلبی اور اندرونی طمانیت حاصل ہوئی کہ آپ نے غریبوں، مسکینوں، مسافروں کو کھانا کھلانا اپنا وتیرہ اور معمول بنالیا؛ اللہ نے آپ کے مال میں اس قدر برکت دی کہ آپ ایک ایک وقت میں سو، سو اونٹ ذبح کرا کے ہر خاص وعام کو مدعو کرتے پھر بھی گوشت اتنا بچ جاتا کہ آپ صحرا، میدان اور پہاڑوں کے جانوروں اور پرندوں کو بھی گوشت پہنچاتے۔ چوپاؤں، درندوں اور پرندوں کو بھی خوراک مہیا کرتے۔ اس لئے آپ کو قریش نے ''مطعم الطیر'' (پرندوں کو کھلانے والا) اور مزید فیاض کا لقب دیا، ابن اسحاق نے اس سے متعلق کہا۔ حذیفہ بن غانم کے مرثیہ کا یہ شعر اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

علی الماجد البهول ذی الباع و الندیٰ
ربیع لوئی فی القحوط و فی العسر

''ترجمہ: (اے آنکھوں آنسو بہاؤ) ایسے شخص پر جو عظمت ونشان والا ہے ہر قسم کی نیکیوں کا جامع ہے۔ کشادہ وسعت اور انعام واکرام والا ہے۔ تنگدستی اور قحط کے زمانہ میں بنی لوی (قریش) کے لئے ابر بہار ہے۔''

محمد رضا مصری اپنی کتاب ''محمدؐ رسول اللہ'' میں لکھتے ہیں۔

''عبدالمطلب عوام وخواص میں مقبول و ہر دلعزیز تھے، ان کے دسترخوان سے پرندوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے درندوں تک کو غذا پہنچائی جاتی تھی۔ ان کا یہ عمل بے زبان پر رحم اور ان کے متعلق ان کے نازک ولطیف احساسات کی غمازی کرتا ہے۔

Presented by Ziaraat.net

اسی بناء پر قوم کی طرف سے انہیں مطعم الطیر اور فیاض کے لقب سے نوازا گیا''۔ (محمد رسول اللہ، ص ۱۸)

شیبۃ الحمد

حضرت عبدالمطلب نے زم زم پالینے کے بعد اس کی طرف پوری توجہ دی اسے صاف کرایا وسیع کیا اور اس کے گرد پتھروں کی باڑ لگائی تاکہ پانی اپنی جگہ رکا رہے اور لوگوں کو پانی لینے میں آسانی ہو۔ اس وقت کے ایک شاعر نے حضرت عبدالمطلب کی شان میں قصیدہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

طَوَیٰ زَمزَماً عِندَالمُقَامِ فَاَصْبَحَتْ
سَقَایَتُہ، فَخراً عَلیٰ کُلِ ذِی فخری

ترجمہ: ''اس نے زم زم کو مقام ابراہیم کے پاس پتھروں سے بنایا تو اس کا یہ کنواں ہر فخر کے قابل شخص پر فخر کرنے کے قابل ہو گیا۔''

ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ یہ شعر حذیفہ بن غانم کے قصیدہ کا ایک شعر ہے۔

غیبی آواز کے کہنے کے مطابق زم زم مکہ کے تمام کنوؤں پر سبقت لے گیا۔ حجاج اس سے پانی پیتے، زمزم سے پہلے حضرت عبدالمطلب کو اپنے دو کنوں بذر اور سجلہ کے علاوہ قریش کے دوسرے کنوؤں سے پانی لینا پڑتا تھا۔ اکثر قریش اس پر بادل ناخواستہ تیار ہوتے تھے۔ پچاس میل کے فاصلہ سے ذوالہزم چشمہ سے منگاتے تو بنی ثقیف رکاوٹیں ڈالتے۔ بنی امیہ تو اپنے کنوؤں سے ایک قطرہ پانی دینے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ خزانہ ملا تو انہوں نے جھگڑا کیا، اس کا فیصلہ حضرت عبدالمطلب کے حق میں ہوا، اس کے بعد زمزم پر قریش اور بنی امیہ نے فساد برپا کیا۔ مگر جب اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کے حق میں ہو گیا اور زم زم کے معاملے پر آپ نے ان کے توقع کے خلاف ایسا نہ کیا اور سب کو پانی لینے کی اجازت دیدی حتیٰ کہ بنی امیہ کو بھی پانی لینے سے نہیں روکا۔ قریش نے خلاف توقع آپ کی یہ فراخدلی دیکھی تو آپ کو ذاتی محفلوں میں ''شیبۃ الحمد'' قابل تعریف بوڑھا) کے نام سے یاد کرنے لگے۔ تاریخ میں یہ آپ کا ایک مشہور لقب ہے جو قوم نے آپ کو خوش دلی سے دیا تھا اور یہ ان کی محبت وخلوص پر دلالت ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنی اس ملکیت یعنی چاہ زم زم کو وقفِ عام کر دیا تھا۔ یہ عالمی تاریخ کا پہلا وقف ہے۔

سخاوت میں مسابقت

سخاوت

یوں تو اس دور میں دنیا کے ہر حصہ میں قبائل پائے جاتے تھے۔ ہر قبیلہ کے سماجی ومعاشرتی اصول جداگانہ ہوتے تھے۔ لیکن جزیرۃ العرب میں قبائل اور قبائلی نظام کثرت سے پایا جاتا تھا۔ عرب سخاوت کو پسند کرتے اور ہر اچھے فعل پر سخاوت کو ترجیح دیتے تھے۔ ہر غریب شخص بھی بے آسرا مسافر کو کھانا کھلاتا تھا۔ ان کے یہاں ان کا یہی عمل سخاوت میں شمار ہوتا تھا اور اس عمل کو ان کے یہاں بڑی اہمیت اور عظمت حاصل تھی۔ دراصل اس کی بنیادی وجہ ان کی اہم ترین اجتماعی ضرورت تھی۔ اس لئے ہر قبیلہ اور قبیلہ کا ہر فرد اس عمل کو اپنا ذاتی فریضہ سمجھتا تھا۔ عرب کے لق ودق صحراؤں میں اکثر مسافر بھوک اور پیاس سے سفر کے دوران مر جاتے تھے۔ چونکہ یہ مرحلہ صعب ہر عرب کو پیش آسکتا تھا۔ اس لئے ہر فرد بھوکے کو کھانا کھلانا اپنا فرض جانتا تھا کہ یہ وقت اس پر بھی آسکتا ہے، اس موقع پر دوست اور دشمن کی تمیز نہیں کی جاتی تھی۔

ہر قبیلہ میں کوئی ایک مالدار ایسا بھی ہوتا تھا۔ جو سخاوت کو اپنا معمول بنالیتا تھا اور ہر روز ایک اونٹ ذبح کر کے مسافروں کے کھانے کا بندوبست رکھتا تھا۔ دور دراز کے اس طرف سے گزرنے والے مسافر اپنے اپنے مقام پر جا کر اس سخی کا ذکر اور تعریف کرتے۔ یوں اس کی شہرت تمام عرب میں پھیل جاتی۔ دنیا کی تاریخ میں سخی ہونے کے اعتبار سے عرب کے ایک قبیلہ ''طے'' کے ایک شخص حاتم طائی نے اس حد تک شہرت حاصل کر لی تھی کہ وہ بعد میں ایک بے مثل کردار بن کر دنیائے شعروادب میں جانا پہچانا جانے لگا۔

لیکن اس سے پہلے حضرت عبدالمطلب کو یہ درجہ حاصل تھا۔ آپ ایک دن میں سو اونٹ تک ذبح کر کے دعوت عام دیتے۔ آپ صرف مسافروں ہی کو نہیں بلکہ قبیلہ کے ناداروں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں کو بھی کھانا کھلاتے۔ حتیٰ کہ صحرا کے جانوروں اور پرندوں کو بھی بھوکا مرنے سے بچاتے تھے۔ مزید شادیاں کرنے کے بعد جب آپ کے یہاں دو بیٹے پیدا ہوئے تو آپ نے اس خوشی میں قریش کے تمام قبائل کو دعوت دی۔ اس دعوت سے آپ کو ایک ایسا قلبی اطمینان حاصل ہوا کہ آپ نے ہر روز دعوت کا اہتمام اپنا معمول بنالیا اور سخاوت میں آپ کی شہرت دور دراز کے قبائل تک پہنچنے لگی۔ یہ آپ کا جدی ورثہ تھا۔ جو حضرت ابراہیمؑ سے لے کر اہل بیت رسولؐ تک برابر پہنچتا رہا تھا۔

سخاوت وراثت

بنی ہاشم میں سخاوت ان کے اجداد سے بطور وراثت منتقل ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بائبل میں

Presented by Ziaraat.net

لکھا ہے کہ ''آپ مسافروں کو کھانا کھلانے میں بڑی مسرت محسوس کرتے تھے۔ آپ خود بھی اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے، جب تک کوئی مسافر آپ کے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہو، چنانچہ وہ کھانے کے وقت اپنے خیمہ سے نکل کر سر راہ کھڑے رہتے تھے۔ تا کہ کوئی مسافر مل جائے اور وہ اسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلیں اور جب تک کوئی مسافر نہ ملتا وہ خود کھانا نہ کھاتے''۔ بائبل نے بیان کیا ہے کہ ''ایک روز آپ اپنے خیمہ کے دروازے پر بیٹھے کسی مسافر کا انتظار کر رہے تھے، اس وقت دو فرشتے انسانی شکل میں آئے۔ یہ وہی فرشتے تھے۔ جنہوں نے حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش کی خبر دی تھی۔ آپ نے ان دو فرشتوں کو مسافر سمجھا تھا اور ایک بچھڑا ذبح کرا کے ان کی تواضع کی تھی''۔

یہی طریقہ حضرت اسمٰعیلؑ نے اختیار کیا تھا اور وہ حج کیلئے آنے والے حاجیوں کی تواضع ان دنبوں کو ذبح کر کے کرتے تھے جو خانہ کعبہ کیلئے حاجی بطور نذرانہ لاتے تھے۔ حاجیوں کو کھانا کھلانے کا طریقہ بنی اسمٰعیل میں جاری رہا لیکن بنی جرھم اور پھر ان سے بنی خزاعہ نے کعبہ کی تولیت چھین لی تو یہ طریقہ ختم ہو گیا۔ مگر جب قصّی بن کلاب نے بنی خزاعہ کو بیدخل کر کے تولیت کعبہ اپنے قبضہ میں لے لی تو یہ طریقہ پھر جاری ہو گیا۔ اور اسے ہاشم نے خوب فروغ دیا اور حضرت عبدالمطلب نے اسے بام عروج تک پہنچا دیا، آپ کے انساب میں معد بن عدنان سے آنحضرتؐ تک تمام منتخب شخصیات سخاوت کے وصف سے متصف رہی ہیں۔

سخاوت کا مقابلہ

اللہ کی جانب سے حضرت عبدالمطلب پر یہ نوازشات، اس قدر عظیم مرتبہ فضیلت، تمام قریش کا آپ کی اطاعت کرنا اور قوم کی طرف سے دیئے گئے۔ القاب حرب بن امیہ کیلئے بغیر کسی جنگ کے اسکی کھلی شکست کے آئینہ دار تھے۔ اب تک اس نے جہاں جہاں مخالفت کی وہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ کعبہ کا خزانہ وہ نہ چھین سکا۔ زم زم پر اس کا حق ثابت نہ ہو سکا۔ بلکہ وہ حضرت عبدالمطلب کا موروثی قرار پایا۔ خزانہ چوری کیا تو ندامت اٹھانی پڑی۔ اب آپ کی سخاوت و شہرت اور عظمت نے اس کے اعصاب کو متاثر کرنا شروع کیا تو اس نے سخاوت میں آپ سے مقابلہ کا ارادہ کیا۔

بلاشبہ سخاوت ایک ایسی صفت ہے جسے ہر مالدار حاصل کر سکتا ہے۔ مگر اس صفت کی جڑیں دلی خلوص اور وسعت میں پنہاں ہوتی ہیں۔ اگر ایسا ہو تو مال اور مالدار ہونے کی بھی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ حرب نے اس نکتہ کو معلوم کئے بغیر حضرت عبدالمطلب کو سخاوت کے میدان میں شکست دینے کا پروگرام بنایا۔

ابن اسحاق نے بتایا ہے کہ ''امیہ کے باپ عبدالشمس کی آمدنی کم اور اولاد زیادہ تھی۔ امیہ ہاشم کے زمانہ میں جلاوطن رہا۔ اس لئے وہ بدحال اور تنگدست تھا۔ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں حرب نے لوٹ مار سے کچھ حالات بہتر بنائے مگر وہ پھر بھی اس قابل ہرگز نہ تھا کہ آپ کے مقابلہ میں سخاوت کا دعویٰ کر سکے۔ اسلئے اس نے عبدالشمس کے دوسرے بیٹے یعنی اپنے چچا کی اولاد بنی مخزوم سے ملکر حضرت عبدالمطلب کے

مقابلہ پر قریش کو دعوتیں دینا شروع کیں۔ بنی مخزوم وہی قبیلہ ہے جس سے اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل ہوا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بنی مخزوم تجارت کا پیشہ ابتداء ہی میں اختیار کرنے کے سبب بنی امیہ کے مقابلہ میں زیادہ صاحب ثروت اور مالدار تھے اور بنی امیہ کے چچازاد ہونے کی وجہ سے بنی ہاشم کے خلاف بنی امیہ جیسا ہی جذبہ رکھتے تھے۔ جب حضرت عبدالمطلب اونٹ ذبح کراتے تو یہ لوگ بھی اونٹ ذبح کرتے اور جب حضرت عبدالمطلب دعوت کا اعلان کرتے تو یہ بھی ان کے مقابلہ پر لوگوں کو دعوت دیتے''۔ ایسے ہی ایک موقع کا منظر ڈاکٹر طٰہٰ کے الفاظ میں یہ ہے۔

> ''چنانچہ چند گھنٹہ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ صحن مسجد حرام لوگوں سے بھر گیا۔ ان میں غریب اور تنگدست افراد بھی تھے۔ جو شہر اور بیرون شہر سے آئے تھے۔ ان میں دولتمند بھی تھے جو قربانیاں پیش کرنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ مقابلہ کر رہے تھے کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ گراں اور کثیر تعداد میں قربانیاں پیش کرے گا، دوسرے لوگ تازہ اور عمدہ گوشت حاصل کرنے کی تمنا میں بیٹھے ہوئے تھے۔
>
> انہوں نے سنا تھا کہ عبدالمطلب قربانی کرنا چاہتا ہے اور بنی ہاشم نے اس کا زبردست انتظام کیا ہے۔ بنوامیہ نے بھی قربانی کا اسی طرح انتظام کیا۔ نیز قبیلہ مخزوم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ عبدمناف (بنی ہاشم) کا خاندان ان سے سبقت لے جائے۔ یوں قربانی کرنے میں قریش کے شریف خاندانوں کا مقابلہ رہا''۔
>
> (نقوشی سیرت، حصہ اول، ص: ۴۳۔۴۲)

جیسا کہ پہلے بیان کیا سخاوت خلوص سے موثر ہوتی ہے۔ شان کے اظہار سے نہیں۔ یہ لوگ حصول مقصد اور اپنی شان دکھانے کے لئے کر رہے تھے۔ وہ ایسے موقعوں پر کہا کرتے تھے۔ ''اے لوگو! قربانی کرو کہ اس سے غریبوں، مسکینوں، بے آسرا مسافروں اور بھوکوں کا پیٹ بھرتا ہے۔ (نقوش سیرت) یہی وجہ تھی کہ یہ مقصد پرست لوگ نہ سخاوت میں ان سے آگے قدم بڑھا سکے اور نہ اس طرح عوام کے دل جیت سکے۔ لوگ حضرت عبدالمطلب کی دعوتوں میں خوشی سے شریک ہوتے اور ان کی تعریف کرتے۔ بنی امیہ یا بنی مخزوم کا حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں ان سے آگے بڑھنا تو درکنار وہ ان کے برابر تک نہ آ سکے۔ البتہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد کی کثرت و غربت کے سبب یہ لوگ کچھ عرصہ یعنی صرف سترہ ۱۷ سال بنی ہاشم کے برابر رہے۔ بنی مخزوم کے عمر بن ہشام یعنی ابوجہل نے جو بات رسول اللہؐ کے بارے میں کہی تھی کہ ''بنی ہاشم نے کھانے کھلائے تو ہم نے بھی کھانے کھلائے اور اب جبکہ گھٹنوں سے گھٹنے ملنے لگے (یعنی ہم ان کے برابر آ گئے) تو یہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے۔ یہ ہم ہرگز نہ مانیں گے''۔ ابوجہل کا یہ اشارہ اسی سخاوت کی مسابقت کے بارے میں تھا۔

Presented by Ziaraat.net

نذر کی تکمیل

اولاد نرینہ کی پیدائش

گزشتہ صفحات میں ایک عنوان کے تحت بیان کیا گیا تھا کہ حضرت عبدالمطلب نے چاہ زمزم کے جھگڑے کے موقع پر حرب اور ہشام کے طعنہ دینے پر آپ نے نذر مانی تھی اور اولاد نرینہ کی خواہش کے زیر اثر ۵۳۹ء میں چار شادیاں کی تھیں، جسکے نتیجہ میں آپ کے یہاں نو لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں، سب سے بڑا لڑکا حارث پہلے ہی ایک بیوی سے موجود تھا۔ بقیہ بیویوں سے پیدا ہونے والے نو لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے جناب ابوطالب جن کا پیدائشی نام عبد مناف تھا۔ ۵۳۹ء کے آخر میں پیدا ہوئے۔ جبکہ دوسرا لڑکا عبدالعزیٰ (ابولہب) ۵۴۰ء کی ابتدا میں ہوا، ان دونوں میں صرف چند ماہ کا فرق تھا۔[1] تیسرا لڑکا زبیر ۵۴۵ء میں پیدا ہوا (جسٹس امیر علی) اسکے بعد جناب عبداللہ جو رسول اللہ کے والد ہیں ۵۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ اسکے بعد مقوم، حجل اور ضرار۔ زبیر اور عباس کی پیدائش کے درمیانی عرصہ (۵۴۵ء تا ۵۶۶ء) میں تولد ہوئے۔[2] جبکہ عباس ۵۶۶ء میں اور اسکے بعد حمزہ ۵۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ (روح اسلام، جسٹس امیر علی)

جب آپ کا اصلاحی دور انتہائی سکون اور امن و امان سے گزر چکا تو ۵۶۷ء میں آپ کے لڑکوں کی تعداد پوری دس ہو چکی تھی۔ اس وقت جناب ابوطالب اور عبدالعزیٰ کی عمر چند ماہ کے فرق سے تقریباً انتیس ۲۹ یا تیس ۳۰ سال تھی۔ زبیر کی عمر اس وقت تئیس ۲۳ اور جناب عبداللہ کی بائیس ۲۲ سال تھی۔ عباس اس وقت دو سال اور حمزہ صرف ایک سال کے تھے۔ (تقریباً) جبکہ سب سے بڑے بیٹے حارث کی عمر ۴۷ سال ہو چکی تھی۔

آپ کی زندگی میں آپ کے دس (۱۰) بیٹوں کی تعداد پوری ہوگئی اور وہ آپ کے سامنے زندہ و سلامت موجود تھے۔ آپ نے چاہ زمزم کی کھدائی کے موقع پر بے اولاد ہونے کے طعنہ دینے کے سبب یہ منت مانی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں دس بیٹے دیئے اور وہ ان کی زندگی میں زندہ رہے تو ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ ابن اسحاق لکھتا ہے۔

> ''سردار عبدالمطلب بن ہاشم نے زمزم کھودنے کے وقت جب قریش کی جانب سے رکاوٹیں دیکھیں تو نذر مانی کہ اسکے دس بیٹے ہونگے اور وہ سن بلوغ کو پہنچ کر اسکی حفاظت کرینگے تو ان میں سے ایک بیٹے کو کعبۃ اللہ کے پاس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ذبح کر دینگے''۔ (سیرت ابن ہشام، ص: ۱۷۷)

---

۱ نمبر جسٹس امیر علی نے اس کے برعکس بیان کیا ہے۔

۲ ان کا سن پیدائش کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا۔

Presented by Ziaraat.net
Sajeda Sakina (SA)

محمد رضا مصری نے بتایا:

''جب عبدالمطلب کی قریش کی طرف سے چاہ زمزم کی کھدائی کے ارادہ میں رکاوٹ پیش آئی تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر انکے دس بیٹے ہوئے اور جوان ہو کر ان کی قوت بازو بنے تو ان میں سے ایک فرزند کو کعبہ کے پاس لے جا کر اللہ کے نام پر ذبح کر دیں گے اور اس وقت تک ان کے حارث کے سوا کوئی فرزند نہ تھا''۔

(محمد رسول اللہ، ص:۲۱)

اور مولانا مودودیؒ نے بیان کیا:

''زمزم کی کھدائی کے وقت جب عبدالمطلب نے دیکھا کہ ان کے ساتھ ان کا صرف ایک بیٹا ہے اور قریش سارے گھر کر آ گئے ہیں تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے دس بیٹے عطا کرے جو میری حمایت کیلئے کھڑے ہو سکیں تو ان میں سے ایک کو کعبہ کے پاس اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا''۔ (سیرت سرور عالم، جلد دوم، ص: ۸۸)

حضرت حمزہ کی پیدائش کے بعد آپ کے لڑکوں کی تعداد پوری دس ہو چکی تھی، اگرچہ وہ سب بالغ نہ تھے۔ لیکن دعا کی قبولیت اور تکمیل میں کوئی شبہ نہ تھا، اس لئے کہ اس وقت آپ کے سات بیٹے بالغ ہو چکے تھے۔ آپ ویسے بھی قسم اور نذر کے پورا کرنے پر زور دیتے تھے۔ ادھر آپ کو اللہ کی ذات سے اس قدر قربت حاصل ہو چکی تھی کہ آپ اللہ کیلئے اس قربانی کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۰ سال ہو چکی تھی اگر آپ سب لڑکوں کے بالغ ہونے کا انتظار کرتے تو یقیناً نذر پورا کرنے سے پہلے پیام اجل آ جاتا اور آپ ایسا نہ چاہتے تھے۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ اپنے جد امجد ابرہیمؑ کی سنت پورا کریں اور اللہ کی نظر میں ویسا ہی مقام حاصل کریں۔

مشورہ: جس طرح حضرت ابرہیمؑ نے قربانی سے پہلے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ سے پوچھا تھا۔ انہوں نے بھی اپنے بالغ بیٹوں کو بلایا اور منّت کا ذکر کر کے ان سے رائے لی۔ آپ نے کہا۔

''میرے بیٹو! کوئی تیس سال قبل جب میں نے اللہ کے حکم سے زمزم کا کنواں کھودا تھا اسوقت تمہارا ایک ہی بھائی حارث موجود تھا۔ اسی نے کنواں کھودنے میں میری مدد کی تھی۔ قریش سے کسی شخص نے اس کام میں ہماری مدد نہیں کی تھی۔ اور جب کنواں مکمل ہو گیا اور پانی بھی نکل آیا جو آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو تو ہمارے چچازاد بنی امیہ نے قریش کیساتھ مل کر ہمارے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ ہم میں لڑنے کی طاقت نہ تھی۔ امیہ کے بیٹے حرب نے مجھے بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تھا۔ اسوقت میں نے اپنے اللہ سے دعا کی تھی اور منّت مانی تھی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوں تو میں ایک کو اسکی راہ میں قربان کر دوں گا۔ آج تم دیکھ رہے ہو کہ حمزہ کی پیدائش پر تم دس بھائی میری زندگی میں

میرے سامنے موجود ہو، میں اللہ سے کیا ہوا وعدہ اب پورا کرنا چاہتا ہوں بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟''

ہر اک کا جواب وہی تھا جو انکے جد اعلیٰ حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنے باپ کے دریافت کرنے پر دیا تھا۔

''آپ اللہ کا حکم بجا لائیں انشاءاللہ ہمیں صابروں میں سے پائینگے''۔ (قرآن)

''حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو اپنے ارادوں سے مطلع فرمایا اور ان کو خدا کے ایفائے نذر کیلئے بلایا ان میں سے کسی ایک نے بھی باپ کے حکم سے اختلاف نہیں کیا اور متفق ہو کر عرض کی کہ آپ شوق سے اپنی نذر کے وعدہ کو پورا کریں''۔

(طبقات ابن سعد جلد اول، ص:۵۳ مطبوعہ جرمنی)

''انہوں (عبدالمطلب) نے اپنے بیٹوں کو اپنی نذر بتادی۔ اس پر انہوں نے (بیٹوں نے) باپ کی اطاعت کی اور پوچھا اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

(محمد رضا مصری)

''(عبدالمطلب نے) ان سب کو جمع کیا اور اپنی نذر کی خبر دے کر اسے پورا کرنے کی دعوت دی۔ بیٹوں نے ان کی بات مانی اور دریافت کیا کہ اس کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟'' (سیرت ابن ہشام)

''آخر کار ایک روز حضرت عبدالمطلب نے سب (بیٹوں) کو جمع کیا اور اپنی نذر کا ان سے ذکر کیا سب نے کہا اللہ سے جو نذر آپ نے مانی ہے اسے پورا کیجئے''۔

(مولانا مودودیؒ)

حضرت عبدالمطلب کے ان دس بیٹوں میں جہاں جناب عبداللہ رسول اللہ کے والد تھے۔ وہاں جناب ابوطالب بھی تھے، حارث، عبدالعزیٰ (ابولہب) اور زبیر بھی تھے، ہر اک کا اصرار تھا کہ آپ اپنی نذر پوری کیجئے اور ہم میں سے جس کو چاہیں اللہ کے لئے قربان کر دیجئے۔ جرأت و ہمت کا مقام ہے اور صبر کی منزل ہے، باپ کے لئے بھی اور بیٹوں کے لئے بھی، بیٹے دس ہیں قربان ایک کو کرنا ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کس کو؟ اس لئے خطرہ ہر اک کے لئے یکساں ہے۔ ہر ایک گردن تیز دھار چھری کے تلے ہے۔ مگر ہر ایک ثابت قدم ہے۔ باپ بیٹوں کا قدرت امتحان لے رہی ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے بیٹوں سے کہا تم میں سے ہر ایک بغیر پھل کا تیر لے اور اس پر اپنا نام لکھ کر میرے پاس لے آئے۔

تیروں سے فال کا طریقہ

عربوں میں تیروں کے ذریعے فال نکالنے کا طریقہ رائج تھا۔ اس کام کے لئے اس منصب کا نام ''ایسار'' یا ''ازلام'' (استخارہ کی خدمت) تھا۔ اس زمانہ میں ''صفوان'' نامی شخص ''ازلام'' کے عہدہ پر فائز تھا۔

Saheel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

بہت بعد میں یہ عہدہ بنی امیہ میں ابوسفیان کے بھائی کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

تیروں سے فال نکالنے کا طریقہ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ قریش جس بارے میں استخارہ کرنا چاہتے اس کا نام ایک تیر پر لکھ دیتے اور باقی تیروں پر اشخاص کا نام لکھا جاتا جس شخص کے نام کے ساتھ مدعا لکھا ہوا تیر نکل آتا اسی شخص کو مخصوص گردانا جاتا، مثلاً اگر یہ معلوم کرنا ہوتا کہ مقتول کا قاتل کون ہے؟ یا کس سے مقتول کا خون بہا لیا جائے؟ تو وہ ایک تیر پر خوں بہا یا قاتل کا لفظ لکھتے اور دوسرے تیروں پر ان لوگوں کا نام لکھتے جن پر قتل کا شبہ ہوتا۔ کاہن یعنی ازلام کا منصب داران تمام تیروں کو ملا کر چلاتا اور دو۲ دو۲ تیر ایک ساتھ نکالتا۔ جس شخص کے نام کیساتھ خون بہا یا قاتل لکھا تیر نکل آتا وہی ذمہ دار ٹھہرایا جاتا۔

جب حضرت عبدالمطلب کے تمام بیٹوں کے نام تیروں پر لکھے جاچکے تو تیر آپ نے لے لئے اور اپنے تمام لڑکوں کو لیکر خانہ کعبہ کی طرف چلے تا کہ قرعہ اندازی سے معلوم کریں کہ کس بیٹے کو قربان کیا جائے؟

جب یہ خبر ان بیٹوں کی ماؤں کو ملی تو ایک کہرام مچ گیا۔ وہ سب اپنے شوہر کے گرد جمع ہو کر انہیں ایسا کرنے سے روکتی رہیں، آپ کی بیویوں کے باپ دوڑے آئے اور انہیں سمجھاتے رہے اور ایسا کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ کی تمام بیٹیاں باپ کے دامن سے لپٹ کر رو رو کر کہتی رہیں کہ ہمارے بھائیوں کو ذبح نہ کیا جائے۔ مگر حضرت عبدالمطلب چٹان کی طرح اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔ انہوں نے کہا۔ ''نذر ضرور پوری کی جائے گی''۔

پھر آپ اپنے تمام بیٹوں کو لے کر خانہ کعبہ کی طرف گئے۔ ازلام کے منصب دار کو تیر دیئے۔ ایک اونٹ اور سو (۱۰۰) درہم کعبہ کے لئے نذرانہ پیش کیا۔ کاہن کو اپنی نذر کی تفصیل بتائی اور کہا وہ ان تیروں کے ذریعہ معلوم کرے کہ نذر پوری کرنے کے لئے اللہ کس بیٹے کو قربانی کے لئے قبول کرتا ہے۔

جب کاہن تیر ہلانے لگا تو آپ ایک جانب ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے اور اللہ سے دعا کرنے لگے۔

''اے میرے اللہ! میں شیبہ بن ہاشم تجھ سے فیصلہ چاہتا ہوں، مجھے بتا کہ میں اپنی نذر پوری کرنے کیلئے اپنے کس بیٹے کو تیری راہ میں قربان کروں''؟

کاہن نے حسب معمول دو دو کر کے تیر نکالے۔ ''قربانی'' لکھا ہوا تیر جناب عبداللہ کے نام کے تیر کے ساتھ نکلا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے اس بیٹے سے قدرتاً بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ مگر آپ کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور آپ جناب عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر اور دوسرے ہاتھ میں چھری لے کر زم زم[1]

1..... اکثر مورخین نے یہاں ''نائلہ اور اساف'' لکھا ہے۔ اسلئے زم زم کا مقام نائلہ اور اساف دو بتوں کے درمیان تھا۔ جب تک زم زم ظاہر نہیں ہوا لوگ اسی مقام یعنی ان بتوں کے درمیان قربانی کے جانور ذبح کیا کرتے تھے اور یہ مقام اساف و نائلہ بتوں کا مقام سمجھا جاتا تھا اور قربانی ان بتوں پر کی جاتی تھی۔ لیکن اب جبکہ زم زم ظاہر ہو گیا تو آپ نے یہ قربانی متبرک مقام زم زم پر کرنا چاہی۔ نا کہ بتوں پر۔

کے قریب لائے تا کہ آپ کو اللہ کے لئے ذبح کر دیں، ایک بار پھر اس موقع پر شور ہوا، آپ کے افراد خانہ نے آپ کو اس عمل سے روکنے کی کوشش کی۔ حطیم میں موجود قریش نے یہ آوازیں سنیں تو اس طرف دوڑ پڑے۔ انہوں نے آپ کو ایسا کرنے سے روکا اور کہا۔ ''اے ابن ہاشم! جب تک آپ اس کی کوئی معقول وجہ نہ بتا دیں۔ ہم آپ کو ایسا قدم ہرگز نہ اٹھانے دیں گے''۔ آپ نے جواب میں کہا۔ ''میں صرف اپنی نذر پوری کرنا چاہتا ہوں اور یہ کوئی بری بات نہیں، میں نے نذر مانی تھی اور اللہ نے میری دعا قبول کر لی''۔ اس پر ان لوگوں نے کہا اگر آپ نے ایسا کیا تو یہ عمل ایک رسم کی صورت اختیار کر لے گا اور لوگ آپ کی تقلید میں اپنی اولاد کو قتل کرنے لگیں گے بہتر ہے آپ اپنی قسم پوری کرنے کیلئے کوئی اور تدبیر سوچیں۔

حضرت عبدالمطلب نے ان میں سے کسی کی بات نہ مانی اور کہا۔ ''نذر کے پورا کرنے میں کسی حیلے کی ضرورت نہیں، میں نے اللہ سے مراد مانگی اللہ نے میری مراد پوری کر دی۔ مجھے دس بیٹے دیکر سب پر فوقیت بخشی اس لئے میں بھی اپنی قسم ہر حال میں پورا کروں گا''۔ یہ کہہ کر آپ نے جناب عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور زم زم کی جانب بڑھنے لگے۔ مگر قریش نے آپ کا راستہ روک لیا، اور جناب عبداللہ کے ننھیال کے اعزّا بھی سد راہ ہو گئے۔ اس موقع پر ابن سعد لکھتا ہے۔

''حضرت عبدالمطلب جناب عبداللہ کو ہاتھ پکڑ کر مذبح کی طرف لے چلے۔ اس وقت (حضرت) عبدالمطلب کے ساتھ انکے اہل وعیال اور خویش واقارب کی جماعت ساتھ تھی۔ ان میں سب سے زیادہ انکی بیٹیاں بھائی کی محبت میں بے قرار اور زار و زار رو رہی تھیں۔ بالآخر ان میں سے ایک نے باپ سے گزارش کی کہ عبداللہ اور ان اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کیوں نہیں کر لی جاتی جو حرم میں چر رہے ہیں''۔

(طبقات ابن سعد)

اس پر بھی آپ رضا مند نہ ہوئے تو جناب عبداللہ کی والدہ کے قبیلے کا ایک شخص مغیرہ بن عبداللہ آگے بڑھا اور کہا۔ ''اگر آپ کے اس بیٹے کا فدیہ مال سے ہوسکتا ہے تو ہم مال دینے کے لئے تیار ہیں۔ مگر آپ ایسا ہرگز نہ کریں جب تک آپ ہر طرح سے مجبور نہ ہو جائیں۔'' سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم نے جو رشتہ میں جناب عبداللہ کا ماموں تھا۔ عبدالمطلب سے کہا۔ ''ہم عبداللہ کو ہرگز ذبح نہ ہونے دیں گے تاوقتیکہ اس کیلئے بھی قرعہ اندازی نہ کی جائے اور ان کا جو فدیہ ہوگا۔ وہ ہم اپنے مال سے ادا کریں گے''۔

(سیرت ابن ہشام، ص:۵۲ مطبوعہ مصر)

مگر آپ پھر بھی نہ مانے اور اپنے بیٹے کو اللہ کے لئے قربان کرنے پر بضد اور مصر رہے۔ پھر آپ کے اعزّا اور قریش کے بزرگوں نے آپ سے کہا۔

''اگر آپ ہماری بات ماننے کیلئے تیار نہیں تو ہم حجاز کی سب سے زیادہ غیب کی باتیں بتانے والی عورت عرافہ کے پاس چلتے ہیں وہ مشہور غیب داں اور عارف کامل

Sabeele-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

ہے۔ ممکن ہے اس کا کوئی قابل قبول حل بتا سکے۔ اگر وہ بھی یہ کہہ دے جو آپ کہہ رہے رہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ آپ بے شک اس وقت عبداللہ کو راہ خدا میں ذبح کر دیں"۔

یہ بات عبدالمطلب نے قبول کر لی اور "عرافہ" کے پاس جانے کو تیار ہو گئے۔

عرافہ کا عارفانہ حل

سُہیلی نے اس عارف کامل عورت کا نام "قطبہ" لکھا ہے۔ عرافہ یقیناً اس کا لقب ہے۔ کیونکہ وہ معرفت میں بڑی شہرت رکھتی تھی۔ ان دنوں وہ مدینہ کے قریب "حجر" نامی ایک بستی میں رہتی تھی۔ سب لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ لیکن وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ "قطبہ" (عرافہ) ان دنوں خیبر کے مقام پر ٹھہری ہوئی ہے۔ یہ لوگ وہاں سے خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ عرافہ خیبر میں موجود تھی۔ یہ لوگ اس سے ملے اور اپنا مدعا بیان کیا۔ حضرت عبدالمطلب نے اسے نذر ماننے کا تمام واقعہ بیان کیا اور کہا کہ "ہم صرف یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ کیا کوئی اور ایسی صورت ہو سکتی ہے۔ جس پر عمل کرنے سے نذر پوری ہو جائے اور اللہ اسے قبول کر لے یا پھر نذر پورا کرنے ہی پر عمل کیا جائے"۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ:

"عرافہ نے تمام حالات سن کر جواب دیا کہ آج تو تم سب لوگ اپنی قیام گاہ پر لوٹ جاؤ۔ اس بارے میں، میں آج رات کسی وقت اپنے موکل سے معلوم کروں گی کہ اس کا کوئی نعم البدل ہو سکتا ہے یا نہیں۔ کل آ کر اس بارے میں آپ لوگ معلوم کر لیں۔ سب لوگ واپس اپنی قیام گاہ پر چلے گئے اور واپسی کے بعد عبدالمطلب اپنے اللہ سے دعا کرتے رہے"۔

(سیرت ابن ہشام)

نذر کا نعم البدل

اگلے روز یہ لوگ عرافہ کے پاس پہنچے اور اپنے مسئلہ کا حل دریافت کیا۔ عرافہ نے کہا رات میں نے معلوم کر لیا، تمہارا بیٹا ذبح ہونے سے بچ سکتا ہے۔ یہ سن کر سب لوگ بہت خوش ہوئے اور پوچھا وہ کیا صورت ہے؟ جس پر عمل کرنے سے نذر پوری ہو جائے تو عبداللہ کو قربانی سے بچا لیا جائے۔ عرافہ نے پوچھا سب سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے یہاں مقتول کی دیت یا خون بہا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا دس اونٹ۔ تب عرافہ نے ان سے کہا "اب تم کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ اور جو بھی خون بہا کی ادائیگی کا طریقہ ہے اس کے مطابق دس اونٹ اور اپنے بیٹے کے درمیان قرعہ اندازی کرو اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلے تو انہیں ذبح کر دو اور اگر قرعہ تمہارے بیٹے ہی کے نام نکلے تو اونٹوں کی تعداد میں دس اونٹ کا اضافہ کر کے پھر قرعہ ڈالو، اگر پھر بھی لڑکے کے نام قرعہ نکلے تو ہر بار دس اونٹوں کا اضافہ کرتے جاؤ، یہاں تک کہ کسی ایک تعداد پر تمہارا

خدا راضی ہو جائے اور قرعہ اونٹوں کی تعداد پر نکل آئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارا خدا تمہارے لڑکے کی جگہ اسی قدر اونٹوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔[1]

سو اونٹوں کی قربانی

حضرت عبدالمطلب اور ان کے اعزّ اخوشی کے ساتھ واپس مکہ آ گئے اور عرافہ کے بتائے گئے طریقہ کے مطابق مجمع عام میں خانہ کعبہ کے سامنے جناب عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا۔ قرعہ عبداللہ ہی کے نام پر نکلا ہر بار دس اونٹوں کا اضافہ کیا گیا نو مرتبہ جناب عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ مگر جب دسویں بار اونٹوں کی تعداد سو ۱۰۰ تک پہنچ گئی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اللہ نے جناب عبداللہ کی جگہ سو اونٹوں کی قربانی قبول کر لی ہے اور حضرت عبدالمطلب بیٹے کی جگہ ایک سو اونٹ قربان کریں تو نذر پوری ہو جائے گی پھر بھی حضرت عبدالمطلب نے تین بار سو اونٹوں پر قرعہ اندازی کرائی جب تینوں بار قرعہ اونٹوں ہی کے نام نکلا تو آپ کو یقین اور اطمینان ہوا کہ میرا خدا اس پر راضی ہے۔ تب آپ نے سو اونٹ صفا و مروہ کے درمیان ذبح کرانے کا اعلان کیا اور دعوت عام دی کہ جو آدمی جتنا چاہے گوشت لے جا سکتا ہے۔ قریش کے تمام قبیلوں کے علاوہ کوئی بھی عرب مسافر اس سے محروم نہ رہا۔ حتیٰ کہ چرند و پرند کو بھی خوراک دی گئی۔ اس موقع کی وضاحت ابن اسحاق نے یوں کی ہے۔

"جب اونٹوں پر قرعہ نکل آیا تو قریش اور جملہ حاضرین نے حضرت عبدالمطلب سے کہا اب تو خدا عبداللہ کے فدیہ پر راضی ہو گیا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا۔ میں اس کو اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک تین بار قرعہ اندازی کر کے اس حکم کو محکم نہ کر لوں۔

چنانچہ پھر قرعہ ڈالا گیا۔ عبدالمطلب اس بار بھی سابق کی طرح خدا سے دعا مانگتے رہے۔ یہاں تک کہ پھر اونٹوں ہی کے نام قرعہ نکلا۔ دوسری بار پھر دہرایا اور عبدالمطلب اسی طرح دست بدعا رہے مگر اب کی بار بھی قرعہ اونٹوں ہی کے نام نکلا۔ تیسری بار پھر قرعہ ڈالا اور عبدالمطلب کھڑے ہو کر دست بدعا رہے۔ قرعہ اونٹوں ہی کے نام نکلا یہ مشاہدہ فرما کر عبدالمطلب نے اونٹوں کو ذبح فرمایا۔

(سیرت ابن ہشام جلد اول، ص: ۵۲)

ابن اسحاق آگے لکھتا ہے۔

"جتنی دیر قرعہ اندازی ہوتی رہی اور اونٹوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ عبدالمطلب برابر کھڑے رہے اور اللہ سے دعا کرتے رہے"۔

(سیرت ہشام، ص: ۱۸۰)

[1] یہی آپکا عمل تھا جس سے آپ نے قریش کی توجہ نذر اور قسم پوری کرنیکی طرف دلائی اسکے بعد آپ نے دیت ۱۰۰ سو اونٹ مقرر کی۔

Presented by Ziaraat.net

آل رسول پر صدقہ حرام

اس دعوت عام کے ساتھ حضرت عبدالمطلب نے ایک اور حیرت انگیز اعلان فرمایا جو عام لوگوں کیلئے عجیب بھی ہے اور غور طلب بھی۔ اس سے پہلے بھی آپ نے قربانیاں کی تھیں اور انسان، چرند پرند اور درندوں تک کو خوراک مہیا کی تھی۔ لیکن ایسی بات آپ کے منہ سے کسی نے نہ سنی تھی۔ ایسے ہی اقوال سے اور آپ کے ایسے ہی اعمال سے آپ کی روحانی بصیرت نگاہ کی دوررسی اور ادارک وجدان کا پتہ چلتا ہے، آپ نے اس کے ساتھ ہی اعلان کیا۔

''ان اونٹوں کا گوشت میرے اور میرے اہل بلکہ تمام بنی ہاشم کیلئے حرام ہے''۔

(نقوش سیرت، جلد اول، ص: ۷۰، ڈاکٹر طٰہٰ)

اور یہیں سے ہمیں معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے اپنے زمانہ میں اپنی اولاد پر قیامت تک کے لئے صدقہ کیوں حرام قرار دیدیا تھا۔

دیت کا تقرر

دوسری بات جو آپ نے قرعہ اندازی کے نتائج سے اخذ کی وہ خوں بہا کا تعین ہے۔ اس سے پہلے عربوں میں انسانی دیت صرف دس اونٹ تھی۔ جناب عبداللہ کے بدلہ میں جب سو ۱۰۰ اونٹوں کا اشارہ ملا تو آپ نے نتیجہ نکالا انسانی جان کی قیمت دس اونٹ بہت کم ہے، اللہ دیت کیلئے سو ۱۰۰ اونٹوں کے ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس کے بعد ہی آپ نے اپنے زمانہ میں خوں بہا سو ۱۰۰ اونٹ مقرر کیا۔ سب نے اسے تسلیم کیا۔ اس کے بعد عرب کے دیگر قبائل نے اسے اپنے یہاں رائج کیا اور پھر اسلام میں رسول اللہؐ نے اس حکم کو جوں کا توں برقرار رکھا۔ اسی لئے آپ ایسے مواقع پر قریش سے فرمایا کرتے تھے۔ ''یہ اللہ کی نشانیاں ہیں''۔ اسی مفہوم کو قرآن نے متعدد بار دہرایا ہے۔

حضرت عبدالمطلب کی ذات کا اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہونا۔ ذات الٰہی سے آپ کا تقرب نبوت کیلئے بدرقہ کی حیثیت کا اظہار، اللہ کیلئے قربانی کا جذبہ ثانی یحییٰ کی مثال احناف کی امامت اور دین ابراہیم کیلئے مجدد ہونا۔ ان تمام باتوں کیلئے خصوصی طور پر اس ایک واقعہ سے اثبات ہوتا ہے۔

اکثر مورخین ومبصرین نے اس مواقع کی قرعہ اندازی پر حیرت کا اظہار کیا ہے اور واقعی باعث حیرت ہے یہ بات کہ پہلے اپنے رسولؐ کے والد کو قرعہ ہی کے ذریعہ قربانی کے لئے انتخاب کیا اور پھر قرعہ اندازی کے ذریعہ حیرت انگیز طور پر بچالیا کہ ابھی رسولؐ پیدا نہ ہوئے تھے۔ آخر اس پیچیدگی، طوالت اور اس ہمہ ہمی کی ضرورت کیا تھی؟ قدرت اس کے ذریعہ آخر قریش کے سامنے کیا مقصد واضح کرنا چاہتی تھی؟ اس بارے میں محمد رضا مصری لکھتے ہیں۔

''ہر مرتبہ تیر عبداللہ کے نام نکلتا۔ حتیٰ کہ اونٹوں کی تعداد سو ۱۰۰ تک پہنچ جانا ایک عجیب اتفاق ہے۔ اگر قریش اور عبدالمطلب کے فرزندان کی مخالفت اور کاہنہ کا مشورہ نہ ہوتا تو عبدالمطلب کی نذر پر عبداللہ قربان ہو جاتے لیکن مشیت ایزدی یہی تھی کہ حضرت محمدؐ کے والد حیات رہیں اور ان سے آنحضرت کا ظہور ہو''۔

(محمد رسول اللہ، ص: ۲۳-۲۲)

لیکن مولانا مودودی کا اثر انگیز خیال تصورات کو کسی اور نہج پر کشاں کشاں لے جاتا ہے وہ کہتے ہیں۔

''اس طرح ایک مرتبہ پھر آل ابراہیم میں قربانی کا وہ واقعہ دہرایا گیا جو مکہ میں اس مبارک خاندان کی آبادی کے آغاز کے موقع پر پیش آیا تھا۔ اگرچہ روح اور معنی کے اعتبار سے دونوں واقعات میں بڑا فرق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کارخانہ کی حکمتیں عجیب ہیں، پہلے اس خاندان کے اس فرد اول کی قربانی کسی اور طرح مانگی گئی تھی۔ جسے عرب میں دین اسلام کی دعوت کا آغاز کرنا تھا۔ اب اس آخری نبیؐ کے والد کی قربانی کسی اور طرح مانگی گئی جسے تمام عالم انسانی میں اسی دعوت کو پھیلانا تھا۔ پہلی قربانی کا فدید ایک مینڈھا تھا اور دوسری کا فدیہ سو ۱۰۰ اونٹ''۔

(سیرت سرور عالم، حصہ اول، ص: ۸۹)

لیکن ہم یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ دونوں جگہ فدیہ کی قربانی ہوئی۔ اسکی نہیں جسکا فدیا تھا یہ فدیہ دنبہ اور اونٹ تھے۔ کیا انسان کا فدیہ جانور ہو سکتے ہیں؟ یہ وقتی طور پر اس لئے تھا کہ حضرت اسمٰعیل سے نسل کا جاری ہونا تھا اور اسی نسل سے جناب عبداللہ کے ذریعہ نبی آخر کا ظہور عمل میں آنا تھا۔ لیکن اسکے بعد نذر اور قربانی کی شرط پوری کر دی گئی جسکی وضاحت قرآن نے ''فدیناہ بذبح عظیم'' کہہ کر دی ہے۔

(یقیناً اسی صداقت کے پیش نظر نبی آخرؐ نے فرمایا تھا۔ ''انا ابن الذبیحین'' (میں (عبداللہ اور اسمٰعیل) دو ذبیحوں کی اولاد ہوں)

عبداللہ کی شادی

حضرت عبدالمطلب کی عمر اب ۷۲ رسال ہو چکی تھی۔ اس سے بہت پہلے آپ اپنے چار لڑکوں ابوطالب، عبدالعزیٰ، زبیر اور حارث کی شادیاں کر چکے تھے اور اس وقت حارث کی اولاد بلوغت کے قریب تھی۔ جنگ حنین میں جب مسلمانوں نے فرار اختیار کیا تھا۔ اس وقت حارث تو اس دنیا میں موجود نہ تھا مگر آنحضرت کے خاندان کے افراد کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں حضرت عباس اور حارث کا ایک بیٹا سفیان بن حارث بھی آپ کے خچر کی لگام پکڑے موجود تھا۔ جنگ بدر میں پہلا شہید حارث ہی کا دوسرا بیٹا عبیدہ بن حارث تھا۔

Presented by Ziaraat.net

جناب ابو طالب کی شادی آپ نے بنی مخزوم میں فاطمہ بنت اسد سے کی تھی۔ اسی سال جناب ابو طالب کے یہاں ایک لڑکا طالب پیدا ہوا، اسی کی مناسبت سے آپ کی کنیت ابو طالب ہوئی اور اسی سے آپ مشہور ہوئے۔

عبدالعزیٰ جسے بہت بعد میں ابولہب کے نام سے شہرت دی گئی۔ حرب کی لڑکی اور ابوسفیان کی بہن اروی (ام جمیل) پر عاشق ہوگیا تھا۔ وہ وہیں شادی کرنا چاہتا تھا۔ اسکی ماں لبنیٰ کا یہی ایک بیٹا تھا اسلئے اس نے بھی اپنے بیٹے کی خواہش کا لحاظ کیا اور اپنے شوہر حضرت عبدالمطلب پر زور دیا، اگر چہ حرب بن امیہ آپ کا مخالف تھا۔ مگر آپ بڑے فراخدل تھے اور حرب کی تالیف قلب کے موقع کو نظر انداز نہ کرتے تھے۔ مخالفت کے باوجود آپ نے اسے دار الندوہ میں عہدہ دے رکھا تھا، پھر اپنا مصاحب بھی بنا رکھا تھا۔ لہٰذا آپ نے عبدالعزیٰ کی شادی اروی بنت حرب سے کردی تھی۔ شادی کے بعد ابو طالب، عبدالعزیٰ اور زبیر کو الگ الگ تجارت کروادی تھی اور انکے علیحدہ علیحدہ گھر آباد کردیئے تھے۔ حارث پہلے ہی اپنے اہل خانہ کے ساتھ آباد تھے۔

قربانی کے واقعہ کے بعد جناب عبداللہ کی عمر جب بائیس ۲۲ رسال ہوگئی تو آپ کے والد نے اپنے اس بیٹے کی شادی کا ارادہ کیا۔ یوں آپ کو قریش میں کسی ایسی عفیفہ کی تلاش ہوئی جو نسب اور مرتبہ میں سب سے افضل ہو۔ ان دنوں وہب بن عبدمناف بنی زہرہ کے سردار تھے۔ بنی زہرہ سے آپ کا جنگی معاہدہ بھی تھا۔ خاندان بلند حیثیت اور مرتبہ بھی تھا۔ آپ نے اسی گھرانہ کو پسند کیا اور آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ سے جناب عبداللہ کی شادی بڑی دھوم دھام سے کردی۔

حضرت عبدالمطلب کی یہ دور رس اور پیش بینی مستقبل کے لئے انتہائی سودمند ثابت ہوئی۔ آپ اپنے بعد اپنی اولاد کی مخالفت میں بنی امیہ کی روز افزوں پیش قدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ آپ نے حرب کی تالیف قلب کیلئے ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ بدطینت مخالفت اور حسد سے باز نہ آیا، بنی امیہ اور بنی مخزوم بنی ہاشم کی مخالفت پر اتحاد کر چکے تھے۔ آپ نے ابو طالب کی شادی بنی مخزوم میں کی اور عبدالعزیٰ کے لئے بنی امیہ سے بہولائے۔ صرف اس لئے کہ اتحاد قائم ہو اور مخالفت کے اثرات ختم ہو جائیں مگر ان میں حسد کے مقابلہ میں یگانگت اور یکجہتی کی کوئی قدر و قیمت تھی ہی نہیں۔ اس اعتبار سے جناب عبداللہ کی بنی زہرہ میں کی گئی شادی زیادہ مفید ثابت ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد جناب ابو طالب کے دور میں آپ کے پوتے رسولؐ اللہ کی حفاظت کے لئے نہ تو عبدالعزیٰ کی سسرال والے بنی امیہ آگے بڑھے اور نہ جناب ابو طالب کی سسرال والے بنی مخزوم آئے۔ بخلاف اس کے جناب عبداللہ کے سسرال والے یہ بنی زہرہ ہی تھے۔ جنہوں نے آخر وقت تک بنی امیہ اور بنی مخزوم کے مقابلے میں جناب ابو طالبؑ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بہر حال ابن اسحاق کہتا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنے ساتھ لیا اور وہب بن عبدمناف، سردار بنی زہرہ کے پاس پہنچے۔ جو اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے کیلئے ان کی بیٹی آمنہ کا رشتہ مانگا جو فوراً قبول کرلیا گیا اور دونوں کی شادی ہوگئی۔

عبداللہ کا تجارتی سفر

حضرت عبدالمطلب نے اپنے اس بیٹے کی شادی پر پہلے سے کہیں زیادہ داد و دہش سے کام لیا، بڑی بڑی دعوتیں کیں۔ خوشیاں منائی گئیں اور پھر حسب معمول ان کو بھی ایک علیحدہ گھر دیا۔ گھریلو ضروریات کیلئے سامان میں جو اشیاء دیں۔ ان میں اونٹ بھیڑیں اور ایک خدمت کیلئے کنیز بھی تھی۔

''چند روز کے بعد آمنہ کو عبداللہ سے حضرت محمدؐ کا حمل ٹھہر گیا جس کی وجہ سے آپ کا نور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ میں منتقل ہوگیا''۔ (محمد رضا مصری)

ان ہی دنوں قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف تجارت کی غرض سے جانے والا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کی خواہش تھی کہ آپ کے یہ بیٹے بھی اب اپنے دوسرے بڑے بھائیوں کی طرح اپنا آبائی پیشہ تجارت اختیار کرلیں اور اس پیشہ میں تجربہ کے ساتھ ساتھ زندگی کے تجربات و معمولات سے واقف ہو جائیں اور معاشی اعتبار سے کسی کے محتاج نہ رہیں۔ اس خیال سے آپ نے جناب عبداللہ کو بلا کر ان سے اس بارے میں بات کی، انہیں تجارت کے ابتدائی نشیب و فراز سمجھائے، تجارت میں رغبت دلائی اور اس قافلہ کے ساتھ جانے پر آپ کو آمادہ کیا اور آپ کو بڑی نرمی سے سمجھایا۔

''بیٹا میں جانتا ہوں کہ قریش کے نوجوان اس عمر میں عیش و آرام کے دلدادہ ہوتے ہیں اور تمہاری شادی کو تو ابھی زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا، مگر یہ موقع اچھا ہے، ایک قافلہ تجارت کے لئے تیار ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس تجارتی سفر کے لئے تم بھی تیار ہو جاؤ۔ میں نے اور تمہارے بھائیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اپنا وہ تجارتی مال جو کئی ماہ سے جمع پڑا ہے تمہارے حوالے کردیں اور تم اس سے زیادہ سے زیادہ منافع کما کر ہر ایک کا حصہ اسے پہنچادو۔ اپنے سسرال بنی زہرہ کا مال بھی تم ہی لے جاؤ اور اپنا معاوضہ طے کرلو۔ اس طرح تمہیں کافی فائدہ ہوگا اور پھر تم اپنے بھائیوں کی طرح اپنا کاروبار کرنے لگو گے''۔ (نقوشِ سیرت)

سفر کے دوران وفات

جناب عبداللہ نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کیا اور قافلہ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ جناب ابو طالب اور عبدالعزیٰ نے اپنا مال تجارت آپ کے حوالہ کردیا، آپ نے سفر کی تیاری کی اور اگلے ہی روز قافلہ کے ساتھ روانہ ہوگئے مختلف شہروں میں قیام اور لین دین کیا۔ فلسطین کے شہر غزا میں کچھ دن قیام کیا یہاں کی تجارت کے انداز دیکھے آپ کے دادا اسی شہر کو اپنی تجارت کے لئے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ غرض غزا سے آپ کامیابی کیساتھ تجارت کر کے واپس لوٹے۔ لیکن جب آپ واپسی میں مدینہ کے قرب و جوار میں پہنچے تو آپ

Presented by Ziaraat.net

ماحول اور موسم کی تبدیلی سے اچانک بیمار ہو گئے اور زندہ مکہ نہ پہنچ سکے۔ جب آپ نے بیماری کی شدت کو محسوس کیا تو مدینہ میں چند روز آرام اور قیام کا ارادہ کیا قافلہ مکہ چلا گیا اور آپ خود مدینہ میں اپنی ددھیال کے خاندان بنی نجاّر میں ٹھہر گئے۔ خیال تھا کہ افاقہ ہونے پر مکہ چلے جائیں گے کوئی افاقہ نہ ہوا بیماری نے شدت اختیار کی اور آپ وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے اور ان کے ددھیالی رشتہ داروں نے انہیں وہیں بنی عدی بن نجاّر کے قبیلے کے قبرستان ''دار نابغہ'' میں دفن کر دیا۔

ادھر حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے کیلئے پریشان تھے اور بڑی بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب قافلہ واپس مکہ پہنچا تو قافلہ والوں سے یہ معلوم کر کے کہ جناب عبداللہ راستے میں بیمار ہو گئے تھے اس لئے مدینہ میں ٹھہر گئے ہیں۔ آپ کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ آپ نے بلا تاخیر اپنے سب سے بڑے بیٹے کو حکم دیا کہ وہ فوراً مدینہ جائیں اور اپنے بھائی کو جس قدر جلد ہو سکے مکہ واپس لے آئے۔

حارث اسی وقت اونٹ پر سوار ہوئے اور جس قدر جلد ہو سکتا تھا مدینہ پہنچے۔ لیکن جناب عبداللہ کا چند روز قبل انتقال ہو چکا تھا اور دفن بھی کیا جا چکا تھا۔ حارث خالی ہاتھ مکہ واپس لوٹے اور باپ کو بھائی کے مرنے اور دفن ہونے کی جانکاہ خبر سنائی۔ حضرت عبدالمطلب سکتہ کے عالم میں رہ گئے۔ اب بیٹے کی موت سے زیادہ فکر ان کو اس کی نوجوان بیوہ کی تھی۔ بیٹے کی تمام تر محبت، نوجوان بیوہ بہو اور اس سے جنم لینے والے نومولود کی طرف منتقل ہو چکی تھی۔ آپ کو علم تھا کہ مرحوم بیٹے کی بیوی حمل سے ہے۔ آپ نے بہو کی خدمت کے لئے کنیزوں میں اضافہ کر دیا، اور اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ آپ اپنے چہیتے بیٹے کے نعم البدل کی پیدائش کا انتظار کریں۔

جناب عبداللہ کا انتقال ۲۴ رسال کی عمر میں ماہ ستمبر ۵۷۰ء میں ہوا، آپ نے ایک کنیز اُم ایمن برکہ حبشیہ، پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک گلہ ترکہ میں چھوڑا۔ اپنے شوہر کی نوجوانی میں اچانک موت سے حضرت آمنہ کو جو ملال و غم اور پریشانی ہوئی اس کا اظہار ان کے اس مرثیہ کے ان اشعار سے ہوتا ہے۔ جو انہوں نے جناب عبداللہ کی وفات کی خبر سن کر کہا تھا۔

(۱) آج وادی بطحا آل ہاشم سے خالی ہو گئی اور اس نے غماغم کے باہر ایک لحد میں سکونت اختیار کر لی۔
(۲) انہیں موت نے دعوت دی جسے انہوں نے قبول کر لیا، ان کی موت نے ان جیسا کوئی فرزند لوگوں میں نہیں چھوڑا۔
(۳) جس رات لوگ ان کا جنازہ لے کر چلے تو ہجوم کی وجہ سے انکے ساتھیوں کا چلنا دشوار ہو گیا تھا۔
(۴) اگرچہ موت نے انہیں ہم سے چھین لیا ہے لیکن ان کی فیاضی اور نرم دلی باقی رہ گئی ہے۔

(عربی اشعار کا ترجمہ، سیرت ابن ہشام)

حضرت عبدالمطلب کی زندگی کا اہم ترین تاریخی واقعہ

یہ واقعہ عرب ہی نہیں دنیا کی تاریخ کا وہ عظیم تر واقعہ ہے جس نے بالعموم عربوں کو اور بالخصوص قریش کے خوابیدہ احساس کو جھنجوڑ کر بیدار کر دیا تھا۔ وہی قریش جو حضرت عبدالمطلب کے ایما، فعل و عمل اور ہدایت پر بت پرستی ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے، وہ بھی ایک برتر خدا کے قائل ہو گئے تھے۔ یہی وہ واقعہ ہے جو تاریخ میں ''واقعہ اصحاب فیل'' کے نام سے مشہور ہوا اور جب قریش عبدالمطلب کی وفات کے بعد دوبارہ بنی ہاشم کی مخالفت میں اپنے سابقہ نظریئے یعنی بت پرستی کی رسوم کی طرف لوٹنے لگے تو قرآن نے کوئی ۴۲ رسال بعد ''کیف فعل ربک باصحاب الفیل'' کہہ کر قریش کو یہی واقعہ یاد دلا کر احساس دلایا تھا کہ ''تم نے واقعہ اصحاب فیل اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور یہ بھی کہ ہم نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا کیا؟'' اور ہم ہی تھے جس نے تم پر سے اس مصیبت کو دفع کیا تھا۔

یہ واقعہ ابرہہ نامی حاکم کا مکہ پر حملہ تھا۔ جس کی فوج میں ہاتھی بھی تھے۔ اسی وجہ سے اس لشکر کو ''اصحاب فیل'' یعنی ہاتھیوں والا لشکر کہا گیا ہے۔ اس پورے واقعہ میں حضرت عبدالمطلب کا قریبی تعلق ابتدا سے اختتام واقعہ تک رہا تھا۔ اگر ان کا تدبر، یقین اور ایمان کام نہ کر رہا ہوتا تو شاید اس کی نوعیت کچھ اور ہوتی۔ اس نوعیت کو پوری طرح سمجھنے کیلئے اس واقعہ کی تفصیل سے پہلے اس کے محرکات کا سمجھنا ضروری ہے۔ اس لئے اس کا پس منظر مختصراً بیان کا متقاضی ہے۔

ابرہہ کون تھا

یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے یمن مین مقیم عیسائیوں پر بے انتہا ظلم ڈھائے تھے اور تاریخی اعتبار سے بتائی گئی تعداد بیس ۲۰ ہزار تھی، ان عیسائیوں کی جن کو اس نے آگ میں ڈلوا کر جلا دیا تھا۔ یہ خبر جب حبشہ اور روم کے عیسائی حکمرانوں تک پہنچی تو وہ بہت غضبناک ہوئے اور اپنے عیسائی بھائیوں کی موت کا انتقام لینے کے لئے ایک عظیم لشکر تیار کر کے یمن پر حملہ کیلئے بھیجا۔ اس لشکر کا سپہ سالار ''ارباط'' نامی تھا اور ابرہہ نامی ایک شخص اسی لشکر میں اس کا ماتحت تھا۔ جب یہ لشکر یمن کے ساحل پر اترا اور شاہ یمن[1] کو اس کی اطلاع ملی تو وہ خوف زدہ ہو کر یمن سے بھاگا اور بدحواسی میں سمندر میں کود گیا۔ اسکے بعد اسکا کوئی نام و نشان نہ ملا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی لشکر نے بغیر کسی مزاحمت اور جنگ کے یمن کے پایہ تخت صنعا پر قبضہ کر لیا۔

[1] اس یہودی شاہ یمن کا نام زرعہ تھا۔ اسکے ماتھے پر بالوں کی لٹ لہراتی رہتی تھی، اسلئے اس کو ذونواس کہنے لگے اور اسی عرفیت سے وہ مشہور ہوا۔ آتش پرست تھا جو بعد میں یہودی ہو گیا اور یمن کے بدکار یہودی حکمران کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ پورے علاقے میں یہودیت پھیلائی اور جو یہودی نہ ہوا اسے قتل کر دیا۔ عیسائیوں کے ملک نجران پر قبضہ کیا اور انہیں یہودیت پر مجبور کیا۔ انہوں نے انکار کیا۔ تو بیس ہزار عیسائیوں کو آگ میں ڈال کر جلا دیا۔ (ابن کثیر البدایہ والنہاریہ ۲: بحوالہ سوانح عبدالمطلب)

Presented by Ziaraat.net

عیسایت پھیلانے کی مہم

جب پورے یمن پر تسلط حاصل ہوگیا تو لشکر کے سردار ''ارياط'' اور لشکر کے دیگر سرداروں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اس کی وجہ یمن میں وہاں کے باشندوں کو عیسائی بنانے کا منصوبہ تھا۔ کچھ سرداروں کا خیال تھا کہ ملک پر قبضہ ہی کافی ہے۔ ہمیں رعایا کے ذاتی عقائد سے سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔ مگر چند کا خیال تھا کہ ان لوگوں کو عیسائی مذہب میں داخل کیا جائے۔ ''ارياط'' پہلے گروہ کے ساتھ متفق تھا۔ جبکہ ابرہہ جو ایک انتہائی کٹر عیسائی تھا۔ تمام رعایا کو زبردستی عیسائی بنانے پر اتفاق کرتا تھا۔ اس طرح لشکر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا اور ''ارياط و ابرہہ'' ایک دوسرے کے مقابل جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ ابرہہ انتہائی فریب کار اور دھوکہ باز شخص تھا۔ اس نے ارياط کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ اگر لشکر آپس میں جنگ کرے گا تو خونریزی ہوگی اور مملکت کو نقصان پہنچے گا۔ اختلاف ہم دونوں کے درمیان ہے۔ لہٰذا بہتر ہے ہم آپس میں جنگ کر کے فیصلہ کرلیں۔

ارياط مارا گیا

ارياط نے ابرہہ کی یہ بات مان لی اور اس سے جنگ کیلئے مسلح ہو کر میدان میں نکل آیا۔ پہلے ارياط نے ابرہہ پر نیزے سے حملہ کیا اس کی پیشانی، ناک اور ہونٹ شدید طور پر زخمی ہوئے [1] وہ زمین پر گر گیا۔ قریب ہی کھڑے ابرہہ کے ایک غلام نے یہ حال دیکھا تو اس سے پہلے کہ ارياط ہوشیار ہو، ابرہہ کے غلام نے ارياط پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ ارياط گرا اور پھر نہ اٹھ سکا وہ وہیں ہلاک ہوگیا اور ابرہہ نے علاج کے بعد صحت پائی۔ اب تمام لشکر ابرہہ کے تحت آ گیا اور ابرہہ یمن کا حاکم بن گیا۔

شاہ حبشہ نجاشی کو یہ خبر ملی کہ اس کے سپہ سالار ارياط کو ابرہہ نے قتل کر دیا ہے اور خود یمن پر حکومت کرنے لگا ہے تو وہ بہت غضبناک ہوا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ ابرہہ کو ہلاک کئے بغیر نہیں رہے گا۔ ابرہہ کو بادشاہ کے اس ارادہ اور قسم کی اطلاع ملی تو وہ سخت پریشان ہوا اور اس نے ایسی تدابیر پر غور کرنا شروع کیا جس سے بادشاہ کی قسم بھی باقی رہے اور وہ راضی ہو جائے۔

ابرہہ کی کامیاب حیلہ سازی

اس نے بڑے غور و خوض کے بعد ایک تدبیر پر عمل کیا اس نے اپنے جسم سے خون نکالا اور اسے ایک شیشی میں بند کیا اور یمن کی زمین کی کچھ مٹی لی اور ان دونوں چیزوں کو ایک درخواست کے ساتھ حبشہ، بادشاہ نجاشی کو بھیج دیا۔ درخواست میں اس نے بادشاہ سے معافی مانگی اور اسکی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا۔

[1] ارياط کے ایک ہی وار سے ابرہہ کی بھویں اور ناک کٹ گئے اور ہونٹ پھٹ گئے۔ اشرم کے معنی شق ہونے کے ہیں اس لئے اسے ابرہۃ الاشرم یعنی نکٹا بھی کہا گیا ہے۔

اس نے درخواست میں مزید لکھا کہ ''اس شیشی میں میرا خون ہے اور اس کے ساتھ اس زمین کی مٹی ہے۔ بادشاہ سلامت اگر اس مٹی پر میرا خون بہائیں اور پھر اس مٹی کو اپنے قدموں سے روند ڈالیں تو قسم پوری ہو جائیگی اور بادشاہ کا یہ غلام اس کی خدمت کے لئے زندہ رہے گا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ بادشاہ کی رائے اور اس کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی قدم نہ اٹھاؤں گا''۔

بادشاہ اس تدبیر سے متاثر ہوگیا اور اس نے ابرہہ کو معاف کر دیا، اور یمن کا حاکم بنا دیا، ابرہہ نے یمن کے سربرآوردہ لوگوں، رئیسوں اور عوام کو راضی کیا۔ وہاں ان کی مرضی کے مطابق اصلاحات جاری کیں، انہیں مناسب مراعات سے نوازا۔ یہ ایک انتہا پسند عیسائی تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنی خواہش کے مطابق یمن میں عیسائیت کو پھیلایا اور وہاں کے باشندوں نے دباؤ سے مجبور ہو کر عیسائیت قبول کرلی۔ عیسائیت کے پھیلنے کے بعد اس نے وہاں ایک گرجا گھر تعمیر کرنے اور پھر یمن کو عبادت کا مرکز بنانے کا ارادہ کیا۔ یمن میں ایک عظیم کلیسا بنانے اور اسے مرکز قرار دینے اور پھر کعبہ پر حملہ کرنے کے اسباب پر زرقانی نے خوب روشنی ڈالی ہے وہ لکھتا ہے۔

یمن میں قلیس کی تعمیر

جب ابرہہ الاشرم ابن الصباح نے غلبہ کر کے نجاشی کی طرف سے علاقہ یمن پر قبضہ کرلیا تو اس نے ایام حج میں لوگوں کو حج کے لئے سفر کرتے دیکھا تو ان سے پوچھا۔ تم لوگ کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ میں خانہ خدا کا حج و طواف کرنے جاتے ہیں۔ اس نے پوچھا مکہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا۔ حجاز میں۔ پھر اس نے پوچھا یہ لباس کیسا ہے؟ انہوں نے بتایا یہ خانہ خدا کے ہدیہ ہیں جو وہاں جاتا ہے یہ لے کر جاتا ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا۔

''مسیح کی قسم میں اس سے بہتر تمہارے لئے یہیں ایسی عبادت گاہ بنوا دوں گا''۔ پھر اس نے یمن کے دارالسلطنت ''صنعا'' میں سفید، سرخ، زرد اور سیاہ رنگ کے سنگ رخام سے ایک کنیسہ تعمیر کرایا، اور اس پر سونے چاندی کی پچی کاری کرائی اور پھر انواع و اقسام کے جواہرات جڑوائے اور اہل یمن کو اس کے تعمیر پر زور آمادہ کیا۔ اس نے چمکتے ہوئے سنگ رخام اور سونے چاندی سے اس پر نقش و نگار بنوائے۔ کلیسا کی اس عمارت کیلئے اس نے قصر بلقیس سے جو ایک فرسخ (ڈھائی میل) کے فاصلے پر تھا، پتھر منگوائے اور اس کلیسا پر دو صلیبیں سونے اور چاندی کی نصب کرائیں اور چونکہ کلیسا شہر کے تمام عمارتوں سے بلند تھا اس لئے اس کا نام ''قلیس'' [1] رکھا۔

جب ابرہہ نے اس میں مراسم حج بجالانے کا ارادہ کیا تو نجاشی کو اطلاع دی کہ ''ہم نے بادشاہ

[1] یہ گرجا اتنا بلند تھا کہ اگر قریب کھڑے ہو کر اس کی چوٹی کو لوگ دیکھنے کے لئے نظریں اٹھاتے تو ان کی پگڑیاں سر سے گر جاتیں اور ٹوپی یا پگڑی پھینکنے والے کو قلیس کہا جاتا تھا۔ اس لئے اس کا نام قلیس مشہور ہوگیا تھا۔

Presented by Ziaraat.net

کے نام سے اس شہر میں ایک کنیسہ بنایا ہے۔ اس سے پہلے کوئی ایسا کلیسا کہیں موجود نہیں ہے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اب تمام عرب کے باشندے یہیں آ کر حج کیا کریں اور انہیں حج کیلئے مکہ نہ جانے دیا جائے"۔

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو اس کی اطلاع اہل حجاز کو پہنچی۔ بنی کنانہ کے ایک شخص کو ابرہہ کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا، وہ گیا اور اس کنیسہ میں داخل ہو کر اس کی حدود میں پاخانہ کر آیا اور اپنی جگہ واپس آ گیا، یہ خبر ابرہہ کو ملی تو وہ طیش میں آ گیا اور اس نے قسم کھائی کہ اب وہ جب تک خانہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دے گا آرام سے نہ بیٹھے گا۔ اس نے اسی وقت نجاشی شاہ حبشہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور اس سے درخواست کی کہ اس کا مشہور و معروف عظیم ہاتھی محمود نامی بھیج دیا جائے۔

جب نجاشی کے ہاتھی پہنچ گئے تو ابرہہ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ (زرقانی جلد اول، ص ۱۰۶) تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابرہہ نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد یمن میں عیسائیت کو پھیلایا، بڑے شہروں میں بھی گرجا تعمیر کرائے۔ بند مآرب[1] کے ٹوٹ جانے پر اس کی تعمیر کرائی اور وہاں کام کرنے والے مزدوروں کیلئے گرجا بھی بنوایا۔ نجران میں زونواس نے جو عیسائیوں کو آگ میں جلایا تھا ان کی یادگار کے طور پر وہاں بھی ایک بڑا گرجا بنوایا، یمن کے پایۂ تخت صنعا میں جو عظیم گرجا قلیس نامی بنوایا تھا۔ وہ اتنا عظیم اور شاندار تھا کہ اس زمانہ میں اس جیسا کوئی کلیسا دنیا میں موجود نہ تھا۔ (اس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔) پھر ابرہہ نے حکم دیا کہ اب عرب مکہ جانے کے بجائے اسی گرجا میں عبادت کریں گے۔ کئی عرب قبیلوں نے اسے مانا مگر کچھ نے انکار کر دیا اس پر وہ بہت غضبناک ہوا اور اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں مکہ جا کر اس عمارت کو ڈھا دوں گا۔

بعض مورخین نے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ لکھا ہے اور بتایا ہے کہ ابرہہ نے اس گرجا میں بڑے نامی گرامی پادری بلا کر رکھے اور تمام عرب کو ترغیب دی کہ وہ کعبہ کے بجائے وہاں عبادت کیلئے آیا کریں مگر اہل عرب کی اکثریت بت پرست تھی۔ وہ ابرہہ کے اقتدار کو تو تسلیم کرتے اور اس کا حکم بھی مانتے مگر اس کے دین و مذہب اور طریقۂ عبادت سے کوئی تعلق نہ رکھتے اور نہ اس مقصد کیلئے گرجا میں جاتے اور جو لوگ اس کی ہدایت پر گرجا جاتے وہ بہت ہی پس ماندہ قسم کے لوگ ہوتے، تنگدست، غریب وغیرہ۔

اسی دوران ایک روز کلیسا میں ایک مردار جانور پڑا پایا گیا۔ یہ خبر ابرہہ کو دی گئی اور کہا گیا کہ کسی نے مردار جانور کلیسا میں پھینک کر اس کی بے حرمتی اور عیسائیت کی توہین و تذلیل کی ہے۔ یہ سن کر اس نے اس کی تحقیق کی تو اسے یہ باور کرایا گیا کہ یہ حرکت حجاز ہی کے کسی باشندے کی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہاں ان لوگوں کا مرکزی عبادت خانہ ہے۔ جسے کعبہ کہتے ہیں۔ یہ اس کا طواف بھی کرتے ہیں۔ عرب کے دور

[1] مآرب (marib) صنعا اور حضرموت کے درمیان وہ علاقہ ہے جہاں قبیلہ آزد آباد تھا۔ سبا بھی یمن کا علاقہ ہے جو صنعا اور حضرموت کے درمیان میں ہے۔ اس کا دارالحکومت شہر مآرب تھا۔ حضرموت قحطان کے ایک بیٹے کا نام ہے جو اس علاقہ میں آ کر آباد ہو گیا تھا یہ یمن کے مشرق میں تھا۔ یمان بہت سے شہر آباد ہیں حضرت ہود اسی علاقہ میں دفن ہیں۔ (بحوالہ سوانح عبدالمطلب مرتبہ محمد رحیم دہلوی)

دراز علاقوں سے مرد اور عورتیں آتی ہیں، وہ اس کعبہ کی بڑی عزت و تکریم کرتے ہیں اور اس قبیلہ کی بھی بہت عزت کرتے ہیں جو کعبہ کے گرد آباد ہے۔ اس قبیلہ کا نام قریش ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ کلیسا مرکزی حیثیت حاصل کر سکے۔

کعبہ پر حملہ کی تیاری

ابرہہ یہ سن کر غضبناک ہو گیا اور اس نے کعبہ کو مسمار کرنے کی قسم کھائی اور یہ کہ وہ تمام عرب کو مجبور کرے گا کہ وہ صرف اس کلیسا میں عبادت کیلئے آیا کریں۔ اس کے بعد اس نے مکہ پر حملہ کی تیاری کا حکم دیا اور اس اقدام کی شاہ حبشہ نجاشی کو اطلاع کے ساتھ اس سے کمک بھیجنے کی گزارش کی۔ اکثر مورخین کا خیال ہے کہ نجاشی نے اس سلسلہ میں کوئی کمک روانہ نہیں کی۔ اس نے خود ایک لشکر تیار کیا جس کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ اس لشکر میں ہاتھی بھی تھے۔ ان ہاتھیوں کی تعداد ۱۳ بتائی جاتی ہے۔ اس وقت تک عربوں نے ہاتھی نہ دیکھا تھا، عرب لشکر ہاتھیوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے۔

بنی امیہ اور بنی ثقیف کی سازش

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے ایک چشمہ "ذوالبزم" پر بنی ثقیف کے سردار جندب بن حارث نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس چشمہ کی بازیابی کیلئے مقرر ثالث نے حضرت عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ دیا اور اس چشمہ پر آپ کو قبضہ دلایا۔ اس موقع پر حرب بن امیہ نے حضرت عبدالمطلب کی مخالفت میں خفیہ طور پر بنی ثقیف کا ساتھ دیا تھا۔ پھر بنی امیہ اور ان کے حلیف قبیلوں نے بنی ثقیف سے شادی بیاہ کے رشتے قائم کر لئے تھے۔ طائف میں باغ اور زمینیں بھی لے لی تھیں۔ ایسا کرنے سے ان کا مقصد بنی ہاشم کی مخالفت اور مزاحمت کرنا تھا۔ اسی مقصد کیلئے بنی امیہ نے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے اور کعبہ کے مقابل عبادت گاہ قائم کرنے میں ابرہہ اور جندب بن حارث کی مدد کی تھی۔ لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔

بنی امیہ اور بنو ثقیف کے بت

بنی امیہ نے ازدواجی رشتوں کے بعد مزید تعلقات بڑھانے کے لئے اہل طائف کے بتوں کی پرستش بھی شروع کر دی تھی۔ بنو ثقیف "لات" اور "یالیل" دو بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ "یالیل" ان کا مقامی بت تھا جس کی پرستش ہر گھر میں کی جاتی تھی اور "لات" ان کا وہ عظیم بت تھا جس کو انہوں نے عوام کی پرستش کے لئے ایک بڑے بت خانہ میں نصب کر رکھا تھا۔

جب حضرت عبدالمطلب نے کعبہ کی صفائی اور تزئین کے بعد سقایہ و رفادہ اور غریب حجاج کیلئے کپڑوں کا بندوبست کیا تو حجاج کی آمد میں اضافہ ہوا اور حضرت عبدالمطلب کی شہرت دور دور تک پہنچی یہ بات بنی امیہ کو

Presented by Ziaraat.net

ناگوار گزری قریش کا بت ''ہبل'' تھا جس کا نعرہ جنگ احد میں ابوسفیان نے لگایا تھا اور اسے برکت اور مسلمانوں کے خدا سے جنگ کیلئے اونٹ پر باندھ کر لے گیا تھا۔ لیکن بنی امیہ، بنی مخزوم اور بنی ربیعہ یعنی عبدالشمس کی کل اولاد ''لات'' کی پرستش بھی کرتی تھی۔ ''عزیٰ'' بھی قریش کا بت تھا۔ اپنی اکثریت کی بنیاد پر بنی امیہ جب قسم کھاتے تو ''عزیٰ'' کے ساتھ ''لات'' کی بھی قسم کھاتے۔ اس کثرت عمل کی وجہ سے قریش میں بھی قسم کھانے کا یہ طریقہ جو بنی امیہ نے رائج کیا تھا عام ہوگیا۔ یعنی وہ اب جب قسم کھاتے تو ''لات و عزیٰ'' کی قسم کہتے۔ وہ عزیٰ کے ساتھ ''لات'' کو بھی شامل کر لیتے تھے۔ سورۂ نجم میں ان کے قسم کھانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بخاری میں ہے کہ قریش (بنی امیہ) لات وعزیٰ کی قسم کھایا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں اس کا ذکر کیا ہے کہ قریش (بنی امیہ) سونے سے پہلے لات وعزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ یاقوت نے بھی معجم البلدان میں لکھا ہے کہ قریش (بنی امیہ) کعبہ کا طواف کرتے وقت لات کی جے کا نعرہ لگایا کرتے تھے۔

ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ مورخین نے تحقیق کی گہرائیوں میں جائے بغیر یا بنوامیہ کے دباؤ کے سبب یا سہل نگاری کے طور پر عمداً ہر جگہ قریش اور اہل مکہ لکھنے کا طریقہ معمول بنالیا ہے۔ حالانکہ بہت سے مقام پر تمام قریش ہرگز مراد نہیں ہوتے بلکہ قریش کا کوئی قبیلہ مراد ہوتا ہے۔ بخاری، امام احمد بن حنبل، یاقوت وغیرہ نے جو قریش کے نام سے لات کی پرستش کا ذکر کیا ہے۔ وہ دراصل بنوامیہ، بنی مخزوم اور بنی سہم ہیں۔ جو لات سے رغبت رکھتے تھے اور بنی ثقیف کو حضرت عبدالمطلب کے مقابلے میں لانے کیلئے ان کی پرستش بھی کرتے تھے اور عزیٰ کے ساتھ لات کی قسم بھی کھاتے تھے۔ جس کی بنیاد پر انہوں نے قریش لکھ کر تمام قبائل کو احاطہ کرلیا ہے۔ یوں اس میں بنی ہاشم بھی شامل ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حضرت عبدالمطلب اور ان کی اولاد حنفی تھے۔(۱)

رسول اللہؐ نے فتح مکہ وطائف کے بعد لات کا بت توڑنے کیلئے ابوسفیان کو اسی لئے تو بھیجا تھا، اس میں یہی راز پنہاں تھا کہ جس کو وہ اور اس کا قبیلہ مانتا تھا اسے اسی کے ہاتھ سے مسمار کرا کے سبق دیا جائے۔

الغرض بنی امیہ کو حضرت عبدالمطلب کی شہرت ناگوار گزری اور جب وہ بنی ثقیف کے بتوں کی پوجا کرنے اور قسم کھانے لگے تو انہوں نے جندب بن حارث اور بنی ثقیف کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے بت خانہ کو ایسی ہی حیثیت وعظمت دیں جیسی کہ عبدالمطلب نے کعبہ کو دے رکھی ہے۔ چنانچہ ابرہہ سے پہلے بنی ثقیف نے ایسا کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے اور کعبہ کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

۱۔ اسی پر قیاس کر کے ہمارے علماء یہ لکھتے رہے کہ آنحضرت بھی سونے سے پہلے (قبل اسلام) لات وعزیٰ کی پرستش کرتے تھے۔ اس کے ثبوت میں وہ آنحضرت کا وہ قول نقل کرتے ہیں جس میں آپ نے کہا تھا۔ ''اے خدیجہ! خدا کی قسم میں لات وعزیٰ کی پرستش نہیں کروں گا''۔ اگر یہ درست ہے تو آپ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بنی امیہ یا قریش کے دباؤ سے میں لات ومنات کی پرستش نہیں کروں گا۔ مطلب کہ پہلے لات وعزیٰ کی پرستش کرتا تھا۔ اب نہیں کروں گا یہ علمائے بنی امیہ کی اختراع ہے یا پھر کم علم علماء نادانی اور غلط فہمی کا شکار ہیں۔

یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ ''اہل طائف نے اپنے بت خانہ کو کعبہ ثانی کی حیثیت دے رکھی تھی اور اپنے شہر کی فصیل کو اس کعبہ کا حرم قرار دیا تھا اور اس کی حدود میں چرند پرند کا شکار اور جنگلی درختوں کا کاٹنا ممنوع قرار دیدیا تھا۔ کیونکہ حضرت عبدالمطلب نے بھی شہر مکہ کو جائے امن قرار دیتے ہوئے اس کی حدود میں خوں ریزی کو حرام قرار دیا تھا۔ چنانچہ لات کے پجاری اہل طائف کے علاوہ دوسرے قبیلے بھی تھے اور اب وہ کعبہ کے حاجیوں کی طرح چڑھاوے چڑھانے، دعائیں مانگنے طائف آیا کرتے تھے۔ سید سلیمان ندوی نے ''تاریخ ارض القرآن'' میں لکھا ہے کہ لات ایک گول سفید پتھر کی شکل میں تھا۔ اس پر ایک عمارت تعمیر کردی گئی تھی، بنوثقیف کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ اس کی شان میں گستاخی کرنا ان کے نزدیک تباہی وبربادی کو دعوت دینا تھا۔ یہی عقیدہ ابوسفیان رکھتا تھا۔ (تاریخ ارض القرآن)

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

بنی امیہ نے ابرہہ کی درپردہ مدد کی

بنی امیہ اور بنی ثقیف طائف میں کعبہ کا بدل قائم کرنے اور حاجیوں کو مکہ آنے سے روکنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ابرہہ کے لشکر کی رہنمائی اور مدد کر کے اس ندامت و ناکامی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ بنی امیہ کا بنی ہاشم سے حسد اور کینہ اس حد تک بڑھ جانا حیرت کی بات ہے لیکن اس کے بیشتر ثبوت ۶۱ ہجری کے بعد تک واضح طور پر ملتے ہیں۔ ابرہہ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے ارادہ سے آیا تھا۔ اس ضمن میں اس کی مدد کرنا کیا کعبہ کو ڈھانے میں مدد دینے کے مترادف نہیں ہے؟ ابرہہ کے راستے میں آنے والے تمام بت پرست قبیلوں نے اس کی مزاحمت کی چونکہ وہ تلوار سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے چھوٹے قبیلوں نے اس سے ایسا نہ کرنے کی التجا کی۔ اسے اس کا معاوضہ بھی دینے کی پیشکش کی بعض نے مقابلہ بھی کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لشکر کی راہ میں آنے والا یہی ایک بنی امیہ کا حلیف قبیلہ ثقیف تھا جس نے اس کی رہنمائی اور مدد کی اس میں بنی امیہ برابر کے شریک تھے۔

ابرہہ کی ہر قدم پر مزاحمت

آنحضرتؐ کی بعثت سے چالیس سال قبل اور آپ کی ولادت سے صرف دو ماہ پہلے ابرہہ نے ساٹھ ہزار لشکریوں کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا تھا۔ اس سے اس کا مقصود خانہ کعبہ کو مسمار کر کے ہمیشہ کے لئے حاجیوں کے اس مرکز کو ختم کرنا تھا۔ حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کی موت کا غم ابھی غلط نہ کر پائے تھے کہ اس آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ اس موقع پر قریش جنگ کیلئے کافی نہ تھے اور بنی امیہ کے تین قبیلے مخالفت پر آمادہ تھے۔ اس وقت ہر عرب قبیلے میں کعبہ کی بڑی عزت و عظمت تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی خزاعہ کے زمانہ میں ہر قبیلے نے اپنا بت کعبہ کی حدود میں لا رکھا تھا۔ یہودیوں نے حضرت ابرہیمؑ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں کعبہ میں آویزاں کر رکھی تھیں اور کوئی قبیلہ کعبہ کی بے حرمتی برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ ابرہہ کے حملے کی خبر پورے عرب قبائل میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور راہ میں آنے والے ہر قبیلہ نے مزاحمت کی مگر کم تعداد ہونے کے سبب کامیابی نہ ہو سکی۔

ابن خلدون اور دوسرے مورخین کا کہنا ہے کہ جب ابرہہ ساٹھ ہزار لشکریوں کے ساتھ یمن سے مکہ پر حملہ کے ارادہ سے نکلا تو سب سے پہلے یمن کے بت پرست قبیلہ کا سردار ذونفر حمیری دو ہزار عرب سپاہیوں کے ساتھ اس کے مقابلے کیلئے آیا اور اسے مکہ جانے سے روکا لیکن نفری کم ہونے کی وجہ سے ذونفر کو شکست ہوئی۔ ابرہہ نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اپنی راہبری کیلئے ساتھ رکھا۔ اس کے بعد لشکر آگے بڑھا اور راستے میں آنے والے ایک اور قبیلہ "خثعم" کے سردار نفیل بن حبیب نے مزاحمت کی۔ یہ قبیلہ اس راہ میں سب سے زیادہ لوٹ

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

مار کرنے والا جنگجو قبیلہ تھا مگر اس پر بھی ابرہہ کے لشکر کی تعداد نے قابو حاصل کر لیا، نفیل بھی گرفتار کر لیا گیا اس کے بعد جس قدر قبیلے راستہ میں آئے انہوں نے جنگ سے گریز کیا کہ وہ بھی تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔ لیکن اسی طرح قدم قدم پر اس لشکر کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، یمن اور مکہ کے درمیان راہ میں جس قدر بت پرست قبیلے آئے انہوں نے ابرہہ کے لشکر کو روکا۔ بعض نے اس کی اطاعت کا وعدہ کیا اور بعض نے اس کے مقابلہ میں اسے معاوضہ کی پیش کش کی، اس شرط پر کہ وہ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے سے باز آ جائے۔ مگر اتنے بڑے اور منظم لشکر کے سامنے کسی کی نہ چلی اور ابرہہ آگے بڑھتا رہا۔ اب کوئی مزاحمت کرنے والا راہ میں موجود نہ تھا کیونکہ یہ تمام قبیلے تعداد میں کم تھے اور ابرہہ کے لشکر کا رعب اب اس قدر آگے آ جانے پر اتنا قائم ہو چکا تھا کہ اب ہر قبیلہ خود ہی راہ سے ہٹ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ طائف پہنچا جس سے مکہ صرف پچاس میل کے فاصلہ پر تھا۔ تو طائف کے لوگ ابرہہ کے پاس آئے اور اس کی اطاعت کے اظہار کے ساتھ اس کی رہنمائی اور مدد کی بھی پیش کش کی جبکہ بت پرست قبیلوں میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہ کیا تھا۔

ابن اسحاق لکھتا ہے کہ "طائف میں داخل ہونے پر مسعود بن معتب ثقفی بنی ثقیف کو لیکر ابرہہ کے پاس آیا اور اسکی اطاعت قبول کر لی اور "ابورغال" نامی ایک شخص کو رہبری کی غرض سے اس کے ساتھ کر دیا۔ اس نے ابرہہ کو طائف اور مکہ کے درمیان "مغمس" کے مقام پر ٹھہرایا۔ یہ مقام مکہ سے صرف ایک منزل کی مسافت پر ہے۔ اسی مقام پر "ابورغال" کا انتقال ہو گیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ ابورغال بھی لشکر کے ساتھ مارا گیا۔ اس کی قبر مکہ کے قریب مغمس میں تھی بعد میں اہل مکہ اور دیگر عرب ادھر سے گزرتے تو اس کی قبر پر پتھر برساتے اور اسے گالیاں دیتے"۔ ابن جریر کہتا ہے۔

اذامات الفرزدق فار جموہ   کما ترمون قبر ابی رغال

(سورہ ص: ۱۴۸)

محمد رحیم دہلوی نے اپنی مرتبہ کتاب "سوانح عبدالمطلب" میں اس مقام پر بنی امیہ کے زیر اثر اور شادی بیاہ کے رشتہ رکھنے والے بنی ثقیف کے افراد کے ان ارادوں کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے جو بنی امیہ نے ان کے ذہنوں میں جاگزیں کر دیئے تھے اور اسی لئے بنی امیہ بھی بنی ثقیف کے ان بتوں کی پرستش کرنے لگے تھے جن کے گھروں کو انہوں نے کعبہ کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دے رکھی تھی اور لوگوں کو کعبہ کی جگہ ان بتوں کے گھروں کا طواف اور حج کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ پھر تین لشکروں کا یہ ایک لشکر جرار (لشکر ابرہہ) طائف پہنچا تو یہ وہ بستی تھی جہاں لات کا بت خانہ تھا اور وہاں کے لوگ اس کی ویسی ہی عظمت کرتے تھے۔ جیسی کعبہ کی تعظیم کی جاتی ہے۔ طائف کے باسی ابرہہ کے دبدبہ سے پہلے ہی ڈرے سہمے بیٹھے تھے۔ اس لئے شہر سے مسعود بن معتب ابرہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا۔

"بادشاہ سلامت ہم آپ کے بے دام غلام ہیں فرمانبردار ہیں اور اطاعت گزار ہیں آپ جس ارادہ سے مکہ جا رہے ہیں ہمیں اس سے بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہمارے یہاں جو عبادت گاہ ہے یہ وہ نہیں ہے جسے آپ ڈھانے آئے ہیں یہ تو لات کا بت خانہ ہے اور آپ تو وہ کعبہ ڈھانا چاہتے ہیں جو مکے میں ہے"۔ ابرہہ نے کہا ہاں میں کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں طائف والوں نے ابرہہ کے لشکر کو کعبہ تک پہنچانے کیلئے اپنا ایک آدمی ساتھ کر دیا اس کا نام ابورغال تھا۔ وہ لشکر کو لے کر مکہ شریف کی طرف چلا مگر جب یہ لوگ مغمس پہنچے تو ابورغال کو موت آ گئی۔ بعد میں لوگوں نے اس کی قبر پر پتھر برسائے"۔ (ص: ۵۷-۵۶)

بہت بعد میں یہ بات معلوم ہونے پر کہ بنی امیہ کے اشارہ پر بنی ثقیف کے ایک فرد نے ابرہہ کے لشکر کی رہنمائی کی تھی حضرت عبدالمطلب کو بہت دکھ پہنچا۔ ان کے نزدیک یہ ایک غدارانہ فعل تھا اور ان کی نظر میں یہ انفرادی معمولی مخالفت اجتماعی غداری تک نہیں پہنچنی چاہیے تھی کیونکہ بہر حال ایک دوسرے پر انحصار دونوں کی مجبوری تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس بنیاد پر بنی ہاشم کے تعلقات اہل طائف سے بہتر نہ ہو سکے جبکہ دور نبوت میں بھی بنی امیہ کے مراسم بنی ثقیف سے بہت اچھے رہے اور وہ بنی ثقیف کو رسول اللہؐ کے خلاف بھڑکاتے رہے۔

Saheefa-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

پیامی وکلامی جنگ کا آغاز

تاریخوں میں درج حالات وواقعات یہی ظاہر کرتے ہیں کہ ابرہہ کا مقصد باہمی جنگ قتل وغارت اور خونریزی نہیں تھا۔ یوں بھی یہ تصادم نہ تو دو مملکتوں کے درمیان تھا اور نہ ہی کسی حکومت پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ تھا۔ اس کا مقصود صرف کعبہ کی اہمیت کو کم کرنا اور اپنے کلیسا کی عظمت کو بڑھانا تھا۔ اس لئے ابرہہ نے مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر قیام کے بعد پیام وکلام کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن اس سے پہلے اس نے سواروں کا ایک دستہ اسود بن مقصود حبشی کی ماتحتی میں مکہ روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ فوج کی ضرورت کے مطابق گردونواح میں چرنے والے جانوروں کو پکڑ لائیں۔ یہ دستہ، مکہ کے گردونواح سے مویشی اور اونٹ پکڑ کر لشکر گاہ میں لے گیا ان میں حضرت عبدالمطلب کے دوسو اونٹ شامل تھے۔ اس کی اطلاع حضرت عبدالمطلب کو ملی تو آپ کو ابرہہ کی لشکر کی آمد کا پتہ چلا۔ آپ نے اس سے مقابلہ کا ارادہ کیا مگر بنی امیہ کی مخالفت اور قریش کی کمزوری دیکھ کر خاموش رہے۔ لیکن دفاعی تدبیر کی فکر میں لگے رہے۔ ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ۔

ابرہہ کا پیغام

ابرہہ نے دوسرے دن حناط حمیری نامی ایک فوجی افسر کو سردار مکہ کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ ''ہم جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہیں اور نہ ہمارا کوئی ارادہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ہے نہ ہم تمہارے شہر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف خانہ کعبہ کو مسمار کرنا ہے اگر تم مزاحمت کروگے تو ہمیں جنگ کرنی پڑے گی''۔

ابرہہ کا یہ فرستادہ افسر مکہ آیا اور اس نے سردار مکہ کا پتہ معلوم کیا اور حضرت عبدالمطلب سے ملاقات کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عبدالمطلب نے ابرہہ کا پیغام سن کر جواب میں کہا۔

''خدا کی قسم ہم بھی اس سے لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے یہ اللہ کا گھر ہے۔ پس اگر وہ اسے روک دے تو یہ اس کا گھر ہے اور اگر اللہ اس سے تعرض نہ کرے تو ہم اس کے دفاع کی قوت نہیں رکھتے''۔

آپکے الفاظ یہ تھے۔ ''**واللہ مانرید حربه و هذا بیت الله فان یمنعه فهو بیته و ان تخلی عنه فحالنا نحن من دافع**'' آپ کا یہ مناسب ومعقول جواب سنکر حناط نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں تاکہ ہمارا حاکم آپ سے بات کرسکے۔

حضرت عبدالملطلب اس کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہوگئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ کے لڑکے بھی آپ کے ہمراہ گئے تھے مگر بعض کا کہنا ہے کہ آپ کے ہمراہ چند روسائے قریش تھے۔ ابرہہ سے پہلے آپ کی ملاقات ذونفر حمیری سے ہوئی یہ وہی ذونفر حمیری ہے جس نے دو ہزار کی نفری کے ساتھ ابرہہ کو مکہ کی طرف آنے

Presented by Ziaraat.net
Sapeele-Sakina (SA)

سے روکا تھا اور ابرہہ نے اسے گرفتار کر کے اپنے لشکر کے ساتھ رکھ لیا تھا۔ یہ ذونفر حمیری یمن کے سابق شاہی خاندان سے تھا۔ حضرت عبدالمطلب کا دوست تھا مگر اب ابرہہ کی قید میں تھا۔ ذونفر حمیری نے خیمہ میں جا کر حضرت عبدالمطلب کے آنے کی خبر دی کہ قریش کے سید و سردار ملاقات کے منتظر ہیں۔ وہ معزز ترین اہل مکہ ہیں اور وہ فیاض بزرگ ہیں جو لوگوں کیلئے، عام گزرگاہوں پر بھی کھانے کا انتظام کرتے ہیں اور وحوش طیور کیلئے بھی خوراک مہیا کرتے ہیں۔ انہیں ملاقات کی اجازت دی جائے۔

یہ سن کر ابرہہ نے فوراً اجازت دیدی۔ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے خیمے میں داخل ہوئے تو ابرہہ مبہوت رہ گیا اس نے اتنا بارعب اور صاحب جلال شخص کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ مرعوب ہو کر اپنے تخت سے تعظیم کیلئے اٹھ کھڑا ہوا، اور پھر آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھانا چاہا مگر اسے خیال آیا کہ شاید میری قوم کے افراد اسے پسند نہ کریں۔ اس لئے وہ خود تخت سے اتر آیا اور خود آپ کے ساتھ فرش پر بیٹھا۔ پھر ابرہہ نے آپ کی آمد کا مقصد دریافت کیا تو آپ نے جواباً کہا۔ ''میں صرف اس لئے آیا ہوں کہ آپ میرے وہ دو سو (۲۰۰) اونٹ واپس دیدیں جو آپ کے فوجی کل پکڑ لائے ہیں''۔ ابرہہ اس غیر متوقع جواب پر بڑا حیران ہوا، اس کا خیال تھا کہ آپ خانہ کعبہ کی حفاظت کے لئے درخواست کریں گے مگر آپ نے صرف اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ابرہہ نے کہا۔ ''مجھے آپ کے اس مطالبہ پر سخت تعجب ہے۔ میں سمجھا تھا کہ آپ اپنے کعبہ کو بچانے کی درخواست کریں گے۔ جو آپ کا اور آپ کے اجداد کے خدا کا گھر ہے۔ آپ اپنے اونٹ تو واپس مانگ رہے ہیں مگر اپنے خدا کے گھر اور اپنی عبادت گاہ کی کوئی فکر نہیں کرتے؟''

حضرت عبدالمطلب نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ ''میں تو صرف اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے اور وہی تم کو اس کے مسمار کرنے سے باز رکھے گا''۔ آپ کے الفاظ یہ تھے۔ ''انا ربّ الابل وللبیت ربّ فیمنعه'' یہ سن کر ابرہہ کچھ برافروختہ ہوا اور اس نے کہا۔ ''کون ہے جو مجھے اس ارادہ سے باز رکھ سکے؟'' حضرت عبدالمطلب نے پھر بڑے اطمینان سے کہا۔ ''یہ تم جانو اور اس گھر کا مالک۔ وہ چاہے گا تو بچائے گا''۔ ابرہہ یہ سن کر کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر عبدالمطلب کے اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا۔

(ابن خلدون، ص : ۱۴۹)

لیکن طبری اور چند دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ ''عبدالمطلب کے ساتھ کنانہ کے سردار اور بنی ہذیل کے سردار بھی گئے تھے۔ انہوں نے ابرہہ سے تہامہ کی آمدنی سے ثلث دینے کا اس سے وعدہ کیا اور درخواست کی کہ وہ اپنا ارادہ بدل دے اور واپس چلا جائے مگر وہ نہ مانا تو عبدالمطلب واپس آ گئے۔ اب ابرہہ نے حملہ کا فیصلہ کیا مگر اس سے پہلے ہر طرف سے قبیلوں کے سردار اسکے پاس آئے، اسکی قوت کا اعتراف کیا اپنے مال کا تہائی حصہ دینے کی پیشکش کی اور مطالبہ کیا کہ وہ جس قدر مال چاہے لے لے اور کعبہ کو منہدم کرنے سے درگزر کرے۔ مگر وہ نہ مانا اور اس روز آرام کر کے اگلے روز حملہ کا لشکر کو حکم دیدیا۔

حضرت عبدالمطلب کی دفاعی تیاریاں

دشمن لشکر کثیر کے ساتھ سر پر موجود تھا لیکن مکہ میں قریش کے حالات اسی نہج پر تھے۔ حرب بن امیہ اور حضرت عبدالمطلب کے درمیان محاربہ جاری تھا۔ ثالث کے فیصلے کے سبب حرب کو اگرچہ تمام مطالبات سے اصولاً دستبردار ہونا پڑا تھا اور اب حضرت عبدالمطلب سے مخالفت کے لئے کوئی جواز نہ تھا اور نہ دلیل پھر بھی اس کے دل میں نفرت باقی تھی اور آپ کے زوال کی خواہش موجود تھی۔

ہم نہیں کہہ سکتے کے حرب کا اصلی اور پیدائشی نام کیا تھا مگر چونکہ ابتدا ہی سے جھگڑالو تھا، لوٹ مار کرتا تھا اور ہر ایک سے بلاوجہ جھگڑتا رہتا تھا اسی لئے حرب کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ کعبہ کی حفاظت قریش کی ذمہ داری تھی اور قریش میں بھی حضرت عبدالمطلب پر یہ فرض عائد ہوتا تھا مگر آپ بظاہر بے فکر تھے اور مدافعت کیلئے کوئی اقدام نہیں کر رہے تھے، اس لئے بنی امیہ خوش تھے، حرب پر امید تھا کہ عبدالمطلب کو نااہل ثابت کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔ وہ منتظر تھا کہ دیکھیں بنی ہاشم کا یہ بوڑھا اب کس طرح اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔

قریش سب کے سب پریشان تھے، حضرت عبدالمطلب بھی جانتے تھے کہ قریش میں ابرہہ کے لشکر سے مقابلے کی تاب نہیں ہے مگر وہ اپنی قوتِ ایمان و ایقان پر تکیہ کئے مطمئن تھے اور بظاہر انہوں نے اس وقت تک ابرہہ سے مقابلے کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ منصوبہ بنا چکے تھے اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا تھا۔ آپ کے اس منصوبہ کا اظہار آپ کے اس جواب سے ہو جاتا ہے، جو آپ نے ابرہہ کو دیا تھا کہ ''اس گھر کا ایک مالک ہے وہ اسکی حفاظت کرے گا''۔ اس منصوبہ میں قریش کے کسی فرد کی رائے یا مشورہ کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ یہ منصوبہ کعبہ کے مالک اور مکیں کے ایما پر تھا جس کا القاء حضرت عبدالمطلب کو ہو چکا تھا اور جس کا علم صرف آپ ہی کو تھا۔ قریش کے کسی فرد یا حرب کو نہ تھا، حرب بھلا ایمان و یقین کی ان منزلوں تک کیا پہنچ سکتا تھا، وہ تو یہی سوچ رہا تھا کہ کوئی دم میں قریش ابن ہاشم کے خلاف ہوا چاہتے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب کا اقدام

آپ جوں ہی ابرہہ سے گفتگو کر کے لوٹے آپ نے فوراً غیب سے معلوم شدہ منصوبہ پر عمل شروع کر دیا۔ آپ نے اپنے اس منصوبہ میں کسی کو شریک نہیں کیا تن تنہا انجام دیا اور نہ اس کی حقیقت سے کسی کو آگاہ کیا کہیں یہ نہ ہو کہ کوئی اس میں شرکت اور مدد کا دعویٰ کر بیٹھے۔ آپ کے اس اقدام میں ایک بہتر مقصد تھا اور اس عمل میں قریش کیلئے ایک عبرت تھی اور اس طریقے میں اللہ کی قدرت کا واضح مظاہرہ تھا۔ حضرت عبدالمطلب قریش کی عادات اور خصائل سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ کسی بات کو بن کر تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ دیکھ کر مان لیتے تھے اس لئے آپ ابتدا ہی سے کہہ کر نہیں بلکہ عمل کر کے قریش کو مشاہدہ کرانا چاہتے تھے تاکہ خود بخود انہیں رغبت ہو اور وہ خود سوچیں غور و فکر کریں کہ یہ سب کچھ کس نے کیا؟

Presented by Ziaraat.net

قربانی اور دعا

چنانچہ آپ نے ابرہہ کے پاس سے آتے ہی ان دوسو اونٹوں کی قربانی دی، جو آپ ابرہہ سے واپس لیکر آئے تھے۔ امام کلبی نے بھی اس کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ "حضرت عبدالمطلب نے ان اونٹوں کو آراستہ کیا اور خانہ کعبہ پر نذر چڑھا دیا"۔ (زرقانی جلد اول) اور تمام مورخ اس پر اتفاق کرتے ہیں۔

قربانی کے وقت آپ نے تمام قریش کو جمع کیا اور ان سب کو اطمینان دلایا اور کہا۔ "لشکر کی آمد اور اللہ کے گھر کے منہدم کرنے کی خبر تم تک پہنچ چکی ہے تمہیں اس پر گریہ وزاری کرنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اللہ کا اپنا گھر ہے وہ ضرور اس کی حفاظت کرے گا۔" (زرقانی) پھر آپ نے حاضرین کو ہدایت کی اور پورے مکہ میں اعلان کردیا کہ ہر شخص اپنے اہل خانہ کی تعداد کے مطابق گوشت لے جائے۔ گویا یہ اس بات کا انتظام بھی تھا کہ اگر ابرہہ کی فوج کا محاصرہ یا مکہ میں قیام دیر پا ہو تو لوگ بھوکے نہ مریں، آپ کی اس بے فکری اور اطمینان کے ساتھ کی گئی گفتگو سے قریش حیران تو ہوئے مگر مطمئن بھی ہوئے۔

پھر آپ خانہ کعبہ گئے قریش کا ہجوم آپ کے ساتھ تھا۔ اس میں حرب بھی تھا اور اس کے قبیلے والے دشمن بھی تھے اور دوست بھی، آپ کی ہر حرکت اور عمل کو وہ بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ آپ آگے بڑھے اور خانہ کعبہ کے دروازہ کی زنجیر کو تھاما اور اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی۔ اس موقع کے حالات بیان کرنے میں تمام مورخ متفق ہیں کہ آپ نے اللہ سے دعا کی تھی۔ بتوں سے التجا نہیں کی تھی۔ نہ ہی کسی بت کا نام لیا تھا۔ آپ جب تک دعا کرتے رہے در کعبہ کی زنجیر تھامے رہے۔

"اللّھم انّ العبدیمنع رحلہ وامنع دارک لا یغلبن صلیبھم و محالتھم عذواً"

"محالک ، ان کنت تارکھم و قبلتنا فائر مابدالک."

"ترجمہ: اے اللہ بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کو بچالے ایسا نہ ہو کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب آ جائے۔ اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنے لگا ہے تو جو چاہے حکم کر"۔ (سیرت رسول اللہ عربی، توکلی، ص:۴۱)

رات بھر آپ بیدار رہے۔ صبح جب آپ کو اطلاع ملی کہ ابرہہ کے لشکر نے مغمس سے کوچ کردیا ہے اور وہ اب مکہ کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے، تو آپ نے پورے مکہ کے قریش کو یہ ہدایت منادی کے ذریعہ بھجوائی کہ وہ اپنے گھر چھوڑ کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ گردنواح کی قریبی پہاڑیوں کی چوٹی پر چلے جائیں، ان کے گھر محفوظ رہیں گے اور وہ خود پہاڑوں کی چوٹیوں سے کعبہ کی حفاظت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ سارا مکہ ویران ہو گیا اور پھر وہ ہوا جو ہوا اور جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ قریش نے پہاڑوں کی چوٹیوں سے ابرہہ کی فوج کی تباہی خود اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اسکی تباہی و بربادی کے یہ مناظر ان کی نظروں کے سامنے سے گزرے۔

ابرہہ کا حملہ اور انجام

اگلے روز حسب وعدہ ابرہہ نے اپنی فوج کو مکہ میں داخل ہونے اور خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کا حکم دیا، جب یہ لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو ایک عظیم الجثہ ہاتھی جس کا نام محمود تھا، سب سے آگے لیجانے کا حکم دیا، دوسرے تمام ہاتھی جو تعداد میں بارہ تھے، محمود نامی ہاتھی کے پیچھے چل رہے تھے اور ان کے پیچھے سوار و پیادہ لشکری تھے۔ اس موقع پر یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ:

جب محمود نامی ہاتھی مکہ کی حدود کے قریب پہنچا تو اس نے آگے جانے سے انکار کردیا۔ فیل بان اسے آگے بڑھاتے مگر وہ غضبناک ہو کر آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کی طرف چلتا، اس کے پیچھے چلنے والے ہاتھی بھی اسی طرح آگے نہ بڑھتے اور جب فیل بانوں نے محمود کو آگے بڑھانے کے مزید حربے استعمال کئے تو وہ اپنی جگہ بیٹھ گیا اور اٹھنے سے صاف انکار کردیا، اور تمام فیل بان عاجز رہ گئے۔

ابرہہ نے مکہ کے قریب پہنچ کر یہ حکم دیا تھا کہ ہاتھیوں کو آگے لے جا کر خانہ کعبہ کی دیواروں کو ان کی ٹکروں سے منہدم کردیا جائے۔ لشکری آگے نہ بڑھیں، ہاں اگر اہل مکہ باہر آ کر متصادم ہوں تو لشکری آگے بڑھ کر ان کا مقابلہ کریں، لیکن اس سے پہلے ہی ہاتھیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہاتھیوں کی راہ میں کوئی غیر مرئی شے حائل ہو اور انہیں آگے بڑھنے سے روکتی ہو۔ وہ خوفزدہ بھی معلوم ہوتے تھے۔

یہی کشمکش جاری تھی اور اس کے متبادل تدابیر کی جا رہی تھیں کہ یکایک فضا میں تاریکی پھیل گئی اور پورے لشکر پر چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول کے غول چھا گئے۔ کہتے ہیں کہ ان کی چونچیں تو پرندوں ہی کی طرح تھیں لیکن ان کے پنجے کتوں کے پنجوں کی طرح کے تھے، ان کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں اور یہ مسور کے دانوں کے برابر تھیں اور کنکریاں ان کی چونچوں اور پنجوں سے پورے لشکر کے سپاہیوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں پر پے در پے برس رہی تھیں یہ کنکریاں جس کسی کے جسم سے چھو جاتیں اس کے جسم کا گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا وہ گرتا تڑپتا اور مر جاتا۔

یہ روایت قرآن کریم کی سورۂ "الفیل" سے ترتیب شدہ ہے۔ جس میں اس واقعہ کی طرف چالیس سال بعد اشارہ کیا گیا تھا اور اس وقت کچھ لوگ موجود تھے جنہوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

" اَلَم تَر کَیفَ فَعَلَ رَبّکَ با صحاَبِ الفیُل، اَلَم یجعَل کَیدَھُم فِیْ تَضلِیلُ ، وارسَلَ عَلیھِم طَیراً اَبَابِیل، ترمِیھِم بِحَجارَۃٍ مِّنْ سِجّیل، فجعلَھُم کعصفٍ مّا کوُل ۔" ٥

"ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اور کیا ہم نے ان کا حملہ بے کار نہیں کردیا؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیئے۔

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

جوان پر کنکریاں پھینکتے تھے پس اللہ نے انہیں کھائے جانے والے بھوسہ کی طرح (ملیامیٹ) کردیا۔

ایسی حالت میں ابرہہ کا تمام لشکر تتر بتر ہوگیا۔ ہاتھی اور گھوڑے بھاگے تو بہت سے ان کے قدموں تلے روندے گئے۔ پرندے برابر ان کا پیچھا کرتے رہے۔ ابرہہ بھی فرار ہوا، مگر راستہ میں مرگیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ لشکر میں طاعون پھیل گیا تھا جس کے سبب لوگ مرنے لگے، ابرہہ واپس ہوا اور وہ بھی یمن پہنچ کر طاعون کے مرض میں مارا گیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ چیچک کی وباء پھوٹ پڑی تھی جس سے لشکر تباہ ہوگیا۔

الغرض کعبہ مسمار ہونے سے بچ گیا اور ابرہہ اپنے کلیسا کو وہ حیثیت دینے میں ناکام رہا۔ پہلی روایت درست معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ بعض ایسے شعراء کے اشعار میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے جو اس وقت موقع پر موجود تھے اور انہوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ نفیل بن حبیب جسے راستے سے ابرہہ نے قید کر کے لشکر کے ساتھ رکھا تھا۔ اس نے بعد میں غالباً اپنی محبوبہ کو جو منظوم خطاب کیا تھا۔ اس میں ایسے اشعار ملتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتا ہے۔

(۱) ہاں اے رویٰنا! ہماری جانب سے تجھے سلام پہنچے اور تم لوگوں کی سلامتی سے ہماری آنکھیں صبح سویرے ٹھنڈی ہوں۔

(۲) رویٰنا کاش تو وہ منظر دیکھتی، خدا کرے کہ تو وہ منظر کبھی نہ دیکھے جو ہم نے وادی محصب (مکہ اور منیٰ کے درمیان کی وادی) کے پاس دیکھا۔

(۳) اگر وہ منظر تو دیکھتی، تو مجھے معذور جانتی، میرے کام کی تعریف کرتی اور ہماری آپس کی جدائی پر غم نہ کھاتی۔

(۴) جب میں نے پرندے دیکھے تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ ڈر بھی رہا تھا کہ پتھر ہم پر نہ آگریں۔

(۵) بھاگ نکلنے کی جگہ کہاں تھی قہر خدا تلاش میں تھا اور اشرم (ابرہہ) مغلوب ہو چکا تھا وہ اب ہرگز غلبہ نہ پائے سکے گا۔ اس واقعہ کے ایک حصہ کا ذکر ایک اور شاعر کے اس شعر میں ملتا ہے۔

(۱) ان لوگوں پر وہ آفتیں آئیں جو اصحاب فیل پر آئی تھیں کہ (پرندے) انہیں پتھر اور گارے کے کنکروں سے مارے جا رہے تھے اور پرندوں نے انہیں بازیچہ اطفال بنا رکھا تھا ابرہہ نے مکہ پر ۵۶۵ء میں حملہ کیا تھا۔ جب حضرت عبدالمطلب کی عمر ۷۰ رسال کے قریب تھی اور آپ کے بیٹے جناب عبداللہ کو فوت ہوئے چند ماہ گزرے تھے۔

قریش کے ذہنوں میں تبدیلی

ابرہہ کے لشکر کے برباد و فرار ہونے کے بعد قریش خوشی خوشی پہاڑوں سے اتر کر مکہ میں واپس آئے۔

انہوں نے دیکھا کہ ان کے گھر صحیح و سلامت ہیں، ایک چیز بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔ تمام سامان جوں کا توں جہاں تھا وہیں رکھا تھا۔ بغیر جنگ کئے اتنے بڑے لشکر کا تباہ اور پسپا ہو جانا ان کیلئے مسرت اور حیرت کا سبب تھا۔ اب ان کی نجی محفلوں میں اس ذکر کے سوا کوئی اور ذکر ہی نہ ہوتا تھا۔ مہینوں اس ذکر سے قریش کی محفلیں گرم رہیں۔ پھر یہ واقعہ شدہ شدہ مکہ کی حدود سے باہر پھیل گیا اور عرب قبیلوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ یمن کے کثیر التعداد لشکر سے قریش کے خدا نے تنہا جنگ کی اور انہیں تباہ و برباد کردیا۔

قریش یہ سنتے تو پھولے نہ سماتے اور اسے اپنے وقار میں اضافہ کا سبب جانتے۔ بہت سے قریش اس بات پر غور کرنے پر مجبور ہوئے کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیونکر ہوا؟ عبدالمطلب کو یہ خبر کس نے دی؟ اور انہیں یہ یقین کیسے ہوا کہ کعبہ محفوظ رہے گا اور اسے اس کا مالک خود بچالے گا اور یہ کہ انہوں نے تمام لوگوں کو پہاڑوں پر بھیج کر کعبہ کو بغیر محافظ کے کس یقین پر چھوڑ دیا اور وہ محفوظ بھی رہا۔ یقیناً کعبہ کا مالک وہ اللہ ہے اور اسکے سوا کوئی نہیں۔

داستان گوؤں نے اس واقعہ کو بطور داستان بیان کیا تو اسی زمانہ کے شعراء نے اس واقعہ کو نظم کر کے کتب تواریخ و دواوین میں محفوظ کردیا۔

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب کے پوتے "رسولؐ اللہ" کی ولادت

پیش گوئی اور خواب

ایک دفعہ حضرت عبدالمطلب یمن کی طرف بغرض تجارت گئے ہوئے تھے۔ یہودیوں کے ایک عالم نے ان سے پوچھا۔ "تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا، قریش سے، پھر پوچھا، کس قبیلے سے ہو؟ آپ نے جواب دیا، قبیلہ بنی ہاشم سے۔ اس نے کہا، مجھے اس بات کی اجازت دیجئے کہ میں آپ کے دونوں ہاتھ اور ناک کا معائنہ کرلوں۔ آپ نے اجازت دیدی، جب اس نے آپ کی ناک اور دونوں ہتھیلیاں دیکھ لیں تو کہنے لگا، تمہارے ایک ہاتھ میں بادشاہی ہے اور دوسرے ہاتھ میں نبوت و پیغمبری ہے"۔

(شواہد النبوت، ص: ۴۷)

یہ روایت ابونعیم، حاکم، بیہقی اور طبرانی نے بھی بیان کی ہے۔ (سیرت النبی، جلد سوم)

ابونعیم نے ابن عباس سے ایک یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ جس میں حضرت آمنہ کے ایک خواب، قبل ولادت آنحضرتؐ بیان کیا ہے۔ اس میں ایک جگہ ہے کہ "پھر میں نے دیکھا، چند عورتیں ہیں جن کے قدم لمبے لمبے ہیں گویا عبدالمطلب کی بیٹیاں ہیں۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبدالمطلب کی اولاد قد آور تھی۔" (سیرت النبی جلد سوئم ص : ۷۴۸)

اسی طرح نورالدین عبدالرحمٰن جامی شواہد النبوت میں آپکے ایک خواب کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

> "عبدالمطلب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجر میں ایک خواب دیکھا جس سے میں بہت ڈر گیا۔ میں قریش کے ایک روحانی عالم کے پاس آیا، جوں ہی اس نے میری بدلی ہوئی حالت دیکھی، کہنے لگا۔ ہمارے سردار کو آج کیا ہوا ہے کہ اس کا چہرہ متغیر نظر آتا ہے، شاید کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ میں نے کہا، کل میں حجر میں تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ایسا درخت میرے ہاتھ پر ہے جس کا سر آسمان سے لگتا تھا اور اس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے ستر گناہ زیادہ تھی، تمام عرب و عجم اس کی طرف سجدہ ریز تھے۔ ہر لحہ اس کی جسامت، روشنی اور بلندی بڑھتی جارہی تھی، کبھی وہ چھپ جاتا تھا اور کبھی چمکنے لگتا تھا میں نے دیکھا کہ قریش کی ایک اور جماعت نے اس کی شاخوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر میں نے قریش کی ایک اور جماعت کو دیکھا جو اسے کاٹ دینا چاہتی تھی۔ لیکن وہ جوں ہی اس کے نزدیک آتے انہیں کارکنان قضا و قدر پیچھے ہٹا دیتے۔ ایک ایسا نوجوان جس سے خوبصورت میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا انہیں

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

گدیوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچ رہا تھا گویا ان کی جڑیں اکھاڑ رہا تھا۔ میں نے اپنا حصہ لینے کیلئے ہاتھ بڑھایا اور پوچھا یہ کس کیلئے ہے جنہوں نے اسے تجھ سے پہلے مضبوطی سے تھام لیا ہے اس کے بعد میں بیدار ہو گیا"۔

پھر عبدالمطلب کہتے ہیں، جب میں نے اپنا یہ خواب نجومیوں اور روحانی عالموں کو بتایا تو ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ کہنے لگے، اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو تیرے یہاں ایک ایسا لڑکا پیدا ہو گا۔ جس کے زیر نگین مشرق و مغرب ہوں گے اور تمام انسان اس کے مطیع و فرماں بردار ہوں گے۔ پھر انہوں نے ابو طالب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ شاید یہ تیرا لڑکا ہے؟

جب رسول اللہؐ نے ظہور فرمایا تو ابو طالب اس بات کو دہرا دہرا کر بیان کرتے تھے اور کہتے تھے۔

"بخدا وہ درخت ابوالقاسم امین ہے"۔ (شواہد النبوت، ص:۴۶)

خواب پورا ہوا

واقعہ اصحاب فیل کے بعد آپ نے اپنے معمولات پر عمل شروع کر دیا، اب آپ اپنا زیادہ وقت خیرات کرنے، بھوکوں کو کھانا کھلانے اور قربانیاں کر کے اطمینان قلب حاصل کرنے میں گزارتے، اصحاب فیل کے اس طرح تباہ ہونے اور کعبہ کی سلامتی سے آپ کے دل پر ایسا اثر قائم ہوا تھا کہ اب آپ غار حرا میں جا کر غور و فکر میں پہلے سے زیادہ وقت صرف کرنے لگے تھے۔ ابرہہ کے اس حملہ کو ابھی باون یا پچپن دن ہی گزرے تھے کہ ایک روز صبح ہی صبح، وہ دن پیر کا اور ماہ ربیع اول کی ۹ یا ۱۲ یا ۱۷ تاریخ تھی اور 20 اپریل ۵۷۱ء کی ابتدا۔ ایک لونڈی نے آپ کو یہ خبر پہنچائی کہ آپ کے یہاں پوتے نے جنم لیا ہے۔

حاشیہ

مختلف تواریخ معینہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور ۹ ربیع الاول عام الفیل واقعہ فیل کے ۵۲ دن بعد بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق پیدا ہوئے۔

(پیغمبر انسانیت ص :۴۲)

(۲) بتاریخ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اگست ۵۷۰ء بروز دوشنبہ بوقت صبح حضور کی پیدائش ہوئی۔

(محمد رسول اللہ ص :۳۰)

(۳) رسول اللہ کی ولادت پیر کو ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد عام الفیل میں ہوئی۔

(سیرت ابن ہشام جلد اول ص :۱۸۲)

(۴) ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔

(۵) بعض اہل تحقیق نے ۲۳ اپریل ۵۷۱ء تاریخ بتائی ہے۔ محمود پاشا فلکی نے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تاریخ پیدائش قرار دی ہے اور اسے ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ کے مطابق بتایا ہے۔

(۶) کوسان ڈی پرسوال (Causun,de,Perceval) اپنی کتاب "تاریخ عرب" میں ۲۰ اگست ۵۷۰ء تاریخ پیدائش متعین کرتا ہے۔

(۷) حتی کہتا ہے کہ آپ ۵۷۱ء یا اسکے لگ بھگ پیدا ہوئے۔

(سیرت سرور عالم حصہ دوم ص:۹۴)

(۸) جسٹس امیر علی نے "اسپرٹ آف اسلام" میں ۲۹ اگست ۵۷۰ء تاریخ پیدائش لکھی ہے۔

(۹) اہل تشیع کے نزدیک بلا اختلاف حضور کی ولادت ۱۷ ربیع الاول مقرر و مسلم ہے۔ اس کی تائید تاریخ خمیس، علامہ دیار بکری اور مودۃ القربیٰ میں علامہ علی بن شہاب الدین ہمدانی نے بھی کی ہے۔

(حاشیہ تاریخ ابوالفدا (ترجمہ) مکتبہ تعمیر ادب لاہور، ص:۱۲)

محمد رضا مصری کہتے ہیں۔ آپکی والدہ محترمہ نے آپکی ولادت کی خبر آپکے دادا کو بھیجی جو اس رات طواف بیت اللہ میں مصروف تھے، وہ یہ خبر سنتے ہی آپکی والدہ کے پاس آئے۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے ابو الحارث آپکے گھر یہ عجیب و غریب بچہ پیدا ہوا ہے۔ یہ سن کر عبدالمطلب گھبرا گئے اور بولے کیا وہ صحیح و سالم پیدا نہیں ہوا؟ انہوں نے جواب دیا۔ "نہیں اسکے اعضا تو مکمل ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ بچہ نے پیدا ہوتے ہی پہلے سجدہ کیا پھر اپنے سر اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف اٹھایا"۔ (محمد رسول اللہ، ص:۳۰)

اسی موقع کے حالات میں "معارج النبوت" کا مولف لکھتا ہے:

"خود حضرت عبدالمطلب نے بیان کیا کہ آج رات میں خانہ کعبہ میں دعا و نیاز میں مصروف تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نے مقام ابراہیم میں سجدہ کیا۔ ہبل جو سب سے بڑا بت تھا میں نے دیکھا کہ منہ کے بل گرا ہوا ہے۔ پھر میں باب بنی شیبہ سے بطحا کی طرف نکلا، میں نے صنعا کو بلند و پست اور مروہ کو اضطراب میں پایا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ اے سید قریش! کیوں مضطرب و خوفزدہ ہو؟ پھر اے آمنہ! میں تیرے گھر کی طرف دوڑا کہ اس فرزند ارجمند کو دیکھوں مگر یہ کیا بات ہے کہ میں وہ نور تیری پیشانی میں نہیں دیکھتا جو پہلے نظر آتا تھا۔ آپ نے جواب دیا۔ وضع حمل ہو چکا ہے اور میں نے عجیب امور مشاہدہ کئے ہیں"۔

(معارج النبوت رکن دوئم ص : ۹۶)

پھر آپؐ کی والدہ محترمہ نے آپ کو آپ کے دادا کی گود میں دیا، جنہوں نے آپؐ کو دل بھر کر بغور دیکھا خوب پیار کیا۔ پھر آپؐ کو خانہ کعبہ لے گئے، جہاں حق تعالیٰ سے آپ کیلئے فتنہ و شر سے پناہ مانگی اور اللہ کی اس عطا پر شکر ادا کیا۔

Presented by Ziaraat.net

خانہ کعبہ سے واپس آ کر آپ نے حضورؐ کو ان کی ماں کی گود میں دیدیا اور اسی دن آپ نے اپنے پوتے کا نام محمدؐ رکھا۔ حضرت آمنہ نے کہا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس کا نام احمدؐ رکھا جائے۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب میں کہا۔ اس کے بہت سے ناموں میں سے یہ دو نام محمدؐ اور احمدؐ ہیں۔

پھر حضرت عبدالمطلب کے دوسرے بیٹے اپنے بھتیجے کو دیکھنے آئے۔ ان میں حضورؐ کے حقیقی چچا ابو طالب اور زبیر بھی تھے۔ دونوں نے پیار کیا، پیشانی پر بوسہ دیا، عبدالعزیٰ آیا، پیار کیا، پیشانی پر بوسہ دیا اور احساس یتیمی سے اپنی کنیز ثوبیہ کو آپؐ کی خدمت کے لئے مخصوص کر دیا۔ معارج النبوت کی روایت یہ ہے کہ عبدالعزیٰ کی لونڈی ثوبیہ نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کی ولادت کی خبر جب عبدالعزیٰ اپنے آقا کو پہنچائی تو اس نے اس خوشی میں اسی وقت اسے آزاد کر دیا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ ثوبیہ نے آپؐ کو دودھ پلایا تھا اور اس خدمت کے بعد عبدالعزیٰ نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن سعد لکھتا ہے۔ "سب سے پہلے رسول اللہؐ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ اس سے پہلے ثوبیہ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اپنا دودھ پلایا تھا اور پھر ان کے بعد ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی ثوبیہ ہی نے دودھ پلایا تھا۔ آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت اس کا دودھ پیتا بچہ مسروح نامی تھا"۔

پھر اور چچا آئے، عباس آئے جن کی عمر اس وقت تین سال تھی۔ بنی ہاشم کی عورتیں جو اس وقت وہاں موجود تھیں، انہوں نے کہا بھتیجے کو پیار کرو عباس نے پیار کیا۔ پھر حمزہ لائے گئے ان کی عمر اس وقت دو سال تھی۔ چھوٹے سے بھتیجے کو دیکھا پیار کیا اور بوسہ دیا۔

عجیب و غریب خبروں کا ہجوم

پوتے کی ولادت سے حضرت عبدالمطلب کو گونہ سکون و اطمینان حاصل ہوا تو آپ نے اپنے معمولات میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی۔ اب آپ نے پھر خانہ کعبہ کی دیوار کے سایہ میں مسند بچھا کر بیٹھنا شروع کر دیا، تمام وقت آپ اپنے نومولود پوتے ہی کی باتیں کرتے رہتے اور اسی کے متعلق عجیب و غریب خبریں سنتے رہتے، گھر میں ہوں یا گھر کے باہر، دیوار کعبہ کے سائے میں حیرت انگیز خبریں آپ تک پہنچتی رہتی تھیں۔ بعض لوگ صرف ایسی خبریں ہی آپ تک پہنچانے کیلئے آپ کے پاس آتے تھے۔

صفیہ بنت عبدالمطلب کی روایت

آپ کی بیٹی صفیہ نے آپ سے بیان کیا "باباجان! ولادت کی رات میں وہیں تھی، ولادت کے وقت میں نے دیکھا۔ ایک نور ظاہر ہوا، جو چراغ کی روشنی پر غالب آ گیا، اس وقت میں نے چھ عجیب علامتیں مشاہدہ کیں۔ ایک یہ کہ جب بچہ زمین پر آیا تو اس نے سجدہ کیا۔ دوسرا یہ کہ سر اٹھا کر فصیح زبان میں "لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ" کہا۔ تیسرے میں نے پورے گھر کو نور سے منور دیکھا، چوتھے یہ کہ جب میں نے اسے

نہلانا چاہا تو آواز سنی "ہم نے اسے نہلا بھیجا ہے"۔ پانچویں یہ کہ وہ مختون تھا اور چھٹے یہ کہ اس کی پشت پر دونوں کاندھوں کے درمیان ایک ابھرا ہوا نشان (مہر نبوت) تھا"۔ (معارج النبوت، ص:۹۹)

فاطمہ ثقفیہ کا بیان

عثمان بن ابی العاص کی ماں فاطمہ ثقفیہ نے بیان کیا "میں اس رات آمنہ کے پاس موجود تھی جس رات یہ بچہ پیدا ہوا۔ وضع حمل ہوا میں نے آسمان کی جانب دیکھا تو ستارے زمین کی طرف اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ میں سمجھی یہ ابھی زمین پر گر پڑیں گے۔ وضع حمل کے بعد آمنہ سے نور نکلتا تھا اور اس سے گھر اس طرح منور ہو گیا تھا کہ نور کے سوا اور کوئی چیز دکھائی ہی نہیں دیتی تھی"۔ (ایضاً ص:۱۰۰)

عبدالرحمٰن کی ماں کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ نے بیان کیا۔ میں اس روز آمنہ کی قابلہ تھی۔ جب بچہ کا جسم میرے ہاتھوں میں آیا تو میں نے اپنے کانوں سے با ہوش و حواس اس کا گریہ اور نیاز سنا اور پھر ایک غیبی آواز سنی "یرحمک ربک" یہ آواز سن کر مجھ پر خوف و ہیبت سے لرزہ طاری ہو گیا، پھر اچانک میں نے دیکھا میری دائیں جانب سے روشنی ظاہر ہوئی اور پھر ایک لحہ بعد ویسی ہی روشنی میری بائیں طرف ظاہر ہوئی۔

(معارج النبوت)

حدود مکہ سے باہر کی خبریں

ولادت کے بعد دوسرے روز حضرت عبدالمطلب دیوار کعبہ کے سائے میں اپنے نو بیٹوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور قریش بھی گرد جمع تھے۔ معارج النبوت ہی کی روایت ہے کہ احبار یہود اس محفل میں آئے اور حضرت عبدالمطلب سے دریافت کیا کہ گزشتہ رات آپ کے یہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے؟ آپ نے کہا "ہاں" انہوں نے بیان کیا کہ اسی رات ہم نے دیکھا کہ "وہ سراج منیر متولد ہو گیا ہے جو سید الاولین و آخرین ہوگا"۔ آپ نے اس کی تصدیق کی اور تمام واقعۂ ولادت ان کو سنایا۔ یہ سن کر علمائے یہود نے کہا۔ "توریت کی خبر درست نکلی"۔

ان ہی دنوں یہودیوں کا ایک اور عالم مکہ آیا جس کا نام یوسف تھا۔ ولادت کے دوسرے روز وہ قریش کی ایک مجلس میں آیا اور ان سے پوچھا تم میں ایسا کون شخص ہے جسکے یہاں کل لڑکا پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے بتایا کل سردار مکہ شیبہ کے یہاں اس کا پوتا پیدا ہوا ہے۔ یہودی عالم نے اس بچہ کو دیکھنے کی ان سے التجا کی تو ان لوگوں نے اسے حضرت عبدالمطلب کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے حضرت عبدالمطلب سے ملاقات کے بعد یہی درخواست کی تو آپ اسے اپنے ساتھ حضرت آمنہ کے گھر لے گئے اور کپڑے میں لپٹے ہوئے اپنے پوتے کو اسکے پاس لائے۔ اس نے آنحضرتؐ کی آنکھوں میں کچھ دیکھا پھر دونوں کندھوں کے درمیان اس نے کچھ

Sabeel-e-Sakina (SA)

Presented by Ziaraat.net

بغور دیکھا، اسکے بعد اس کی حالت کچھ متغیر ہوئی۔ قریش جو وہاں موجود تھے اس پر ہنسنے لگے۔ یوسف نے کہا۔ ''اے گروہ قریش! مجھ پر نہ ہنسو، خدا کی قسم یہ صاحب شمشیر پیغمبر ہے۔ تمہیں ہلاک کرے گا اور تم پر اس کے غلبہ کی خبر مشرق سے مغرب تک پہنچے گی۔ تب تم اس کی نبوت کے قائل ہو گے، اب بنی اسرائیل سے نبوت منتقل ہو چکی''۔ یہ خبر پورے مکہ میں پھیل گئی اور اس خبر سے بنی امیہ بھی باخبر ہو گئے۔

اسی طرح چند روز بعد ایک اور یہودی حضرت عبدالمطلب کے پاس مکہ آیا اور اس نے آپ سے دریافت کیا۔ اے سید بطحا! وہ فرزند جس کے ظہور کی میں بشارت دیتا تھا۔ کل پیدا ہو گیا ہے۔ آپ نے تصدیق کی کہ ''ہاں'' یہودی نے پوچھا، اس کا نام کیا رکھا گیا ہے؟ آپ نے جواب دیا ''محمدؐ'' یہودی نے کہا اس کی نبوت پر تین دلائل ہیں۔ پہلی دلیل طلوع ستارہ دوشنبہ، دوم اس کا نام محمدؐ ہونا، سوم اس کا اشرف اشراف بزرگوں سے ہونا۔ (معارج النبوت)

عقیقہ کی دعوت عام

مکہ میں دور نزدیک سے آ کر لوگ حضرت عبدالمطلب کو یہ خبریں سناتے رہے۔ جسکے نتیجے میں آپ نے اپنے پوتے کے متعلق ایک ایسا نظریہ قائم کر لیا۔ جس کا اظہار آپ ہر موقع محل پر بلا جھجک کرنے لگے۔ اسی طرح جب چھ دن گزر گئے تو آپ نے بڑے شاندار طریقہ پر اپنے پوتے کا عقیقہ کیا اونٹ ذبح کرائے۔ دعوت میں خصوصیت یہ تھی کہ جشن کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا اور اس مبارک خوشی کی مناسبت سے صدقہ و خیرات کا اضافہ تھا۔ آرائش و زیبائش کا اہتمام تھا۔ جسے آج بھی عید میلاد النبی کی صورت میں قائم رکھا ہوا ہے۔

زرقانی نے تاریخ خمیس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''جب رسول اللہؐ پیدا ہوئے تو حضرت عبدالمطلب نے اونٹوں کی قربانی کا حکم دیا، چنانچہ اونٹ ذبح کئے گئے۔ قریش کے لوگوں کو دعوت دی گئی۔ وہ حاضر ہوئے کھانا کھایا، بعض کتابوں میں یہ دعوت ولادت سے ساتویں روز بیان کی گئی ہے۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے حسب دستور حضرت عبدالمطلب سے پوچھا۔ ''آپ نے اس مولد کا کیا نام رکھا ہے؟'' حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا۔ ''محمدؐ'' لوگوں نے پوچھا، آپ کو اپنے بزرگوں کے نام سے رغبت نہیں رہی؟ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا۔ ''میں نے اس لئے اس کا نام محمدؐ رکھا ہے کہ یہ خدا کے نزدیک آسمان پر بھی محمود اور اسکی خلقت کیلئے زمین پر بھی محمود ہو''۔ (زرقانی، ص:۱۵۴)

''کھانے کے بعد قریش کے لوگوں نے پوچھا۔ اے عبدالمطلب! آپ نے اپنے جس بیٹے کیلئے ہماری ضیافت کی ہے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اس کا نام محمدؐ رکھا ہے۔ لوگ کہنے لگے۔ اس نے اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کے ناموں سے مختلف نام کیوں رکھا؟ عبدالمطلب نے جواب دیا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ آسمان پر اللہ اور زمین پر خلق اللہ اسکی تعریف کرے''۔ (سیرت سرور عالم، حصہ دوم، ص:۹۵)

دور دراز کی حیرت انگیز خبریں

اسکے بعد بھی رسول اللہؐ کی پیدائش سے ہونے والے اثرات اور تغیرات کی خبریں آپ تک پہنچتی رہیں۔ ان سب خبروں کو آپ اللہ کی نشانیاں قرار دے کر ان سے نتائج اخذ کرتے رہے۔ جب آپ دیوار کعبہ کے سائے میں سہ پہر کے وقت بیٹھتے تو لوگ ایسی خبریں آپ تک پہنچاتے۔ آپ کو اطلاع ملی کہ اس مبارک ولادت کی خبر مدینہ (یثرب) پہنچ چکی ہے۔ یہودیوں نے یہ خبر اہل یثرب تک پہنچادی ہے۔ یہود کا کہنا ہے کہ آسمان پر ایک نیا ستارہ طلوع ہوا ہے اور یہ ستارہ کسی پیغمبر کی پیدائش ہی پر طلوع ہوتا ہے۔[1] کسی نے خبر دی کہ اسی رات شہنشاہ فارس کے محل میں یکا یک زلزلہ آیا اور محل کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گر گئے۔ کسی نے بتایا فلسطین میں بحیرہ طبریہ اسی رات خشک ہو گیا تھا۔ ایک خبر پہنچی کہ فارس کا آتش کدہ خاموش ہو گیا جو ہزار سال سے روشن تھا۔ ان حیرت ناک خبروں نے دور دور تک پھیل کر لوگوں کو اس قدر متاثر کیا کہ شعراء نے ان تمام واقعات کو وقتاً فوقتاً حسب موقع نظم کیا تھا۔ ایک شاعر نے کہا۔ (ترجمہ)

(۱) آپ کی ولادت باسعادت کے نور سے سب عالم جگمگا اٹھا اور ہاتف غیبی کی طرف سے مشرق و مغرب میں آپ کی ولادت کی خوشخبری پھیل گئی۔

(۲) کسریٰ کے محل کی بنیادیں زلزلہ سے ہلنے لگیں اور اس کے محل کے کنگرے جھک گئے اور پھر ٹوٹ کر گر پڑے۔

(۳) ملک فارس کا آتش کدہ بجھ گیا حالانکہ اس کی آگ ہزار سال سے برابر فروزاں تھی اور بحیرۂ طبریہ کا پانی خشک ہو گیا۔

(۴) آپ کی تشریف آوری پر بت اوندھے منہ زمین پر گر پڑے اور شہاب ثاقب کے ذریعہ شیاطین کو مارا جانے لگا۔

حفاظتی اقدامات

کوئی مورخ چاہے اس کا ذکر کرے نہ کرے اور کوئی روایت چاہے ہمیں اس ضمن میں نہ ملے لیکن اس حقیقت سے کوئی بھی انکار کرنے کیلئے کسی طور تیار نہ ہوگا کہ آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے، پیدائش کے موقع پر اور تولد ہونے کے بعد جو برکتیں، کرامتیں اور معجزے ظہور میں آئے، جو پیشگوئیاں یہود و نصاریٰ نے کیں اور ردعمل کے طور پر جن خدشات کا اظہار کیا گیا۔ اس سے تمام قریش پوری طرح آگاہ تھے۔ بنی امیہ اور ان کے حلیف قبیلے بھی انہی میں شامل ہیں۔ ایک ایسی قوم جو عدم کار کی شکار ہو اور جس کا فارغ وقت داستان سرائی، قصہ گوئی اور پارینہ و تعجب انگیز واقعات سننے اور سنانے میں گزرتا ہو۔ اس قوم کو ان حالات سے بے خبر اور لاعلم

[1] اسکی تصدیق حسان بن ثابت سے اسوقت ہوئی جب رسول اللہؐ مدینہ ہجرت کر کے گئے تھے۔ (سیرت ابن ہشام)

Presented by Ziaraat.net

سمجھنے والا خود اپنی لاعلمی اور بے خبری کی دلیل مہیا کرتا ہے، واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ نتائج ہمارے سامنے گزرے ہیں۔ اب موجودہ حالات کا ردّعمل اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ بنی امیہ خصوصاً حرب کے امکانی ردّعمل سے صرف نظر ممکن نہیں۔

انہی امکانات کو مدنظر رکھ کر حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کی حفاظت ونگہداشت کا بندوبست خاص طور پر کیا۔ حضرت عبدالمطلب کی اس دوراندیشی اور پیش بندی کا ثبوت آپ کی زندگی اور وفات کے بعد ان حالات اور سازشوں سے بخوبی مل جاتا ہے جو بنی امیہ نے کیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بچہ کو مستقبل کا عظیم خطرہ یقین کر چکے تھے۔

آپ نے اپنے نومولود پوتے کو ماں ہی کا دودھ پلوایا، پھر، اپنے بیٹے عبدالعزیٰ کی کنیز ثوبیہ کو مددگار کے طور پر دودھ پلانے پر مقرر کیا۔ لیکن باہر سے کسی عورت کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ بلکہ فوراً ہی اجرت پر دودھ پلانے والی بدّو عورتوں میں سے بنوسعد کی ایک عورت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا تا کہ آپ مکہ کی انتقام سے بھری مسموم فضا سے دور چلے جائیں اور دشمن کی حدودِ دست رسی سے باہر پرورش پاتے رہیں۔

اس موقع پر علمائے سیرت نے عربوں کے عام رواج کا ذکر کیا ہے۔ جس کے مطابق اہل ثروت لوگ اپنے بچوں کو بدّو قبیلوں میں پرورش کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کو بنی سعد میں پرورش کے لئے بھیجنے سے ان علماء نے یہی تاثر دیا ہے۔ مگر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے دس بیٹوں میں سے کسی ایک بیٹے کو بھی پرورش کے لئے کسی بدّو قبیلہ میں نہیں بھیجا۔ جبکہ آپ اس سے عاجز بھی نہ تھے اور نہ ہی اتنے غریب تھے کہ معاوضہ ادا نہ کر سکیں۔ عربوں کا یہ رواج ودستور اپنی جگہ ہے ہمیں اس سے انکار نہیں۔ مگر حضرت عبدالمطلب نے اس عربی دستور سے محض اپنے پوتے ہی کیلئے کیوں فائدہ اٹھایا؟۔ بہرطور آپ کے اس عمل میں حفاظت کے خیال اور مصلحت کو کسی طور نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، اس لئے بھی کہ رضاعت کے دوسال پورا ہونے پر جب حسب معاہدہ حلیمہ سعدیہ آپ کے پوتے کو لے کر آئیں تو آپ نے انعام و اکرام دے کر پھر حلیمہ کے ساتھ مزید دوسال کیلئے بھیج دیا تھا۔ حالانکہ اب دودھ پلانے کی حاجت باقی نہ رہی تھی۔ آپ کو پرورش کیلئے بدو قبیلہ کے سپرد کرنا دراصل آپ کی جان کی حفاظت مقصود تھی۔ آپ کا مقصد صحت یا زباں دانی ہرگز نہ تھی جس کا ذکر اکثر علمائے سیرت نے کیا ہے اور بنوامیہ کی جانب سے قاری کی توجہ کو ہٹا دیا ہے۔ بدو قبیلہ میں بھیجنے سے آپ کا مقصد محض آپ کی حفاظت تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے آپؐ کی ولادت کے وقت جو اشعار کہے تھے۔ ان میں یہ اشارہ صاف طور پر ملتا ہے۔ فوق بلگرامی نے بھی اسوۃ الرسولؐ کے صفحہ ۱۸ پر زباں دانی کی ضرورت کی تردید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب آپ نے یہ کہہ کر "انا عربکم انا من قریش" (یعنی میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لئے کہ میں قریش سے ہوں)۔ یہاں آپؐ نے قریش اور بنی ہاشم کی زبان دانی اور اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت کو واضح کر دیا ہے۔ پھر علمائے سیرت کا اس طرف توجہ دلانا کہ آپ کو بدّو قبیلہ میں زبان سکھانے بھیجا تھا غلط ہے۔ قرآن نے بھی امی کہہ کر یہ واضح کر دیا

کہ آنحضرتؐ کو فصاحت و بلاغت کے اکتساب کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ آپ پیدائشی فصیح و بلیغ تھے۔ لیکن ہم عرب کی ضرورت کو بھی چنداں ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اس کا سبب دشمنوں سے دور رکھ کر آپ کی حفاظت کرنا مقصود تھا۔ جیسا کہ آئندہ کے واقعات نے ثابت بھی کیا ہے۔

اسی زمانہ میں یعنی جب آپ تین سال کی عمر میں حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے۔ شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد آپؐ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی جو حضرت حلیمہ کی زبانی کتب تاریخ میں موجود ہے۔ اس روایت میں قتل کی سازش کرنے والوں کو اموی راویوں نے یہودی ظاہر کیا ہے۔ مگر کون جانے وہ یہودی ہی تھے یا بنوامیہ کے زرخرید یا خود بنی امیہ کا شقی البروی۔ معارج النبوت میں حضرت حلیمہ کی زبانی، آنحضرتؐ کو لے جانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

> "میں واپس آئی اور عبدالمطلب کے پاس گئی میں نے کہا، وہ فرزند کہاں ہے؟ لائیے تا کہ میں اسے دیکھوں اس بات سے ان (عبدالمطلب) کا چہرہ چمک اٹھا اور بے پناہ خوشی ومسرت سے کہا۔ "حلیمہ کیا تو نے میرے فرزند کو دودھ پلانے کا ارادہ کر لیا ہے؟" میں نے کہا "ہاں" عبدالمطلب سجدہ شکر بجالائے پھر سر اٹھایا اور آسمان کی طرف رخ کر کے کہا۔ "الٰہی حلیمہ کو محمدؐ سے سعادت افروز فرما"۔ پھر مجھے آمنہ کے گھر لے گئے اور جب میں بچہ کو لے کر چلنے لگی تو عبدالمطلب نے کہا۔ "حلیمہ تجھے بشارت ہو کہ کوئی عورت بھی اپنے قبیلے کی طرف اس طرح واپس نہیں جائے گی جس طرح کہ تو جارہی ہے"۔ (معارج النبوت ص :۱۱۶)

گمشدگی اور بازیابی

شق صدر کے واقعہ کے وقت آپؐ کی عمر تین سال تھی۔ اس واقعہ سے حلیمہ سعدیہ گھبرا گئیں اور آپ کو خیال ہوا کہ اگر کہیں اس بچہ کو کوئی گزند پہنچا تو اس کی ماں اور دادا کو کیا جواب دوں گی۔ ان کے شوہر حارث نے بھی انہیں یہی رائے دی کہ اب اس بچہ کو واپس اسکے دادا کے پاس پہنچا دو۔ حضرت حلیمہ آپؐ کو لے کر مکہ روانہ ہوئیں راستہ میں جب وہ ایک جگہ رفع حاجت کے لئے گئیں تو واپسی پر بچہ کو وہاں نہ پایا جہاں بٹھا کر گئی تھیں۔ بہت تلاش کیا مگر بے سود آخر مجبوراً حضرت عبدالمطلب کے پاس پہنچیں اور واقعہ بیان کیا۔ پوتے کی گمشدگی کی خبر سن کے آپ کے ہوش جاتے رہے۔ جو خدشہ اور دھڑکا آپ کو لگا ہوا تھا۔ وہ سامنے آ گیا آپ کو شک ہوا کہ بنی امیہ کا کوئی فرد اسے اٹھا لے گیا ہے۔ کہیں قتل ہی نہ کر دیا ہو۔ آپ اسی وقت افتاں وخیزاں خانہ کعبہ گئے اور پوتے کی بازیابی کیلئے دعا کرتے رہے، پھر غیض وغضب کی حالت میں باہر نکلے اور قریش کو آواز دی۔ جب سب آپ کے گرد جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے فرمایا۔ "اے آل غالب! میرا فرزند ابن عبداللہ گم ہو گیا ہے کسی نے اسے قتل کے ارادہ سے راہ میں اغوا کر لیا ہے اگر محمدؐ کو میں نے نہ پایا تو یقین رکھو جس جس پر مجھے قتل

Presented by Ziaraat.net

کا گمان ہوگا میں اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا"۔

قریش نے کہا۔"اے سردار! آپ کے بچہ کی تلاش میں ہم آپ کے ساتھ ہیں، آپ جہاں تک جائیں گے ہم بھی آپ کے قدم بقدم ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت عبدالمطلب سواری پر سوار ہوئے اپنے بیٹوں کو ہمراہ لیا۔قریش کے کچھ لوگ بھی آپ کے ہمراہ چل پڑے، ہر طرف تلاش کیا مگر کوئی نشان تک نہ ملا۔

واقدی نے لکھا ہے کہ مسعود ثقفی، ورقہ بن نوفل اور عقیل بن ابی وقاص یمن سے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے ایک درخت کے نیچے ایک بچہ کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے جواب دیا"محمدؐ" ورقہ بن نوفل نے آپ کو اپنے ناقہ پر بٹھالیا اور مکہ آکر حضرت عبدالمطلب کے سپرد کردیا۔ جب آپ نے اپنے پوتے کو زندہ سلامت دیکھا تو فرطِ مسرت سے چمٹالیا اور کہا۔"اے نورِ چشم اگر تو نہ ملتا تو میں اہل مکہ کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالتا"۔اس کے بعد آپ نے لانے والوں کو انعام دیا۔

مورخین کے بیانات

تمام مورخین نے آپ کے گم ہونے اور دستیاب ہونے کے واقعہ کو اپنے اپنے طور پر ترتیب دیا ہے۔ چنانچہ کاشف الہروی معارج النبوت میں لکھتے ہیں۔

(حضرت حلیمہ کا بیان ہے) اس عجیب وغریب امر (شق صدر) کے بعد میرے خاوند نے کہا کہ"محمدؐ" کو اس سے پہلے کہ کوئی تکلیف پہنچے عبدالمطلب کے پاس پہنچا آؤ۔ میں مرکب پر سوار ہوئی اور بچہ کو اپنے آگے بٹھالیا مکہ کے قریب پہنچی تو میں اپنی سواری سے اتری، اس مقام پر کچھ لوگ موجود تھے۔ میں نے"محمدؐ" کو وہاں بٹھایا اور رفع حاجت کیلئے چلی گئی، واپس آئی تو بچہ وہاں موجود نہ تھا۔ ہر چند تلاش کیا مگر لاحاصل میں نے سوچا کہیں ایسا نہ کو میرے پہنچنے سے پہلے یہ خبر عبدالمطلب کو مل جائے، میں مکہ کی طرف دوڑی۔ مجھے دیکھتے ہی عبدالمطلب نے کہا۔"تیرے ساتھ سعادت ہے یا نحوست؟" میں نے کہا۔"امیر! نحوست ہے"۔اس نے کہا۔"شاید بچہ گم ہوگیا ہے؟" میں نے کہا۔"ہاں" عبدالمطلب کو شک ہوا کہ قریش سے اسے کوئی اٹھا کر لے گیا ہے اور اس نے ہلاک کردیا ہوگا۔ پس اس نے اپنی تلوار کھینچ لی، غیض وغضب اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگا وہ اونچی آواز میں پکارا۔اے آل غالب! سب لبیک کہہ کر اس کی خدمت میں دوڑے آئے کیونکہ کوئی شخص اس کے غصہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔عبدالمطلب نے کہا۔"قریش کی عزت اور میرا سرمایہ عیش و راحت، میرا فرزند محمدؐ بن عبداللہ لاپتہ ہوگیا ہے"۔قریش نے کہا۔"اے سردار! سوار ہوجایئے ہم بھی سوار ہوتے ہیں ہم بھی آپ کے ساتھ اسے تلاش کریں گے"۔ جب کوئی پتہ نہ ملا تو قوم کو چھوڑ کر تنہا بیت الحرام کی طرف گئے اور دعا میں مصروف ہوگئے۔عبدالمطلب دعا میں مصروف تھے کہ آپ نے سنا۔" وہ تہامہ میں ہے"۔یہ سنکر عبدالمطلب نے ہتھیار لگائے اور وادیٔ تہامہ کی طرف چل پڑے۔راستہ میں ورقہ بن نوفل ملے۔ دونوں نے مل کر تلاش کیا اور ایک درخت کے نیچے بیٹھے پایا۔ (معارج النبوت، ص:۱۳۳-۱۲۹)

ابن اسحاق نے کہا۔"آپ کی رضائی ماں حلیمہ سعدیہ آپ کو لیکر مکہ آئیں تو آپ ان سے بچھڑ کر لوگوں کی بھیڑ میں گم ہوگئے۔ سعدیہ نے آپ کو بہت تلاش کیا مگر نہ پایا۔عبدالمطلب کے پاس آئیں اور ان سے کہا۔"میں آج رات محمدؐ کو لیکر آئی اور جب مکہ کے بلند حصہ میں تھی تو مجھ سے الگ ہوکر کھوگیا۔"خدا کی قسم مجھے خبر نہیں کہ کہاں ہے؟" عبدالمطلب آپ کے لوٹ آنے کیلئے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے رہے۔لوگوں کا بیان ہے کہ ورقہ بن نوفل اور کسی ایک اور شخص کو آپ مل گئے۔ وہ دونوں آپ کو لیکر عبدالمطلب کے پاس آئے اور ان سے کہا آپ کا یہ بچہ مکہ کے بلند حصے میں ہمیں ملا ہے۔عبدالمطلب نے آپ کو لیکر گردن پر بٹھالیا۔اسی طرح کعبۃ اللہ کے گرد گھومتے جاتے اور آپ کیلئے دعا کرتے اور پناہ مانگتے جاتے تھے پھر آپ کی والدہ آمنہ کے پاس بھیجوادیا۔ (سیرت ابن ہشام ص:۱۸۸-۱۸۷)

ڈاکٹر حسینی"اخلاق محمدؐ" میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حلیمہ نے ایک بار آپ کے گم ہوجانے کی اطلاع دی، عبدالمطلب سخت پریشان ہوئے تلاش کے لئے لوگ دوڑائے خود خانہ کعبہ آئے طواف کیا اور طواف کے دوران کہتے جاتے تھے۔

یا رب رد راکبی محمدًا
ردالیّ و اتخذ عندی یدا
انت الذی جعلته لی عضدا
انت الذی سمیته محمدًا
لا یعبد الدهر به فیعبدا
یارب ان محمدًا لم توجدا
یا رب ان محمدًا ان یوجدا
تصیح قریشًا کلهم بعددا

(معارج النبوت ص : ۱۳۳)

خانہ کعبہ سے رخصت ہوتے وقت آپ نے قسم کھائی کہ"اگر محمدؐ نہ ملے اور میں خالی ہاتھ مکہ لوٹا تو اہل مکہ میں جس جس پر مجھے گمان عداوت ہوگا اسے قتل کر ڈالوں گا"۔

واقدی کا بیان ہے کہ"مسعود ثقفی، ورقہ بن نوفل اور عقیل بن وقاص یمن سے واپس آرہے تھے انہوں نے آنحضرتؐ کو اپنے ساتھ لے لیا اور مکہ لے آئے"۔ (اخلاق محمدیؐ، ص:۳۱)

تمام مورخین نے اس واقعہ کو اجمالاً یا تفصیلاً اپنے اپنے الفاظ میں اسی طرح بیان کیا ہے جس سے یہ بات بخوبی ذہن نشین ہوجاتی ہے کہ حضرت عبدالمطلب کو دشمنوں کی طرف سے اپنے پوتے کی زندگی کا خطرہ لاحق تھا اور یہ کہ وہ آپ کو کسی طرح ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔اس لئے آپ کا ہر قدم تحفظ کی خاطر تھا آپ

Presented by Ziaraat.net

نے اسی لئے آنحضرتؐ کو ایک بدوی قبیلہ سعد میں پرورش کی غرض سے بھیجا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں نے جن میں بنی امیہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا، آپ کو اغوا کرنے کیلئے خفیہ طور پر پیچھا جاری رکھا۔ حلیمہ سعدیہ اور ان کے شوہر کا فکرمند ہونا اور یہ تجویز کرنا کہ انہیں ان کے دادا کے پاس پہنچادیا جائے۔ اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ ان دونوں میاں بیوی کو بھی اس قسم کا شبہ ہوگیا تھا۔ کہ کوئی آنحضرتؐ کا پیچھا کررہا ہے اور جب حلیمہ آپؐ کو لے کر مکہ روانہ ہوئیں تو واقعی آپ کو غائب کردیا گیا۔ ہمارا خیال ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب نے قریش کو جمع کرکے بنوامیہ کے فرد حرب کی اس سازش کو بے نقاب کیا، قریش نے آپ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا اور آپ نے قسم کھائی کہ جس جس شخص پر مجھے گمان ہوگا میں اُسے قتل کرڈالوں گا تو دشمنوں نے یہ خبر پاکر آپؐ کو واپس کرنے کا ارادہ کرلیا، اور ورقہ بن نوفل کے ذریعہ آپؐ کو حضرت عبدالمطلب تک یہ کہہ کر پہنچادیا کہ یہ بچہ ہمیں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ملا تھا۔ ان میں ایک نام مسعود ثقفی کا کئی مورخین نے لکھا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ بنوثقیف بنوامیہ کے ان معاملات میں ساتھی تھے۔ ابن اسحاق نے اسی نام کو حذف کیا ہے اور اس کی جگہ ''کسی اور شخص'' لکھا ہے۔ یہی سبب تھا کہ آپ نے حضرت آمنہ کی وفات کے بعد اپنے پوتے کو باوجود انتہائی ضعیفی کے اپنے پاس رکھا اور کسی اور کے سپرد نہیں کیا اور اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں میں سے سب سے زیادہ قوی اور مدبر بیٹے کے سپرد کیا اور ان کی حفاظت کی خاص طور پر وصیت وتنبیہ کی تھی۔

اخلاق محمدیؐ میں ڈاکٹر حسینی کی بیان کردہ روایت علامہ شبلی نعمانی کی جلد سوئم کے صفحہ ٦١٠ پر (بحوالہ مستدرک حاکم، جلد دوم، ص: ٦٠٣) بیان کی ہے۔ اس روایت میں جو وضاحت پائی جاتی ہے۔ وہ ہمارے موقف کی تائید اور وضاحت میں ایک دلیل کی حیثیت رکھتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

''ایک صحابی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں حج کرنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور اس کی زبان پر شعر میں یہ دعا ہے۔

ردّالی راکبی محمداً ردّرلّی واتخذ عندی یدا

ترجمہ: اے اللہ! میرے سوار محمدؐ کو میرے پاس واپس بھیج اور مجھ پر یہ احسان کر۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ عبدالمطلب ہیں ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا ہے۔ انہوں نے اپنے پوتے کو اسے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا ہے اور وہ ابتک لوٹ کر نہیں آیا ہے، ان کا یہ پوتا ایسا ہے کہ انہوں نے جب کسی کام کے لئے اسے بھیجا، ان کو کامیابی ہی ہوئی، کچھ دیر بعد آپ اونٹ لیکر واپس آتے ہوئے نظر آئے تو عبدالمطلب نے انہیں سینے سے لگالیا۔

حیرت ہے علامہ شبلی نے اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی۔ جبکہ معلوم ہے کہ حضرت عبدالمطلب اپنے پوتے کو اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے۔ وہ اس کی حفاظت پر نظر رکھتے تھے چار سال کی عمر کے بچہ کو اونٹ کی

تلاش کرنے کیلئے بھیجنا عقل سے بعید ہے، جبکہ آپ کے نوجوان بیٹے موجود تھے۔ اگر ایسا کوئی واقعہ ہوتا تو آپ اپنے غلام کو بھیجتے یا کسی بیٹے کو۔ پھر اس روایت کے نہ راوی کا نام دیا ہے اور نہ اس کے باپ کا نام جس سے اس نے سنا۔ پھر تمام راوی اس واقعہ میں آنحضرت کی گمشدگی بیان کررہے ہیں نہ کسی اونٹ کے گم ہونے کا۔ ظاہر ہے کہ بنی امیہ کے راوی نے یہاں قارئین کی توجہ آنحضرت کے گم ہونے، ان کی تلاش اور بنی امیہ کی اس حرکت سے توجہ ہٹانے کی کوشش کی ہے، اگر واقعی بنی امیہ کے لوگ اس میں ملوث نہ ہوتے تو راوی کو اس روایت کے وضع کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

حضرت آمنہ کی وفات

حضرت حلیمہ سعدیہ نے جب آپ کو واپس مکہ پہنچایا اس وقت آپؐ کی عمر چار سال تھی۔ حضرت عبدالمطلب نے یہ دیکھ کر کہ آپ کے پوتے کی جان کیلئے مکہ سے دور بدوی قبیلہ میں بھی خطرات موجود ہیں تو آپ نے مکہ سے باہر کسی قبیلہ میں آپؐ کو نہ بھیجا اور اپنے ہی پاس رکھ کر آپ کی حفاظت کرتے رہے۔

دو سال اسی طرح گزرے جب آپ کی عمر چھ سال ہوئی یعنی ٥٧٦ء میں آپ کی والدہ کو اپنے شوہر کی قبر پر جانے کی خواہش ہوئی۔ اس لئے کہ اب آپؐ سفر کرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔ وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ آپؐ اپنے باپ کی قبر دیکھ لیں، حضرت آمنہ نے حضرت عبدالمطلب سے مدینہ جاکر آپ کے پوتے کو آپ کی ننھیال میں متعارف کرانے اور آپ کے ماموؤں سے ملاقات کرانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت عبدالملطلب کی والدہ مدینہ کے قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنی نجارؓ سے تھیں اور آپ نے بالغ ہونے تک وہیں پرورش پائی اور جب بنی امیہ کے ورغلانے سے نوفل نے آپ کی جائیداد پر قبضہ کرلیا تھا اس وقت قریش کے کسی آدمی نے آپ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اس لئے حضرت عبدالمطلب اچھی طرح جانتے تھے کہ میرے بعد میری اولاد اور میرے پوتے کی مخالفت بنی امیہ ضرور کریں گے۔ اس وقت قریش کے قبیلے ایک دوسرے سے وابستگی کے سبب ان کا ساتھ نہ دیں گے۔ اس وقت میرے نانا اور ماموں کی اولاد ہی ان کی مدد کرسکے گی۔ کیونکہ وہ لوگ وعدہ کے پکے اور بہادر ہیں اس لئے حضرت عبدالمطلب بھی اپنے پوتے کو ننھیال میں شناسا کرانا چاہتے تھے۔ آپ نے حضرت آمنہ کی اس خواہش کو پسند کیا اور باوجود ضعیفی کے اپنے ساتھ اپنے پوتے اور بہو کو لے کر مدینہ روانہ ہوگئے۔ واپسی میں حضرت آمنہ کی وفات ہوگئی۔

مورخین کی ہرزہ سرائی

بعد کے مورخین اموی روایات کا اس موقع پر بھی شکار ہوئے ہیں اکثر نے حضرت آمنہ کے ساتھ ان کی کنیز امّ ایمن کا جانا بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ راستہ میں حضرت آمنہ کی وفات کے بعد امّ ایمن ہی آنحضرت کو اپنے ساتھ مکہ واپس لیکر آئی تھیں۔ یہ بیان کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے جبکہ متوقع بلکہ یقینی

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

خطرات احتیاط کا تقاضا کرتے ہیں۔ حضرت آمنہ اور امّ ایمن آنحضرت کا تعارف کس طرح کرا سکتی تھیں۔ معصوم بچے کیساتھ عبدالمطلب کیسے دو عورتوں کو بھیج سکتے تھے۔ یقیناً کوئی بیٹا ان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان مورخین نے یہ بیان کس بنیاد اور کس خیال سے دیا ہے جبکہ ایک ایسی روایت موجود ہے جو حضرت عبدالمطلب کا ہمراہ جانا ثابت کرتی ہے، یہ روایت سیرت ابن ہشام حصہ اول کے صفحہ ۱۸۹ کے حاشیہ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کا ذکر ''سیرت سرور عالم حصہ دوم'' میں بھی کیا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں ان روایات کو بنو امیہ اور انکے حلیفوں نے اسلئے شہرت دی تا کہ یہ ثابت کر سکیں کہ بنی امیہ کی طرف سے ایسے کوئی خطرات موجود نہ تھے۔

حضرت آمنہ کی وفات کے بعد حضرت عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کو اپنے ہی پاس رکھا حفاظت کے پیش نظر آپ کو کبھی تنہا نہ چھوڑتے رات کو اپنے قریب سلاتے اور جہاں جاتے اپنے ساتھ لے جاتے حتیٰ کہ جب آپ مراقبہ کیلئے غار حرا جاتے تو آپؐ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

سیف بن ذی یزن اور عبدالمطلب بن ہاشم

یہی وہ زمانہ یعنی ۵۷۶ء تھا جب حضرت عبدالمطلب کو سیف بن ذی یزن، شاہ یمن کی تاج پوشی کے جشن میں شرکت کے لئے جانا پڑا۔ اس موقع پر شاہ یمن نے حضرت عبدالمطلب سے تنہائی میں خصوصی ملاقات کی اور اس ملاقات میں اس نے جو کچھ حضرت عبدالمطلب کو مستقبل کے نبی کے متعلق بتایا اور جن خطرات کی طرف اشارہ کیا اس سے آغاز نبوت میں بنی امیہ کی طرف سے شدید ترین مخالفت اور قتل کرنے کی سازشوں کا یقین ہوتا ہے۔ لیکن کچھ مستشرقین نے اس ملاقات کی صحت سے تاریخی طور پر انکار کیا محمد رضا مصری لکھتے ہیں۔

> ''مسٹر میور، عرب وفد اور عبدالمطلب کے سیف بن ذی یزن کی خدمت میں حاضر ہونے کی پوری طرح تکذیب تو نہ کر سکے البتہ وہ اتنا ضرور کہہ گزرے کہ نبی منتظر کے ظہور کی خبروں کے متعلق اس واقعہ میں کثرت مبالغہ کو دخل ہے۔ اسی بناء پر وہ شک میں مبتلا ہو گئے۔ علاوہ ازیں سیرت نبوی کے واقعات کی چھان بین کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ یہ واقعہ آنحضرتؐ کے ظہور نبوت سے متعلق کثیر واقعات اور خبروں میں کوئی ایک اور نیا واقعہ نہیں ہے کیونکہ سیف نے جو خبر عبدالمطلب کو دی تھی وہی بحیریٰ نے ابو طالب کو دی تھی اور سلمان فارسی کو بھی دوسرے عیسائی راہبوں سے یہی سب کچھ معلوم ہو گیا تھا''۔ (محمد رسول اللہؐ ص:۴۶)

سیف بن ذی یزن کی حضرت عبدالمطلب سے گفتگو معلوم کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ سیف کون تھا۔ اس نے آپ کو کیوں دعوت دی اور ان ہی سے تخلیہ میں کیوں بات کی؟

سیف بن ذی یزن کون تھا؟

سیف بن ذی یزن یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھا۔ یہی خاندان یمن پر حکومت کر رہا تھا۔ سیف، ارم ذی یزن کا بیٹا تھا۔ جب ابرہہ نے ''ارباط'' کو قتل کر کے یمن کی حکومت اپنے قبضہ میں کر لی اس وقت سیف بن زی یزن طفل شیر خوار تھا۔ ابرہہ نے اس کے باپ ارم زی یزن کو قید کر دیا تھا اور اس کی بیوی یعنی سیف کی ماں کو جو ایک خوبصورت خاتون تھی، ابرہہ نے اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ جس کے بطن سے ابرہہ کے دو لڑکے یکسوم اور مسروق پیدا ہوئے۔

ابرہہ نے تسلط قائم کر کے یمن میں عیسائیت پھیلانی شروع کر دی۔ جس کے سبب بے گناہ یمنیوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ارم ذی یزن قید سے فرار ہو کر روم پہنچا اور قیصر روم سے مدد مانگی۔ مگر قیصر

Presented by Ziaraat.net

چونکہ خود عیسائی تھا اس لئے اس نے مدد سے انکار کر دیا، ارم ذی یزن کو قیصر روم سے مایوسی ہوئی وہ ایران پہنچا اور شہنشاہ ایران نوشیرواں سے مدد کا طالب ہوا، نوشیروان نے اس خیال سے کہ وہ شاہی خاندان کا فرد تھا اس کی دلداری کی اور مالی مدد بھی کی۔ مگر فوجی امداد دینے سے اس لئے گریز کیا کہ یمن کا راستہ بہت طویل تھا سمندر اور جنگلات راہ میں حائل تھے۔ فوج کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس نے ارم ذی یزن سے وعدہ کیا کہ وہ ارکانِ سلطنت سے مشورہ کے بعد اس کا کوئی حل تلاش کرے گا۔ لیکن ارم ذی یزن اسی دوران فوت ہو گیا۔

عرب کے سرحدی علاقہ یمن پر حبشہ نے ۵۲۵ء میں قبضہ کیا تھا۔ شاہ حبشہ کی طرف سے بعد میں ابرہہ یمن کا والی بنا دیا گیا۔ چالیس سال بعد ۵۶۵ء میں اس نے مکہ پر حملہ کیا، اس حملہ میں ابرہہ مارا گیا بعد میں اس کے دو بیٹے یکسوم اور مسروق یکے بعد دیگر یمن کے والی بنے، یمن پر حبشہ کی حکومت کا یہ سلسلہ پچاس سال جاری رہا اور ایران کے حملے سے ۵۷۶ء میں ختم ہو گیا اس وقت مسروق والی یمن تھا۔

سیف نے حکومت واپس لے لی

سیف بن ذی یزن جو اپنی ماں کے پاس یمن میں پرورش پا رہا تھا۔ اپنی ماں ہی کے بطن سے پیدا ہونے والے دو لڑکوں مکسوم اور مسروق کے ساتھ محل میں پروان چڑھتا رہا۔ وہ یہی سمجھتا رہا کہ ابرہہ کے یہ دونوں لڑکے اس کے بھائی ہیں اور وہ خود بھی ابرہہ کا لڑکا ہے۔ سیف ان دونوں پر رنگ و نسل عادات و خصائل اور خوبصورتی میں فضیلت رکھتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ وہ خود کو ان سے بہتر جانتا تھا۔ ایک روز اس کے بھائیوں نے اسے کہا۔ ''تو کس بنیاد پر ہم سے سبقت کی بات کرتا ہے جبکہ تو ہمارا غلام ہے''۔ یہ بات سیف کو بڑی ناگوار گزری اور اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا۔ ''میرا باپ کون ہے؟'' ماں رونے لگی اور اسے بتایا۔ ''اے میرے بیٹے! تو شرافت اور نسب میں ان لڑکوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ یمن کے شاہی خاندان سے ہے، شاہ ارم ذی یزن تیرا باپ تھا۔ زمانہ کا یہ انقلاب ہے بیٹا! کہ یہ بدشکل قوم ہم پر غالب آ گئی جس نے آزادوں کو غلام اور شاہزادوں کو قیدی بنا لیا ہے اور مجھے تیرے باپ سے زبردستی چھین لیا گیا ہے۔ اب تیرا باپ اسی غم میں نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے''۔

سیف نے اپنی ماں سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے میرا باپ کس طرف چلا گیا ہے؟'' ماں نے جواب دیا۔ ''میں نے اتنا سنا ہے کہ اس نے ایران کا رخ کیا تھا، اس کے بعد مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے''۔ سیف نے اسی وقت حبشیوں کے خلاف اقدام کا فیصلہ کر لیا، اور ایک روز خاموشی سے فرار ہو کر ایران پہنچ گیا۔

اس زمانہ میں عراق کا علاقہ فارس یعنی ایران کے تحت تھا اور ایران کی جانب سے نعمان بن منذر وہاں کا گورنر تھا۔ سیف بن ذی یزن نعمان بن منذر کے پاس گیا، اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا

کالے کتے حبشیوں نے ہم پر غلبہ پا لیا ہے اور ہماری پوری قوم اور علاقہ کو تباہ برباد کر دیا ہے، شاہی خاندان کو غلام بنا کر ہماری عورتوں کو بھی کنیز بنا لیا ہے۔ آپ ہم پر احسان کریں اور ایران کے شاہ ذی جاہ کسریٰ سے ہماری سفارش کریں کہ وہ ہماری فوجی مدد کریں، ہماری سلطنت ہمیں واپس دلا دیں ہم شاہ ایران کی رعیت بننا گوارا کر لیں گے''۔

گورنر عراق نعمان بن منذر ہر سال مقررہ ایام میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سالانہ رپورٹ پیش کرتا تھا۔ چند دن بعد اسے ایران جانا تھا لہٰذا اس نے سیف بن ذی یزن کو اطمینان دلایا اور وہاں ٹھہرنے کیلئے کہا، ایران جاتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے گیا اور کسریٰ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ سیف نے اپنی تباہی کی داستان بیان کی اور فوجی مدد کی درخواست کی۔

شاہ ایران کو جب معلوم ہوا یہ ارم ذی یزن کا بیٹا ہے تو اسے اس کا باپ یاد آ گیا۔ جسے کوئی مدد نہ دی جا سکی تھی اور وہ اس انتظار میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے سیف کی درخواست پر اپنے ارکان سلطنت سے مشورہ کیا۔ انہوں نے وہی بات کہی جو اس سے پہلے زیر غور آ چکی تھی۔ ''راستہ طویل اور دشوار ہے اور وہاں تک پہنچنے میں لشکر کے تباہ ہو جانے کا خدشہ ہے''۔ مگر ان میں سے ایک مشیر نے تجویز پیش کی کہ بہت سے جنگجو سپاہی ہماری قید میں ہیں جنہیں موت کی سزا دی جا چکی ہے اگر انہیں قید سے رہا کر کے اور اسلحہ دے کر بطور لشکر بھیج دیا جائے تو دونوں مقصد حاصل ہو سکتے ہیں۔ نوشیروان نے اس تجویز کو پسند کیا اور ان قیدیوں کو رہائی دے کر ایک لشکر ترتیب دینے کی ہدایت کی اور سیف بن ذی یزن کے ساتھ اس لشکر کو بھیج دیا۔ ان ہی میں سے ایک شمشیر زن بہادر کو سپہ سالار بنایا اس کا نام بہروز تھا۔

اس وقت ابرہہ کا دوسرا بیٹا مسروق یمن کا والی تھا۔ عجمی لشکر کی خبر سن کر مسروق بہت پریشان ہوا اور جب یہ لشکر یمن پہنچا تو بہت سے یمنی باشندے اور شاہی خاندان کے افراد لشکر کے ساتھ آ ملے۔ خونریز مقابلہ کے بعد مسروق مارا گیا۔ فتح کی خبر شاہ ایران کو بھیجی گئی، شاہ نے حکم جاری کیا کہ یمن کی حکومت سیف کے حوالے کر دی جائے اور وہ ہر سال خراج بھیجتا رہے۔ بہروز نے حکومت سیف کے حوالہ کی اور خود ایران چلا گیا۔

آنحضرتؐ کی عمر کا ساتواں سال اور ۵۷۶ء کا یہ وہ زمانہ تھا جب سیف بن ذی یزن نے اپنی خاندانی کھوئی سلطنت دوبارہ حاصل کی اور اپنے جشن تاجپوشی میں یمن کے اطراف و اکناف کے حکام اور قبائل عرب کے شرفاء و رؤسا کو شرکت کے دعوت نامے بھیجے۔ ایسا ہی دعوت نامہ سردار قریش حضرت عبدالمطلب کو بھی ملا۔ اور آپ نے قریش کے ایک وفد کے ساتھ سیف بن ذی یزن کو مبارکباد پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔

ایک صدی قبل کی پیشگوئی

ایک روایت کے مطابق اس واقعہ سے ایک صدی یا کچھ زیادہ عرصہ قبل یمن کے شاہان تبع میں سے ایک حکمراں ربیعہ بن نصر ہوا تھا۔ اس نے ایک روز ایک خوفناک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر معلوم

Presented by Ziaraat.net

کرنے کے لئے اس نے دور دراز سے نجومیوں، کاہنوں، رمالوں اور جادوگروں کو بلایا اور اپنا خواب بیان کرنے سے پہلے ان سے تعبیر معلوم کی۔ لیکن اس طرح کوئی تعبیر نہ بتا سکا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر تم تعبیر بتا سکتے ہو تو وہ خواب کیوں نہیں بتا سکتے۔ جس کی تعبیر کا دعویٰ کرتے ہو۔ سچ وہی ہو سکتا ہے جو تعبیر بتانے سے پہلے خواب بھی بتا سکے۔ انہوں نے یہ سن کر بادشاہ کو بتایا کہ ایسے کاہن صرف سطیح اور شق ہی ہو سکتے ہیں۔ بادشاہ نے ان دونوں کو بلوایا۔ سطیح پہلے پہنچا اور اس نے بغیر پوچھے بادشاہ کا خواب بیان کر دیا اور کہا۔

''اے بادشاہ! تو نے خواب میں ایک شرارہ دیکھا جو تاریکی سے نکل کر نشیبی سمت میں جا گرا اور اس میں رہنے والے ہر جاندار کو کھا گیا''۔

بادشاہ حیران ہوا کیونکہ بالکل یہی خواب اس نے دیکھا تھا۔ بادشاہ نے اسکی تعبیر پوچھی تو سطیح نے کہا۔

''دونوں سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان جتنے حشرات الارض ہیں ان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کی سرزمین پر حبشی نازل ہوں گے، اور ''ابین'' ''وجرش'' کے درمیانی تمام علاقہ پر قابض ہو جائیں گے۔ بادشاہ یہ سنکر پریشان ہوا مگر اس نے پوچھا۔ ''یہ کب ہوگا؟ ابھی یا میرے بعد'' سطیح نے جواب دیا۔ ''آپ کے ساٹھ یا ستر سال بعد ایسا ہوگا اور ان حبشیوں کی حکومت بھی ہمیشہ نہیں رہے گی بلکہ اتنے ہی عرصہ بعد ختم ہو جائے گی اور خود مارے جائیں گے''۔ بادشاہ نے پوچھا۔ ''انہیں قتل کرنے والا کون ہوگا؟'' سطیح نے بتایا کہ ''سیف بن ذی یزن ان پر حملہ آور ہوگا اور کسی کو یمن کی حدود میں زندہ نہ چھوڑے گا۔ مگر اس کی حکومت بھی ہمیشہ نہ رہے گی''۔ بادشاہ نے پوچھا۔ ''اسے کون ختم کرے گا؟'' سطیح نے بتایا۔ ''اسے نبی ختم کرے گا۔ جس پر وحی نازل ہوگی اور وہ غالب بن فہر بن مالک بن نضر کی اولاد سے ہوگا''۔ بادشاہ نے پوچھا۔ ''یہ جو کچھ تو کہہ رہا ہے کیا واقعی سچ ہے؟'' سطیح نے اس پر قسم کھائی اور کہا۔ ''یہ سب سچ ہے جو میں نے کہا ہے''۔

اس کے بعد دوسرا کاہن شق بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے اس سے بھی یہی پوچھا۔ شق نے جو جوابات دیئے وہ بالکل وہی تھے جو سطیح بتا چکا تھا۔ اس سے بادشاہ کو کلیتاً یقین ہو گیا کہ ایسا ہونے والا ہے۔

گزشتہ صفحات میں جو کچھ بتایا گیا وہ اسی پیشگوئی کے عین مطابق ہوا، لیکن یہ پیش گوئی نہیں بعد از وقوع، واقعہ گوئی کی ایک طرز ہے۔ قبائلی افراد واقعات کو بھی دیومالائی طرز میں بیان کرنے کے عادی تھے۔ اس طرح واقعہ سامع پر اثر انداز بھی ہوتا تھا اور کہانی کے انداز میں تاریخ یاد بھی رہتی تھی۔ ہم نے اس طرز میں بیان کردہ روایات، حکایات اور خواب وغیرہ اسی لئے جوں کے توں شامل کئے ہیں کہ ان سے تاریخ اور اصل واقعات کا کھوج مل جاتا ہے۔

سردار قریش کو دعوت نامہ کیوں بھیجا گیا

مکہ میں باقاعدہ کوئی حکومت موجود نہ تھی اور نہ ہی کوئی بادشاہ تھا۔ صرف قبائلی طرز کی سرداری تھی جس سے حکومت یمن کے کوئی سیاسی و حکومتی سطح پر روابط نہ تھے۔ اس کے باوجود سردار قریش حضرت

عبدالمطلب کو جشن تاجپوشی میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجنا غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، اور اگر غور کیا جائے تو اس کی کئی وجوہات موجود ملتی ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابرہہ کے حملہ کے سبب جو سلسلہ تجارت یمن سے منقطع ہو گیا تھا۔ اسے پھر سے بحال کرنا مقصود ہو۔ اہل تاریخ نے بھی اسی کی چند ایسی ہی وجوہات بیان کی ہیں۔ مثلاً ان کے تجارتی فوائد و مصالح مشترک تھے۔ یہ دونوں ہمسایہ قومیں تھیں۔ مگر مورخین کی نظر صرف سیاسی وجوہ تک محدود رہی ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یمن پر انحطاط کے بعد سیف بن ذی یزن کو ابرہہ اور حضرت عبدالمطلب کے درمیان معرکہ آرائی اور آپ کی فتح کا علم ہوا ہو تو اس نے آپ سے رابطہ مناسب اور مفید سمجھا ہو۔ لیکن اس کی سب سے بڑی وجہ وہ قرابت قریبہ تھی جو شاہ ذی یزن اور حضرت عبدالمطلب یا بنی ہاشم کے درمیان خصوصیت کی حامل تھی۔ حیرت ہے کہ کسی مورخ کی نظر اس قرابت داری کی جانب نہیں پہنچ سکی۔

قرابت قریبہ

سیف بن ذی یزن کا تعلق یمن کے حمیری خاندان سے تھا۔ بند مآرب کے ٹوٹ جانے سے جب تباہ کن سیلاب یمن میں آیا تھا تو وہاں سے بہت سے قبیلے ہجرت کر گئے اور گردونواح کے مختلف مقامات پر آباد ہو گئے تھے۔ بنی خزاعہ جن سے قصّی نے جنگ کر کے کعبہ کی تولیت حاصل کی تھی مکہ کے قریب آباد ہو گئے تھے۔ بنی اوس و خزرج یثرب (مدینہ) چلے گئے تھے جو بعد میں انصار کہلائے۔ بنی خزرج کی ایک شاخ بنی نجار کی ایک خاتون سیف بن ذی یزن کی ماں سے تھی اور یہ وہی خاتون ہے، جسے ابرہہ نے اپنی بیوی بنا لیا تھا اور ابھی یہ ذکر ہوا ہے؟ کہ ہاشم نے ایک شادی یثرب (مدینہ) میں اسی گھرانے یعنی بنی نجار سے کی تھی۔ یوں حضرت عبدالمطلب اور سیف بن ذی یزن کی مائیں بنی نجار سے تھیں، اور آپ نے پرورش بھی مدینہ ہی میں پائی تھی۔ ارم ذی یزن سیف کے باپ اور ہاشم حضرت عبدالمطلب کے والد کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے۔ اب یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ دونوں کی مائیں ایک دوسرے کو نہ جانتی ہوں اور سیف کی ماں عبدالمطلب کی ماں سلمٰی کے مدینہ میں مقیم رہنے کے سبب ہاشم اور حضرت عبدالمطلب کے مدینہ میں پرورش پانے کی وجہ سے آپ کو جانتی نہ ہو، یہ یقینی امر ہے کہ سیف کی ماں نے اپنے بیٹے سیف کو ان حالات سے آگاہ کیا ہوگا کیونکہ ابرہہ نے مکہ پر حملہ کیا تھا، اور وہ جانتی تھی کہ مکہ کا سردار ہاشم کا بیٹا عبدالمطلب ہے اور قریش اس حکومت کے خلاف تھے جسے ابھی ابھی سیف بن ذی یزن نے ایرانی لشکر کی مدد سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ یوں سیف اور عبدالمطلب میں ننھیال کی طرف سے عرب قبائلی رشتہ بنتا تھا اور بنی نجار کے لوگ دونوں کے ماموں ہوتے تھے۔

سیف اپنی ایک خفیہ پیش گوئی کی مذہبی کتاب کے ذریعہ، حجاز میں پیش آنے والے آئندہ حالات سے واقف تھا اور اس ضمن میں وہ قریش کے سردار سے بات کرنا چاہتا تھا اور اپنی عدم موجودگی کے سبب مکہ میں پیش آئندہ حالات سے واقف ہونے کا خواہشمند بھی تھا۔ یہ بڑا سبب تھا سردار قریش کو شرکت جشن کا دعوت

Presented by Ziaraat.net

نامہ بھیجنے کا یہ اور بات تھی کہ یہ سردار قریش وہی شخص نکلا جو اس کا بالواسطہ قرابت بھی رکھتا تھا۔

وفد کی تیاری

سیف کی کامیابی اور جشن کی خبر ملتے ہی حضرت عبدالمطلب نے باوجود ضعیفی کے شرکت کا ارادہ کرلیا اور تیاریاں شروع کردیں۔ آپ نے بادشاہوں کے لائق تحفے جمع کیے۔ پھر قریش کے خاندانی سرداروں سے چار کا انتخاب کرکے ایک وفد تیار کیا۔ جس میں وہب بن عبد مناف، زہیر بن امیہ، طلحہ بن خولید، عبداللہ بن جدعان اور خود عبدالمطلب بن ہاشم وفد کے قائد کی حیثیت سے شامل تھے۔[1]

یہ پانچ نام معارج النبوت میں مذکور ہیں۔ بعض نے حرب بن امیہ کا نام لکھا ہے جبکہ محمد رضا مصری نے محمد رسول اللہ میں امیہ بن عبدالشمس کا نام بھی دیا ہے۔[2] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہیر بن امیہ کی جگہ حرب بن امیہ کا نام ہے۔ امیہ بن عبدالشمس اس سے بہت پہلے فوت ہو چکا تھا اور اس کی جگہ حرب بن امیہ نے لے لی تھی۔ بنی امیہ میں سے زہیر بن امیہ کے مقابلہ میں حرب بن امیہ کا وفد میں شامل کرنا زیادہ قرین عقل وقیاس ہے بلکہ ایسا ہونا اس لئے یقینی ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے حرب کو باوجود دشمن ہونے کے، بطور احتیاط اپنا مصاحب بنایا تھا۔ دوسرے آپ اس کی تالیف قلب چاہتے تھے تاکہ وہ آئندہ آپ کی اولاد کی دشمنی سے باز آجائے؟ تیسری اور سب سے اہم بات یہ کہ آپ اپنے پوتے کو ساتھ لیکر نہیں گئے تھے۔ انہیں اپنے بیٹوں کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے۔ آپ کی عدم موجودگی میں کسی خطرناک اقدام یا سازش کی امید صرف حرب جیسا ذہن رکھنے والے ہی سے کی جاسکتی تھی۔ لہٰذا آپ نے ضروری سمجھا ہوگا کہ حرب اس موقع پر مکہ سے باہر ان کے ساتھ رہے۔ اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ آپ حرب کو تالیف قلب کے لئے وفد میں شامل کرکے اپنے ساتھ لے گئے یا اپنے پوتے کی حفاظت کے پیش نظر ہوسکتا ہے دونوں باتیں مدّ نظر ہوں۔

تخلیہ میں راز و نیاز

جب حضرت عبدالمطلب کی قیادت میں قریش کا یہ وفد دارالسلطنت صنعاء کے قصر عمران پہنچا۔[3] باریابی کی اجازت دی گئی۔ حضرت عبدالمطلب نے بادشاہ یمن سیف کو تحائف پیش کیے۔ اپنی اور اپنے ساتھ آئے وفد کی جانب سے مبارکباد پیش کی۔ بادشاہ نے تحائف قبول کیے۔ مسرت کا اظہار کیا اور بڑی بے تکلفی سے آپ کے ساتھ مصروف گفتگو رہا۔ اس کے بعد قریش کے وفد کے ارکان کو ایک ماہ کی ضیافت کے لئے شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا اور حضرت عبدالمطلب کو اپنے قریب رکھا۔ اس دوران وفد کے کسی اور فرد کو بادشاہ سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔

۱..... معارج النبوت رکن دوم، ص : ۵۴ ۲..... محمد رسول اللہ ص: ۴۳
۳..... محمد رسول اللہ میں قصر عمران اور معارج النبوت میں قصر عمان لکھا ہے۔

جب بادشاہ سیف ذی یزن جشن کی مصروفیات سے فارغ ہوا تو اس نے ایک روز حضرت عبدالمطلب کو اپنی خلوت خاص میں باہم تبادلہ خیالات کا موقع دیا اور اس خفیہ ملاقات کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا۔

اے سردار قریش میں نے آپ کو اس لئے تنہائی میں گفتگو کی زحمت دی ہے۔ کہ میں آپ کو ایک ایسے اسرار سے مطلع کرنا چاہتا ہوں جس کا براہ راست تعلق آپ کی ذات اور آپ کے قبیلے سے ہے۔ ایک مخفی علم پر مبنی پوشیدہ کتاب جو صرف ہمارے خاندان سے مخصوص ہے۔ میں نے اس میں ایک عظیم خبر اور خوش آئندہ پیش گوئی دیکھی ہے یہی یہ مخفی راز بطور امانت آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ اور آپ ہی کی ذات اس امر کی اہل ہے۔ اس راز سے دشمنوں کو خبردار نہیں ہونا چاہئے اور آپ کو یہ راز اس وقت تک مخفی رکھنا ہوگا جب تک اس کے ظہور کا وقت نہ آجائے۔ میں خود اس بات کا پوری طرح اندازہ اور یقین کر چکا ہوں کہ یہ پیش گوئی اپنے وقت پر بغیر کسی شک وشبہ کے سچ واقع ہوگی۔

یہ سن کر حضرت عبدالمطلب بے چین ہوئے اور پوچھا۔ "اے بادشاہ! فرمایئے وہ مخفی خوشخبری کیا ہے؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک اللہ خود اس کے اظہار کے آثار پیدا نہ کردے میں کسی فرد بشر پر اس کو ظاہر نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے وضاحت کی۔ "اے محترم! وہ راز یہ ہے کہ جب تہامہ[1] میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جسکے شانوں کے درمیان نگینہ کے برابر ابھرا ہوا گوشت ہوگا تو دنیا کے تمام دین و مذاہب باطل نظر آئیں گے"۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا۔ "اے شاہِ ذی جاہ! اسکی مزید تفصیل سے آگاہ فرمایئے"۔ سیف بن ذی یزن نے مزید تفصیل بیان کی اور کہا۔ "میرا یہ خیال ہے کہ اس بچہ کی پیدائش کا یہی زمانہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بچہ پیدا ہو چکا ہو۔ اسکے والدین اسکے بچپن ہی میں وفات پا جائینگے اور اسکے دادا اور چچا اسکی پرورش کرینگے"۔ یہ صحیح خبر سن کر عبدالمطلب نے سجدہ شکر کیا اور بادشاہ سے کہا۔ "مزید وضاحت کرنے کی زحمت فرمائیں گے؟"

سیف نے کہا۔ "طنابوں والے خیموں، ان کے نشانات اور ستونوں کی قسم میں نے کتاب میں اسی طرح دیکھا ہے کہ خدا اسے جلد مبعوث فرمائے گا۔ وہ روئے زمین کے بہترین علاقوں کو فتح کرے گا۔ وہ اس وقت موجود تمام ادیان کو باطل ٹھہرائے گا۔ ایک قوت کی عبادت کرے گا۔ بتوں کو توڑ ڈالے گا وہ برائیوں سے روکے گا اور نیکیوں کو عام کرنے کا حکم دے گا"۔

یہ سنا تو حضرت عبدالمطلب نے پھر سجدہ کیا سجدہ نے طول کھینچا تو بادشاہ نے کہا۔ "اے عبدالمطلب سجدہ سے سر اٹھایئے؟ میں اب تک آپ کے اس عمل اور آپ میں ہونے والے اس تغیر سے جو یقین کی حد تک سمجھ سکا ہوں، وہ یہ ہے کہ اے عبدالمطلب اس بچے کے دادا یقینا آپ ہی ہیں، اب آپ مجھے ان حالات و واقعات سے آگاہ کیجئے جو تہامہ میں پیش آچکے ہیں"۔

آنحضرتؐ کی پیدائش سے اب تک جو بھی واقعات پیش آئے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے وہ سب

۱ وہ علاقہ جو شمال میں حجاز اور جنوب کی سمت یمن سے متصل ہے یعنی حجاز۔

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

بادشاہ کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''اے شاہ عالی جاہ! آپ کا فرمانا درست ہے۔ واقعتاً وہ بچہ پیدا ہو چکا ہے اور میں ہی اس کا دادا ہوں، میرا ایک بیٹا عبداللہ نامی تھا۔ اس کی شادی میں نے آمنہ بنتِ وہب بن عبدمناف سے کی تھی۔ چھ سال پہلے اس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، میں نے اس کا نام محمدؐ رکھا۔ جیسا کہ آپ نے پہلے فرمایا واقعی اس کے شانوں کے درمیان انگوٹھی کے نگینہ کی طرح ابھرا ہوا گوشت ہے اور جب وہ پیدا ہوا تھا تو مختون تھا۔ آپ کے کہنے کے مطابق اس کے ماں باپ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے اور اب اس کی پرورش میں اور میرے بیٹے کرتے ہیں اور اس میں وہ تمام علامتیں اور نشانیاں پائی گئی ہیں جو آپ نے بیان فرمائیں۔

یہ تمام تفصیل سننے کے بعد سیف بن ذی یزن سے نہ رہا گیا اور اس نے انتہائی خلوص، محبت اور تقاضے کے ساتھ حضرت عبدالمطلب سے کہا۔ ''آپ اس گفتگو اور اس راز کا ذکر کسی سے نہ کریں اور اپنے پوتے کی خصوصیات وعجائبات اپنی قوم کے کسی فرد پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ ورنہ آپ کے پوتے کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی۔ آپ کی قوم کے افراد ہی اس کی جان کے درپے ہو جائیں گے۔ حضرت عبدالمطلب نے اسے راز رکھنے کا وعدہ کیا اور اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

معارج النبوت کے مولف نے لکھا ہے کہ ''(یمن سے) رخصت ہوتے وقت وفد کے ہر فرد کو بادشاہ کی طرف سے دس غلام، دس کنیزیں، دو یمنی چادریں، پانچ رطل سونا، دس رطل چاندی، ایک رطل مشک، آدھ سیر عنبر اور ایک سو (۱۰۰) اونٹ تحفتاً دیئے گئے اور حضرت عبدالمطلب کو خصوصی طور پر ان سب کے برابر انعام سے نوازا گیا۔ حضرت عبدالمطلب سے یہ کہا گیا کہ وہ ہر سال آ کر تجدید ملاقات کرتے رہیں۔'' مگر بادشاہ زیادہ دن زندہ نہ رہا۔ معارج النبوت کا مولف کی گئی نصیحت کے بارے میں لکھتا ہے۔

''بادشاہ نے اس نصیحت میں بڑے مبالغہ سے کام لیا، اور کہا اے عبدالمطلب! اس صورت حال کو ہر خاص وعام سے خصوصاً حاسد یہودیوں سے پوشیدہ رکھنا اور اپنی قوم میں سے بھی کسی کو اس سلسلہ میں اپنا محرم راز نہ بنانا۔ یقین کرو کہ جب اس کی سرداری کا خطبہ منبر سعادت پر پڑھا جائے گا۔ قریش اس کی مخالفت اور جھگڑے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے، اسے درمیان سے ہٹانا چاہیں گے، اس کی جان کے درپے ہوں گے اور اسے اس کے کار نیک سے منع کرنے کی کوشش کریں گے''۔

(معارج النبوت رکن دوم ص: ۵۸)

محمد رضا مصری، محمد رسول اللہؐ میں لکھتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا:

''اب آپ اپنے اس فرزند کی حفاظت کیجئے اور جو کچھ میں نے کہا ہے اسے آپ اپنی اس جماعت (وفد) سے پوشیدہ رکھیں جو آپ کے ساتھ ہے۔ مجھے ان پر اطمینان نہیں ہے۔ ممکن ہے ان میں ایسے حاسد پیدا ہو جائیں جو آپ کی امارت اور سرداری کی مخالفت کرنے لگیں اور آپ کی راہ میں مشکلات کھڑی کر دیں پھر وہ اور ان کی اولاد

آپ کی مخالفت میں جو کرنا چاہیں کر گزریں۔

اگر میں یہ نہ جانتا کہ مجھے اس فرزند کی بعثت سے قبل ہی موت آ جائے گی تو میں سوار اور پیادہ چل کر دار ہجرت یثرب پہنچ جاتا، کیونکہ میں اپنی رہنما کتاب اور قدیم علم میں پاتا ہوں کہ یثرب ان کی ہجرت گاہ اور ان کی نصرت اور مدد کا مقام ہے۔ اگر میں انہیں آفتوں سے نہ بچانا چاہتا اور مجھے ان پر مصائب کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ان کے بچپن ہی میں ان امور کا اعلان کر دیتا اور عربوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کرتا، لیکن آپ کے ساتھیوں کے خوف سے ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔ اس لئے یہ مہم آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ جب یہ سال گزر جائے تو مجھے اس بچہ کے حالات سے مطلع کرنا۔ مگر ایک سال پورا نہ ہوا تھا کہ ابن ذی یزن کا انتقال ہو گیا''۔

(محمد رسول اللہؐ ص: ۴۵)

یمن سے واپسی پر ہر ممبر خوش تھا۔ حضرت عبدالمطلب کا جو احترام شاہ یمن سیف بن ذی یزن نے کیا۔ اسے وفد کے ہر ایک ممبر نے قریش کے احترام ووقار پر محمول کیا۔ ماسوائے حرب کے جو حسد کی وجہ سے تمام راستے اعتراض کرتا رہا اور مکہ تک بڑبڑاتا ہوا آیا۔ حضرت عبدالمطلب خوب جانتے تھے کہ یہی وہ شخص ہے جس کی ذات اور اولاد کی طرف سے مخالفت اور قتل تک کے اقدامات کئے جائیں گے اور جن لوگوں سے ہوشیار رہنے اور اس خبر کو پوشیدہ رکھنے کے لئے شاہ ذی یزن نے تاکید کی ہے، وہ اسی قبیلہ کے لوگ بنی امیہ ہیں۔ اس وقت آپ نے وفد کے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''اے گروہ قریش! بادشاہ کی کثیر داد ودہش کی وجہ سے تم مجھ پر رشک نہ کرو کہ یہ تو فنا اور ختم ہو جانے والی چیز ہے۔ لیکن میرے اور میرے بعد کی نسلوں کے لئے وہ امور قابل رشک ہیں جن کا ذکر خیر شاہ نے مجھ سے کیا ہے اور جو ہمارے لئے باعث صدعز و افتخار ہیں''۔ لوگوں نے کہا۔ ''وہ کونسی باتیں ہیں؟'' فرمایا۔ ''کچھ عرصہ بعد تم سب پر ان کا از خود اظہار ہو جائے گا''۔ (محمد رسول اللہؐ ص: ۴۵)

پوتے کے حق میں دادا کا احترام

شاہ یمن کی تاجپوشی میں شرکت اور یمن سے واپس آنے کے بعد حرب بن امیہ نے جو آپ کے خلاف قریش کو بھڑکانے اور غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے باتیں کرتا تھا۔ اس کا جواب حضرت عبدالمطلب نے ان الفاظ میں دیا جس کا ذکر گزشتہ متصل سطور میں کیا گیا ہے۔

اس سفر سے واپسی پر جو اثرات آپ کے ذہن پر مرتب ہوئے ان کے سبب آپ کی طبیعت میں جلد جلد تغیرات رونما ہونے لگے تھے۔ سب سے بڑا اور پہلا حیرت انگیز تغیر پوتے کے لئے محبت اور احترام میں

Presented by Ziaraat.net
Saheel-e-Sakina.com

اضافہ تھا۔ جو برابر وقت کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔ اکیاسی سال کی عمر ہونے کے باوجود آپ اپنے چھوٹے سے صرف چھ یا سات سالہ پوتے کا احترام استدر کرنے لگے کہ قریش اسے دیکھ کر حیران ہوتے اور تعجب سے کہتے۔ ''یہ ابن ہاشم کو کیا ہو گیا ہے؟'' آپ کے بیٹے بھی آپ کی اس اچانک تبدیلی پر حیرت کا اظہار کرتے مگر اس کی وجہ کسی کو بھی معلوم نہ تھی اور نہ ہی کسی نے اس اچانک تبدیلی کی وجوہات پر غور کیا تھا۔ جب آپ دن کی گرمی میں اپنے خاص کمرہ میں آرام فرما ہوتے تو افراد خانہ میں سے کسی کو بھی اندر داخل ہونے اور آرام میں خلل اندازی کی اجازت نہیں تھی لیکن اس حالت اور وقت میں صرف آپ کے پوتے بلا جھجک اندر چلے جاتے تو آپ خفا نہ ہوتے نہ آرام میں خلل محسوس کرتے بلکہ بڑے پیار سے گفتگو کرنے لگتے جیسے اس وقت آپ ہی کا انتظار کر رہے ہوں۔

حضرت عبدالمطلب آپ کو اپنے کمرہ میں سلاتے قریش کی محفلوں میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور برابر آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے اور جب دیوار کعبہ کے سایہ میں مسند بچھا کر حسب معمول بیٹھتے تو آپ کے بیٹے آپ کے گرد دائیں بائیں بیٹھے ہوتے اور قریش آپ کے گرد موجود ہوتے اس وقت اگر آنحضرت آکر مسند پر بیٹھنے کے لئے آگے بڑھتے تو آپ کے بیٹے اپنے بزرگ باپ کی عزت کی خاطر اور قریش احترام قائم رکھنے کیلئے آپ کو مسند پر جانے سے روکتے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے تھے۔

''چھوڑ دو، اسے آگے آنے دو، ذرا اس کا انداز تو دیکھو! کیسا شاہانہ انداز ہے۔ خدا کی قسم یہ سرداری کے لائق ہے''

محمد رضا مصری کہتے ہیں۔

''ابن ذی یزن نے عبدالمطلب کو جو کچھ بتا دیا تھا غالباً اسی کا یہ اثر تھا کہ عبدالمطلب نبی کریم کی بہت عزت و احترام کرتے تھے اور جب انکے بیٹوں نے حضرت محمد کو خورد سالی کی وجہ سے فرش سے اٹھانا چاہا تو عبدالمطلب نے فوراً انہیں ٹوکا اور کہا کہ میرے اس فرزند کو چھوڑ دو، خدا کی قسم اس کی شان ہی نرالی ہے۔ پس آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب آپ کی خاص عنایت مدنظر رکھتے تھے اور آپ کی پرکشش شخصیت اور عظمت کی بنا پر بچپن ہی سے آپ کو اپنی اولاد پر ترجیح دیتے تھے''۔

(محمد رسول اللہؐ ص: ۴۷)

مولانا مودودیؒ اپنے تحقیقی مطالعہ کا نچوڑ یوں پیش کرتے ہیں۔

''کعبہ کی دیوار کے سایہ میں ان کیلئے ایک فرش بچھایا جاتا تھا۔ جس پر انکے ادب کی وجہ سے ان کے بیٹوں میں سے بھی کوئی نہ بیٹھتا تھا بلکہ سب اس کے گرد بیٹھتے تھے۔ مگر حضورؐ جو اس وقت ایک خوب تنومند لڑکے تھے سیدھے اسی فرش پر آکر بیٹھ جاتے

تھے۔ آپ کے چچا آپ کو ہٹانا چاہتے تو عبدالمطلب کہتے تھے میرے بیٹے کو چھوڑ دو خدا کی قسم اسکی شان ہی کچھ اور ہے میں امید رکھتا ہوں کہ یہ ایسے بلند مرتبہ پر پہنچے گا جس پر اس سے پہلے کوئی عرب نہیں پہنچا پھر وہ آپ کو اپنے پاس بٹھا کر آپ کی پیٹھ پر اور سر پر ہاتھ پھیرتے، منہ چومتے اور آپکی حرکات و سکنات کو دیکھ کر خوش ہوتے۔

(سیرت سرور عالم، حصہ دوم)

یمن سے واپسی کے بعد حضرت عبدالمطلب میں تبدیلی سے متعلق معارج النبوت کے مولف نے لکھا۔

''اسی سال حضرت عبدالمطلب آنحضرت صلعم کی یتیمی کی وجہ سے آپ کا بہت خیال رکھتے۔ اور آپ کی عزت و تکریم میں مبالغہ کرتے تھے، اور آپ کی دیکھ بھال میں انتہائی کوشش کرتے تھے۔ جہاں تک ہو سکتا ان کی محافظت میں کوشاں رہتے، شفقت و محبت اور مہربانی، حضرت عبدالمطلب جو رسول اللہ صلعم کے حق میں رکھتے تھے۔ دوسرے کسی فرزند کے حق میں نہیں کی تھی۔ اگر حضرت عبدالمطلب نیند میں ہوتے تو آنحضرت صلعم کے سوا کوئی شخص انہیں خواب سے بیدار نہیں کر سکتا تھا۔ اگر اپنے احباب کے ساتھ یا تنہا کسی جگہ خلوت میں ہوتے تو رسول اللہؐ کے سوا کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا تھا۔ آنحضرتؐ کے سوا کسی اور کو ان کے بستر پر بیٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ (اپنے پوتے) آنحضرتؐ کی حفاظت سے متعلق ام ایمن کو تاکید کی ہوئی تھی کہ خبردار اس کے حال سے کسی حالت میں بھی غافل نہ ہونا۔

(دیوار کعبہ کے سایہ میں) حضرت عبدالمطلب کی مسند پر آپؐ فی الفور اور بلا تکلف بیٹھ جاتے تھے۔ بزرگانِ قریش حضرت عبدالمطلب کے احترام کی وجہ سے بعض اوقات وہاں بیٹھنے سے آپؐ کو منع کرتے تھے تو حضرت عبدالمطلب انہیں روکتے تھے۔ کہتے تھے۔ میرے بیٹے کو اس مسند پر بیٹھنے دو خدا کی قسم اس کا نفس ایک شرف محسوس کرتا ہے۔ جو اس مسند پر بیٹھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس کی بزرگی کے بہت نشانات ہیں عنقریب وہ تمہارا سردار ہوگا۔ خدائے تعالیٰ کا اس کے ساتھ ایک ایسا راز ہے جو کسی کے ساتھ نہیں۔ ایک روز آنحضرتؐ حضرت عبدالمطلب کی مسند پر مربع صورت میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت بیشتر قریش حرم کے گرد و نواح میں موجود تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے سب کو متوجہ کر کے یہ حال دکھایا اور خوش ہو کر کہا۔ ''دیکھو! سلطنت و وجاہت کے آثار آپؐ کی حرکات و سکنات سے کس طرح ظاہر ہوتے ہیں''۔

(معارج النبوت رکن دوم، ص: ۱۴۱)

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب کا دورِ تحنّث

اسی دوران آپ کی طبیعت میں دوسرا بڑا تغیر یہ پیدا ہوا کہ آپ پہلے سے زیادہ تنہائی پسند ہوگئے۔ آپ کی عمر کے ان دو آخری سال کو آپ کا دورِ تحنّث وتعبد کہا جاسکتا ہے۔ اس دور میں آپ پر روحانیت کا غلبہ رہا۔ آپ کا زیادہ وقت اب بھوکوں کو کھانا کھلانے، جانوروں کو خوراک مہیا کرنے اور غارحرا میں جاکر غور وفکر میں گزرتا تھا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی آپ ہر سال کے پورے ماہ رمضان میں تحنّث وتعبد فرمایا کرتے تھے مگر اب آپ کا زیادہ تر وقت اسی حالت میں گزرنے لگا تھا۔

مولانا مودودی کہتے ہیں۔ ''امام زہری نے تحنّث کی تشریح تعبّد کے لفظ سے کی ہے۔ یہ کسی طرح کی عبادت تھی جو آپ کرتے تھے''۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کوئی ایسا طریقہ عبادت تھا جو رجعت الی اللہ اور اقرب من اللہ کا ایک ذریعہ تھا اور یہ مراقبہ اور یکسوئی کی شکل میں تھا اور اس سے وہ روحانی قوتیں بیدار ہوجاتی تھیں جو انسانی جسم میں پوشیدہ وخوابیدہ ہوتی ہیں۔

عبدالمطلب کا مقامِ تحنّث

حضرت عبدالمطلب نے اپنی تنہائی اور یکسوئی سے غور وفکر کے لئے حرا کے غار کو پسند کرلیا تھا۔ یہ غار مکہ کے کوہستانی علاقہ میں واقع تھا اور مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر اس کوہستانی سلسلہ میں واقع تھا جس کو ''جبل فاران'' کہتے تھے۔ اس کی لمبائی چار گز اور چوڑائی پونے دو گز بتائی جاتی ہے، اسی مقام کو حضرت عبدالمطلب نے اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرمایا تھا۔ اس دوران آپ اپنے پوتے آنحضرتؐ کو بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آنحضرتؐ کو تنہائی اور غور وفکر کی جانب رغبت ہوتی تو نزول وحی سے تقریباً سات سال پہلے آپ کو بھی انوار الٰہی کی تجلیات اسی غار میں ہوئی تھیں اور جبریل امین پہلی وحی لے کر اسی غار میں نازل ہوئے تھے۔

عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جو تحنّث کیا کرتے تھے اور ہر سال ماہ رمضان میں غار حرا جاکر خدا کے گیان دھیان میں گوشہ نشین رہتے تھے۔ (سیرت رسول عربی، توکلی، ص:۳۶)

ابن اثیر نے آپ کے تحنّث کے بارے میں لکھا ہے کہ ''عبدالمطلب ماہ رمضان میں ہر سال غار حرا میں جا کر تحنّث (عبادت) کیا کرتے تھے اور پورے ماہ مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے''۔ محمد رضا مصری لکھتے ہیں۔

''عبدالمطلب ماہ رمضان میں کوہ حرا پر چلے جاتے تھے وہاں مسکینوں کو کھانا کھلاتے اور پھر غار حرا میں بیٹھ کر غور وفکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے۔ انہوں نے بتوں کی پرستش ترک کردی تھی اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرلیا تھا''۔ (محمد رسول اللہؐ)

اس وقت ماہ رمضان، ماہ صیام نہیں تھا۔ لیکن زمانہ نبوت میں یہی مہینہ، ماہ صیام کہا گیا اور اس مہینہ میں

تیس روزے اور اس سے متعلق عبادت مخصوص کرکے اسے متبرک مہینہ قرار دیا گیا۔ حضرت عبدالمطلب کا عبادت کے لئے یہ مخصوص مہینہ ہی تھا جس میں قرآن نازل ہوا، اس سے حضرت عبدالمطلب کی روحانیت اور معرفت کا بخوبی علم ہوجاتا ہے۔

یونانی فلسفہ کے اکثر پیروکاروں، روحانی اور مادی مذاہب کے رہنماؤں اور ہندوستان کے اکثر مذاہب نے مراقبہ، تصور اور گیان دھیان کو انسان کی نجات قرار دیا ہے۔ نجات سے مراد مادیت سے علیحدگی اور روحانیت سے اتصال ہے۔ حضرت عبدالمطلب روحانیت سے وصال حاصل کرچکے تھے۔

گزشتہ واقعات کی موجودگی میں جبکہ حضرت عبدالمطلب کی اپنے پوتے سے محبت، شفقت اور تحفظ کیلئے ان کی سعی وتشویش بھی تسلیم کرلی جائے تو یہ یقین کئے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت عبدالمطلب اپنے پوتے رسولؐ اللہ کو اپنے ساتھ غار حرا میں لے جاتے تھے۔ اب یہ امر تحقیق طلب نہیں رہا کہ آپ کتنا عرصہ غار حرا میں گزارتے تھے۔ مسلم یہ ہے کہ آپ ایک ایک ماہ غار حرا میں گھر سے دور مشغول عبادت رہتے تھے۔ جانوروں کو بھی خوراک دیتے تھے اور بھوکے انسانوں کو بھی کھانا کھلاتے تھے۔ شاہ یمن سیف بن ذی یزن کی ہدایت و نصیحت اور اپنے وجدان کے ایمان کے باجود یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اتنا عرصہ اپنے پوتے کو اپنی نظروں سے دور رہنے پر راضی ہوں، اس وقت آنحضرتؐ کی عمر سات آٹھ سال کے درمیان تھی۔ آپ اس کام میں اپنے دادا کا ہاتھ بٹاتے تھے اور ان کی مصروفیت میں شریک رہتے تھے۔ اگرچہ مورخین اور سیرت نگار حضرات نے اس طرف ہلکا سا بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔ مگر بتیس (۳۲) سال بعد آنحضرتؐ کا اسی غار میں تحنّث وتعبد میں مشغول رہنا اس امر کی تائید وتوثیق کرتا ہے، اور قحط کے خاتمہ کے لئے دعا کا وہ واقعہ بھی جس میں آنحضرتؐ اور آپ کے دادا برابر شریک تھے۔ یہ واقعہ یمن سے واپسی کے بعد اسی سال پیش آیا تھا۔

دعائے استسقاء

۵۷۷ء میں جب آپ شاہ یمن کی تاجپوشی کے بعد واپس آئے تو مکہ قحط کی زد میں آیا ہوا تھا۔ بارش نہ ہونے سے سبزہ ختم ہوچکا تھا۔ کنوئیں خشک ہوگئے تھے۔ بھیڑ، بکریوں اور اونٹنیوں کے تھن دودھ سے خالی ہوتے جارہے تھے۔ جانور بھوک پیاس سے مرنے لگے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب نے اپنے جانور ذبح کرائے اور لوگوں کو کھانا مہیا کیا۔ جانور قحط کی زد میں تھے۔ اس سے فارغ ہوکر غار حرا میں جاکر غور وفکر میں مشغول ہوجاتے۔ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں قحط کا ذکر ابن سعد نے اس طرح کیا ہے۔

''رفیقہ بنتِ ابی صیفی بن ہاشم بن عبدمناف کا بیان ہے کہ ایک بار مکہ میں برسوں تک قحط پڑتا رہا۔ تمام لوگوں کے مال واسباب تلف ہوگئے۔ یہاں تک کہ جانور بھی ضائع ہونے لگے۔ ان ایام میں اس نے ایک شخص کو خواب میں یہ کہتے سنا۔ ''اے قوم قریش نبیؐ زمانہ تو پیدا ہوچکا، اور اس کے ظہور کا وقت بھی قریب پہنچ گیا۔ جس کی برکت سے

Presented by Ziaraat.net

تمہیں فراغت وخوشحالی نصیب ہوگئی۔تم لوگ ایک ایسے شخص کو تلاش کرو جو تم میں شریف النسل ہو اس کے بدن کی ہڈیاں لمبی ہوں اور جس کی جلد گوشہ چشم کے قریب چمکدار ہو جس کے سر کے بال آگے سے کم ہوں دونوں رخسار ہموار ہوں۔بھویں ایک دوسرے سے ملی ہوں اور دونوں ابرو تک ناک باریک ہو۔ایسے آدمی سے کہو اپنی تمام اولاد کو ساتھ لے کر باہر نکلے اور پانی کے لئے دعا کرے''۔

رفیقہ کا بیان ہے کہ میں نے صبح اٹھ کر اپنا خواب بیان کیا سب نے مل کر اس پر غور کیا۔تو عبدالمطلب کو ان صفات کا موصوف پایا۔لوگ ان کے پاس گئے۔آپ نے اس طرح دعا کی۔

''الٰہی یہ جماعت تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کی اولاد تیری کنیزیں ہیں اور تیری کنیزوں کی اولاد، جو مصیبت ہم لوگوں پر پڑی ہے تجھ پر ظاہر ہے،ہم لوگوں پر گزشتہ کئی برسوں سے آفت پر آفت ہے اور اب تو ان کی جانوں پر آبنی ہے۔اے اللہ اب اس مصیبت کو ہم پر سے اٹھالے اور ہم کو خوشحالی اور وسعت رزق عطا فرما پھر بارش ہوئی۔'' (طبقات ابن سعد، ص:۵۲)

معارج النبوت میں ہے کہ

''حضرت عبدالمطلب کے بھائی ابی صیفی بن ہاشم کی لڑکی یعنی آپ کی بھتیجی نے ان ہی دنوں خواب دیکھا۔جس میں کوئی کہہ رہا تھا کہ''اے گروہ قریش!تم میں مستقبل کا نبی ہے اور ایک بزرگ۔غور سے دیکھو!بلند وبالا ہے۔اس سے کہو کہ وہ اپنے فرزند کے ساتھ دعا کرے''۔

جب اس خواب کا چرچا ہوا تو قریش نے کہا۔''یہ بزرگ عبدالمطلب بن ہاشم کے سوا اور کوئی نہیں وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور بارش کیلئے دعا کی درخواست کی''۔

''آپ کو اپنے تعبّد پر اتنا اعتماد،اللہ کی ذات پر اس قدر ناز اور اپنے پوتے کی برکت پر اس حد تک یقین تھا کہ آپ نے ان کی درخواست منظور کی اور کہا ہر قبیلہ کا ایک لڑکا نہا کر اور نئے کپڑے پہن کر میرے پاس آجائے۔جب سب جمع ہوگئے تو آپ نے اپنے پوتے آنحضرت کا ہاتھ پکڑا اور اپنے تمام بیٹوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ آئے۔سات مرتبہ طواف کیا۔پھر کوہ''بوقبیس'' پر گئے اور آپ نے دعا کی۔حالت یہ تھی کہ آپ کے گرد قریش تھے۔آپ نے آنحضرتؐ کو اپنے کندھوں پر بٹھایا اور دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے آپ کہہ رہے تھے۔

''اے حاجات کو پورا کرنے والے،مصائب کو دور کرنے والے،بغیر بتائے جاننے والے،بے پایاں بخشنے والے،اے اندوہ وغم کو زائل کرنے والے یہ تیرے حرم کے

بندے اور غلام تنگی اور قحط کی شکایت کرتے ہیں۔ان کی بھیڑ،بکریاں اور اونٹ ہلاکت کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔اے اللہ!بارش بھیج جو سبزے کے اگنے کا سبب ہو اور ہماری زندگی کی بقا کا باعث ہو''۔

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم ہم نے ابھی واپسی کا ارادہ بھی نہ کیا تھا کہ بارش شروع ہوگئی۔سرداران قریش سے عبداللہ بن مرعان اور شہاب بن مقرہ وغیرہ نے حضرت عبدالمطلب سے کہا''اے ابوالبطحا تجھے یہ نعمت وفضلیت مبارک ہو"۔

رفیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم نے اس موقع پر قصیدہ کہا جس کے چار اشعار یہ ہیں۔

بشيبة الحمد اسقى الله بلدتنا   لما فقد الحيا والجلوذالمطر

فجاد بالغيث حورى له سيل سخا   فهاشت به الا نعام والشجر

مناسن الله باليمون بالهجة   وخيرمن يثرب بوما به مطر

مبارك الوجد ليستسقى انعام به   مافى الانام له عدل ولا خطر

(معارج النبوت رکن دوئم، ص:۱۳۹)

خطّابی نے بیان کیا ہے کہ عبدالمطلب کی زندگی میں ایک سال تک خشک سالی کا سلسلہ جاری رہا تو وہ اور تمام قریش''بوقبیس'' پہاڑ پر چڑھ گئے۔جہاں عبدالمطلب کھڑے ہوئے اور حضرت محمدؐ کو اپنے کاندھے پر بٹھالیا۔اس وقت آپ کمسن لڑکے تھے۔پھر انہوں نے دعا مانگی جو قبول ہوئی اور بارش ہونے لگی''۔

دعا کا نیا طریقہ

محمد رضا مصری اپنی معلومات کے مطابق قدیم زمانہ جاہلیت میں قحط کے موقع پر دعا مانگنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''قدیم زمانہ جاہلیت میں بارش طلب کرنے کا طریقہ اسکے برعکس تھا۔جب متواتر قحط رونما ہوتا اور بارش کی شدید ضرورت محسوس ہوتی تو وہ لوگ ایک گائے کی دم اور سینگوں میں سلع اور عشر نامی دو درختوں کی شاخیں لٹکا دیتے پھر اسے کسی سنگلاخ اور دشوار گزار پہاڑ پر لے کر چڑھ جاتے اسکے بچے اس سے الگ کردیے جاتے اور ان شاخوں میں آگ لگا کر گائے کو مغرب کی سمت ہانک دیتے یہ آگ ان کے یہاں طلب باراں کی آگ کہلاتی تھی۔ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ وہ لوگ گائے کی دم میں اس لئے آگ لگاتے تھے کہ وہ اس آگ سے آسمانی بجلی چمکنے کا شگون لیتے تھے۔پھر وہ تضرع وزاری سے دعا مانگتے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح بارش ہوجائے گی''۔

(محمد رسول اللہؐ، ص:۴۹)

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب نے دعا کے اس مجوسیانہ اور مشرکانہ طریقہ کو ختم کیا۔ یہ آپ کی اللہ سے قربت اور روحانیت کی دلیل ہے کہ آپ نے قریش کو دعا کا وہ طریقہ بتایا جس کی بعد میں اللہ نے بھی تصدیق کی اور انہیں اسلام کی اس راہ پر ڈال دیا جس راہ کو بعد میں رسول اللہ نے اسلام کے لئے اختیار کیا۔ اس کے بعد جب بھی قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو وہ حضرت عبدالمطلب کو کوہ بوقبیس پر لے جاتے اور ان سے دعا کراتے۔ اسی لئے بعد میں آپ کو مجاب الدعوت اور فیاض کہا جانے لگا تھا۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں ''بنی مُدلج'' کی ایک جماعت مکہ میں آئی۔ یہ لوگ قیافہ شناسی میں شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا ہم نے آپ کے اس فرزند کے قدموں کو دیکھا ہے۔ مقام ابراہیم میں حضرت ابراہیم کا جو نشانِ قدم ہے ہم اس سے اس بچہ کے نشان قدم کو بہت مشابہ پاتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اس موقع پر اپنے بیٹے ابوطالب کو جو وہاں موجود تھے مخاطب کر کے کہا۔

''سنو یہ جماعت کیا کہتی ہے۔ اسے غور سے سنو! اور اس (محمدؐ) کی حفاظت کرو''۔

(معارج النبوت، ص: ۱۴۰ سیرت سرور عالم، ص ۱۰۰)

حضرت عبدالمطلب کی عمر، حضرت آمنہ کی وفات کے وقت اسی سال تھی۔ آپ کے کئی بیٹے جوان اور اولاد والے تھے۔ مگر آپ نے اس ضعیفی کے عالم میں بھی اپنے پوتے کو اپنے پاس رکھا اور کسی بیٹے کی نگرانی میں نہیں دیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ مستقبل کے اس نبی کی پرورش اور نبوت کی تربیت خود کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ کی عمر کے یہ دو آخری سال تحنث و تعبد میں گزرے اور آپ نے اپنے پوتے کو اس عمل میں شریک رکھ کر تربیت دی۔ حضرت حمزہ آنحضرتؐ سے ایک سال بڑے تھے اور آنحضرتؐ کی والدہ حضرت آمنہ حضرت حمزہ کی والدہ کی چچازاد بہن تھیں۔ ان کی موجودگی میں آنحضرتؐ کی پرورش میں بڑی سہولت ہوئی۔ آنحضرتؐ حضرت حمزہ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔

حضرت عبدالمطلب کی وفاتِ حسرت آیات

آنحضرتؐ کی عمر کا آٹھواں سال آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی زندگی کا آخری سال تھا۔ آپؐ اپنی والدہ کی وفات کے بعد اپنے دادا کی کفالت و تربیت میں صرف دو سال رہے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے اپنا آخری تجارتی سفر صنعا کی طرف کیا تھا۔ وہاں سے واپس مکہ آ کر آپ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری کے دوران آپ نے وفات پائی۔ مگر یہ اس لئے درست نہیں ہوتا کہ آپ نے شاہ یمن سے ملاقات اور یمن سے واپسی پر اپنی عمر کے یہ دو آخری سال اپنے پوتے کی کفالت و حفاظت میں صرف کئے تھے۔ آپ نے تنہائی اور یکسوئی اختیار کر لی تھی اور تجارتی سفر ترک کر دیئے تھے۔ آپ کے چار بیٹے جوان، شادی شدہ اور صاحب اولاد تھے۔ تجارتی کاروبار اور لین دین کے معاملات ان کے سپرد کر رکھے تھے۔

آپ کا بیمار ہونا اور بیماری کی حالت ہی میں وفات پانے کی مصدقہ خبریں ضرور ملتی ہیں۔ جس کے معنی

یہ ہیں کہ آپ یمن سے واپسی کے دوسرے سال کے آخر میں بیمار ہو گئے تھے۔ کمزوری اور ضعیفی کے سبب آپ صاحب فراش ہو گئے اور چلنا پھرنا ترک کر دیا، بستر ہی پر لیٹے لیٹے آپ اپنے بیٹوں کو ہدایات دیتے بیمار پرسی کیلئے آنے والوں سے گفتگو کرتے سیاسی معاملات کو بھی آپ اسی طرح نمٹاتے، انتظامات کی دیکھ بھال اور زائد و سقایہ کے امور اپنے بیٹوں کی مدد سے پورا کرتے رہے۔

قویٰ کا اضمحلال بڑھتا رہا۔ حواس خمسہ روبہ زوال ہوتے رہے اور جب آپ کو موت کی قربت کا یقین ہو گیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔

اس موقعہ کی منظر کشی طٰہٰ حسین نے اس طرح کی ہے۔

''ایک دن صبح کے وقت شیخ عبدالمطلب نے بہت زیادہ گرانی اور تکلیف محسوس کی اس وقت انہیں محسوس ہوا کہ انکی زندگی ختم ہو رہی ہے اور موت انکی طرف دوڑتی ہوئی آ رہی ہے بلکہ انہیں یقین ہو گیا کہ دنیاوی زندگی کا یہ آخری دن ہے، اس وقت انہوں نے اپنی گزشتہ طویل زندگی کے بارے میں غور کرنا شروع کیا۔ انہوں نے جہاں تک ہو سکا لوگوں کے ساتھ بھلائی کی تھی۔ وہ تجارت کے لئے دور دراز علاقوں میں بھی گھومے اور پھر اپنے اہل و عیال اور اولاد کے ساتھ مکہ معظمہ میں مقیم رہے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکل کر حرم کعبہ پہنچتے تھے اور صبح و شام نیکی اور بھلائی کے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے چاروں طرف جو لوگ بیٹھتے تھے۔ وہ ان کی بھلائی احسان اور ہمدردی سے فائدہ اٹھاتے تھے اور ان سے خلوص و محبت رکھتے تھے''۔ (نقوش سیرت، حصہ اول، ص: ۲۴۲)

موت کا یقین کر لینے کے بعد آپ نے اپنے تمام بیٹوں سے آخری لمحات میں کہا۔

''میرے بیٹو! اب میری اس دنیا سے رحلت اور اللہ سے ملاقات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میرے دل میں اس فرزند کی پرورش و تربیت کے سوا اور کوئی حسرت نہیں ہے کاش میری عمر وفا کرتی اور میں خود اس فرزند عزیز کی پرداخت و نگہداشت کرتا اور میں ان اہم واقعات کو بچشم خود دیکھتا جن کے بارے میں یقین ہے کہ وہ ضرور رونما ہو کر رہیں گے۔ اب تم سب کا فرض ہے کہ میری اس وصیت و نصیحت پر عمل کرو اور اپنے یتیم بھتیجے کی حفاظت کرو''۔

اپنے فرائض کو اچھی طرح ادا کرنا، صلہ رحمی میں کوتاہی نہ کرنا اور دیکھو بنی خزاعہ کے معاہدہ کا ہمیشہ احترام کرنا اپنے بنی عم سے نیک سلوک کرنا اور دشمنوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا۔ معارج النبوت کا مولف لکھتا ہے: کہ آپ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا۔ ''میرے اس فرزند کی تربیت و نگہداشت کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟ ہر ایک بیٹے نے اس خدمت کیلئے خود کو پیش کیا۔ لیکن آپ نے ہر ایک پیشکش کو رد کر کے صرف جناب ابوطالب کو

Presented by Ziaraat.net

اس ذمہ داری کا اہل قرار دیا اور آنحضرتؐ کو انہی کے سپرد کیا اور پوری طرح نگہداشت کی فہمائش کی"۔

اس کے بعد آپ نے جناب ابوطالب کو تنہائی میں اپنے پاس بلایا اور وہ نصیحتیں کیں جو دوسروں کے سامنے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے جناب ابوطالب کو وہ تمام گفتگو بتائی جو شاہ یمن سیف بن ذی یزن سے تخلیہ میں ہوئی تھی اور اسے مخفی رکھنے کی تاکید کی۔ جو برکتیں اور معجزے آپؐ کی ذات سے ظاہر ہوئے تھے۔ وہ بھی بیان کئے اور جناب ابوطالب کو آپ نے رازدارانہ طور پر بتایا تمہارا یہ بھتیجا مستقبل کا نبی ہے، اسے ضائع نہ ہونے دینا اور دشمنوں سے پوری حفاظت کرنا اور کہا۔ "ابوطالب! اپنے اس بھتیجے کا اپنے بیٹوں کی طرح خیال رکھنا، اس نے اپنے باپ کی محبت وشفقت کو بھی نہیں دیکھا اور ماں کی شفقت سے بھی محروم رہا ہے۔ اس لئے اس فرزند کو اپنے جسم میں دل کی مانند سمجھنا۔ میں باقی اولاد کے متعلق وصیت کو چھوڑ کر خاص طور پر تجھے صرف اسی ایک فرزند کے متعلق وصیت کرتا ہوں کیونکہ تو اور اس کا باپ ایک ہی ماں سے ہے۔ تیرے اور محمدؐ کے درمیان محبت اس قدر زیادہ ہوگی کہ اس کی بدولت تو دوسرے چچاؤں سے زیادہ ممتاز سمجھا جائے گا اور اے ابو طالب اگر تجھے زمانہ بعثت نصیب ہو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس فرزند کے اوصاف کے متعلق جو کچھ میں نے کہا ہے اپنے وجدان اور معرفت کی بنا پر کہا ہے۔ مجھے اس کے آئندہ حالات سے بخوبی علم ہے۔ اے ابوطالب! تو اس کا اتباع کرنا ہرگز اس میں کمی نہ آنے دینا۔ جس قدر ممکن اور ضروری ہو اس کی مدد کرنا، کیونکہ عنقریب یہ قوم کا سردار ہو جائے گا اور وہ سعادت جس تک ہمارے کسی جد کی رسائی نہیں ہو سکی وہ جلد حاصل کر لے گا اور اس کی بلندیوں کو پالے گا۔ تجھے چاہئے کہ اس کی یتیمی اور تنہائی پر شفقت اور مہربانی کرے"۔ پھر آپ نے جناب ابوطالب سے دریافت کیا۔ "تو نے میری وصیت کو قبول کیا؟" جناب ابوطالب نے کہا۔ "ہاں میں نے دل وجان سے قبول کیا"۔ پھر عبدالمطلب نے کہا۔ "میری طرف اپنا ہاتھ بڑھاؤ"۔ جناب ابوطالب نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا، حضرت عبدالمطلب نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اب موت میرے لئے آسان ہوگئی"۔ (معارج النبوت رکن دوم، ص:۱۴۵)

☆ شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے جناب ابوطالب کو تمام راز بتا دیئے تھے اور ان سے انہیں پوشیدہ رکھنے اور پورا کرنے کا عہد لیا تھا اور جناب ابوطالب نے پورا کرنے کا عہد کیا تھا۔

☆ معارج النبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو اختیار دیا تھا کہ وہ اپنے چچاؤں میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہیں پسند کر لیں تو انہوں نے جناب ابوطالبؑ کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا۔ اس پر حضرت عبدالمطلب نے بے ساختہ کہا تھا۔ "شکر ہے اللہ کا کہ محمدؐ کی پسند میری پسند کے موافق ظاہر ہوئی"۔

☆ یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے اس فرزند کی حفاظت کون کریگا؟ تو عبدالعزیٰ نے اٹھ کر آپ کو اپنی کفالت میں لینے پر اصرار کیا مگر حضرت عبدالمطلب نے جناب ابوطالب کو پسند کیا تھا، اس لئے کہ عبداللہ اور ابوطالب سگے بھائی یعنی ایک ہی

ماں کے بطن سے تھے۔

☆ زرقانی نے شرح مواہب لدینہ میں لکھا ہے کہ "عبدالمطلب نے قرعہ ڈالا اور قرعہ ابوطالب کے نام نکلا۔ (زرقانی، ص:۲۲۸) اس کا مطلب ہے کہ مشیت خداوندی بھی یہی تھی کیونکہ عبدالمطلب اللہ کا عندیہ اسی طرح حاصل کرتے تھے۔

☆ طبری لکھتا ہے۔ "واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد عبدالمطلب انتقال کر گئے اور آنحضرتؐ کے متعلق ابوطالب کو وصیت کر گئے کیونکہ ابوطالب اور عبداللہ ماں جائے بھائی تھے۔ اس خصوصیت کی وجہ سے آنحضرت کی ولایت کا منصب ابوطالب کو تفویض ہوا"۔ (طبری جلد اول، ص:۱۱۲۳)

☆ طبری ابن سعد اور ابن ہشام نے بھی متفقہ لکھا ہے کہ عبدالمطلب کے بعد ابوطالب آنحضرت کے کفیل تھے۔

☆ عبدالمطلب ۸۲ سال کی عمر میں فوت ہوگئے۔ ابوطالب نے عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق آپؐ کی تربیت کی اور یہی صحیح ترین روایت ہے"۔ (شواہد النبوت، ص:۷۳)

☆ آنحضرت کے دادا عبدالمطلب نے واقعہ اصحاب فیل کے آٹھویں سال میں انتقال کیا آنحضرتؐ کے بارے میں وہ ابوطالب کو وصیت کر گئے تھے۔ چنانچہ دادا کے بعد ابوطالب ہی کی وہ ذات تھی جو آنحضرتؐ کے کاموں کے بنانے میں کام آتی رہی"۔ (ابن اثیر، ص:۴۳)

وصیت کی تکمیل کے بعد حضرت عبدالمطلب کا اضطراب کم ہوتا گیا۔ مگر اضمحلال بڑھتا رہا جب موت کو آپ نے اپنے بہت قریب محسوس کر لیا تو ایک عجیب وغریب خواہش کا اظہار کیا جو قابل فکر وغور ہے۔

عجیب خواہش

اب آپ نے اپنی چھ بیٹیوں کو اپنے قریب بلایا اور ان سے کہا۔ "بیٹیاں باپ کے جنازے کی رونق ہوتی ہیں کیونکہ مردے پر رسم ماتم وسوگواری انہی کی وجہ سے زندہ ہے۔ اے میری پیاری بیٹیوں اب میں زندگی کے ان آخری لمحات میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر اک کو اپنے باپ سے کتنی محبت ہے، میں دیکھنا چاہتا ہوں تم میں سے ہر ایک میرے مرنے کے بعد کن الفاظ میں اپنی محبت کا اظہار کرے گی، جو کچھ تم میری موت کے بعد میرے غم میں نوحہ خوانی کروگی، وہ میری زندگی میں کرو تا کہ میں بھی دیکھ سکوں اور میں وہ نوحہ وماتم سنوں جو تم میرے بعد کروگی۔

عربوں کی رسم نوحہ گری

عرب دور جاہلیت میں مردے پر ماتم ونوحہ خوانی کی رسم عام تھی۔ وہ فخر ومباہات کے اظہار میں دلچسپی رکھتے تھے۔ زندہ کیلئے وہ قصیدہ خوانی کرتے جس میں ممدوح کی مدح اور اس کے اوصاف وکمالات اور

Presented by Ziaraat.net

شجاعت وسخاوت کا ذکر ہوتا۔ مردہ کے لئے مرثیہ ونوحہ خوانی کرتے جس میں اس کے اوصاف وفضائل کا بیان ہوتا۔ یعنی مرنے کے بعد بھی مرنے والے کے اوصاف کا بیان اس طریقہ پر جاری رکھتے۔ مردے پر نوحہ خوانی اس کے قریبی اعزّا کرتے جس قدر نوحہ خوانی اور ماتم گری میں زیادتی ہوتی مرنے والے کو اسی قدر عزت نصیب ہوتی، ماتم اور نوحہ گری کی یہ رسم اس قدر زور پکڑ چکی تھی اور اس کا اہتمام اسقدر ضروری ہوگیا تھا کہ اگر مرنے والے کے اعزا نہ ہوتے تو کرائے کے نوحہ گر بلائے جاتے تھے۔ ایسی ماتم گری عورتوں کے سپرد تھی۔ عورتیں مردے کے ساتھ نوحہ کرتی اور سینہ کوبی کرتی ہوئی چلتی تھیں اور عورتوں کو مردوں کے آگے صف میں رکھا جاتا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو مردہ کی عزت میں کمی ہونے کا خدشہ لاحق رہتا تھا۔

جنگ احد میں جب حضرت حمزہ کی شہادت ہوئی تو ان کی زوجہ اور ان کی ایک لڑکی مدینہ میں موجود نہ تھی جو ان پر ماتم اور نوحہ گری کرتیں، اس وقت رسول اللہؐ نے اس خواہش کا اظہار کیا اور بڑی حسرت کے ساتھ کہا۔ ''سب شہیدوں پر نوحہ گری ہورہی ہے۔ میرے چچا کی لاش پر کوئی ماتم کرنے والا بھی نہیں''۔ تب انصار کی عورتوں نے حضرت حمزہ کے لئے ماتم کیا اور آنحضرتؐ کی اس خواہش کو پورا کیا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے نوحہ گری موقوف کردی تھی۔ کیونکہ اگر ماتم اور نوحہ گری جائز ہی نہ تھی تو چچا کے لئے اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ جو چیز بہتر نہ ہو وہ چچا کیلئے جائز قرار دے کر دوسروں کیلئے ناجائز قرار دیدی جائے۔ اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے اسے جاری رکھا اور خواہش کرکے اپنے اوپر نوحہ اور ماتم کرایا، ہاں انہوں نے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے کیلئے منع کیا اسی لئے اپنے سامنے نوحہ خوانی کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور حضورؐ نے وہ سب باتیں اسلام میں باقی رکھی ہیں جو آپ کے دادا نے جائز قرار دی تھیں۔

عجیب خواہش کا تجزیہ

ماتم اور نوحہ گری کی یہ خواہش جو حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات سے قبل کی تعجب خیز صرف اس لئے ہے کہ پہلے اس خواہش کا اظہار کسی مرنے والے نے نہیں کیا تھا۔ مگر دراصل یہ انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے اور پھر عرب کے لئے تو یہ ایک جبلی خواہش کے مترادف ہے۔ ایک انسان جو علائق دنیا سے پیدائشی منسلک ہوتا ہے۔ ان علائق کے تاثرات اور ان کے ردعمل کو معلوم کرنے کی خواہش بھی رکھتا ہے۔ قدرت نے انسان کو قوت متصورہ اسی لئے ودیعت کی ہے کہ وہ اپنی اس لاشعوری خواہش کو پورا کرکے سکون حاصل کرسکے۔ مستقبل کی امیدیں جو عمل اور وقوع میں نہیں آئی ہوتیں وہ انہیں تصور میں پورا ہوتا دیکھتا ہے اور اس طرح اس لاشعوری جذبہ کو تسکین پہنچاتا ہے۔ یہی کیفیت خواب کی حالت میں عملی مناظر پیش کرتی ہے۔ ایک انسان بعد مرگ واقع ہونے والے متوقع امور کو بھی اپنی زندگی میں تصور اور واہمہ کی مدد سے دیکھتا ہے۔ خودکشی کرنے والے جو برضا ورغبت اپنی جان اپنے ہاتھوں لے لیتے ہیں۔ ان میں بھی خواہش کا یہی جذبہ

شدت سے کارفرما ہوتا ہے اگرچہ وہ اس وقت خود موجود نہیں ہوتے۔ یعنی تصورات یا خواب کی دنیا میں تو انہوں نے ایسا ہوتے دیکھا مگر عملی دنیا میں دیکھنے سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب نے بعد از مرگ ہونے والے عمل کو اپنی زندگی میں بچشم خود دیکھا اور دنیا کی تمام خوشیوں کے ساتھ اس خوشی کو بھی زندگی میں حاصل کرلیا۔

ایک شخص جو اپنے بچہ سے انتہائی محبت کرتا ہے قریب المرگ ہونے پر وہ یہ تصور کرسکتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھ سے محبت کرنے والا یہ بچہ کس طرح روئے گا، تڑپے گا اور پچھاڑیں کھائے گا۔ بچہ کا یہ عمل مرنے والے کے لئے اظہار محبت ہے اور محبت کا یہی اظہار مرنے والے کے لئے باعث تسکین ومسرت ہے۔ وہ اس کا تصور تو کرسکتا ہے۔ مگر جب یہ عمل وقوع پذیر ہوگا تو وہ دیکھنے کے لائق نہ رہے گا۔ حضرت عبدالمطلب نے اسی فعل وعمل کو اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لائق بنالیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی بیٹیوں سے یہ خواہش کی کہ وہ جو نوحہ خوانی ان کے مرنے کے بعد کریں گی وہ ابھی میرے سامنے کریں، آپ کی یہ خواہش دراصل آپ کی جدت پسندی اور ذکاوت وذہانت کی فطری دلیل ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ نے حضرت عبدالمطلب کی اس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

> ''زندگی کے ان چند لمحوں میں وہ اپنے بارے میں لوگوں کے خیالات سننا چاہتے تھے۔ اور اس مقصد کیلئے آخری وقت میں وہ اپنی بیٹیوں کو بلواتے تھے اور اصرار کرتے تھے کہ وہ ان پر اسی طرح گریہ وبکا کریں جس طرح عام عورتیں مردوں پر روتی ہیں۔ اصل مقصد یہ تھا کہ وہ بلند آواز سے انکے سامنے خود ان کا مرثیہ پڑھ کر سنائیں اور نوحہ کرتے ہوئے ان کے کارنامے بیان کریں، اور ان کی موت پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کریں۔ انکے پوتے بھی انکے پلنگ کے پیچھے کھڑے یہ ماجرا دیکھ رہے تھے اور ان کی آوازیں سن رہے تھے اور ان کا قلب ان تمام باتوں سے متاثر ہورہا تھا۔ ان کی آنکھوں سے بھی چپکے چپکے آنسوں بہے۔ اگر ان کے بوڑھے دادا ان آنسوؤں کو جو ان سے انکی محبت کو ظاہر کررہے تھے۔ دیکھتے تو یقیناً وہ بہت خوش ہوتے''۔ (نقوش سیرت حصہ اول، ص: ۲۴۵)

ابن اسحاق نے لکھا ہے: مجھ سے محمد بن سعید بن المسیّب نے بیان کیا کہ

> ''جب عبدالمطلب کی رحلت کا وقت آیا اور انہیں اپنی موت کا یقین ہوگیا تو اپنی بیٹیوں کو بلایا اور ان سے کہا۔ ''تم سب مجھ پر گریہ وزاری کرو تاکہ میں اپنے مرنے سے پہلے سن لوں تم کیا کہوگی''۔ (سیرت ابن ہشام اول ص: ۱۹۰)

ابن ہشام نے وہ تمام المیہ اشعار اپنی مرتبہ سیرت میں نقل کئے ہیں جو حضرت عبدالمطلب کی بیٹیوں نے ان پر ماتم کے دوران پڑھے ہم صرف اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ ان کے باپ کے بارے میں

Presented by Ziaraat.net

جذبات اور حضرت عبدالمطلب کی شخصیت سے متعلق ان کارہائے نمایاں کا علم ہو سکے۔

(۱) اشعار صفیہ

(۱) رات ایک رونے والی کی آواز سے میری نیند اچاٹ ہوگئی۔ جو بالکل راستہ پر کھڑے شخص پر رو رہی تھی۔

(۲) اسی وقت میرے آنسو میرے رخسار پر ڈھلکنے والے موتیوں کی طرح بہنے لگے۔

(۳) اسی شریف شخص پر جو دوسروں کے نسب میں ملنے کا جھوٹا دعویدار نہ تھا۔ جسے بندگان خدا پر نمایاں فضیلت حاصل تھی۔

(۴) (آنسو بہنے لگے) شیبہ پر جو بڑا فیاض اور بلند رتبہ والا تھا۔ اپنے اچھے باپ پر جو ہر قسم کی سخاوت کرنے والا تھا۔

(۵) (میرے آنسو بہنے لگے) اس شخص پر جو جنگ کے میدانوں میں خوب لڑنے والا، اپنے ہمسروں سے کسی بات میں پیچھے نہ رہنے والا، نہ کم رتبہ اور نہ دوسروں کے نسب میں مل جانے والا۔

(۶) (میں روتی رہی) اس پر جو بہت ہی کشادہ دست، عجیب حسن وشجاعت والا جو اعلیٰ گھرانے کا قابل تعریف سردار تھا۔

(۷) اس پر جو عالی خاندان، روشن چہرہ، ہر قسم کے فضائل والا اور قحط سالی میں لوگوں کا فریادرس تھا۔

(۸) اس پر جو عالیشان والا۔ ننگ وعار سے بری، سرداروں اور خادموں پر فضل وانعام کرنے والا تھا۔

(۹) اس پر جو بڑے علم والا اور سخی لوگوں میں کا ایک فرد، دوسروں کا بوجھ اٹھانے والا سردار جو شیروں کے لئے پشت پناہ تھا۔

(۱۰) اگر کوئی شخص اپنی دیرینہ عزت وشان کے سبب ہمیشہ رہ سکتا۔

(۱۱) تو ضرور وہ اپنی فضیلت وشان اور دیرینہ خاندانی وقار کے سبب زمانہ کی انتہا تک رہتا لیکن بقاء کی طرف تو کوئی راستہ نہیں ہے۔

(۲) برّہ کا نوحہ

برّہ بنت عبدالمطلب نے اپنے باپ پر غم کا اظہار اس طرح کیا۔

(۱) اے میری آنکھو! نیک سیرت اور سخی پر موتیوں جیسے آنسوؤں سے سخاوت کرو۔

(۲) اعلیٰ شان والے پر، لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے والے پر، عزت وشان اور افتخار والے پر۔

(۳) (آنسو بہاؤ) بزرگیوں والے قابل ستائش شیبہ پر، عزت وشان اور افتخار والے پر۔

(۴) آفات میں فضل وعطا اور حلم کرنیوالے پر اور بہت خوبیوں والے بڑے سخی اور مالدار پر آنسو بہاؤ۔

(۵) اپنی قوم پر اسے بڑی فضیلت حاصل تھی وہ ایسا نور والا تھا کہ چاند کی طرح روشن تھا۔

(۶) زمانہ کی گردشوں اور مکروہات تقدیر کو لیے ہوئے موت اسکے پاس آئی اور اس پر کاری وار کر گئی۔

(۳) عاتکہ کا مرثیہ

عاتکہ بنت عبدالمطلب نے اپنے شفیق باپ پر اس طرح ماتم کیا۔

(۱) اے میری آنکھو! سونے والے کے سو جانے کے بعد اپنے آنسوؤں کی سخاوت کرو اور بخل سے کام نہ لو۔

(۲) اے میری آنکھوں! آنسوؤں کی جھڑی لگا دو، بہہ جاؤ اور (شدتِ غم میں) رخساروں پر طمانچے مارو۔

(۳) اے میری آنکھوں! خوب رو ؤ اور ایسے شخص پر آنسو بہاؤ جو نہ پیچھے رہنے والا تھا اور نہ کمزور۔

(۴) آنسو بہاؤ بزرگ سردار پر، مصیبتوں میں احسان کرنے والے پر اور اس پر جو بزرگانہ کوشش کرنے والا اور ذمہ داری پوری کرنے والا تھا۔

(۵) اور اے آنکھو! آنسو بہاؤ) مہماں نواز پر قابل ستائش شیبہ پر اور اس پر جو اپنی جگہ ثابت قدم رہ کر حملہ کرنے والا تھا۔

(۶) (آنسو بہاؤ) اس پر جو جنگ کے وقت خم نہ ہونے والی تلوار تھا اور مقابلے کے وقت دشمن کو ہلاک کرنے والا تھا۔

(۷) (آنسو بہاؤ) نرم سیرت، کشادہ دست، وفادار پر اور اس شخص پر جو صاحب عزم اور کثیر الخیر تھا۔

(۸) اور اس شخص پر (آنسو بہاؤ) جس کے خاندان کی اساس علوِ شان پر مستحکم تھی اور اس پر جو بلند طرّہ والا اور اعلیٰ مقاصد رکھنے والا تھا۔

(۴) اُمّ حکیم کے المیہ اشعار

اُم حکیم بنت عبدالمطلب نے ان المیہ اشعار سے اپنے جذباتِ محبت کا اظہار کیا۔

(۱) ہاں! اے آنکھ! آنسو بہا اور آنسو بہا اور آہ فغان کر اور روتی رہ اس پر جو صاحب فضیلت اور صاحب جود وسخا تھا۔

(۲) سواروں میں سب سے اچھے سوار پر آنسو بہا (اور اے امّ حکیم) اپنے شفیق باپ پر آہ وفغاں کر جو آبِ شیریں کا دریائے موجزن تھا۔

(۳) شیبہ پر رو! جو بڑا سخی اور صاحب مرتبہ تھا۔ نیک سیرت تھا اور سخاوت میں قابل مدح وستائش تھا۔

(۴) صلہ رحمی کرنے والے پر رو! اور اس پر جس کے چہرے سے شرافت و جمال ظاہر ہوتا تھا۔ جو قحط سالیوں میں برستا بادل تھا۔ روتی رہ

Presented by Ziaraat.net

(۵) اوراس کے لئے آنسو بہا، جوتلواروں کی جھاڑیوں کا شیر تھا جس کیلئے دیکھنے والوں کی آنکھیں روتی ہیں۔

(۶) وہ جو بنی کنانہ کا سردار تھا اور وہ جو آفات زمانہ کے وقت مصیبت زدہ لوگوں کی امیدوں کا آسرا تھا۔

(۷) وہ ایسا تھا کہ جب کوئی مصیبت آتی تو وہ اس کا خوف دور کر دیتا اور مشکلات میں ان کا مقابلہ کرتا۔

(۸) پس ایسے شخص پر آہ فغاں کر غم والم کے اظہار میں سستی نہ کر (اور اے امّ حکیم جب تک تو زندہ رہے رونے والیوں کو (اپنے اشعار سے) رلاتی رہ۔

(۵) اشعار امیمہ

امیمہ بنت عبدالمطلب نے اپنے باپ کے لئے یہ مرثیہ کہا۔

(۱) سن لو اے لوگو! خاندان کا محافظ! اقرباء کا نگہبان، حاجیوں کو سیراب کرنے والا اور عزت وشان کا مالک آج اس دنیا سے چل بسا۔

(۲) جس کا گھر مسافر مہمانوں کو پناہ دیتا تھا، اس وقت جب آسمان گرج کے باوجود بخل سے کام لیتا تھا۔ (یعنی بارش نہ ہوتی تھی) آج وہ ہم سے جدا ہو گیا۔

(۳) اے شیبہ! جو خوبیاں ایک جواں مرد حاصل کرتا ہے۔ اے قابل ستائش انسان وہ تو نے کمسنی میں حاصل کر لی تھیں اور تو ان میں ہمیشہ ترقی ہی کرتا رہا۔

(۴) آج ایک فیاض شیر نے اپنی جگہ خالی کر دی تو اسے اپنے دل سے دور نہ کر اگرچہ ہر زندہ دور ہونے والا ہے۔

(۵) میں جب تک زندہ رہوں گی آبدیدہ اور غمگین ہی رہوں گی اور میری محبت کے سبب وہ اس کا سزاوار تھا۔

(۶) انسانوں کا والی وناصر (خدا) تجھے اپنی رحمت کی بارش سے سیراب رکھے۔ وہ چاہے قبر میں رہے میں اس کے لئے ہمیشہ روتی رہوں گی۔

(۷) وہ اپنے خاندان کی زینت تھا، جہاں کہیں بھی جس قدر تعریفیں ہو سکتی ہیں وہ ان کا سزوار تھا۔

(۶) اردیٰ کا نوحہ

اردیٰ بنت عبدالمطلب نے ان الفاظ میں نوحہ گری کی۔

(۱) ایک سرتاپا سخاوت اور حیا شعار پر میری آنکھ روتی ہے۔ رونا ہی اس کے لئے بہتر ہے۔

(۲) وادیٔ بطحا کے نرم خو، بزرگ سیرت شخص پر میری آنکھیں روتی ہیں جو عروج حاصل کرنے کا متمنی تھا۔

(۳) میری آنکھیں روتی ہیں بلند رتبہ فیاض شیبہ پر جو میرا مشفق باپ تھا اور جسکا کوئی ہمسر موجود نہیں۔

(۴) میری آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، کشادہ نرم خو اس عظیم شخصیت پر جو روشن پیشانی والا ہے۔

(۵) حیرت انگیز متناسب کمر اور حسن اور شجاعت والے اور بہت سی فضیلتوں والے پر میں روتی ہوں۔ جو قدیم سے عزت وشرف اور مدح وثناء کا مالک ہے۔

(۶) ظلم برداشت کرنے والے، روشن چہرے والے پر میری آنکھیں روتی ہیں جسکے چہرے سے شرافت وجمال عیاں ہوتا تھا۔ جس کی بزرگی وشرافت قدیم ہے۔ جس میں کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

(۷) جو بنی مالک کیلئے جائے پناہ بنی فہر کیلئے بہار کی بارش تھا۔ جب جھگڑوں کے فیصلے کے لئے کسی کی تلاش ہوتی تو وہی ان میں فیصلہ کرنے والا تھا۔

(۸) جود وسخا میں وہ ایک جواں مرد تھا اور دبدبے میں وہی یکتا تھا۔ جب خونریزی ہو رہی ہوتی تھی۔

جب تک آپ کی بیٹیاں نوحہ خوانی اور ماتم کرتی رہیں۔ آپ دیکھتے اور سنتے رہے مسکراتے اور تعریف کرتے رہے۔ مگر بتدریج حواس خمسہ معطل ومفلوج ہوتے رہے۔ جب آپ کی قوتِ گویائی ختم ہو گئی تو آپ مسکرا کر اور آنکھوں کے اشارے سے خوشی کا اظہار کرتے رہے۔ مگر جلد ہی وہ وقت آ پہنچا جب آپ کی آنکھیں تو کھلی رہیں مگر بینائی جاتی رہی اور قلب کی آخری حرکت بھی خاموش ہو کر رہ گئی۔

آپ سلسلہ تنفس کی آخری کڑی کے منقطع ہونے تک اپنے ہوش وحواس میں رہے۔ بڑے سکون اور خاموشی سے آپ نے اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ یہی خصوصیت اولیاء اللہ کیلئے بیان کی گئی ہے۔ اور ایسا ہی سکون وسکوت اولیاء اللہ میں دیکھا گیا ہے۔

ابن اسحاق کہتا ہے کہ

''مجھ سے محمد بن سعید بن مسیّب نے بیان کیا کہ جب زبان بند ہو گئی تو عبدالمطلب نے سر کا اشارہ کر کے کہا۔ ''ہاں! مجھ پر ایسے ہی بین کرو''۔ (سیرت ہشام اول ص:۱۹۶)

ڈاکٹر طٰہٰ لکھتے ہیں:

''اس وقت موت تیزی کے ساتھ ان کی طرف سبقت کر رہی تھی کیونکہ وہ اپنی بیٹیوں کے نوحے اور مرثیہ کی آوازیں سن رہے تھے۔ مگر جواب نہیں دے رہے تھے۔ صرف اشارے کر رہے تھے۔ آخر کار جب موت آ گئی۔ تو اشارات وحرکات بھی منقطع ہو گئے''۔ (نقوش سیرت اول، ص:۲۴۶)

آپ کی موت کی خبر پورے مکہ میں آناً فاناً پھیل گئی۔ قریش کا ہر فرد مغموم ومحزون اور الم ویاس کا پیکر بن کر رہ گیا۔ بنی امیہ کے افراد ہی تھے جو بظاہر خاموش مگر بہ باطن خوش تھے۔ آج قریش کا بہی خواہ، صلہ رحمی کرنے والا، مصیبتوں میں مدد اور پریشانیوں میں مشورہ دینے والا۔ ان کا مربی ان کا محافظ، قریش کی عزت اور بنی غالب کا وقار دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ یہودی بھی افسوس کرتے تھے کیونکہ آپ ان کے ساتھ انصاف کرتے تھے۔

Presented by Ziaraat.net

نصاریٰ بھی غمگین تھے کہ آپ ان کی عزت کرتے تھے اور ان کو بھی برابر کے حقوق دیتے تھے۔ یہودی ہو یا نصرانی یا کوئی اور کسی پر ظلم نہ ہونے دیتے تھے۔ یتیم نالاں تھے کہ آپ ان کے ساتھ ایک باپ کا سا سلوک کرتے تھے۔ بیوائیں ماتم کناں بین کرتی تھیں۔ کہ آپ ان کی مدد کرتے تھے۔ مسافر پریشان تھے کہ آپ ان کے ٹھہرنے اور کھانے کا پینے کا بندوبست رکھتے تھے۔ نادار، غریب اور تنہا لوگ انہیں تلاش کرتے تھے کہ آپ ان کو کھانا کھلاتے تھے ممکن ہے کہ قبیس کے پرندے بھی اس مردِ سخی کا انتظار کرتے تھک کر مایوس ہو چکے ہوں، ہاں صرف ایک بنی امیہ اور بالخصوص حرب بن امیہ کو سکونِ قلب حاصل ہوا ہو تو اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ابن اسحاق کہتا ہے کہ حذیفہ بن غانم عبدالمطلب بن ہاشم کی وفات کی خبر سن کر زار و قطار روتا تھا اور بار بار یہ شعر پڑھتا تھا۔

(۱) اے میری آنکھو! آنسوؤں سے میرے سینے پر سخاوت کرو۔ سستی نہ کرو۔ خدا تمہیں بارشوں کے ان قطروں سے سیراب کرے جو ابھی زمین پر نہ گرے ہوں۔

(۲) اے آنکھو! شرم و حجاب والے قریشی پر آنسو بہاؤ اور جب تک تم باقی رہو اپنے پیمانے بھر بھر کر انڈیلتی رہو۔

(۳) ایسے شخص پر روؤ جو مضبوط قویٰ والا۔ لوگوں کا ہر قسم کا حساب رکھنے والا۔ جو خوبصورت ہے ناکارہ و ناقص نہیں۔

(۴) ایسے شخص پر آنسو بہاؤ! جو عظمت و شان والا ہے۔ ہر قسم کی بھلائیوں کا جامع ہے۔ کشادہ دست اور صاحب کرم ہے۔ جو تنگدستی اور قحط کے زمانہ میں بنی لوی کیلئے ابر بہار ہے۔

(۵) ایسے شخص پر روؤ جو بنی سعد کے برہنہ پا اور نعلین پوش دونوں میں بہترین تھا، اور جو شریفانہ کوشش کرنے والا نیک سیرت و نیک فطرت تھا۔

(۶) اصل و فرع اور معدن کے لحاظ سے ان سب میں بہتر تھا۔ بزرگی اور شہرت کے اعتبار سے بھی اس کا بڑا حصہ ہے۔

(۷) عظمت و شان اور حلم و عقل کے لحاظ سے بھی ان سب میں بڑھا ہوا تھا۔ کینہ و آفات میں وہی سب سے بڑا فضل و کرم کرنے والا تھا۔

(۸) قابل ستائش شیبہ پر روؤ جسکا چہرہ رات کی تاریکی کو چودہویں کے چاند کی طرح جگمگا دیتا ہے۔

(۹) اس پر روؤ جو عبد مناف بنی فہر کا سردار، حجاج کو آبِ زمزم پلانے والا اور روٹی چور کر کھلانے والا تھا۔

(۱۰) اسی نے زم زم کو مقام ابراہیم کے پاس پتھروں سے بنایا تو اس کا کنواں ہر قابل فخر شخص پر فخر کرنے کے قابل ہو گیا۔

(۱۱) ہر مصیبت زدہ کو چاہیے کہ اس پر روئے اور بنی قصیٰ کے محتاجوں اور مالداروں دونوں ہی کو اس پر رونا چاہیے۔

(۱۲) اگر موت کی گردش نے اسکو مار ڈالا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے اطمینان نفس سے کامیاب زندگی بسر کی۔ (سیرت ابن ہشام اول، ص: ۱۹۷)

اس وقت اور اس زمانہ کے بعد بہت سے شعرائے عرب نے حضرت عبدالمطلب اور ان کے اس زمانے کے کارناموں کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق اسی زمانہ کے ایک مشہور شاعر مطرود بن کعب الخزاعی نے بھی عبدالمطلب کا مرثیہ لکھا۔ جس کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

(ترجمہ) اے نیک کردار شخص تجھے موت آ گئی۔ تجھ جیسا پھر پیدا نہ ہو سکا۔ بجز تیرے باپ مطلب[1] کے جو کریمانہ صفات میں یکتا اور سرتاپا سخاوت تھا۔ ایسا مہماں نواز گویا مہمانوں کا باپ ہو۔

تدفین

کفن و دفن کی تیاری کی گئی۔ آپ کی وفات سے آنحضرتؐ جن کی عمر اس وقت صرف آٹھ سال تھی بہت غمگین و افسردہ خاطر ہوئے، آپ زار و قطار روتے تھے۔ جد امجد کی وفات کے بعد آپ بہت غمگین اور اداس تھے۔ کبھی وہ اپنی پالنے والی آیا حضرت ام ایمن کو دیکھتے تھے اور کبھی اپنے عم محترم (جناب ابو طالب) کی طرف نظریں جماتے تھے۔ آخر کار آپ نے اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیئے۔ (ڈاکٹر طہٰ)

ابن سعد اور حافظ سخاوی نے ام ایمن کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ جب ان (عبدالمطلب) کا انتقال ہو رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ انکے سرہانے کھڑے رو رہے تھے۔ (مولانا مودودی)

ام ایمن کہتی ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے روز میں نے ان کا جنازہ لے جاتے ہوئے۔ دیکھا کہ رسولؐ اللہ ان کے جنازے کے پیچھے چل رہے تھے اور رو رہے تھے۔ (معارج النبوت، ص: ۱۴۷)

حضرت عبدالمطلب کو مکہ کے مشہور قبرستان حجون میں دفن کیا گیا۔ آپ کا انتقال ۵۷۸ء میں ہوا جب آپ کی عمر ۸۲ سال تھی، اللہ کی ان پر بے پایاں رحمت ہو۔

1 مطلب آپ کے چچا تھے۔ عربوں میں یتیم بھتیجے کا چچا باپ کی جگہ ہوتا ہے

Presented by Ziaraat.net

حصہ دوم

قریش کا مردِ خدا

حضرت عبدالمطلب کا دورِ سرداری

شخصیت اور کردار

مکہ کی اس چھوٹی سی جمہوری ریاست میں قریش کے لئے حضرت عبدالمطلب کا دور ایک سنہرا دور ہے۔ سیاسی و مذہبی دونوں اعتبار سے اس دور میں قریش نے بڑی ترقی کی مال و دولت میں قریش تمام عرب قبیلوں سے بڑھ گئے۔ دور دور قریش کا نام پہچانا جانے لگا، کعبہ کے محافظ ہونے کے سبب عرب ان کی عزت و توقیر کرتے اور سقایہ و رفادہ کی وجہ سے وہ ان کے ممنون احسان رہتے۔ قرب و جوار کی سلطنتوں اور سرداریوں میں سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ بعض وجوہات سے قریش کا رعب ان سلطنتوں اور قبائلی سرداریوں میں قائم ہو گیا تھا۔ قریش کے قافلے ہر راستہ میں محفوظ ہو گئے تھے اور عرب ان کی عزت و احترام کرنے لگے تھے۔ عرب قبائل جو دوسری حکومتوں اور سرداریوں کی حدود میں رہتے تھے۔ دین کے معاملہ میں اپنے بادشاہ، حاکم اور سردار سے زیادہ قریش کا احترام کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ پورے جزیرۃ العرب کے قبائل میں یہ جملہ کہ ''الائمة من القريش '' ضرب المثل کے طور پر شہرت حاصل کر گیا تھا۔

حضرت عبدالمطلب کی شخصیت سیاسی و مذہبی دونوں اعتبار سے ممتاز تھی۔ قریش تابع فرمان تھے اور آپ کا ہر حکم اور مشورہ بالا چوں و چرا تسلیم کرتے تھے۔ زمانہ آخر میں تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ گویا آپ کے مقلد ہو چکے تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ جو کام کرتے قریش کے اجتماعی مفاد میں کرتے دوست اور دشمن کی تفریق نہیں کرتے تھے اور کسی مفاد کو صرف اپنی ذات یا اپنے خاندان ہی سے متعلق نہیں کرتے تھے، ہر مسئلہ میں انصاف کو مدنظر رکھتے، قریش اور غیر قریش میں اور دوست و دشمن میں یکسانیت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ یہود و نصاریٰ بھی آپ کی عزت کرتے تھے، صلہ رحمی کو فوقیت دیتے تھے اور دشمنوں اور مخالفین سے دشمنی کا رویہ اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی تالیف قلب میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ نے اپنے بدترین دشمن حرب بن امیہ کو اپنا مصاحب بنایا اور اس کا حق مسلم رکھا عزت و توقیر میں کمی نہ آنے دی۔ مگر ایک یہودی اذینہ کے قتل کی دیت کو بھی نظر انداز نہ کیا، خانہ کعبہ میں چوری کرنے والوں کو ڈھونڈ نکالا اور سزا دیئے بغیر نہ چھوڑا۔ فتنہ و فساد کا قلع قمع کرتے اور باہمی مسائل کو اجتماعی رائے عامہ سے طے کرتے تھے۔ اگر ان مسائل

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

میں اختلاف رائے بڑھ جاتا یا کوئی اختلاف وحسد کی بنا پر اپنے موقف پر اصرار کرتا تو آپ اس کا فیصلہ قرعہ اندازی یا غیب کے فیصلہ پر چھوڑ دیتے، جہاں کوئی اعتراض و اختلاف کر ہی نہ سکتا تھا۔ خود بھی فیصلے کے پابند ہوتے کوئی ایسی حرکت جو خانہ کعبہ یا قومی مفاد کے خلاف ہو اسے ہرگز برداشت نہ کرتے تھے۔ اگر کسی کا اختلاف اور اعتراض آپ کی ذات سے متعلق ہوتا تو فیصلہ ثالث کے سپرد کرتے یا صبر وضبط سے کام لیتے تھے۔

آپ کی ذات گرامی ہمہ صفت موصوف ''مجموعہ صفات'' تھی اور قریش کے لئے ارضی وسماوی فضیلتوں کا مرکز تھی۔ قدرت نے ایک خاص مقصد کیلئے آپ کو بہت سی صلاحیتیں تفویض کی تھیں اور واقعتاً قدرت آپ کی ذات سے بہت سے سیاسی ومذہبی امور انجام دینا چاہتی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ اہم کام مستقبل کے رسولؐ کی راہیں ہموار کرنا تھا۔

''عبدالمطلب بڑے خوبصورت، جسیم وجیم، دانشور اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ عرب کے قاضی، قریش کے سردار، بے حد شریف اور حلیم الطبع تھے جو بھی انہیں ایک نظر دیکھ لیتا ان پر فدا ہو جاتا۔ ملت ابراہیمی کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے۔ رمضان شریف کا پورا مہینہ جبل حراء پر عبادت میں گزارتے غرباء اور مساکین کو کھانا کھلاتے۔ بلکہ وحشی جانوروں اور پرندوں کو بھی کھلاتے پلاتے تھے۔ شراب نوشی، محرم عورتوں سے نکاح کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے سخت متنفر تھے۔ اپنی اولاد کو ظلم وستم اور بغاوت سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔''

(تاریخ القدیم جلد اول، ص:۶۰، تاریخ مکہ عنوان عبدالمطلب، ص:۱۹۹)

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ''عبدالمطلب طویل القامت اور نہایت خوبصورت تھے۔ حطیم میں انکے بیٹھنے کیلئے ایک غالیچہ بچھا رہتا تھا۔ جس پر کوئی دوسرا آدمی نہیں بیٹھتا تھا''۔ (ایضاً، ص:۶۱)

''عبدالمطلب بے حد شریف اور جود وسخا میں بہت مشہور تھے۔ یہ اسقدر فیاض تھے کہ قوم انہیں ''الفیض'' کے نام سے یاد کرتی تھی اور تمام قوم ان کی اطاعت میں فخر محسوس کرتی تھی''۔ (طبقات ابن سعد جلد اول)

ابن سعد نے مزید لکھا ہے کہ

''حضرت عبدالمطلب باعتبار ذاتی وجاہت کے تمام قریش میں وجیہہ ترین بزرگ تھے اور جسامت کے اعتبار سے سب سے زیادہ جسیم وطویل، حلم وتحمل میں سب سے بڑھ کر حلیم، جود وسخا میں سب سے زیادہ سخی وکریم، فتنہ وفساد کے موقع پر سب سے زیادہ دور رہنے والے جو دیکھتا تھا وہ آپ کی تعظیم وتکریم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا اور آپ کے ہر حکم کو بجالاتا تھا۔ سلاطین ومہاجرین میں قبیلہ قریش کی امارت تاحیات آپ سے متعلق رہی۔ ایک بار بنی خزاعہ کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم لوگ آپ کے ہمسایہ ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہم لوگوں کو اپنا حلیف

بنالیں اور اپنی پناہ میں لے لیں۔ آپ نے ان کی اس خواہش کو قبول کیا اور بنی عبدالمطلب میں سے سات آدمیوں کو لے کر ارقم بن فضلہ بن ہاشم اور ضحاک وعمر پسران ابی صیفی بن ہاشم کو بھی ان میں شامل کر کے دارالندوہ میں تشریف لائے اس معاہدہ میں بنی عبدالشمس اور بنی نوفل میں سے کوئی نہیں تھا۔ دارالندوہ میں وہ باہمی معاہدہ لکھا گیا اور دستور قدیم کے مطابق کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔''

(طبقات اول، ص:۵۱)

ابن سعد ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''فلم یکن فی العرب بنواب مثل عبدالمطلب ''یعنی عرب میں عبدالمطلب جیسی کسی باپ کی اولاد نہیں تھی۔

حضرت عبدالمطلب کے متعلق تمام کتب واحادیث میں بالاتفاق لکھا ہے کہ

☆'' انہ حرّم الخمر فی حیاتہ ''۔ یعنی آپ نے اپنی پوری زندگی میں اپنے اوپر شراب کو حرام کر لیا تھا۔

☆ اسی طرح آپ نے پوری زندگی زنا یا محرم عورت سے شادی نہیں کی۔ جبکہ عرب ایسا کرتے تھے۔ بعد میں قرآن نے کہا'' والذین ھم لفرو جھم حافظون ''(پارہ ص۲۔ بقر) فلاح پانے والے وہی مومن ہیں جو اپنی شرم گاہوں کو حرام سے بچاتے ہیں۔

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب میدانِ تجارت میں

مکہ مرکز تجارت

عالمی تجارت کی تاریخ میں ''بین الممالک'' تجارت کے ضمن میں ہمیں سب سے پہلے اس تجارتی قافلہ کا نام ملتا ہے جو مسالے فروخت کرنے مکہ سے مصر جایا کرتا تھا۔ یہ وہی قافلہ ہے جس کے ہاتھ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے انہیں فروخت کر دیا تھا اور اس طرح حضرت یوسفؑ کم عمری میں مصر پہنچ گئے تھے۔ بائبل بتاتی ہے کہ یہ قافلہ بنی اسمٰعیل کا تھا اور وہ سفر جس کا ذکر کیا گیا۔ اٹھارہ سو قبل مسیح میں کیا گیا تھا۔ تاریخ کی یہ مسلمہ شہادت بتاتی ہے کہ بنو اسمٰعیل بڑے منظم طریقہ پر دور دراز علاقوں سے ماقبل تاریخ تجارت کیا کرتے تھے۔ جرجی زیدان بتاتا ہے کہ

> ''اسماعیلی عربوں نے آباد دنیا کے انتہائی کناروں تک خشکی کے راستے اپنی تجارت کا راستہ وسیع تر کر رکھا تھا اور وہ اس زمانہ کے آباد ملکوں میں تجارت کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ (تاریخ تمدن اسلامی، ص:۹)

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں ہے کہ

> ''مکہ قدیم تجارتی منڈی ہے جو بحر اوقیانوس کو، جنوبی عرب، مشرقی، افریقہ اور جنوبی ایشیا سے ملاتا ہے' یہ علاقہ یعنی سبا اور پیڑا جسے الرقیم کہا جاتا ہے' کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے رومی اور بازنطینی حکومتوں کے عروج کے وقت بھی مذہبی اور تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ (''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا'' لفظ مکہ۔ تاریخ مکہ مکرمہ)

اس عبارت کی آخری لائن کے آخری جملے سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ صرف تجارتی مرکز ہی نہیں تھا بلکہ وہ مذہبی مرکز بھی تھا۔ پھر فلپ حتّی کے اس مسلمہ کو دیکھئے جو اس نے ''پری پلوس آف دی اری تھرائن سی'' کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ''مکہ ۵۰ء میں جب رومی حکومت عروج پر تھی مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی واسطہ بنا ہوا تھا۔ (ملت عربی، ص:۹۰ تاریخ مکہ مکرمہ)

یہ بات تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ ۱۸۰۰ قبل مسیح میں اگرچہ بنو اسمٰعیل کا تاجر ہونا ثابت لیکن بنی خزاعہ کے خانہ کعبہ پر قابض ہونے کے بعد ان کا زوال ۲۱۰ء کے بعد شروع ہوا۔ اس زوال نے اپنی مقررہ مدت پوری کی اور بنو اسمٰعیل اپنے مرکز سے منتشر ہو گئے اور خانہ کعبہ کی قربت اور ہمسائیگی سے دور ہو گئے، فن تجارت ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ ۲۰۶ء تک بنو جرھم مکہ پر قابض رہے ۴۳۰ء کے بعد قصیٰ نے کعبہ کی تولیت بزور شمشیر بنی خزاعہ سے حاصل کی اور بنو اسمٰعیل کے مشہور قبیلے قریش کو خانہ کعبہ کے گرد لا کر آباد کیا۔ اس وقت

Presented by Ziaraat.net

تک قریش لوٹ مار کرتے تھے۔ اپنا آبائی پیشہ تجارت ترک کر چکے تھے۔ غارتگری کو انہوں نے پیشہ بنالیا تھا۔ گویا تجارت سے ان کو کوئی واسطہ باقی نہ رہا تھا۔

قصیٰ کے بعد ہاشم نے انہیں اپنے آبائی اور جدی پیشہ تجارت کی طرف مائل کیا۔ بیرونی ممالک سے تجارتی معاہدے کئے سردی گرمی دونوں موسموں میں تجارتی قافلوں کی روانگی کی داغ بیل ڈالی جسے حضرت عبدالمطلب نے اتنا فروغ دیا کہ دوبارہ مکہ کو تجارتی و مذہبی مرکز بنا دیا،، فلپ اے حتّی نے ۵۰ء میں مکہ کو تجارتی مرکز تسلیم کیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۵۰ء سے ہاشم کے دور ۵۲۵ء کے لگ بھگ پورے پونے پانچ سو سال تقریباً قریش قزاقی کرتے رہے۔ یہ حضرت عبدالمطلب کے باپ ہاشم ہی تھے جنہوں نے اپنے دور میں قریش کو تجارت جیسے معزز آبائی پیشے کی طرف رغبت دلائی پھر قومی سطح پر تجارت کی ترقی کے ذرائع تلاش کرنے پر غور کیا۔ اور ایک جامع منصوبہ بنایا۔ انہوں نے سوچا قریشی قافلے اپنا مال دوسرے شہروں میں فروخت کر کے خالی ہاتھ واپس آتے ہیں اگر یہی قافلے واپسی میں ان شہروں کا مال لے آیا کریں تو دگنا منافع ہوسکتا ہے اور ضروریات کی اشیاء مکہ میں دستیاب ہوسکتی ہیں۔ اس طرح مکہ کے گرد و نواح کے قبائل ضروریات کی اشیاء مکہ سے خریدنے کیلئے آنے لگے ہاشم نے اسے فروغ دینے کے لئے شام کے غسانی حاکم سے سفارتی روابط پیدا کر کے تجارتی ٹیکس معاف کرالیا، اور دیگر مراعات حاصل کرلیں۔ حجاج کو کھانے اور پینے کے پانی کا بندوبست کر کے اپنا گرویدہ بنالیا، جس سے قریشی قافلے لوٹ مار سے بچ گئے اور بحفاظت گزرنے لگے۔

پھر ہاشم نے اپنے تینوں بھائیوں عبدالشمس، مطلب اور نوفل کو بالترتیب حبشہ، یمن اور عراق و فارس میں بھیجا ان سب نے ان حکمرانوں سے سفارتی تعلقات بحال کر کے تجارتی سہولتیں حاصل کرلیں۔ اس طرح انہوں نے اپنے بھائیوں کو تجارت میں شامل کرلیا اور ایک بڑی تجارتی جماعت بنا کر قوم کے دیگر افراد کو بھی منافع میں شریک کرلیا۔ اب ہر فرد اپنا مال کم ہو یا زیادہ اس جماعت کے ذریعہ فروخت کی غرض سے دیگر منافع کا حق دار ہوسکتا تھا۔

اب بیرونی ممالک میں ہاشم برادران ''متجرین'' یعنی تجار عرب مشہور ہو گئے تھے۔ شہرت کا یہ عالم تھا کہ لوگ خاص دنوں میں قریشی تجارتی قافلوں کی آمد کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتے تھے۔ ابن سعد کا کہنا ہے کہ ''قیصر روم کی نظر میں ہاشم کو بڑا اعزاز حاصل تھا اور ہاشم ان دنوں انقرہ تک تجارت کرتا تھا۔ دیگر قبائل انہیں ''اصحاب الایلاف'' یعنی باہم الفت پیدا کرنے والے کہنے لگے تھے۔ (تفہیم القرآن) مولانا مودودیؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی راہ میں قریشی قافلے سے تعرض کرتا تو یہ کہہ دینا ہی کافی ہوتا کہ ''انا من حرم اللہ'' پھر کوئی روک ٹوک نہ کرتا تھا۔

حضرت عبدالمطلب نے ان مراعات اور بیرونی تجارتی تعلقات میں اپنی فہم و تدبر سے مزید اضافہ کیا۔ سامان تجارت میں تنوع پیدا کیا۔ ابتداء میں چند ہی چیزیں تھیں جو قریش فروخت کرتے یا تبدیل کرتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے اقسام میں اضافہ کیا۔ ان میں اونٹ، بھیڑ، بکریاں اور اونٹوں، بھیڑوں اور

بکریوں کی کھالیں۔ گھوڑے، اون، گوند، لوبان، روغن بلسان اور عقیق وغیرہ شامل تھے اور ان کے تبادلے میں غلہ، برتن، کپڑے اور ہتھیار وغیرہ لاتے تھے۔ لیکن حضرت عبدالمطلب نے اسے صرف ایک پیشہ ہی کے طور پر نہیں رکھا بلکہ ایک علم اور فن کی حیثیت دیدی تھی۔ حمید اللہ لکھتے ہیں۔

''ہاشم اور بنی ہاشم ہی نے دو سفر رواج دیئے اور اس کے اصول مقرر کئے، تجارت کے نئے راستے معلوم کئے، ٹیکس کم کرائے، عبدالمطلب نے تجارت کو فروغ دیا۔ قریش کے دوسرے قبیلوں کو مجموعی تجارت میں حصہ دار بنایا، لین دین کے لئے لکھنے کا طریقہ رائج کیا''۔

اس کے باوجود کچھ چھوٹے اور غریب قبیلے لوٹ مار بھی کرتے تھے۔ ان میں حضرت عبدالمطلب کے زمانہ تک بنی امیہ بالخصوص حرب بنی تیم و بنی عدی شامل ہیں۔ بنی تیم کے لوگ معاوضہ پر قتل و غارت اور چوریاں کرتے، بنی عدی کے لوگ دوسرے لوگوں کی بھیڑ بکریاں چراتے یعنی۔ چرواہے کا پیشہ کرتے تھے۔

''قرآن میں'' ''لایلاف قریش'' آیا ہے۔ ایلاف کے معنی معاہدہ کے ہیں۔ ایلاف کا یہ طریقہ یعنی تجارتی معاہدوں کا یہ طریقہ ہاشم نے رائج کیا جسے عبدالمطلب نے فروغ دیا، چنانچہ ہاشم نے قیصر روم، ایران کے کسریٰ، حبش کے نجاشی اور یمن کے حکمرانوں سے ایلاف یعنی محبت و تجارت کے معاہدے کئے اور ان حکمرانوں نے عبدالمطلب کے باپ ہاشم کو منشورات اور اجازت نامے عطا کر رکھے تھے کہ ان کے علاقے میں وہ تجارتی کارواں آزادانہ لے جاسکتے تھے اور ٹیکس معاف تھا۔ اس سے تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔

تجارتی قافلوں پر اکثر شب خون مارے جاتے اور لوٹ لیے جاتے تھے۔ ہاشم نے راستوں کو محفوظ اس طرح کیا کہ حاجیوں کے کھانے اور پینے کا انتظام کیا۔ جس سے وہ ممنون ہوئے اور قریشی قافلوں کو نہ چھیڑتے تھے پھر بھی نہ پہچانے جانے کی صورت میں لوٹ لیے جاتے۔ اسلئے حفاظت کا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ قریش کے قافلے مقابلتاً زیادہ طویل اور زیادہ مال لئے ہوتے تھے اور عرب سے باہر ملکوں تک جاتے تھے۔ غیر مسلم مورخوں نے ان کے قافلے کے اونٹوں کی تعداد بھی لکھی ہے۔ چنانچہ ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے۔

''قریش کے قافلے دو تین ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ جن پر سونا، چاندی چمڑا، گھی اور دوسرا سامان تجارت لدا ہوتا تھا اور ان کے ساتھ دو، دو، تین تین سو آدمی نگراں ہوتے تھے''۔ (حیات محمد، ص: ۴۰، تاریخ مکتبہ المکرمہ ص: ۱۹۵)

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔

''قریش کے کاروبار شمال جنوب، مشرق مغرب ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ وہ عراق بھی جاتے یمن بھی، حبش بھی، شام بھی اور اندرون عرب بحرین، نجد و خیبر بھی ان کے نظام کا وسیع ہونا ناگزیر تھا۔ انہوں نے ایک فوج قائمہ (کے نام سے) نوکر رکھ لی تھی۔ اس کا اصول یہ تھا کہ ہر کاروان میں اجرت پر چند منچلے شریک کئے جاتے جن کا کام ہی چوکس رہنا اور ضرورت پڑنے پر لٹیروں سے لڑنا تھا''۔ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص: ۲۱۸)

Presented by Ziaraat.net

ظاہر ہے کہ قصی سے پہلے قریش تجارت نہیں کرتے تھے ہاشم کے زمانہ میں ان کے ایماء سے قریش نے یہ پیشہ اختیار کیا تھا۔ ہاشم کے زمانہ میں یہ طریقہ موجود نہ تھا۔ یقیناً اس کی ابتداء حضرت عبدالمطلب کے دور میں ہوئی اور یہ بھی ایک مصدقہ تاریخی خبر ہے کہ آپ کے زمانہ میں تجارتی قافلہ کے اونٹوں کی تعداد میں مال تجارت زیادہ ہونے کے سبب اضافہ ہوتا چلا گیا اور اونٹوں کی تعداد تین ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ جس کی نگرانی کے لئے تین سو آزمودہ کار محافظ ساتھ چلتے تھے۔ ظاہر ہے قائمہ نامی فوج کا یہ نظام آپ ہی کے دور میں آپ ہی کی تدبیر پر قائم کیا گیا۔

امور تجارت کی تربیت

حضرت عبدالمطلب ہر بالغ قریشی کو قافلہ کے ساتھ جانے کی ترغیب دلاتے تاکہ وہ جلد سے جلد تجارتی اصول سے واقف ہو جائے اور تجارتی لین دین کی تربیت حاصل کر لے۔ وہ اس پیشے میں خاص تربیت کی حوصلہ افزائی کرتے۔ خود قافلوں کے ساتھ جاتے وہ اکثر یمن کی طرف سفر کرتے تھے اور یمن وشام کی تہذیب اور تمدن نیز ان کی معاشرتی ترقی سے فائدہ حاصل کرتے تھے۔ حالانکہ قریش کے دیگر افراد بھی ترقی یافتہ شہروں میں مسلسل جاتے رہتے تھے۔ وہاں قیام کرتے تھے۔ مگر ان کی توجہ کبھی ترقی کی جانب مبذول نہیں ہوئی۔ یمن سے خضاب لا کر آپ ہی نے مکہ میں تعارف کرایا تھا اور خضاب کی فروخت سے کافی فائدہ حاصل کیا تھا۔ آپ نے ہر لڑکے کو خود تجارت کی تربیت دی اور لین دین کے طریقے سمجھائے۔ وہ اپنے ہر لڑکے کو جب وہ بالغ ہو جاتا اپنے ساتھ سفر پر لے جاتے اور پھر مال دے کر دوسرے قافلوں کے ساتھ بھیجتے اور شادی کرانے کے بعد ہر ایک کو علیحدہ مکان دے کر تجارت میں خود کفیل بنا دیتے تھے۔ قریش کی تجارت کو یہ آپ ہی کا بخشا ہوا فیض تھا کہ اس زمانہ میں قریش کے تین ایسے شخص جن کا مال و دولت میں کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ ان میں خود ان کا ایک بیٹا ابوعتبہ (ابولہب) بھی شامل ہے۔

تجارتی اونٹوں کو سفر سے پہلے آراستہ کرنا۔ ان کے گھٹنوں اور گردن میں گھونگرو ڈالنا اور صبح سویرے قافلہ کو رخصت کرنے کے لئے قریش کا جمع ہونا پھر انہیں جوش و جذبات سے بھرپور جملوں کے ساتھ رخصت کرنا۔ اسی طرح قافلہ کی واپسی کی خبر پا کر اس کا استقبال کرنے اور انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے لوگوں کا جمع ہونا اور خوشی کا اظہار کرنے کے اس رواج کو حضرت عبدالمطلب نے ہی شروع کیا تھا تاکہ نوجوان تجارت میں دلچسپی لیں اور لوٹ مار کی طرف توجہ نہ دیں۔

اس سے پہلے جب قریش کے قافلے روانہ ہوتے تھے تو ہر ایک اپنا بت ساتھ رکھتا تھا بعض حرم میں سے کوئی پتھر اٹھا کر برکت کیلئے رکھ لیتے تھے اور اسے بت کا متبادل سمجھتے تھے۔ روانگی سے قبل ایسا کرنے سے روکنے کیلئے آپ نے نماز اور دعا کا طریقہ رائج کیا تھا۔ جن پر بہت بعد تک عمل ہوتا رہا اور آپ کی وفات کے بعد بنی امیہ نے اسے ترک کرا دیا اور پھر وہ اسی طرح کوئی پتھر بت کی جگہ اپنے ساتھ رکھنے لگے۔

پھر آپ ہی نے تجارتی قافلوں کے ساتھ جانے والوں کی توجہ تعلیم کی طرف دلائی اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ اتنا لکھنا پڑھنا ضرور سیکھ لیں کہ جس سے وہ اپنے مال کی فروخت یا تبادلہ کی اشیاء کا حساب محفوظ کر سکیں یا قرض کی رقم اور اشیاء کی یادداشت رکھ سکیں۔

تاریخی حالات و واقعات سے گمان ہوتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے آخری دور میں امیہ کے بیٹے اور ابوسفیان کے باپ حرب نے اپنے حلیف اور رشتہ دار قبیلہ بنی مخزوم کی ترقی دیکھ کر اور اس وجہ سے کہ حضرت عبدالمطلب نے قریش میں چوری اور لوٹ مار کا سدباب کر دیا تھا۔ حرب نے بھی تجارت شروع کر دی تھی اور اس نے حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد ہاشم کے مشترکہ طریق تجارت اور حضرت عبدالمطلب کے طرز تجارت سے، خاندانی اختلاف کی بنیاد پر اور بنی ہاشم سے مسابقت کے خیال سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور اس نے اپنے اور اپنے حلیفوں کے قافلے قریش کے مشترکہ قافلوں سے الگ لے جانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ اس خیال کی تائید آنحضرتؐ کے زمانہ میں اس واقعہ سے ہوتی ہے جب میر قافلہ کے انتخاب پر اختلاف ہوا تھا اور اس وقت دو امیر چنے گئے تھے۔

تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ حرب کی علیحدگی کے بعد مشترکہ تجارت کے بڑے حصہ دار حضرت خدیجہ کے خاندان والے اور ان کے شوہر تھے۔ کیونکہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد اس مشترکہ تجارت میں سب سے زیادہ حصہ حضرت خدیجہ کے خاندان اور ان کے شوہر ہی کا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ بیوہ ہونے کے بعد بھی خود تجارت کے معاملات کو جاری رکھے رہیں اور بنی ہاشم کے افراد ہی کے سپرد اپنا مال کرتی رہیں، لیکن جب جناب ابوطالب نے بوجوہ تجارتی سفر ترک کر دیئے تو حضرت خدیجہ نے اپنا مال دوسرے ایجنٹوں کے سپرد کرنا شروع کیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اس خاندان کے افراد تجارتی رواداری، ایمانداری اور تجربہ میں آزمودہ تھے۔

حضرت خدیجہ کا آنحضرتؐ سے شادی کرنے کا بڑا سبب یہی ہے کہ آپ کو بسلسلہ تجارت اس خاندان سے بڑی رغبت تھی اور آپ اس خاندان کی کمزور مالی صورت حال کو بہتر بنانا چاہتی تھیں یہی وجہ تھی کہ آپ نے قریش کے دوسرے سرداروں کے رشتے رد کر دیئے تھے۔ گویا حضرت عبدالمطلب نے ایسا تجارتی نظام قائم کر دیا تھا کہ عورتیں بھی گھر میں رہ کر تجارت کر سکتی تھیں اور ایک غریب عورت بھی اس میں حصہ لے کر زندگی گزار سکتی تھی۔

عرب عموماً کشمش، مسالہ، لوبان، عطر دیگر خوشبودار اشیاء سونا، چاندی، جواہرات، لوہا، چمڑا، زین پوش، اونٹ، بھیڑ، بکریاں، کپڑا، غلہ، شراب، ہتھیار، آئینہ اور آرائش کے سامان کی تجارت کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سا سامان عرب درآمد کرتے تھے اور انہیں آگے ملکوں تک پہنچاتے تھے۔ درآمد کر کے دوسرے ملکوں تک پہنچانے کا طریقہ حضرت عبدالمطلب نے رائج کیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے قریش قریب کے ملک یمن سے کپڑا، چادریں، اور اسلحہ وغیرہ لیکر آگے پہنچاتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں ہندوستان سے اسلحہ، خصوصاً

Presented by Ziaraat.net

تلواریں اور مسالہ درآمد کیا جاتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے جب مکہ کو ایک بین الاقوامی مرکز تجارت کی شکل دی تو قافلے مکہ تک آنے لگے۔ قریش ان سے مال خرید کر یا تبادلہ کر کے مال جمع کر لیتے اور پھر قافلہ کی شکل میں دوسرے ممالک کو نکل جاتے۔ جیسا کہ آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا تھا کہ میرا اور تمہارے بھائیوں کا کئی ماہ سے مال جمع ہو گیا تم اسے لے کر قافلہ کے ساتھ چلے جاؤ اور فروخت کر کے سب کا حصہ انہیں دیدو۔

قریش میں تعلیم کی ابتدا

سرزمین عرب پر جب سے مکہ کا وجود ہوا وہاں کی زبان عربی ہی رہی ہے۔ جب حضرت اسمٰعیل یہاں آ کر آباد ہوئے اس وقت ان کی مادری زبان عبرانی تھی۔ مگر بنی جرہم جو اس وقت یمن سے آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے ان کی زبان عربی تھی۔ ان کی قربت واختلاط اور پھر اسی قبیلہ میں شادی کرنے سے حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد عربی بولنے لگے تھے۔ چونکہ بنو اسمٰعیل کے تجارتی روابط قرب و جوار کے تمام ممالک سے تھے اس لئے وہ کئی مروجہ زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ جرجی زیدان لکھتا ہے۔

''بنو اسمٰعیل قربت وطن کے سبب گردونواح کے تمام متمدن ممالک کی زبان جانتے تھے۔ مثلاً سامی کلدانی، اشوری، عبرانی، حبشی، اور فینیقی ان زبانوں میں وہ لین دین کی گفتگو کر سکتے تھے۔ (تمدن اسلامی)

یہ خیال مسلمہ شہرت حاصل کر چکا ہے کہ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج عام طور پر نہیں تھا۔ عموماً عرب اپنے حافظہ پر بھروسا کرتے تھے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کی قوت حافظہ بہت قوی تھی اور وہ اس پر اعتماد بھی کرتے تھے۔ طویل ترین مرثیے اور قصیدے زبانی یاد ہوتے تھے اور وہ سالانہ میلوں میں زبانی شعر سناتے تھے انساب کے ماہر طویل ترین نسب نامے مختلف اقوام وقبائل زبانی یاد رکھتے تھے اور ان میں غلطی نہیں ہوتی تھی۔ تجارتی لین دین بھی یادداشت کی بنا پر کئے جاتے تھے ہاں اس وقت وہ دو گواہ ضرور کر لیتے تھے۔

دور شجاعت میں جنگوں کے سبب کتبوں کے ضائع ہونے اور پھر ہلاکو کی یلغاروں کے دوران کتب خانوں کے ضائع ہونے سے دور جاہلیت کی تعلیم اور خصوصاً قریش سے متعلق تعلیم کے امور ہم نہیں جان سکے ہیں۔ کسی قوم یا قبیلہ کی معاشرتی ترقی زبان کی ترقی کا ذریعہ بنتی رہی ہے۔ جوں جوں معاشرہ ترقی کرتا ہے اہل معاشرہ کے جذبات وخیالات میں جدت و وسعت پیدا ہوتی ہے اسماء کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے اور اسی تناسب سے زبان وسعت اختیار کرتی رہتی ہے۔ مگر یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ عرب قبائلی زندگی گزارنے اور ایک طویل مدت تک غیر متمدن رہنے اور اس عہد کا تاریخ میں ''عہد جاہلیت'' متعین ہونے کے باوجود ان کی زبان گردوپیش کی ترقی یافتہ اقوام کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور موثر رہی ہے۔ کوئی جذبہ یا مطلب ایسا نہیں جو عربی زبان میں کماحقہ، ادا نہ کر دیا جاتا ہو، ان کی شاعری نے نازک سے نازک خیالات و جذبات کو بلند معیار کے ساتھ ادا کیا ہے۔ یوں وہ زبان وادب کے اعتبار سے سب کچھ جانتے تھے مگر لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

زبان دانی ہی کی بناء پر وہ بہت مغرور تھے، اسی لئے انہوں نے اپنی اقوام وقبائل کا نام زبان کی بنیاد پر عرب رکھا اور دوسروں کو عجم کہا۔ عرب کے معنی ہیں فصیح وبلیغ اور عجم کے معنی ہیں ''گونگا'' جو زبان سے عاری ہو۔ اسی لئے وہ زبان پر بھروسہ کرتے تھے اور تحریر وقرأت کو اہمیت نہ دیتے تھے۔ انہیں تاریخ قصہ گوئی کی شکل میں ازبر رہتی تھی اور اگلی نسلوں میں منتقل ہوتی تھی۔ ان کے یہاں ''سامرہ'' کا رواج تھا یعنی قصہ گو ہوتے تھے تاریخ داں نہیں۔ سینکڑوں ضرب الامثال اور محاورے انہیں زبانی یاد ہوتے تھے۔ وہ تجارتی یا سیاسی معاہدے زبانی ہی کرتے تھے لین دین، قرض یا سود کی رقمیں اور اس کا حساب سب زبانی اور یادداشت پر ہوتا تھا۔ البتہ گواہ ضرور اس موقع پر کر لیا کرتے تھے۔

قریش مکہ کا معلم اوّل

حضرت عبدالمطلب کے والد ہاشم اور وہ خود ایک بڑے تاجر تھے۔ آپ شام کی طرف بہت کم اور یمن کی طرف بغرض تجارت کثرت سے جایا کرتے تھے۔ یمن کے حمیری دور میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا۔ وہاں کے آثار قدیمہ سے اس بات کا ثبوت مہیا ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ کی ایک تحریر ایک حمیری شہزادی کی قبر سے دستیاب ہو چکی ہے۔ اسی طرح ڈیڑھ ہزار سال قبل اسلام کی ایک تحریر یمن کے ایک قلعہ سے دستیاب ہوئی تھی۔ جدید دور کی تحقیق یہ بھی بتاتی ہے کہ قدیم زمانہ میں عرب حمیری اور نا تیخط استعمال کرتے تھے اس کے کچھ نمونے بھی کتبوں کی صورت میں دستیاب ہو چکے ہیں۔ یہ کتبے یورپ کے میوزم میں رکھے ہوئے ہیں۔ جنہیں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں یمنی تاجر لین دین کا حساب تحریراً رکھتے تھے۔ تاجرانہ معاہدے تحریری ہوتے تھے اور ان پر گواہوں کے دستخط یا انگوٹھے کے نشان لگوائے جاتے تھے۔ یہ یقینی بات ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے سب سے پہلے یمن ہی میں یہ تاجرانہ طریقے دیکھے اور انہیں لکھنے پڑھنے کی طرف رغبت ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب کو بھی قرض مال دینے سے واسطہ پڑتا تھا۔ آپ نے تحریری سند ہی کو زیادہ بہتر اور معتبر خیال کیا۔ یمنی تاجر خود ایسے موقع پر تحریر کا ہونا ضروری خیال کرتے تھے۔ چنانچہ یقینی طور پر آپ نے یمنی تاجر سے لکھنا پڑھنا سیکھا ہوگا تا کہ تجارت کے معاملات میں آسانی اور یقینی صورت پیدا ہو سکے چنانچہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے۔ اس کا ثبوت اس تحریر سے ملتا ہے جسے ابن ندیم نے عباسی دور کے کتب خانہ میں بچشم خود دیکھا تھا۔ اس تحریر کا ذکر ابن ندیم نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں کیا ہے۔ اس تحریر میں صنعا کے ایک شخص کو حضرت عبدالمطلب کی طرف سے دیئے گئے قرض اور اس کی ادائیگی کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابن ندیم لکھتا ہے۔

''میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس تحریر کے الفاظ یہ تھے۔'' حق عبدالمطلب بن

Presented by Ziaraat.net

هاشم من اهل المكه، على فلان بن فلان الحميرى من اهل وزل صنعاء عليه الف درهم فضة كيلاً بالحديدة و متى ' دعاة بها اجابة، شهدالله والملكان "

(سیرت النبی،ص:۱۷،ابن الندیم،ص:۸)

عبدالمطلب بن ہاشم ساکن مکہ کا قرضہ فلاں بن فلاں پر ہے جو صنعاء کا باشندہ ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں جب (یہ رقم) طلب کی جائے گی۔ وہ ادا کرے گا، خدا اور فرشتے اس کے گواہ ہیں۔ ابن ندیم کا کہنا ہے کہ عبدالمطلب لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ عبدالمطلب لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے سب سے پہلے اپنے ان بیٹوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا جو تجارت کرنے لگے تھے۔ چنانچہ حارث، ابوطالب، ابولہب پھر عباس لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے۔ حارث کے لڑکے بھی لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے۔ حضرت علی کو جس نے لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی تھی وہ عبدالمطلب کا پوتا اور حارث کا بیٹا سفیان تھا۔ اس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور اسکے ثبوت بھی مہیا ہوئے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے اپنی تمام قوم کو خاص طور سے ان قریش کو تعلیم کی طرف رغبت دلائی جو تجارت پیشہ ہو چکے تھے اور بیرونی ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے۔ انہیں تحریر کے ذریعہ تجارت کے تمام تر فوائد سے آگاہ کیا اور انہوں نے اس بات کو سمجھا بھی کیونکہ بیرونی تاجر خاص طور سے یمن شام، روم اور ایران کے لوگ زبانی لین دین نہیں کرتے تھے۔ یہ ایک بیش بہا اور مفید ترقی تھی جو قریش میں پیدا ہوئی۔

بنی ہاشم کو تعلیم کی طرف راغب اور اسکے ذریعہ ان کی تجارت میں وسعت دیکھ کر یقیناً بنی امیہ اور بنی مخزوم نے بھی تعلیم کی طرف توجہ دی ہوگی۔ اس وقت یہی دو قبیلے تجارت کرنے لگے تھے ان میں بنی مخزوم بنی امیہ سے بہت آگے تھے۔ وہ ہر معاملہ میں بنی ہاشم کا مقابلہ کرنا گویا اپنی انا کو قائم رکھنا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابوجہل، ابوسفیان اور ولید لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لہٰذا یہ خیال کہ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج ہی نہ تھا، بالکل غلط ہے۔ ممکن ہے ہاشم کے زمانہ تک لکھنا پڑھنا کوئی نہ جانتا ہو لیکن حضرت عبدالمطلب نے اپنے زمانہ میں تعلیم کا اجرا پوری طرح کر دیا تھا۔ اسی طرح بعض اہل قلم کا یہاں تک دعویٰ کرنا کہ اسلام میں تدوین و تالیف کی ابتداء خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ ۱۳۶ھ تا ۱۵۷ھ کے دوران ہوئی اور اس وقت تک تمام ذخیرہ حافظہ میں محفوظ رکھا جاتا تھا۔ یہ دعویٰ پہلے سے بھی زیادہ مضحکہ خیز اور لاعلمی کا مظہر ہے۔ تمام مورخ جانتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے خاندان کے حق میں ایک تاریخی کتاب ''اخبار الماضیین'' کے نام سے اپنے زمانہ میں لکھوائی تھی۔ پھر بقول علامہ شبلی ۶۸ھ میں عبدالملک بن مروان نے سعید بن جبیر سے قرآن کی تفسیر حکماً لکھوائی تھی۔ اخبار الماضیین عبید بن شریہ نے لکھی تھی۔ (سیرت النبیؐ جلد اول،ص:۲۳)

اس کا مطلب واضح طور پر یہ نکلتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے جو اپنے زمانہ میں تعلیم کو رواج دیا تھا۔ اس کے بہتر نتائج ان کی زندگی اور ان کی وفات کے بعد خاص طور پر برآمد ہونے لگے تھے اور قریش میں

لکھنے پڑھنے کی عادت اور رواج ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ہی کے زمانہ میں عربی رسم الخط کے ایجاد کی طرف توجہ دی جانے لگی تھی۔ آپ ہی کے زمانہ میں جو رسم الخط ایجاد ہوا وہ عربوں سے منسوب ہے۔ عقیل احمد اپنی تحقیق کے مطابق ''تاریخ ملت مسلمہ'' میں لکھتے ہیں۔

''اسلام سے کچھ پہلے وہ خط ایجاد ہوا جو عربی خط کہلاتا ہے۔ جس نے بہت سی صورتیں بدل کر آج یہ (مستقل) صورت اختیار کر لی ہے۔ جنہوں نے عربی رسم الخط ایجاد کیا ان کے نام یہ بتائے جاتے ہیں۔ ابوجاد، ہواز، کلمون، سعفص، قریشات لیکن یہ کوئی مصدقہ بات نہیں ہے''۔ (تاریخ ملت مسلمہ،ص:۱۵)

ہم جسے عربی خط کہتے ہیں۔ اسکی ایجاد کا زمانہ عقیل احمد نے اسلام سے کچھ پہلے بتایا ہے۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بتیس (۳۲) سال بعد اسلام کی ابتدا ہوئی۔ اس وقت مکہ میں پڑھے لکھے قریش کے موجود ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً ورقہ بن نوفل جو عیسائی ہو گئے تھے اور جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے۔ ان کے متعلق کتب تاریخ و سیر میں موجود ہے کہ وہ ان دنوں جب اسلام کا آغاز ہوا انجیل عربی زبان میں ترجمہ کر رہے تھے۔ قریش کو انجیل کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ابوجہل بالخصوص آپ کی صحبت میں بیٹھ کر انجیل کے واقعات سنا کرتا تھا۔ ابوسفیان کا باپ حرب جو ابتدائے اسلام میں زندہ تھا پڑھنا لکھنا جانتا تھا۔

خالد بن سعید (بن عاص بن امیہ بن عبدالشمس) قریش کے ان لوگوں میں سے تھے۔ جو بعثت نبوی کے وقت لکھنے پڑھنے میں مہارت رکھتے تھے۔ زرقانی کا بیان ہے کہ ۹ھ میں بنو ثقیف کا وفد جب بارگاہ نبیؐ میں حاضر ہوا تھا اور ان کے درمیان معاہدہ طے پایا تھا اسے خالد بن سعید ہی نے تحریر کیا تھا۔ خالد بن سعید مسلمان ہو گئے تھے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے بعد میں جب وہ حبشہ سے مدینہ گئے تو ان سے نوشت وخواند کی خدمات لی جاتی رہیں۔ ان کے دو بھائی عمر بن سعید اور ربان بن سعید بھی مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے تھے۔ رسولؐ اللہ نے اپنی حکمت عملی کے مطابق ان تینوں بھائیوں کو عہدے دیئے تھے اور ان تینوں نے آنحضرتؐ سے آخر وقت تک وفاداری نبھائی تھی۔

نبی اکرمؐ کی تعلیم

حضرت عبدالمطلب جب تعلیم کے اس قدر دلدادہ ہوں، وہ نوشت وخواند کو تجارتی اور معاشرتی ترقی کا ذریعہ قرار دیں خود بھی لکھنا پڑھنا سیکھیں اور قریش کو بھی لکھنے پڑھنے کی طرف راغب کریں اپنی اولاد کو بھی یہ فن سکھائیں اور پھر عربی رسم الخط کو بھی ایجاد میں لانے کے اسباب و ذرائع مہیا کریں تو کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز اور مستقبل کا نبیؐ ہونے والے پوتے کو نوشت وخواند کے علم سے بے بہرہ رکھیں۔ اس کو علم سے نابلد رکھیں جو انسان کی عزت اور اس کے وقار میں بلندی و استحکام قائم کرنے والا ہو، جو اپنی قوم کے افراد اور ہمعصروں میں بلند درجہ ثابت کرتا ہو۔ ایک ایسی صفت سے حضرت عبدالمطلب اپنے پوتے کو

Presented by Ziaraat.net

کس طرح محروم کر سکتے تھے۔ یہ بات تو بآسانی کہی جا سکتی ہے کہ آپؐ سے پہلے تمام انبیاء ان پڑھ تھے مگر یہ بھی تو دیکھنا ہوگا کہ ان انبیاء کے زمانہ میں یا ان کی قوم میں لکھنے پڑھنے کا کوئی رواج موجود تھا؟ وہ باعتبار ذہانت وعقل اور ادراک وعرفان میں تمام انسانوں سے بلند درجہ تھے۔ اس لئے نبی تھے مگر جس نبی کے دور میں اور پھر اس کی اپنی قوم میں نوشت وخواند نے رواج حاصل کر لیا ہو تو اس نبی کو اس صفت میں بھی فوقیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ ورنہ اسے عام لوگوں کے مقابلہ میں ان پڑھ کہہ کر کم درجہ ظاہر کیا جا سکتا ہے اور ایسا ہی کیا بھی گیا۔ بنی امیہ کے افراد نے آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کو ان پڑھ ظاہر کیا اور اپنے پڑھے لکھے لوگوں کے مقابلہ میں کم درجہ ظاہر کیا۔ ایسی بیشمار روایتیں ان لوگوں نے وضع کیں حتیٰ کہ قرآن کے لفظ امّی سے یہی مطلب واضح کیا حالانکہ یہاں اسکے یہ معنی نہیں ہیں۔

یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ ہر نومولود میں ذہانت، صلاحیت اور ادراک وعرفان قدرت کی جانب سے پیدائشی ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اجاگر کرنے میں ابتدائی ماحول اور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ماحول اور ابتدائی تربیت بچہ کی صلاحیت کے مطابق ہو تو اس میں مزید اضافہ ہوتا اور اسے جلا ملتی ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر آپؐ کی تربیت وتعلیم اپنی نگرانی میں کی اور اسے جلا بخشی، کون نہیں جانتا کہ آپؐ کی پیدائش سے قبل آپؐ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپؐ کو باپ کی شفقت نہیں مل سکی۔ آپؐ نے شیر خواری کا زمانہ بدو قبیلہ میں گزارا اور ابھی چھ سال عمر تھی کہ ماں کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ ماں کی ماتا سے بھی محروم رہے۔ اسی لئے آپؐ کے دادا نے آپؐ کی حفاظت، پرورش، تربیت اور تعلیم کی جانب توجہ دی آپؐ نے مستقبل کے نبی ہونے کے ناتے مراقبہ اور اعتکاف کی تربیت دی۔ اسی مقصد کے لئے حضرت عبدالمطلب آپؐ کو اپنے ساتھ غار حرا میں لے جاتے تھے اور اس طرح آپؐ کو مراقبہ اور اعتکاف کی تربیت و تعلیم دیتے تھے۔ قرآن نے اس کا ان الفاظ میں اقرار کیا ہے اور ہمیں اس راز سے آگاہ کیا ہے۔

"عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوىٰ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ"۔

ترجمہ: "اس پیغمبرؐ کو بڑی قوتوں والے اور بڑی طاقت والے نے تعلیم دی، پھر وہ قائم ہوا"۔
(سورۂ نجم)

سب نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب شدید القویٰ اور عظیم وجسیم تھے۔ حرب کے مقابلہ میں ثالث نے اسی معنی ومفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا تھا۔

"اَتنافر رجلاً هو اطول منك قامةً، واعظم منك مقامةً"

ترجمہ: "کیا تو اس شخص سے جھگڑتا ہے جو تجھ سے زیادہ عظیم الجثہ ہے اور تجھ سے زیادہ عظیم پیشانی رکھنے والا اقوی ہے"۔

اسی عمر میں حضرت عبدالمطلب کی ہدایت پر آپؐ کے چچا جناب ابو طالب نے آپؐ کو لکھنا اور پڑھنا سکھایا تھا نوشت وخواند سے آپؐ کی پوری واقفیت کے بہت سے ثبوت تاریخی واقعات اور روایات میں ملتے ہیں۔

صلح نامہ میں نوشت وخواند

صلح حدیبیہ کے موقع پر جو صلح نامہ لکھا گیا تھا۔ اس میں ایک لفظ "محمد رسولؐ اللہ" پر قریش کے نمائندہ نے اعتراض کیا تھا۔ عبارت یہ تھی کہ "یہ وہ شرائط ہیں جن کو خدا اور اسکے رسول محمدؐ نے منظور کیا" اعتراض یہ تھا کہ ہم محمدؐ کو اللہ کے رسول نہیں مانتے اس لئے اس میں سے رسولؐ اللہ کا لفظ حذف کیا جائے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے جو یہ صلح نامہ لکھ رہے تھے کہا کہ رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ لیکن حضرت علیؑ نے "رسولؐ اللہ" کا لفظ کاٹنا گوارا نہ کیا اور ایسی جرأت سے انکار کیا تو آپؐ نے صلح نامہ لے لیا اور اپنے ہاتھ سے "رسولؐ اللہ" کا لفظ مٹا کر اس کی جگہ "محمد بن عبداللہ" لکھ دیا۔

یہ واقعہ اور یہ عبارت "رسولؐ اللہ کا لفظ مٹا دیا اور محمدؐ بن عبداللہ لکھ دیا"۔ بخاری، مسلم، نسائی، مسند ابن حنبل اور تمام دیگر کتبِ سیر میں موجود ہے کہ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" لفظ مٹا دیا اور اس کی جگہ "محمدؐ بن عبداللہ" لکھ دیا۔ اگر آپؐ لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے جیسا کہ بعد میں بنی امیہ کے صاحبان اقتدار نے وہ منفی روایتیں مشہور کرا دی تھیں۔ تو پھر آپؐ نے یہ کیسے معلوم کیا کہ "رسولؐ اللہ" کہاں لکھا ہے اور محمدؐ بن عبداللہ کیسے لکھا جاتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آپؐ پڑھنا بھی جانتے تھے اور لکھنا بھی جانتے تھے اور یہ بنی امیہ کے پروپیگنڈے کے اثرات تھے کہ بخاری نے اس عبارت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ "ولیس یحسن یکتب" اور مسند حنبل میں بروایت اسرائیل ان الفاظ میں ملتے ہیں۔ "ولیس یحسن ان یکتب" "یعنی آپؐ لکھنے کے قابل نہ تھے یا لکھنا نہیں جانتے تھے"۔ یہ کس قدر حیرت کی بات ہے "آپؐ کے لکھنے اور پڑھنے کا تحریری اقرار کر لینے کے بعد بھی انہوں نے آپؐ کے نوشت وخواند سے نابلد ہونے کا اظہار کیا ہے۔ کیا بخاری اور احمد ابن حنبل یہاں یہ نہیں لکھ سکتے تھے کہ آپؐ لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہ تھے۔ لیکن وہ ایسے لکھنے سے قطعی طور پر قاصر ومعذور تھے کیونکہ اگر وہ یہ لکھتے تو پھر انہیں یہ بھی بتانا پڑتا کہ صلح نامہ میں یہ ترمیم کس نے کی؟ کیونکہ حضرت علیؑ اس جرأت سے قطعی طور پر معذوری کا اظہار اور انکار کر چکے تھے اور پھر یہ اصل تاریخی واقعہ کیخلاف بھی ہوتا لہٰذا انہوں نے اصل واقعہ لکھ کر آخر میں یہ جملہ بڑھا دیا کہ آپؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ حالانکہ تمام احادیث وسیر میں یہی جملہ لکھا ملتا ہے کہ "آپؐ نے محمد بن عبداللہ لکھ دیا اور "رسول اللہؐ کا لفظ مٹا دیا"۔ بعض نے اس کی وضاحت یوں کرنا بھی مناسب جانا کہ آپؐ نے آخری زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور آپؐ نے یہ الفاظ اپنے ہاتھ سے خود لکھے تھے۔ حالانکہ انہوں نے اس کی وضاحت کہیں نہ کی آخری زمانہ میں آپؐ نے کس سے لکھنا پڑھنا سیکھا اور نہ ہی کوئی ایسی روایت یا واقعہ ملتا ہے۔ سوائے اس روایت کے جو ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطہ سے بیان کی ہے کہ "آپؐ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک آپؐ نے لکھنا پڑھنا نہ سیکھ لیا"۔ اس روایت سے بھی آپؐ کا آخری وقت میں لکھنا اور پڑھنا ثابت نہیں ہوتا یہ عمل ابتدائی عمر میں بھی ہو سکتا ہے۔

Presented by Ziaraat.net

ایک اور روایت یونس بن میسرہ کے تعلق سے ملتی ہے۔ جس سے آپؐ کا پڑھا لکھا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ روایت یہ کہ ''آپؐ نے معاویہ بن ابوسفیان سے ایک حکم لکھوا کر اقرع اور عینیہ دو اشخاص کو عنایت فرمایا۔ ان دونوں نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ آپؐ نے ان سے وہ حکم نامہ لیا ایک نظر ڈالی، اسے پڑھا اور پھر کہا۔ ''اس میں وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا تھا''۔ اگر آپؐ پڑھنا نہ جانتے تو یہ کیسے کہتے کہ وہی حکم لکھا ہے جو میں نے دیا، کسی کو بلا کر پڑھواتے، کہ واقعی معاویہ نے میرے کہنے کے علاوہ کچھ اور تو نہیں لکھ دیا، مگر ایسی کوئی بات روایت میں موجود نہیں۔

حدیث قرطاس میں بھی یہ الفاظ بالاتفاق ملتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا'' کاغذ و قلم لاؤ تا کہ میں تمہیں وہ بات لکھ دوں'' ''لکھ دوں'' کہنا یہ ثابت کرتا ہے کہ آپؐ لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی۔ پھر قرآن پہلی ہی وحی میں ''اقراء'' کہہ کر یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آپؐ پڑھنا جانتے تھے اور پہلی وحی آپ پر چالیس سال کی عمر میں نازل ہوئی۔ یعنی آپؐ اس سے پہلے لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے۔

مستقبل میں تعلیم کے فوائد

حضرت عبدالمطلب کی اس ذہانت، عقل فہم اور دور اندیشی کی داد دیئے بغیر چارہ نہیں کہ آپ نے بروقت تعلیم کی طرف قریش کو راغب کیا اور ان کیلئے نوشت و خواند کے ذرائع بھی مہیا کئے۔ آپ کی وفات کے بعد اسی تعلیم کی وجہ سے وحی کا لکھنا اور پھر آج تک پڑھنے کیلئے قرآن کا مہیا ہونا آسان ہو سکا ہم مذہبی عقیدہ کی روشنی میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کی ذات بابرکات کو نبوت وحی اور اسلام کیلئے استحکام اور انکی راہ کی ہمواری کا وسیلہ بنایا۔ چنانچہ جب اسلام آیا تو مکہ میں کافی لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

دور اسلامی میں تعلیم

شرجیل بن حسنہ کندی مکہ میں سب سے پہلے کتابت وحی کا فرض انجام دینے والے تھے۔ قریش میں سب سے پہلا کاتب وحی عبداللہ بن ابی سرح تھا جو مدینہ میں کتابت کرتا تھا اور وحی میں اپنی جانب سے کم و بیش بھی کر دیا کرتا تھا۔ یہ راز کھل جانے پر وہ مدینہ سے فرار ہو کر مکہ آیا اور مرتد ہو گیا۔ مدینہ میں سب سے پہلے وحی کی کتابت کا آغاز ابی بن کعب نے کیا تھا۔

حضرات علیؑ، زبیر، ابوبکر، عثمان، عمر، عامر بن فہیر، عمر بن العاص، عبداللہ بن ارقم، ثابت بن قیس بن شماس، حنظلہ بن الربیع الاسدی، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن رواحہ، خالد بن ولید، خالد بن سعید بن العاص، علاء بن حضرمی، حذیفہ بن الیمان، معاویہ بن ابی سفیان اور زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) پڑھے لکھے تھے۔

ہجرت کے بعد آنحضرتؐ نے بھی قیام مدینہ کے دوران لکھنے پڑھنے کی ترغیب دلائی اور اس کا بندوبست بھی کیا۔ بدر کی جنگ میں قید ہونے والے ان قیدیوں کا فدیہ معاف کر دیا جو مدینہ کے باشندوں کو

لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ زید بن ثابت نے اسی دوران تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر آنحضرتؐ نے زید بن ثابت کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ وہ عبرانی زبان سیکھیں زید ذہین تھے۔ آنحضرتؐ نے مدینہ میں سب سے پہلے سعید بن عاص کو مقرر کیا تھا کہ وہ لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں اور وہ یقیناً مکہ سے یہ فن سیکھ کر آئے تھے۔

آنحضرتؐ نے عورتوں کو بھی تعلیم کی طرف توجہ دلائی آپؐ کے زمانہ میں متعدد عورتوں کے نام ملتے ہیں جو باقاعدہ پڑھنا لکھنا جانتی تھیں۔ بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق اس وقت عورتوں میں صرف شفاء بنت عبداللہ عدویہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت حفصہ کو شفاء بنت عبداللہ سے تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ حضرت حفصہ نے ان ہی سے تعلیم حاصل کی تھی ازدواج میں حضرت ام سلمیٰ بھی نوشت و خواند سے واقف تھیں۔

حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں معاہدہ یا امان دینے کا اعلان منادی کے ذریعہ کرانے کے ساتھ لکھ کر خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکانے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں لکھنے کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ آپؐ کی وفات کے بعد خانہ کعبہ پر سبع معلقات کو آویزاں کرنے کا واقعہ ایک تاریخی اور یقینی تسلیم شدہ واقعہ ہے۔ بنی امیہ اور ان کے حلیفوں نے جب بنی ہاشم بنی مطلب کا مقاطعہ کیا تھا تو اس اعلان کو انہوں نے لکھ کر خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکایا تھا، یہ بھی تاریخ کا ناقابل تردید واقعہ ہے۔ ظاہر ہے یہ چیزیں لکھی ہوتی تھیں اور کوئی ان کا لکھنے والا بھی ہوتا ہوگا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی نظر میں عربی زبان کو سب سے پہلے ایک تحریری زبان کی حیثیت عطا کرنا اہل مکہ ہی کا کام تھا اور اس کی ابتداء حضرت عبدالمطلب نے کی تھی۔ آپؐ ہی کے زمانہ میں اور پھر آپؐ کے زمانہ کے بعد عربی زبان بالخصوص قرآن حکیم میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جن کا تعلق نوشت و خواند سے ہے یا ان اشیاء سے جو نوشت و خواند میں استعمال کی جاتی تھیں۔ ان میں کچھ الفاظ ایسے ہیں جو خالصتاً عربی زبان کے ہیں یعنی حسب ضرورت وضع کئے گئے اور کچھ ایسے ہیں جو دوسری زبانوں سے عربی میں داخل کئے گئے۔ یعنی تلفظ کے اعتبار سے تبدیل کر کے معرب کئے گئے۔ مثلاً۔ قلم، نون (دوات) رقم، رقوم، سطر، مسطور مستطر، کاتب، مکتوب، کتب، خط، مخطوط، تخطّ، مداد (سیاہی) صحیفہ، صحف، اساطیر وغیرہ۔ اسی طرح سجل جس کے معنی خط پر مہر لگانے کے ہیں یا لفظ قط سہیلی نے اسے کاغذ کے معنی میں لیا ہے یا لفظ رق ہے جو جھلی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور قدیم زمانہ میں جھلی پر لکھا جاتا تھا۔ درختوں کے پتوں اور چھال پر بھی لکھا جاتا تھا۔ قرآن میں قرطاس، کا لفظ آیا ہے جو پیپر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت عبدالمطلب ہی نے اس کی ابتدا کی تھی جس کے آثار آنحضرتؐ کے زمانہ میں پوری طرح ظاہر ہوئے اور قرآن نے نہ صرف اس کی تائید کی بلکہ اسے مزید فروغ دینے کا حکم بھی دیا۔ مثلاً ''اے مسلمانوں جب تم کوئی عہد کرو تو اسے لکھ لیا کرو''۔ اسی طرح لین دین اور قرض وغیرہ کے معاملات کو بھی لکھنے اور ان پر گواہ بنانے کی ہدایت قرآن نے دی حضرت عبدالمطلب نے جس تعلیم کی ابتداء کی تھی اور اہل مکہ کو اس پر آمادہ کیا تھا اس کی تائید قرآن نے بھرپور انداز میں کی۔ کہیں کہا ''پڑھ اپنے

Presented by Ziaraat.net

رب کے نام سے'' اور کہیں کہا ''پڑھ یہ تیرا رب ہی ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا'' اور اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھائی جس سے لکھنے پڑھنے کی اہمیت اور مفاد کا انداز ہوتا ہے۔ ایک جگہ تو قرآن نے بڑے صاف الفاظ میں کہا کہ ''اگر تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں''۔ ایسی تمام آیات مکی بتائی گئی ہیں یا اکثر مکی ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن نے ابتدا ہی میں نوشت وخواند کی اہمیت کو واضح کیا اور اس کی طرف رغبت دلاتے ہوئے اس کی ہدایت بھی کی۔ آنحضرت نے ایک بار فرمایا۔ ''اللہ نے سب سے پہلے قلم ہی کو پیدا کیا''۔

(ترمذی، ابن حنبل، ابوداؤ)

ڈاکٹر حمید اللہ نے اس موقع پر ''گونسٹن ویرژیل'' کا ایک قول نقل کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب ''محمد رسول اللہ'' میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ ''میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کے دین کی ابتداء ہی میں کسب معرفت (علم) کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے'' اور یہ اہمیت حضرت عبدالمطلب کی ذہانت اور دور اندیشی کا کارنامہ ہے۔

قریش میں کتابت کی ابتدا

اس مسئلہ میں کہ عربوں میں کتابت کا عمل کب شروع ہوا۔ اس میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت ایوبؑ کے دور میں عرب لکھنا سیکھ گئے تھے اور بعض کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے دور میں عربوں نے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ دونوں اندازے بہرحال یقینی نہیں ہیں۔ لیکن اس خیال میں کوئی شبہ نہیں اور اسکی تائید میں دلائل مہیا ہوتے ہیں کہ اسلام سے پہلے بالخصوص قریش میں کتابت کا آغاز ہو گیا تھا اور اس کا تعین حضرت عبدالمطلب ہی کے درمیانی یا آخری دور میں کیا گیا ہے اور یہ اس لئے درست ہے کہ آپ نے یمن کے بیوپاریوں کو ایسا کرتے دیکھ کر خود بھی یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ اس کا ثبوت آپ کی وہ تحریر ہے جو ابن ندیم نے عباسی کتب خانہ میں دیکھی تھی اور پھر آپ نے قریش تاجروں کو کتابت کی طرف رغبت دلائی تھی۔ جنگ بدر کے قیدی جنہوں نے اہل مدینہ کو لکھنا پڑھنا سکھایا تھا وہ قریش ہی سے تھے اور لکھنا جانتے تھے۔ (استیعاب کی جلد اول، ص:۳۵۳) پر ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ میں عبداللہ بن سعید بن عاص کو اہل مدینہ کے بچوں کو لکھنے کی تعلیم دینے پر مقرر کیا تھا۔ عبداللہ بن سعید اپنے وقت کے خوش نویس تھے۔ ظاہر ہے انہوں نے خود لکھنا مکہ میں سیکھا تھا بعد میں اصحاب صفہ بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تاریخ القران کے مصنف علامہ لطیف رحمانی لکھتے ہیں۔

''عرب میں تحریر کیلئے ایک قسم کا کاغذ بنایا جاتا تھا جسے رق کہتے تھے۔ یہ لفظ قرآن میں بھی آیا ہے بعض مخصوص مقامات پر حریر پر لکھتے تھے جسے مہرق کہتے تھے۔ مہرق کپڑے کے ایسے ٹکڑے کو کہتے تھے جسے روغن دے کر صاف کر لیا گیا ہو۔ چونکہ

قرآن میں قرطاس کا لفظ بھی ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے عرب میں قرطاس کا استعمال ہونے لگا تھا''۔

عرب میں گو کتابت کا فن تھا۔ مگر اس کا زیادہ رواج نہ تھا۔ مکہ میں حضرت عبدالمطلب نے اسے رواج دیا اور قریش میں اس کا شوق پیدا کیا۔ عبداللطیف رحمانی لکھتے ہیں۔

''دوسری جگہوں کے مقابلے میں مکہ میں لکھنے کا رواج زیادہ تھا طبقات ابن سعد میں ہے کہ اہل مکہ کتابت جانتے تھے، اہل مدینہ اس سے واقف نہ تھے۔ علامہ شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں کہ قریش میں (اس وقت) سترہ آدمی پڑھنا جانتے تھے۔''

(تاریخ القرآن)

اس کے باجود رحمانی صاحب نے ایسے اکتالیس آدمیوں کے نام تاریخ سے تلاش کر کے لکھے ہیں۔ جو آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے وہ نام یہ ہیں۔

حنظلہ بن ربیع، عمر بن رافع، رافع بن مالک، سعد بن عبادہ، اسید بن حضیر، منذر بن عمر، اوس بن خولی، عبداللہ بن زید، شہر بن سعد، عبداللہ بن رواحہ، سعد بن الربیع، ابوعبس بن جبر، عبدالرحمن، ابو یونس مولیٰ عائشہ، عبدالرحمٰن بن حر بن عمر بن زید، عبداللہ بن سعید بن عاص، نافع بن طریب بن عمر بن نفیل، ناجیۃ الطناوی ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، ابوبکر، عمر، عثمان، علیؑ، زبیر بن عوام، خالد بن سعید بن عاص، اباّن، سعید بن عاص، حنطلۃ الاسدی، علا بن الحضرمی، خالد بن ولید، محمد بن سلمہ، عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول، مغیرہ بن شعبہ، عمر بن العاص، معاویہ بن ابوسفیان، جہیم بن الصّلت، معیقب بن فاطمہ، عبداللہ بن ارقم زہری اور شرجیل بن حسنہ، ان میں انصار اور مہاجرین دونوں شامل ہیں۔ بعض اسلام سے قبل لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

(تاریخ القرآن، ص:۲۶)

قرآن نے یہ کہہ کر ''اِقراء وَربُکَ الّذی عَلّمَ بِالقَلمِ، عَلَّمَ الِا نسان مالَم یَعلمَ'' یعنی پڑھ اور وہی تیرا رب ہے جس نے علم دیا قلم کے ذریعہ اور سکھایا انسان کو وہ جو وہ نہیں جانتا تھا، حضرت عبدالمطلب کی ان خدمات کو سراہا ہے جو انہوں نے قریش کو لکھنا پڑھنا سکھا کر اسلام اور قرآن کی خدمت کی تھی۔ اگر وہ اس کی ابتداء نہ کرتے تو اسلام اور نزول قرآن کے دوران نہ قلم ہوتا اور نہ نوشت وخواند قریش میں موجود ہوتی۔

کتب تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ طلوع اسلام کے وقت مکہ میں صرف ایک عورت لکھنا پڑھنا جانتی تھی اس کا نام بنت اللہ لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے۔

Presented by Ziaraat.net
Saheel-e-Sakina (SA)

(۱) حضرت عبدالمطلب کا تعلیم کی طرف رغبت دلانا موثر ثابت ہوا، پھر اس عورت کا نام بنت اللہ ہے جو آپ کے نظریہ اور عقیدہ سے مطابقت کرتا ہے۔ دوسرے حضرت عبدالمطلب کی تعلیمی تحریک کا یہ اثر تھا کہ عورتیں بھی پڑھنے کی طرف رغبت رکھتی تھیں یا یہ کہ حضرت عبدالمطلب نے تعلیم نسواں کا بھی خیال رکھا تھا۔ ظاہر ہے اس عورت نے مکہ ہی میں تعلیم پائی ہوگی۔ اسی عورت بنت اللہ نے خطاطی میں بھی نام پیدا کیا تھا جو تعلیم سے لگاؤ کا ثبوت ہے۔ ابن ہشام کے کہنے کے مطابق مقاطعہ قریش کا معاہدہ منصور بن عکرمہ بن عامر نے لکھا تھا اور کعبہ پر لٹکا دیا تھا۔

حضرت عبدالمطلب بحیثیت مقنّن

عرب میں سماجی ادارے

بعض مبصرین نے کہا ہے کہ قدیم عربوں میں عدلیہ اور نفاذیہ ادارے تو موجود تھے، لیکن قانون سازی کا کوئی ادارہ موجود نہ تھا، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اگر قانون سازی نہ ہوتی تو عدلیہ اور نفاذیہ کے ادارے کیسے وجود میں آتے؟ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن کو ہم آج کی زبان میں ادارے کہتے ہیں۔ اس وقت وہ باقاعدہ منضبط نہ تھے پھر بھی اس زمانہ میں باقاعدہ مشورہ سے قانون بنتے تھے۔ ان پر عمل ہوتا تھا اور ان کا نفاذ بھی مگر یہ ادارے گویا پورے عرب کی مشترکہ ضرورت تھی جو یہ عمل کراتی اور مقررہ قانون پر عمل کرنے پر آمادہ اور مجبور کرتی تھی۔ یہ مشترک ضرورت ایک خاندان یا قبیلہ ہی میں نہ تھی بلکہ وسعت حاصل کر کے بین القبائلی صورت اختیار کر چکی تھی چنانچہ بین القبائلی قانون بھی موجود تھے۔

ابتدا میں، قبل مسیح کے قبائل کی طرح عربوں میں بھی پنچ تھے جو باہمی خانگی اور قبائلی سطح کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور یہ فیصلہ فریقین کو تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ بعد میں فیصلہ کا ایک اور طریقہ رائج ہوا اور وہ یہ کہ اگر فریقین پنچ پر بھروسہ نہ کرتے یا کسی مسئلہ کا حل قبیلے کے افراد باہم مل کر تلاش نہ کر پاتے تو فریقین کاہن کے پاس جاتے اور کاہن غیبی قوت کے اشارے پر اس مسئلہ کا فیصلہ کرتا یا کاہن قرعہ اندازی سے کسی فیصلہ تک پہنچتا اور یہ فیصلہ قریش کو تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ ایک تیسرا طریقہ ان دو طریقوں سے زیادہ بلند درجہ تھا جب پنچ پر اعتماد نہ کیا جاتا اور قرعہ اندازی کو بھی اتفاق قرار دیکر قابل اعتماد نہ سمجھا جاتا تو بین القبائلی شہرت کے کسی بزرگ سردار کو حکم بننے کی پیشکش کی جاتی وہ فریقین کے بیانات سننے کے بعد اپنا فیصلہ دیتا اور فیصلہ سے پہلے ان سے اقرار کراتا کہ وہ اسکے فیصلہ کو تسلیم کرینگے۔ دونوں اسکے فیصلے کو مانتے اور ایسا حکم صاحب قوت ہوتے ہوئے اپنے فیصلہ پر عمل بھی کراتا اور قصوروار پر جرمانہ بھی کرتا اور جرمانہ وصول کر کے فریق کو دلواتا یہ جرمانہ بھی فیصلے سے پہلے منوالیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے تھے جو حکم بننے اور منصفانہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے اور مشہور بھی ہوتے تھے۔ عکاظ کے میلے میں بھی یہ حکم فیصلے کے امور انجام دیتے تھے۔ ''البدایہ والنہایہ'' میں ایک ایسے ہی بین القبائلی حکم کا نام ''عامر بن الظرب العدوانی'' لکھا ہے۔

ابن حبیب نے اپنی کتاب ''المحبر''، ص: ۱۳۲ میں لکھا ہے کہ ''نزار بن معد بن عدنان کے زمانہ سے عربوں میں حکم کا وجود ثابت ہے اور اس زمانہ میں نجران کا باشندہ ''لافعیٰ بن الحصین'' حکم تھا'' ابن کثیر اور ابن ہشام کا کہنا ہے کہ قصیٰ اور بنی خزاعہ کی جنگ کے دوران بنی کنانہ کے ایک فرد ''شداخ'' نامی کو حکم کے فرائض سونپے گئے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں ''یہ حکم کمبل اوڑھے اور عمامہ باندھے کسی درخت کے تنے سے ٹیک لگائے فیصلہ صادر کیا کرتے تھے''۔

Presented by Ziaraat.net

نئے قوانین کی طرف التفات

حضرت عبدالمطلب نے اپنے ابتدائی دور میں ان سماجی اداروں کے ضابطوں کا بغور مطالعہ کیا تھا جو قریش میں جاری تھے اور جن کے ذریعہ متنازع مسائل کو حل کیا جاتا تھا۔ ان ہی کے ذریعہ آپ نے اپنے اور بنی امیہ کے درمیان تنازعات کو ختم کیا تھا۔ لیکن جب آپ کی جائیداد پر نوفل نے بنی امیہ کے اشارہ پر قبضہ کرلیا تو قریش نے اس مسئلہ کے حل میں کوئی مدد نہیں کی تھی اور اس کا فیصلہ طاقت کے بل بوتے پر کرنا پڑا تھا۔ گویا آپ نے ابتداء ہی میں ان طریقوں کا نہ صرف مطالعہ بلکہ تجربہ بھی کرلیا تھا کہ متنازع مسائل کے حل کے لئے یہ طریقے نامناسب اور انسانی عقل وشعور کے خلاف ہیں۔ اگر قرعہ اندازی میں قرعہ جس کے خلاف نکلتا وہ ازلام کے تیر بت کے منہ پر مارتا اور اگر کاہن کا فیصلہ کسی کے خلاف ہوتا تو وہ اسے برا بھلا کہتا اور اگر فریقین یا کوئی ایک فریق حکم پر رضامند نہ ہوتا تو جنگ ہوتی اور طاقتور اپنا مقصد حل کرلیتا۔ ان طریقوں میں شعوری اور عقلی طور پر انصاف کا کوئی وجود نہ تھا۔ یہ سب کچھ مجبوراً کیا جاتا تھا۔ آپ نے ابتدا میں ہی ان تمام طریقوں کا تجزیہ اور تجربہ کرلیا تھا۔ آپ جنگ وجدل کو کسی طور پسند نہ کرتے تھے اس لیے آپ ایسے قوانین کے اجرا کی خواہش رکھتے تھے۔ جن کی بنیاد پر فیصلے ہوں اور ان کو سب پسند کریں۔

جب آپ نے اندرونی خلفشار سے نجات حاصل کرلی اور تجارت کے لیے شام اور یمن کے سفر کیے، وہاں قیام کیا اور ان کے تمدن کا جائزہ لیا تو آپ کو ان کی سیاسی، سماجی اور معاشی ضابطوں کی طرف توجہ ہوئی۔ وہاں ایک عرصہ دراز سے حکومتیں قائم تھیں اصول وضوابط معین تھے۔ قوانین اور ان کا نفاذ جاری تھا۔ تجارتی لین دین اور معاہدے تحریری ہوتے تھے اور فیصلے مقررہ قوانین کے مطابق کیے جاتے تھے اس لیے باہمی خونریزی نہیں ہوتی تھی۔ آپ شام بہت کم جاتے البتہ اکثر آپ کا جانا یمن ہوتا تھا یمن ایک متمدن ملک تھا۔ آپ نے زیادہ تر یمنی قوانین کا مطالعہ کیا اور پھر اپنی قوم ومعاشرہ میں اپنی معاشرتی ضرورت کے مطابق قوانین وضع کئے اور پوری قوم کی منظوری کے بعد انہیں قریش میں رائج کیا۔ ان میں تجارتی لین دین، قرض، سود، مال کے تبادلے، باہمی تنازعات کے حل، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی قوانین واصلاحات شامل تھے۔

اس وقت قریش کے تمدنی حالات قانونی نفاذ نہ ہونے کے سبب دگرگوں تھے اور حالات کی بہتری کیلئے کوئی مجوزہ قانون نہ تھا۔ وہ لوٹ مار کرتے، قافلوں پر شب خون مارتے، تنہا مسافر کو لوٹ لیتے، باہر سے آنے والے تاجروں سے مال لے کر ان کی رقمیں دبا لیتے، بچوں اور غلاموں کو اغوا کرتے۔ باہمی تنازعات میں قتل کرتے تو دیت دینے سے انکار کرتے، چوری کرتے، ڈاکہ ڈالتے، مالداروں کو جھگڑے کا بہانہ بنا کر قتل کرتے اور مال پر قبضہ کرلیتے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے زمانۂ سرداری میں ان باتوں کو پسند نہیں کیا اور معاشرہ میں امن وسکون کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی اسی مقصد کیلئے انہوں نے قوانین وضع کئے اور انہیں بتدریج رائج کیا اور ان قوانین کے نفاذ کے لئے باقاعدہ ادارے بنائے۔ کسی ایک قبیلے کے معتبر بزرگ یا سردار کو کسی ایک ادارے

کا انچارج یا ذمہ دار بنایا اور پھر اس پورے قبیلے کو اس ادارے کی بہتری کے فرائض کی ذمہ داری سونپ دی۔

مکہ کا قدیم سماجی نظام

حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد مکہ تیسری صدی عیسوی تک ایک یمنی قبیلہ بنی جرھم کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد جرھمیوں کے ایک قحطانی قبیلہ بنی خزاعہ نے مکہ اور حجاز کے جنوبی حصہ پر اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔ پھر ۴۳۰ء کے بعد قصیٰ بن کلاب نے بنی خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا اور تولیت کعبہ اور مکہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ قصیٰ نے مکہ کو جو ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا، قریش کو مکہ کے گرد آباد کر کے ایک شہر کی حیثیت اور درجہ میں تبدیل کیا اور پھر اسے ایک چھوٹی شہری جمہوریہ کی شکل دیدی یہ شہری حکومت پانچ شعبوں میں تقسیم تھی۔

(۱) دارالندوہ: یہ ایک جلسہ گاہ تھی جہاں حسب ضرورت اجلاس ہوتا۔ قصیٰ کے خاندان کے افراد اور بزرگ شہری شریک ہوتے تھے اور کسی اہم مسئلہ کا اپنی رائے سے فیصلہ کرتے تھے۔ اس کی باقاعدہ انتظامیہ تھی۔

(۲) لواء: یہ اس شہری جمہوریہ کا نشان یعنی علم تھا جو جنگ کے موقع پر مجمع عام میں سالار فوج کو عطا کیا جاتا تھا۔ اس کا بھی باقاعدہ ایک نظام تھا۔

(۳) رفادہ: یہ غرباء، مساکین اور بدحال حاجیوں کی امداد کیلئے ایک محصول تھا۔ اس کے ذریعہ دور دراز سے آنے والے حاجیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اسکے بندوبست کیلئے بھی باقاعدہ ادارہ تھا۔

(۴) سقایہ: اس ادارہ کے ذریعہ حاجیوں کو پانی کی فراہمی کا انتظام کیا جاتا تھا۔

(۵) حجابہ: یہ ایک عہدہ تھا اور اس عہدہ پر فائض شخص کعبہ کا کلید بردار ہوتا تھا۔ ۴۸۰ء کے قریبی زمانہ میں قصیٰ کی وفات ہوگئی تو اس کی اولاد میں اس مناصب کی تقسیم پر اختلاف برپا ہوا۔ بالخصوص بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان یہ تنازع طویل عرصہ تک جاری رہا اور یہ مناصب ایک دوسرے کو حکم کے ذریعہ منتقل ہوتے رہے۔ عبدمناف کے بعد یہ منصب اس کے بیٹے ہاشم اور اس کے بعد اس کی اولاد میں قائم رہا اور حضرت عبدالمطلب تک پہنچا۔ قصیٰ کے قائم کردہ معاشی وسماجی اور سیاسی ومذہبی نظام سے پہلے قریش پورے عرب کے معاشی وسیاسی نظام سے وابستہ تھے اور یہی حال مذہبی اور سماجی نظام کا تھا۔ ''تاریخ مکۃ المکرمہ'' کے مولف کا کہنا ہے کہ ''پورے عرب میں ایک زبان بولنا ایک طرز سے فال دیکھنا، مختلف بتوں اور دیوتاؤں کی مشترکہ طور پر عبادت کرنا اور ان کے رسوم و رواج میں یکسانیت کا پایا جانا یہ تمام چیزیں ان کے سیاسی اتحاد اور ملی یگانگت کا پتا دیتی ہیں۔ لیکن ۴۳۰ء کے بعد کے زمانہ میں قصیٰ کے برسرِ اقتدار آنے سے مکہ کے قریش کا سیاسی نظام، خاص طور پر عرب کے دیگر قبائل سے قطعاً جدا ہوگیا تھا۔ اسی لیے قریش جو اب مکہ کے محافظ تھے دیگر قبیلوں سے ممتاز اور ممیز ہوگئے تھے۔

Presented by Ziaraat.net

قصیٰ نے مکہ کے زیر اثر علاقے میں ایک چھوٹی سی ذاتی جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔ اس نے اس مختصر مگر اہم جمہوریت کا نظام حکمرانی چلانے کیلئے ایک مجلسِ مشاورت کی ابتداء کی جو قریش کے دس بڑے قبیلوں کے سرداروں پر مشتمل تھی۔ مجلسِ مشاورت کے اجلاس کیلئے اس نے حرم کعبہ کے شمالی حصہ میں ایک چھوٹی سی عمارت تعمیر کی اور اس کا نام ''دارالندوہ'' رکھا۔ اسی دارالندوہ میں اہم معاملات کا تصفیہ ہوتا۔ سیاسی و معاشی اور معاشرتی اور سماجی متنازع امور یہیں مشورہ اور رائے سے طے پاتے، قصیٰ نے پانچ ادارے جن کا ذکر ہوا قائم کیے تھے۔

حضرت عبدالمطلب کا سماجی و سیاسی شعور

حضرت عبدالمطلب کے سماجی و سیاسی شعور کی سطح معلوم کرنے کیلئے ہمیں بہرحال اس زمانہ کے مقامی اور ہمسایہ ممالک کے سیاسی و سماجی پہلوؤں پر نظر ڈالنا ہوگی۔ حضرت عبدالمطلب کے ابتدائی زمانہ سے آپ کی وفات اور پھر عہد رسالت تک اطراف عرب کی حکومتوں میں رائج سیاسی و سماجی نظام کو بہ نظر عمیق دیکھنا ہوگا۔ اگر ہمسایہ ممالک کے عربوں پر پڑنے والے تاثرات کا تجزیہ کیا جائے اور چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں عربوں بالخصوص قریش کے سیاسی حالات کا اندازہ کیا جائے تو یہ معلوم کرنا مشکل نہ رہے گا کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے دور میں کیا سیاسی، سماجی اور مذہبی اصلاحات کیں اور وہ بذات خود سیاسی و سماجی اور مذہبی شعور کے کس درجہ پر فائض تھے۔

حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں شمال کی جانب دو طاقتور سلطنتیں قائم تھیں۔ ایک ایران دوسری بازنطین، اس وقت ایران میں چار طبقے پائے جاتے تھے۔ (۱) مذہبی پیشوا یہ موبد کہلاتے اور انصاف بھی کرتے (۲) جنگجو طبقہ (۳) حکومت کے عمال (۴) زراعت پیشہ اور اہل حرفہ۔ وہاں قانون سازی ہوتی تھی اور یہ فرائض موبدان انجام دیتے تھے زراعت پیشہ اور اہل حرفہ سے ٹیکس لیا جاتا تھا۔

رومی سلطنت میں تین طبقے پائے جاتے تھے۔ (۱) کاشتکار (۲) اہل حرفہ (۳) فوجی طبقہ۔ اہل حرفہ سے ٹیکس لیا جاتا تھا مذہبی تعصب بے انتہا تھا۔ جب تک قیصر روم اپنے مذہب پر قائم رہا عیسائیوں پر ظلم کرتا رہا اور جب خود عیسائی ہوگیا تو غیر عیسائیوں کو قتل کرتا رہا۔ اس نے یہودیوں کو بیت المقدس سے نکال دیا تھا اور بیت المقدس سے تین ہزار فٹ تک کے رقبے میں قدم تک رکھنے سے منع کر دیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ سرداری میں ایران کا شہنشاہ خسرو اور روم کا بادشاہ جسٹین تھا۔

عرب ریاستیں

حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں عرب تین حصوں میں تقسیم تھا۔ (۱) عرب البائدہ (۲) عرب العاربہ، یہ قحطان یا یقطان کی نسل تھی جو عرب پر مسلط تھی۔ (۳) عرب المستعربہ، یعنی جو عربوں میں منتقل ہوگئے تھے۔ یہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد تھی جو شمال کی طرف سے حجاز میں داخل ہوئی اور عرب العاربہ کے درمیان سکونت

اختیار کر لی۔ عرب العاربہ کا اثر و رسوخ ختم ہو چکا تھا۔ اب عربوں کے دو گروہ صاحب اقتدار تھے۔ قحطانی جنوب میں یمن پر حکمران تھے اور اسماعیلی حجاز پر مسلط تھے۔ قحطانی حجاز، یمامہ اور یثرب تک پھیل گئے اور شام میں انہوں نے غسانی اور بابل کے قریب حیرہ کی ریاست قائم کر لی۔ غسانی پر روم اور حیرہ پر ایران کا تسلط قائم ہوگیا۔

حضرت عبدالمطلب کی عمر اس وقت چونتیس (۳۴) سال کے قریب تھی جب ۵۲۹ء کے لگ بھگ یمن کے یہودی حکمران یوسف ذونواس اور حبشی عیسائیوں کے درمیان جنگ ہوئی اس کا سبب مذہبی تعصب تھا اور یوسف ذونواس نے عیسائیوں کو نذر آتش کر دیا تھا۔ حبشیوں نے روم سے مدد طلب کی رومی عیسائی تھے اور یوں یمن پر قابض ہوگئے۔ اسی حبشی فوج میں ابرہہ تھا جو بعد کو یمن کا گورنر بنا بہت بعد میں کوئی چالیس سال بعد ایران نے سیف بن ذی یزن کو فوجی امداد دے کر یمن کا دوبارہ حکمران بنا دیا جس کی تاجپوشی کے جشن میں حضرت عبدالمطلب نے شرکت کی۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنی ہمسایہ سلطنتوں یمن، روم، حبشہ اور عرب ریاستوں کے قوانین کا بغور مطالعہ کیا۔ سماجی و مذہبی اداروں اور قواعد کا جائزہ لیا اور پھر خود اپنے پردادا قصیٰ بن کلاب کی ایک مختصر شہری مملکت کو باضابطہ مملکت میں تبدیل کر دیا۔ آپ نے امن و امان قائم رکھنے اور فساد یا جنگ و جدل نہ ہونے پر زور دیا اور پہلے سے جاری اداروں میں مزید اصلاحات کے ساتھ نئے قوانین وضع کیے اور انہیں قریش میں رائج کیا۔

جاری نظام میں اصلاحات و استحکام

حرب کی کھلی شکست اور حضرت عبدالمطلب نے اس سے قطع تعلق کے بعد وقتی خاموشی ہنگامی اور رد رعایت یا ناتجربہ کاری کے سبب مخالفت میں پس و پیش کی وجہ سے جو امن و سکون کا مختصر عرصہ حضرت عبدالمطلب کو میسر آیا۔ آپ نے اس وقفے میں فوری طور پر اپنے منصب کے امور میں ضروری اصلاح اپنی سرداری کے استحکام اور قریش میں مزید ہر دلعزیزی کی طرف خاص توجہ دی۔ آپ نے سقایہ اور رفادہ کے انتظام کو جو قصیٰ کا قائم کردہ تھا بہتر بنایا اور اس میں سہولتیں پیدا کیں۔ پہلے سے موجود دارالندوہ اور حجابہ کے انتظام کو مزید درست اور فعال بنایا۔ قریش کے ہر فرد کو ربط و ضبط کی سہولت مہیا کی اور انتظامی امور کا کلی احاطہ کرنے کے لئے دارلندوہ کے موجود عہدوں میں اضافہ کیا۔ قصیٰ کے زمانے میں دارالندوہ کے کل پانچ عہدے تھے اور وہ سب کے سب قصیٰ کے پاس تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے زمانے میں یہ عہدے بڑھ کر بارہ ہو چکے تھے۔ اس طرح آپ نے قریش کے ہر قبیلے کو ایک ایک عہدہ دے کر مکمل جمہوریت، باہم برابری اور مساوات قائم کی اور کسی کو اعتراض کا موقع نہ دے کر یگانگت قائم کر دی تھی۔

دارالندوہ کے عہدوں میں اضافہ اور نفاذِ قانون

دارلندوہ کے عہدوں میں اضافہ اور نئے قوانین کا اجراء وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت ہوتا رہا۔ سب سے

Presented by Ziaraat.net

پہلے عہدے اور قانون کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب خانہ کعبہ میں سونے کے ہرنوں کی چوری ہوئی تھی۔ یہ آپ کا ابتدائی زمانہ تھا اس وقت حضرت عبدالمطلب کے زیرغور یہ اہم مسئلہ آیا کہ آئندہ کے لئے چوری کا یقینی وحتمی انسداد کیسے ہو؟ جس طرح ضرورت ایجاد کا سبب بنتی ہے اسی طرح جرم قانون کی وضعیت کا باعث ہوتا ہے۔ پہلے جرم وجود میں آتا ہے پھر اس کی روک تھام کے لئے قانون وضع ہوتا ہے اور سزا کا تعین عمل میں آتا ہے۔ حضرت عبدالمطلب میں ایک اچھے مقنن کی صلاحیت موجود تھی۔ ایسے ہی مواقع پر انتظامی امور کے استحکام کے لیے قوانین کے اجراء اور دارالندوہ میں مناصب کے اضافہ کی ضرورت پیش آتی رہی۔ اس موقع پر آپ کو شدت سے ایسے قانون کی ضرورت کا احساس ہوا جو خانہ کعبہ میں چوری کا انسداد کر سکے۔ چنانچہ آپ نے دارالندوہ میں قریش کے بزرگوں اور عہدیداروں کا ایک اجلاس طلب کیا اور آئندہ خانہ کعبہ میں چوری کے حتمی انسداد کا مسئلہ ان کے روبرو پیش کیا۔ اس معاملہ میں اختلاف کرنے والا کوئی شخص موجود نہ تھا۔ حتیٰ کہ حرب کو بھی اس میں اعتراض یا مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے کعبہ میں چوری سے متعلق اپنا موضوعہ قانون پیش کیا اس کے اثرات پر روشنی ڈالی اور چور کی سزا قطع ید مقرر کی۔ یہ سزا عام یا روزمرّہ کی اشیاء کی چوری سے متعلق نہیں تھی جو عرب معمولاً کرتے تھے۔ مثلاً کھانے پینے کی کوئی چیز چرانا یا گلہ سے بھیڑ، بکری یا اونٹ چرالینا۔ یہ سزا اللہ کے گھر سے چوری کرنے پر تھی۔ کیونکہ چرائے جانے والے ہرن کعبہ کے نام پر نکلے تھے اور وہ کعبہ کی ملکیت تھے۔ اس سزا سے مقصد کعبہ میں آئندہ چوری کو ختم کرنا تھا۔ چنانچہ اس سزا کو تمام ممبرانِ دارالندوہ نے قبول کیا اور چوری کا مال ملنے پر چور کا ہاتھ کاٹا گیا تاکہ یہ مقطوعہ ہاتھ اسے زندگی بھر اپنے بدترین جرم کی یاد دلاتا رہے اور دوسروں کیلئے باعثِ عبرت ہو۔ اس دور کا یہ پہلا قانون اور پہلی عبرتناک سزا ہے۔ بعد میں ہر معمولی چوری کیلئے اس سزا کا استعمال غلط طور پر کیا جانے لگا۔ اہم مقامات پر اس سزا کو اسلام نے صحیح قرار دیا۔

اموال مجرہ

چوری کی سزا کے تقرر کے بعد اب کعبے کے خزانے اور نذرانے کے طور پر وصول ہونے والی اشیاء کی حفاظت کا مسئلہ زیرغور آیا۔ چنانچہ آپ نے دارالندوہ کے مناصب میں ایک اور نئے منصب کا اضافہ کیا اس منصب کا نام آپ نے ''اموال مجرہ'' کی نگہداشت رکھا۔ اس عہدیدار کا فرض قرار دیا کہ کعبہ پر چڑھائے جانے والے نذرانوں کی حفاظت کرے۔ اس منصب پر فائض شخص اور اس کا قبیلہ ان تمام امور کا نگران اور حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے چوری کا مال مل جانے کے بعد پھر خانہ کعبہ میں رکھ دیا تھا جو حضرت اسمٰعیل کے زمانے کا تھا اور کنویں میں رکھ دیا گیا تھا تاکہ اس میں ہدیے اور نذرانے محفوظ کر دیئے جائیں۔ سرسید احمد خان نے بھی یہی لکھا ہے کہ نذر و ہدیہ کعبہ پر چڑھانے کا دستور اس کی تعمیر کے ساتھ شروع ہو گیا تھا اور انہیں محفوظ کرنے کیلئے اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کھودا گیا تھا۔ جس کو ''خزانہ کعبہ'' کہتے تھے اور جو کچھ نذر و نیاز کعبہ میں آتی تھی اسی میں رکھ دیتے تھے تاکہ چوری سے محفوظ رہے۔

ارزقی نے (۱۷۰/۱۷۱) لکھا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ستر ہزار اونس سونا کعبہ کے خزانے میں موجود تھا جواہرات وغیرہ اس کے علاوہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سزا کا اور اس عہدے کا قیام مفید ثابت ہوا اور اس وقت کے بعد کعبے میں پھر کبھی چوری کی واردات نہیں ہوئی اور وہ چوری جس کا ذکر کیا جاتا ہے اسی وقت ہوئی تھی جب حرب نے بدلہ لینے کی ٹھانی تھی۔ اس چوری میں صرف ہرنوں کا ذکر ہے اور وہ اس وقت موجود تھے، دوسری کسی چیز یا سونے جواہرات کا ذکر نہیں۔ یہ عہدہ حضرت عبدالمطلب نے بنی سہم کے سپرد کیا تھا یہ پہلا منصب ہے جس کا اضافہ آپ نے اسی ابتدائی زمانے میں کیا جب چوری ہوئی تھی۔

اشناق

ان ہی دنوں میں چوری کے بعد حرب نے اپنے آدمیوں سے اذینہ نامی یہودی کو قتل کرا کے اس کے مال پر قبضہ کرنے کی واردات کی تھی اور قصاص یا دیت دینے سے انکار کیا تھا۔ اس کی ذمہ داری سردار قریش پر عائد ہوتی تھی۔ آپ نے حرب سے مقتول کے ورثاء کو دیت دلائی مگر اس میں جو مشکلات پیش آئیں اس کو مدِنظر رکھ کر آپ نے ایک منصب کا اور اضافہ اسی دوران کیا اور اس منصب کا نام ''اشناق'' رکھا۔ اس کا سبب حرب کی وہ حرکت تھی جس سے اس نے اذینہ کے قاتلوں کو روپوش کر دیا تھا اور خون بہا دینے سے انکار کیا تھا۔ اس وقت کوئی طریقہ دیت کی وصولی کا موجود نہ تھا۔ اس عہدے کے قیام سے اب یہ امکان باقی نہ رہا تھا۔

قصاص و دیت اور حدود و تعزیرات کے اکثر قوانین ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئے، مکہ میں مسلمانوں کی اتنی تعداد موجود نہ تھی کہ ان احکام پر عمل ہو پھر وہاں ایسے حادثات بھی موجود نہ تھے۔ لیکن مکہ ہی میں آنحضرتؐ کا قریش سے یہ کہنا کہ ''خدا نے جس جان کو حرام کہا ہے اس کو ناحق نہ مارو، ناحق مارے جانے والے کے وارث کو قصاص اور دیت کا کلی اختیار ہے۔ ہاں وہ قصاص پر اصرار نہ کرے''۔ (بنی اسرائیل) اس لیے تعجب انگیز نہیں کہ پینتیس (۳۵) یا چالیس (۴۰) سال قبل حضرت عبدالمطلب اس کی وضاحت قریش کے سامنے کر چکے تھے اور قریش میں ابھی ایسے لوگ زندہ موجود تھے جنہیں اس قانون کا علم تھا اور حضرت عبدالمطلب نے قصاص کے ضابطے اور دیت کی مالیت کا تعین کر دیا تھا۔

عہدِ جاہلیت میں پہلے سے کچھ قوانین قصاص و دیت سے متعلق مقرر تھے۔ مگر وہ کمزور کی کوئی پشت پناہی نہ کر سکتے تھے، وہ سب مالداروں اور سرداروں کے حق میں جاتے تھے۔ اس وقت انسانی جان کی دیت صرف دس اونٹ تھی۔ جو مالدار کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ دس اونٹ کے بدلے کسی کی بھی جان لے لیتے اور اکثر دیت بھی نہ دیتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ وہ ''قصاص بدل'' سے کام لیتے یعنی اصل قاتل کے بدلے کسی غلام کو قصاص میں دے دیتے اور خود کو محفوظ کر لیتے کبھی عورت کے بدلے مرد اور مرد کے بدلے عورت کو قصاص میں دے دیتے۔ بہرحال یہ صورت انصاف کی کم بے انصافی کی زیادہ تھی۔ اگرچہ یہودیوں کے پاس تورات کی حدود و تعزیرات موجود تھیں لیکن نہ تو وہ ان کا نفاذ عرب علاقوں اور قبائل میں کر سکتے تھے اور نہ ہی خود اس پر

Presented by Ziaraat.net

عمل کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف عرب بلکہ خود یہودی اپنے سے زیادہ قوت والے سے قصاص لینے پر قادر نہ تھے۔ مدینہ کے گرد آباد یہودیوں کے دو قبیلے بنوقریظہ اور بنونضیر میں سے اگر کوئی قریظی کسی نضیری کو قتل کر دیتا تو بنونضیر اس کا قصاص لے لیتے اور قریظی کو قتل کر دیتے۔ لیکن اگر اسکے برعکس ہوتا تو بنی قریظہ قصاص لینے پر قادر نہ تھے۔ بنی نضیر صاحب عزت اور طاقتور تھے اگر بہت زیادہ مقتول کے ورثاء پر مہربانی کرتے تو خون بہا کے طور پر سو (۱۰۰) وسق چھوہارے دے دیتے۔ بالکل یہی صورتحال عربوں میں تھی مالدار قبیلہ زیادہ سے زیادہ دس اونٹ دیت میں دے دیتا اور چاہتا تو وہ بھی نہ دینا۔ ایسی صورت میں دونوں جانب سے قتل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ یعنی کمزور قبیلہ کو جب دوسرے قبیلہ کا کوئی شخص تنہا یا رات کی تاریکی میں ملتا تو وہ اس کو قتل کر دیتا۔

اسلام آنے کے بعد رسول اللہؐ نے یہ قانون باقی رکھا اور قرآن نے بھی اس کی تائید کی اور قتلِ عمد اور قتلِ شبہ وغیرہ کی بھی وضاحت کر دی تو چند تبدیلیوں کے ساتھ حضرت عبدالمطلب کے قائم کردہ قانون کو باقی رکھا گیا۔

حضرت عبدالمطلب نے قانونِ اشتاق کی وضاحت کر دی تھی کہ قصاص میں قاتل ہی قتل کیا جائے گا۔ اس کے بدلے خواہ وہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو کسی اور شخص یا غلام کو قتل نہیں کیا جائیگا۔ عورت کے بدلے عورت ہی قتل کی جائے گی اور مرد کے بدلے قاتل مرد غلام کا بدل غلام ہی ہوگا۔ دیت دس اونٹ کے بجائے سو (۱۰۰) اونٹ ہوں گے کوئی ایسا جرم جو راضی نامہ سے رفع ہو سکے یا ایسا فعل جس میں ضمانت کی ضرورت ہو تو اس کا تعین کہ کس فریق پر کس قدر مالی ذمہ داری عائد کی جائے اشتاق کا عہدیدار کرے گا۔ آپ نے یہ عہدہ قبیلہ بنی تیم کے سپرد کیا اور اس عہدیدار قبیلہ کا فرض یہ قرار دیا کہ وہ خون بہا، جرمانہ اور مالی تاوان کی ادائیگی میں مدد کرے اور روپوش مجرموں کی بازیابی میں مددگار ثابت ہو۔

حکومہ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قبائل عرب کے متنازع امور کے فیصلوں کے لیے کئی طریقے رائج تھے۔ ایک طریقہ حکم کے ذریعہ فیصلہ کرانا تھا۔ چنانچہ ہر قبیلہ میں ایک اجتماعی حکم بھی ہوتا تھا۔ خود مکہ کے دس یا بارہ مناصب میں ایک منصب حکم کا بھی تھا جس کے لیے سب سے پہلے حضرت عبدالمطلب نے قانون وضع کیا اور اسے دارالندوہ کا ایک منصب قرار دیا۔ آپ نے اس قانون اور منصب کے لیے ضابطے مقرر کیے۔ عرب جو عدل و انصاف میں بھی عصبیت کو مدنظر رکھتے تھے۔ اپنے رشتہ دار یا قبیلے کے فرد کی حمایت کرتے تھے۔ خون کے رشتہ کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور اپنے آدمی کی حمایت کرتے تھے خواہ مجرم جھوٹا اور غلطی پر کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ان کی یہ مشہور ضرب المثل آج تک ان کی اس خصلت کی نشاندہی کرتی ہے "انصر اخاک ظالماً او مظلوماً - اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔"

حضرت عبدالمطلب کے عدل و انصاف کا نظریہ ان کے اس بنیادی خونی عقیدہ کے خلاف تھا۔ آپ نے اس قانون اور منصب کی پوری وضاحت کر دی تھی کہ دارالندوہ کا منصب دار عصبیت سے کام نہیں لے گا۔ فریقین کے بیانات و دلائل کو سامنے رکھ کر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا، فیصلہ سے قبل فریقین سے شرائط بیان کر کے عہد لے گا کہ وہ فیصلے کے پابند ہوں گے اور جو جرمانہ کیا جائیگا وہ ادا کریں گے۔ اگر کوئی فریق عہد کے خلاف کرے گا تو منصب دار کا پورا قبیلہ اسے قابل درآمد پر مجبور کرے گا اور اس سے وہ رقم یا شے وصول کر کے حقدار کو دے گا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے "شہر بدر" کرنے والی قدیم رسم ختم کر دی تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں۔ "اس کی تفصیل ابن حبیب کی کتاب المحبر میں ملتی ہے اس کا ایک الگ باب قریش کے حکم کے نام سے قائم ہے۔" حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابتدائے اسلام تک یہ منصب قائم رہا۔ ابن حبیب نے اس دوران مقرر ہونے والے لوگوں کی فہرست دی ہوگی۔ حضرت عبدالمطلب کا عدل و انصاف اور اس کا طریقہ کار دیکھ کر ہمارا خیال عدل و انصاف کے اسی بنیادی اصول کی طرف منعطف ہوتا ہے جو قرآن کے مجوزہ نظام عدالت میں اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن نے تو واضح الفاظ میں یہاں تک کہہ دیا کہ رسالت و نبوت کا مقصد ہی انسانی معاشرت میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔ قرآن نے کہا: وامرت لاعدل بینکم (الشوریٰ) اس کا ثبوت خود حضرت عبدالمطلب کی ذات اور اپنے عیال سے متعلق تنازعات میں ملتا ہے اور پھر اس کا ثبوت اذینہ کے قتل کے معاملے اور کعبہ میں چوری کے مسئلہ سے مل جاتا ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے "حکومہ" یعنی حَکَم ہونے اور فیصلہ کرنے کا اختیار بھی بنی سہم کے بزرگ کے سپرد کیا تھا۔

نقیب

حضرت عبدالمطلب نے اپنے زمانہ میں ایک "نقیب" کے عہدہ کا اضافہ کیا تھا۔ اس عہدہ پر فائض شخص کو "منادی" اور "موذن" بھی کہا جاتا تھا۔ اس منصب دار کے ذمہ یہ فرائض تھے کہ وہ دارالندوہ میں ہونے والے اجلاس کی اطلاع تمام قبائل قریش کو پہنچائے تاکہ وقتِ معینہ پر جمع ہوں۔ اسی ادارے کے تحت آپ نے مزید ذیلی ادارے تشکیل دیئے تھے اور مکہ میں جس قدر قبیلے تھے انہیں اپنی اپنی محلّہ کمیٹی بنانے پر آمادہ کیا تھا تاکہ فرصت کے اوقات میں محلّہ کے لوگ جمع ہوں روزمرّہ کے امور پر بحث ہو۔ داستان گوئی کا سلسلہ جاری رہے کیونکہ یہ اس وقت علم میں اضافہ اور گردوپیش کے حالات سے باخبر رہنے کا بہترین ذریعہ تھا، باہر سے آنے والے لوگوں کے مقاصد سے بھی لوگ باخبر رہتے تھے اور محلّہ والے ان مجالس میں اپنے محدود مسائل حل کر لیتے تھے۔ آپ نے ان مجالس کے قوانین و ضوابط بھی مقرر کر دیئے تھے پھر ہر قبیلے کے سردار نے اپنے ذاتی منادی بھی رکھ لئے تھے جو ان کا پیغام دوسروں تک پہنچاتے تھے۔

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب کا دورِ اصلاحات

معاشرتی اصلاحات

خانہ کعبہ میں چوری کا واقعہ تقریباً ۵۳۸ء میں ہوا جب آپ کی عمر ۴۳ سال تھی۔ کعبہ میں چوری اور اذینہ کے قتل کی واردات کے فیصلہ کے بعد آپ نے ''اموال محجرۃ'' کی نگہداشت، اشناق، حکومہ اور نقیب کے عہدوں کا اضافہ کیا اور اس کے بعد آپ نے قریش کی دلچسپی اور مخلصانہ تعاون دیکھا تو مزید معاشی و معاشرتی اصلاحات کی طرف توجہ دی اور مذہبی امور کو بھی ملحوظ خاطر رکھا۔ اس طرح ۵۴۰ء کے بعد سے ۵۶۵ء تک کا زمانہ آپ کا دور اصلاحات کا ہے۔ اس دور میں آپ اپنی قوم قریش کی ترقی اور اس کے مفاد کیلئے معاشرتی اور مذہبی دونوں قسم کی اصلاحات جاری کرتے رہے۔

حرام مہینوں کی حرمت

مکہ جائے امن تھا حرب نے مکہ کی حدود میں اس اصول کی خلاف ورزی کی تھی جس سے حرمت کعبہ بری طرح متاثر ہوئی تھی اور آپ کو اس کا شدید احساس تھا۔ بیت اللہ سے متعلق آپ کسی کی بیجا حرکت برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

اشہرِ حرم یعنی وہ مہینے جن میں جنگ و جدل، ایک دوسرے پر حملہ یا خونریزی حرام کردی گئی تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حج پر آنے والے اور ان مواقع پر لگنے والے میلوں میں شرکت کرنے کے بعد جانے والوں پر دشمن قبیلے حملہ کرتے تھے۔ قافلوں کو لوٹتے تھے جس کی وجہ سے معاشی و معاشرتی امور کی انجام دہی کے ساتھ حج پر آنے والوں کی تعداد میں کمی آگئی تھی۔ اس لیے عہدِ جاہلیت میں متفقہ طور پر ذی قعد، ذی الحجہ اور محرم کے مسلسل تین ماہ اور رجب کا ایک مہینہ ان چار ماہ میں جنگ و جدل کو حرام قرار دے دیا تھا اور اس پر عمل ہوتا تھا۔ ذی قعد کعبہ کی طرف سفر میں گزرتا، ذی الحجہ حج کے فرائض کی ادائیگی میں اور محرم کا مہینہ ان قافلوں کی واپسی میں گزر جاتا۔ ماہِ رجب میں صحار اور دبا کے اہم میلے لگتے اور ذی قعد سے محرم کے دوران بھی عکاظ' منیٰ' خیبر اور یمامہ میں میلے لگائے جاتے تھے۔ اسی طرح آمد و رفت اور اپنے امور آزادی و بے فکری سے انجام دینے کے لیے پرامن زمانہ مل جاتا تھا۔ بعض فریب کار عربوں نے ان مہینوں کو دوسرے مہینوں سے بدلنا شروع کردیا تھا۔ یعنی حرام مہینوں یا ''اشہر حرم'' کی تعداد چار ہی ہوتی مگر وہ مقررہ مہینوں کی جگہ دوسرے مہینے ہوتے اور یوں وہ اپنا مقصد حل کر لیتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے عربوں کے اس مسلمہ قانون سے فائدہ اٹھایا اور بالخصوص مکہ کو مزید جائے

Presented by Ziaraat.net

امن قرار دینے کے لیے آپ نے اعلان کروادیا کہ آئندہ کوئی حرام مہینوں کی عظمت و احترام کو مجروح نہیں کرے گا اور یہ چار ماہ شوال تا محرم ہیں۔ ان مہینوں میں کوئی شخص مکہ کی حدود میں خون نہیں بہائے گا۔ حتیٰ کہ فسق و فجور، جنگ و جدل اور فتنہ و فساد سے پرہیز کرے گا پھر اس اعلان کو لکھوا کر در کعبہ پر آویزاں کر دیا اور اس کی پابندی قریش اور غیر قریش پر عائد کر دی۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے سیرت ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اشہر حرام کے ساتھ ایک ادارہ ''بسل'' بھی (قائم) کیا تھا جس کے تحت قریش کے چند خاندانوں کو پورے عرب میں تین مہینے نہیں بلکہ مسلسل آٹھ مہینے محفوظ و مامون حالت میں ملتے تھے۔'' (عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص:۲۲۵)

نذر اور قسم کا پورا کرنا

قریش نذریں مانتے اور قسمیں کھاتے تھے مگر مقصد پورا ہونے کے بعد نذر کی تکمیل میں حیلے بہانے تراشتے تھے۔ قسم کھا کر مکر جاتے تھے اور حیل و حجت سے کام لیتے تھے یہ طریقہ بہت پہلے سے چلا آرہا تھا، بنی اسرائیل ایسا ہی کرتے تھے۔ انکے یہاں بھی قسم اور نذر ماننے کے بعد حیلے اور بہانے تراشے جاتے تھے۔ اسی لیے اس زمانہ میں قسم پر گواہ قائم کرنے کا رواج بھی ہوا تھا تاکہ قسم کھانے والا یا کوئی عہد کرنے والا مکر نہ جائے۔

حضرت عبدالمطلب نے قریش کے اس عیب کو شدت سے محسوس کیا وہ اسے مکر و فریب اور طبیعت کی کمزوری پر محمول کرتے تھے۔ وہ قریش سے اکثر کہا کرتے ''یا تو نذر نہ مانو اور قسم نہ کھاؤ اگر ایسا کرتے ہو تو اسے پورا بھی کرو کیونکہ تمہاری یہ عادت پوری قوم کو تباہ کر دیگی۔'' آپ نے خود سب سے پہلے نذر کی تکمیل کر کے مثال پیش کی اور اپنے بیٹے عبداللہ کی قربانی سے قریش کے روکنے کے باوجود گریز نہیں کیا۔ آپ نے قریش پر قسم، نذر اور عہد کے پورا کرنے کو لازم قرار دیا اور ایسا نہ کرنے والے کو سزا کا مستوجب ٹھہرایا بعد میں قرآن نے بھی قریش کی بدعہدی اور عادت بد کا ذکر کیا ہے اور قسم کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔

محرم سے عقد کی ممانعت

حضرت عبدالمطلب وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش میں محرم سے نکاح کرنے کو قطعاً حرام قرار دیا۔ عہد قدیم کے قبائل میں بہن سے شادی کر لی جاتی تھی۔ قدیم مصریوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا، بعد میں اسے ہر جگہ ممنوع قرار دیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ تک سوتیلی بہن سے شادی جائز تھی پھر اسے بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ سوتیلی ماں سے شادی کرنا ممنوع ہو گیا تھا لیکن ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کو بنی امیہ کے ایک فرد ابی معیط نے اپنے باپ کی زندگی میں اپنی ایک سوتیلی ماں سے شادی کر لی تھی۔ جس سے عقبہ بن ابی معیط پیدا ہوا تھا جو اسلام اور رسولِ کریمؐ کا شدید دشمن تھا اور اس معاملہ میں ابوجہل کے ساتھیوں میں سے تھا، نماز کے دوران اسی نے آنحضرتؐ پر اونٹ کی اوجڑی ڈالی تھی۔

حضرت عبدالمطلب نے قریش کو ترغیب دلائی کہ کوئی مرد عورت محرم کو اپنے نکاح میں نہ لائے اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے انہیں آگاہ کیا۔ اس فعل سے جو خرابیاں معاشرے میں پیدا ہوتی ہیں ان کی طرف بعد میں اسلام نے پوری طرح روشنی ڈالی ہے، نیز محرم سے جسمانی قربت کے سبب جو نسلی خرابیاں پیدا ہونے کا امکان ہے اس پر جدید سائنس نے کما حقہ تحقیق کی ہے۔ یہاں صرف اس قدر بتانا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے اسکی ممانعت کی تھی۔ اسی خیال کو بعد میں قرآن نے درست قرار دیا اور اسلام میں بھی محرم سے عقد کلیتاً حرام و ممنوع کر دیا گیا۔

اولاد کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت

عرب معاشرے میں حضرت عبدالمطلب کی یہ ایک اہم اصلاح ہے۔ عرب عموماً لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر شقی القلبی اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ باپ اپنی اولاد کو جبکہ وہ زندہ ہو ہمیشہ کے لیے گڑھا کھود کر خود اپنے ہاتھوں مٹی میں دبا دے، ایسا انسان دوسروں کی اولاد سے کیا سلوک کر سکتا ہے، یہ اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ طریقہ مزید رائج رہتا تو شاید انسان پھر درندگی کی حالت میں لوٹ جاتا، یہ حرکت انسان اور انسانیت کی فنا کا سبب بن سکتی تھی۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے دورِ سرداری میں قریش کو اس فعلِ شنیع سے روکا اور اس کے برے نتائج سے انہیں آگاہ کیا۔ تقریباً ساٹھ سال بعد قرآن نے اس کی تائید کی اور مسلمانوں کو اس فعل بد سے منع کیا۔

شراب نوشی سے روکنا

حضرت عبدالمطلب شراب نہیں پیتے تھے نہ کبھی وہ زنا کے قریب گئے، ان کی اولاد بھی شراب سے نفرت کرتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شراب خوری تمام عرب میں جاری تھی اور قریش بھی شراب پیتے تھے۔ عربوں کی شاعری میں شراب کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا جاتا رہا ہے، انہیں شراب سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہ تھی۔ شراب کا کاروبار بھی کرتے تھے۔ کھجور اور انگور کی شراب بھی بنانا جانتے تھے۔ قدیم کتبِ تواریخ اور عرب شاعری سے اس کی شہادت ملتی ہے کہ عرب شراب کے رسیا تھے۔ عرب شاعری ہی عہدِ جاہلیت کی تاریخ ہے۔ شراب اور جوا اس معاشرہ کی عام دلچسپیاں تھیں۔ تمام تر جاہلی شاعری اس کی گواہ ہے۔ مثلاً طرفہ ابن العبد کہتا ہے۔ (اشعار کا اردو ترجمہ)

(۱) میری شراب نوشی عیش کوشی اور موروثی اور غیر موروثی دولت کو بیدریغ لٹانے کا سلسلہ جاری رہا۔

(۲) یہاں تک کہ پورا خاندان مجھ سے کٹ کر رہ گیا اور میں خارشی اونٹ کی طرح الگ ڈال دیا گیا۔

(اردو ترجمہ، معالم فی الطریق، نقوش راہ، سید قطب شہید)

مکہ میں شراب نوشی کا رواج کچھ زیادہ ہی تھا اعلانیہ شراب پیتے تھے اور معاشرے کی طرف سے کوئی

Presented by Ziaraat.net

قدغن نہ تھی اسی سبب سے زنا کے مرتکب ہوتے تھے۔اس کا ثبوت حرب کے بیٹے ابوسفیان کے اس واقعے سے ملتا ہے جس کے نتیجے میں زیاد بن سمیہ پیدا ہوا اور جسے بعد میں اسلامی قوانین کے خلاف حاکم شام معاویہ بن ابوسفیان نے اپنا بھائی ہونے کا اعلان کیا تھا۔اسی طرح اسلام لانے سے قبل حضرت عمر کی شراب نوشی سے متعلق جو متعدد روایات ملتی ہیں وہ قریش میں شراب نوشی کے فروغ اور عام ہونے کا پتا دیتی ہیں۔بیشتر صحابہ کے نام شراب خوروں کی فہرست میں شامل دیکھے جا سکتے ہیں۔آنحضرت بھی شراب سے منع فرماتے تھے اور جب لوگوں نے آپؐ سے شراب خوری کے متعلق دریافت کرنا شروع کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ:''لوگ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہہ دو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لیکن فائدے سے بڑھ کر نقصان ہے۔''

(بقرہ آیت:۲۶)

اس آیت میں شراب کے نقصانات کی طرف توجہ دلائی گئی تھی لیکن اس کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے۔نماز کی حالت میں نشہ میں ہوتے اور جو کچھ پڑھتے اسے بھی سمجھ نہ پاتے۔تب یہ آیت نازل ہوئی:

ترجمہ:''نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ جو کچھ تم کہو اسے سمجھ بھی سکو۔''

(النساء)

اس آیت کے بعد لوگوں کو مخمور حالت میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔مگر لوگ اب باقی اوقات میں شراب پیتے رہے اور پھر نشہ کی حالت میں جب آپس میں فساد کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

''مسلمانو! بلاشبہ شراب اور جوا، بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور یہ شیطان کے کام ہیں تم اس سے باز آجاؤ تا کہ تم فلاح پاؤ۔شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوئے سے دشمنی پیدا کر دے اور تم کو خدا کی یاد اور نماز سے روک دے۔ اب بتاؤ باز آؤ گے یا نہیں؟''

(سورۂ مائدہ)

اسی آیت کے بعد شراب کلیتاً حرام قرار دیدی گئی۔لیکن شراب کی تجارت جاری رہی۔جس کے سبب لوگ چھپ کر شراب پیتے رہے۔۸ھ میں تجارت بھی ممنوع قرار دے دی گئی۔اس آیت کی بنیاد پر:

ترجمہ:''خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام قرار دے دی ہے۔'' (قرآن)

بعد میں یہ خدائی احکام دیکھتے ہوئے حضرت عبدالمطلب کی ذہانت و فطانت اور دور رسی کی داد دینا پڑتی ہے کہ آپ نے اسلام سے تقریباً چالیس سال اور ان احکام کے نزول سے تقریباً ساٹھ سال پہلے بتوں کے ذبیحے کی طرح آپ نے قریش کو شراب پینے سے بھی منع کیا۔اس کے نقصانات سے آگاہ کیا اور قریش سے ایک معتد بہ تعداد کو شراب ترک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس بارے میں سب سے بڑی دلیل ان کا اپنا کردار ہے جو وہ بطور مثال و عمل قریش کے سامنے پیش

کرتے رہے ہیں۔آپ نے پیدائش سے وفات تک شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔مورخین اس بات کی مسلسل گواہی دیتے رہے ہیں کہ آپ ایک خاص اور اپنے پسندیدہ دن جمعہ کے اجتماع میں شراب کی برائیوں پر خطبہ دیتے تھے۔حنفاء کی پوری تعداد شراب ترک کر چکی تھی۔کچھ دوسرے لوگ بھی شراب پینا چھوڑ چکے تھے۔یہ آپ ہی کی سعی و کاوش پیہم کا نتیجہ تھا۔علامہ شبلی لکھتے ہیں:

ترجمہ:''عرب میں ایسے بھی نیک لوگ تھے جنہوں نے شراب پینی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلاف اتقا سمجھتے تھے۔'' (سیرت النبی، حصہ دوئم، ص: ۱۷۵)

گویا حضرت عبدالمطلب نے جس کام کی ابتداء کی تھی اسلام نے اسے انتہا تک پہنچا دیا تھا۔

زنا کی ممانعت

حضرت عبدالمطلب نے پہلی شادی کی اور بیس (۲۰) سال تک دوسری شادی نہیں کی جب اولاد کی تمنا ہوئی تو انہوں نے مزید شادیاں کیں لیکن زنا کے مرتکب نہیں ہوئے۔وہ شراب کے نقصانات اور زنا سے معاشرے میں پیدا ہونے والی خرابیاں دیکھتے تھے۔اس پر آپ نے ان دونوں چیزوں کی مخالفت کی اور ان سے بچنے کی انہیں ترغیب دلائی۔حضرت عائشہ کی ایک روایت کے مطابق اس زمانہ میں آٹھ قسم کے نکاح رائج تھے۔ان میں چھ طریقے زنا کے مترادف تھے۔حضرت عبدالمطلب نے ان میں سے دو طریقوں نکاح اور متعہ کو باقی رکھا اور چھ کو حرام قرار دے کر ختم کر دیا تھا۔زنا کے مرتکب کیلئے آپ نے سزا بھی تجویز کی۔سزا میں درہ لگانا مقرر تھا یہی دو طریقے اسلام میں جاری رہے بعد میں اسلام نے زانی کیلئے مشروط طور پر رجم سزا مقرر کی۔

ویدوں میں بھی ایسے آٹھ قسم کے نکاحوں کا ذکر ملتا ہے لیکن وہ عربوں سے زیادہ بہتر انداز میں تھے۔ان کے ہر طریقے میں نکاح کا بنیادی اور مفید پہلو موجود تھا اور نکاح کی یہ اقسام معاشی اور معاشرتی بنیاد پر تھیں جبکہ عربوں میں سوائے دو کے باقی تمام طریقے زنا کے دائرے میں آتے تھے اور صرف عیاشی کی بنیاد پر تھے ان میں سے چار مثالاً یہ تھے۔

(۱) اگر کوئی شخص تنومند اولاد چاہتا تو اپنی بیوی کو حیض سے پاک ہو جانے کے بعد اجازت دیتا کہ وہ فلاں شخص سے تخم لے لے۔وہ خود بیوی سے اس وقت تک الگ رہتا جب تک اس شخص سے حمل ظاہر نہ ہو جاتا، یہ نکاح، نکاح استبضاع کہلاتا تھا۔

(۲) کچھ افراد جن کی تعداد دس سے کم ہوتی کسی ایک عورت سے جنسی ناطہ جوڑتے اور ہر ایک اس سے مباشرت کرتا۔حمل قرار پاتا، بچہ پیدا ہوتا، چند دن گزر جانے کے بعد وہ عورت ان سب کو بلاتی جنہوں نے اس کے ساتھ مباشرت کی تھی۔وہ انہیں بچہ پیدا ہونے کی خبر دیتی اور پھر جس کا چاہتی نام لیکر کہتی یہ بچہ تمہارا ہے اور وہ اسے اپنا بچہ تسلیم کرتا۔اسے انکار کی مجال نہ تھی (کہتے ہیں قبیلہ سہم کے عاص بن وائل کے یہاں عمر نامی لڑکا اسی طرح پیدا ہوا تھا اور اسے ماننا پڑا تھا)

Presented by Ziaraat.net

(۳) یہ نکاح عصمت فروش عورتوں سے متعلق ہے۔ یہ پیشہ ور عورتیں اپنے گھروں پر جھنڈا لگاتی تھیں اور جھنڈے والی عورتیں کہلاتی تھیں، ان کے پاس لوگ جماع کیلئے جاتے تھے اور مباشرت کرتے تھے۔ جب ان میں سے کوئی عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ جن لیتی تو ایک تقریب منائی جاتی وہ تمام لوگ اس تقریب میں جمع ہوتے اور یہ معلوم کرنے کیلئے کہ یہ بچہ کس کا بچہ ہے قیافہ شناس بلایا جاتا تھا۔ قیافہ شناس تمام حاضرین میں سے کسی ایک سے اس بچہ کو منسوب کر دیتا تھا اور جس کا نام لیتا اسے اس بچہ کو اپنا بچہ ماننا پڑتا وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔

(۴) اگر کوئی معزز مہمان آتا اور وہ رات کو قیام کرتا تو میزبان اپنی بیوی کو ایک یا چند راتوں کے لیے بطور میزبانی مہمان کے حوالے کر دیتا۔ اگر اس سے حمل ہو جاتا تو بچہ مہمان کا کہلاتا اور میزبان چاہتا تو اسے اپنا بچہ بنا لیتا۔

مختلف قسم کی بدکاریاں اور بے حیائیاں اس معاشرے کا طرہ امتیاز تھیں۔ حضرت عبدالمطلب نے قریش میں ان بدکاریوں کو پسند نہیں کیا اور انہیں ان سے روکا۔

سود خوری سے روکنا

قریش تجارت پیشہ تھے اور مال کی فروخت پر جاری قاعدہ کے مطابق منافع لیتے تھے، کاروبار میں ان کا واسطہ یہودیوں سے بھی رہتا تھا۔ یہودی ایک عرصہ سے سود خوری کے عادی تھے۔ اگرچہ توریت میں سود خوری کو کھلے الفاظ میں ممنوع قرار دیا گیا تھا مگر وہ اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ سود کی ابتداء یہودیوں ہی سے ہوئی تھی۔ غالباً قریش بھی ان کی دیکھا دیکھی سود لینے لگے تھے۔ بہر حال یہ قریش اور عربوں میں کاروبار کی ایک قسم تھی مگر جب آگے چل کر سود در سود کا مرحلہ شروع ہوا تو یہ عمل ناقابل برداشت ہونے لگا۔

تاریخ و روایات اور تحریری مسودات سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب سودی کاروبار کو اپنی قوم کے لیے نقصان دہ اور مضر جانتے تھے اور قریش کو اس سے منع فرماتے تھے۔ لیکن ان دیگر ممالک جن سے قریش کا لین دین تھا سود کو کاروبار کا ایک حصہ ہونے کے سبب وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ کم سے کم قریش کے درمیان سودی کاروبار نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے غریب قریش تباہ ہو جائیں گے اور وہ قریش جو کم سرمایہ دار ہیں اور کاروبار کرتے ہیں سود کے سبب تباہی کا شکار ہو جائیں گے۔

حضرت عبدالمطلب خود اس پر سختی سے عمل پیرا تھے نہ سود لیتے تھے اور نہ دیتے تھے۔ ان کے اس عمل کو ان ہی کی وہ تحریر ثابت کرتی ہے جس میں کسی یمنی شخص کو بطور قرض دی گئی رقم کا ذکر تھا۔ اس میں عندالطلب رقم کی واپسی کا صریحاً ذکر ہے۔ لیکن سود یا منافع یا دیر ہونے پر کسی ہرجانے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ وہ اس لعنت کو اپنی قوم سے دور کرنا چاہتے تھے۔ جس کی تکمیل آپ کے پوتے حضورؐ نے ایک مدت بعد کر دی تھی۔ حضرت عباس سے جو سود خوری منسوب کی جاتی ہے۔ شاید یہ بنی امیہ کا پروپیگنڈہ تھا۔ ☆ حضرت عبدالمطلب

کی اولاد میں ہر فرد تاجر تھا اور وہ اپنے ہر بیٹے کو بالغ ہوتے ہی علیحدہ تجارت کے اسباب مہیا کرتے اور اس کے اصول سمجھا دیتے تھے۔ پھر آپ کے کسی اور بیٹے نے سود کا کاروبار نہیں کیا۔

اسلام میں سود کی ممانعت کے احکام بھی بتدریج نازل ہوئے۔ یہی وہ احکام ہیں جن کا سب سے آخر میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت ملتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سود کی مذمت کا حکم اسلام کے سلسلۂ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔

(بخاری، سیرت النبی حصہ دوم، ص:۱۸۴)

تحریر اور گواہ

حضرت عبدالمطلب نے لین دین کے وقت ان معاملات کو لکھتے رہنے کی ہدایت کی تھی اور اس کے فوائد سے قریش کو آگاہ کیا تھا۔ جس کے باعث ان میں تحریر کا رواج ہوا، اسی کے ساتھ آپ نے کم سے کم دو گواہ کرنے کے طریقہ کو بھی رواج دیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کی قرضہ کے متعلق تحریر بتاتی ہے کہ آپ خود بھی لین دین کے معاملات کو قلم بند کر لیا کرتے تھے اور ایسا کرنا پسند کرتے اور قریش کو ہدایت کرتے تھے۔ ایسا کرنے سے آئندہ فساد اور اقرار سے پھر جانے کا امکان باقی نہیں رہتا تھا، نیز دو گواہوں کا طریقہ بھی رائج کرنا اسی تحریر سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اقرار بھی اس زمانے میں اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ بعد میں اللہ، اس کے رسول اور قرآن نے ان کی ہدایت کو ضروری سمجھا چنانچہ کہا گیا:

''اے ایمان والو! جب تم خاص میعاد کے لیے ادھار لین دین کا معاملہ کرو تو تمہیں ان معاملات کو لکھ لینا چاہیے۔'' (البقرہ آیت: ۲۹)

امانت کی واپسی

حضرت عبدالمطلب نے امانتداری اور پھر اس کی جوں کی توں واپسی پر ہمیشہ زور دیا، یہی صفت آپ کے پوتے آنحضرت میں موجود تھی۔ جس کے قریش قائل تھے اور آپ کو صادق اور امین کے نام سے پکارتے تھے۔ قرآن نے کہا۔ ''خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس کی جو امانت ہو اس کے حوالے کر دیا کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیے۔'' (النساء آیت: ۸)

داخلہ سے قبل اجازت

عربوں میں شرم و حیا کا تصور نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کا بڑا سبب اس علاقہ کا گرم موسم تھا۔ دوپہر کے وقت قیلولہ کی حالت میں تمام کپڑے پسینہ اور گرمی کی شدت سے اتار دیتے تھے لیکن اسی حالت میں روز مرہ کے امور کی انجام دہی اور ضروری گفتگو بھی جاری رکھنی پڑتی تھی۔ حضرت عبدالمطلب اس کو اچھا نہیں سمجھتے

Presented by Ziaraat.net

تھے۔آپ نے سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو اس کی ہدایت کی اور اس پر عمل بھی کرایا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ آپ کے قیلولے کے وقت آپ کی آرام گاہ میں کوئی بالغ شخص داخل نہیں ہوتا تھا۔صرف آنحضرت کو بلا اجازت آنے کی اجازت تھی۔ جب آپ بچے تھے بعد میں قرآن نے بھی بغیر اجازت اندر آنے سے مسلمانوں کو منع کیا اور ان اوقات کا تعین کیا جب بالغ افراد یا غلام بغیر اجازت داخل نہ ہوں کیونکہ وہ اوقات برہنگی کی حالت میں آرام کرنے یا سونے کے ہوتے تھے۔

مشورہ سے کام کرنا

حضرت عبدالمطلب خانگی امور میں اہل خانہ اور قوم کے اجتماعی مسائل میں قریش کے بزرگوں سے مشورہ کے بعد کوئی اقدام کرتے تھے۔ جب کوئی ایسا مرحلہ پیش آتا تھا تو آپ منادی سے خاص قبائل میں اعلان کراتے اور انکے دارالندوہ میں جمع ہونے کے بعد زیر غور مسئلے پر اپنا طریقہ کار بیان کرنے کے بعد مشورہ لیتے تھے۔اس طرح کسی کی مخالفت کا امکان باقی نہ رہتا تھا۔آپ نے قریش کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا، اور مشورہ سے کام کرنے کے فوائد پر روشنی ڈالی۔ بہت بعد میں قرآن نے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا۔

جنگ کے اصول

حضرت عبدالمطلب کے دورانِ سرداری کوئی جنگ نہیں ہوئی اور نہ آپ جنگ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے چشمہ کی واپسی اور زمزم کی کھدائی کے موقع پر آپ نے جنگ کے مقابلے میں حکم کے فیصلہ کو ترجیح دی تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔اس لیے آپ کے جنگی اصول یا ان مواقع پر آپ کی کیا تدبیر و ہدایت تھیں اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔البتہ ابرہہ کے حملے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے جو طریقہ اس حملہ کے دفاع کا اختیار کیا تھا وہی آنحضرتؐ نے بھی ابتدا میں کیا تھا۔جس طرح مدافعاتی قوت نہ ہونے پر آنحضرتؐ کو جنگ کی اجازت نہ تھی اسی طرح حضرت عبدالمطلب کو بھی جنگ کی اجازت اللہ کی جانب سے نہ تھی۔اس لیے آپ نے اس موقع پر وہی کیا جو آپ کو بذریعہ القا بتایا گیا تھا اور اس پر عمل سے سب قریش ششدر رہ گئے تھے۔ آنحضرتؐ کو جنگ کی اجازت ہجرت کے بعد ملی اس سے قبل صبر، تحمل، شرائط کی برداشت اور درگزر کا حکم تھا۔ اسی پر حضرت عبدالمطلب عمل کرتے رہے۔دادا پوتے میں اس عمل کی مطابقت بہت باریکیوں اور غیر مرئی قوتوں کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

رواداری کا اجراء

حضرت عبدالمطلب بچپن ہی سے رواداری کے قائل تھے۔آپ دشمن دوست دونوں سے رواداری برتتے تھے۔آپ نے اپنے شدید ترین دشمن حرب کو اپنا ہم نشین بنایا اور ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اس کے دل سے دشمنی کے

جذبات ختم ہو کر اس میں رواداری پیدا ہو جائے۔اس ضمن میں حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ نے وہی طریقے مدنظر رکھے جو بعد میں قرآن نے متعین کیے تھے۔آپ نے اپنے اصول اور ضابطے یا اصلاحات قریش پر جبراً مسلط نہیں کیے بلکہ انہیں بہتری کی جانب رغبت دلائی اور اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے آپ نے ان کے سامنے اپنا عمل پیش کیا۔آپ نے اچھائی کی طرف حکمت وعظ اور پند و نصائح کے ذریعہ قریش کو متوجہ کیا اور جب بھی اپنے مخالفین سے بات کی یا کوئی بحث کی یا ان پر حجت قائم کی تو انتہائی بااخلاق طریقے سے کی۔قرآن نے سورہ النحل میں اسی طرز گفتگو کو مناسب قرار دیا تھا۔یہی سبب تھا کہ بہت سے لوگ آپ کی تقلید پر مائل ہوئے اور آپ کے طرز کو اپنا لیا اور ہر مسئلہ میں رواداری کے قائل ہو گئے۔

صلح کل کی بنیاد

حضرت عبدالمطلب نے صلح کل کو ہر مسئلہ کے حل کا ذریعہ قرار دیا تھا۔یعنی اگر پورے قبیلے میں صلح و آشتی رہے گی تو کوئی اختلافی مسئلہ کبھی درپیش نہیں ہوگا۔ ہر ایک شخص صلح کی بنیاد پر اور رعایت سے کام لے گا اور اختلاف کی ابتدا ہی نہ ہو سکے گی۔آپ نے اپنے اسی نظریہ کی بنیاد پر دشمن قبیلوں سے شادی بیاہ کے رشتے قائم کیے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک بیٹے عبدالعزیٰ کی شادی بنی امیہ میں حرب کی بیٹی سے کی۔ جناب ابو طالب کی شادی بنی مخزوم میں کی اور بیٹیوں کی شادیاں بھی دشمن قبیلے میں کیں تاکہ صلح کل کی بنیاد قائم ہو اور مستقبل میں اختلاف کی شدت کا خاتمہ ہو جائے۔اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ سے قبل کے دور میں دشمن قبیلوں کے درمیان ایسے رشتوں کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ دورِ نبوت میں آنحضرتؐ نے بھی صلح کل قائم کرنے کے لیے اسی طریقہ پر عمل کیا اور دشمن قبیلوں میں شادیاں کیں حالانکہ آپ کے اپنے قبیلے میں لڑکیاں موجود تھیں مگر پھر بھی یہ لوگ انتقام سے باز نہ آئے اور انتقام اس سے لیا جو ہمیشہ انہیں معاف کرتا رہا تھا۔

مذکورہ بالا اور دیگر بہت سی اصلاحات جاری کر کے حضرت عبدالمطلب نے قریش کو ایک مہذب قوم بنانے کی کوشش کی اور واقعی ان کی قائم کردہ تہذیب اس معاشرہ کے لیے بہتر ثابت ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب کی پوری زندگی اور ان کے افعال و کردار، اقوال و گفتار پر اگر بغور نظر ڈالی جائے تو یہ بات معلوم کرنے میں کوئی دقت اور شبہ نہ ہوگا کہ ایسے مخصوص کارنامے ان کی ذات سے صادر کرانے میں کوئی غیبی قوت شامل حال تھی۔ اس کا مصدر کوئی اور تھا جبکہ حضرت عبدالمطلب کی ذات صرف ذریعہ صدور تھی۔ڈاکٹر طٰہٰ نے اس خیال کا اظہار پہلی بار اپنی کتاب ''علی هامش السيرة'' میں کیا ہے۔

ہم خود بھی اس امر پر یقین واعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کی ذات گرامی مستقبل کی نبوت کا بدرقہ تھی۔آپ کی ذات سے اس عرصہ میں جو کچھ ہوا، وہ راہِ نبوت کی ہمواری تھی۔غور طلب امر یہ ہے کہ اس گمراہ قوم قریش میں احناف کا وجود ہمیں اسی دورِ عبدالمطلب میں ملتا ہے۔اس سے پہلے یہ خیال بھی کسی کے ذہن سے مس تک نہ ہوا تھا، اگر حضرت عبدالمطلب کو اپنے وقت کا مجدّدِ دینِ ابراہیم اور رسول اللہؐ کے حق میں

Presented by Ziaraat.net

ثانی یحییٰ کہا جائے تو اس میں کوئی کیا کلام کر سکتا ہے۔

ہم چھٹی صدی عیسوی کے دور میں حضرت عبدالمطلب کے وضع کردہ ان ترقی یافتہ اصول وضوابط سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کے جاری کردہ ان قوانین نے قانون کے عمومی تصورات پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اسی لیے وہ آج بھی اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں بھی رائج ہیں۔ آپ کے اس زمانے میں مکہ جیسے ایک شہری جمہوری مملکت کو اتنے ترقی یافتہ قوانین مل چکے تھے اور وہاں کے باشندوں نے ان کی اس قدر تربیت حاصل کر لی تھی کہ وہ ایک بڑی شہنشاہیت کے نظم ونسق کو بآسانی چلا سکتے تھے اور ۴۰ھ کے بعد جب بنی امیہ نے، جو کبھی حکومت سے مس نہیں رکھتے تھے، اقتدار حاصل کیا تو اپنی حکومت کو انہوں نے نوے سال جاری رکھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔ ''بلاشبہ مکہ کے باشندوں نے اپنی شہری مملکت کیلئے ایک ترقی کناں دستور اسلام سے خاصا عرصہ قبل بنا لیا تھا۔ جس کے ذریعہ سے انہیں اس بات کی تربیت مل چکی تھی کہ آئندہ اسلامی دور میں عربی شہنشاہیت کے نظم ونسق کو چلا سکیں۔'' اس سے آگے ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ''قرآنی پیغام کی تشریح وتوضیح اور اصلاحِ قوم کے سلسلہ میں ملک کی بہت سی اچھی اور معقول قدیم روایات کو آپ نے اپنے متبعین میں جو برقرار رہنے دیا یہ بھی قانونِ اسلام کا بہت بڑا ماخذ ہے۔'' (عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی، صفحہ ۱۹۔۱۸)

یہاں حمید اللہ اسلامی قانون کا جسے قدیم ماخذ قرار دے رہے ہیں۔ وہ دراصل حضرت عبدالمطلب کا جاری کردہ قانون ہے۔ یہاں ان کی نظر قانون پر ہے جو اسلام میں لیے گئے۔ قانون کے واضع پر نہیں ہے۔

قرآن کی تائید اس امر کا ثبوت بین ہے کہ یہ تمام اصلاحات واحکام حضرت عبدالمطلب کو القا کئے گئے اور ان میں نبوت کی صلاحیت موجود تھی۔

عظیم ترین عوامی اور مذہبی خدمات

وقف

حضرت عبدالمطلب نے عرب کی تاریخ میں عوامی اور مذہبی خدمات انجام دیں اور اسے صاحب حیثیت لوگوں کیلئے فلاح وبہبود انسانی اور مذہبی خدمت کا نشان قرار دیا، وہ اسلام میں ''وقف'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ آپ کی وہ سب سے بڑی یادگار خدمت ہے جو آج تک مختلف مذہبی اور عوامی خدمت کے لیے ہر مذہب اور قوم وقبیلہ میں اپنا وجود قائم کیے ہوئے ہے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں:

''وقف شریعت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام نے اس مسئلے کو جس حد تک صاف کیا اس کا دوسرے مذاہب کے قوانین میں شائبہ تک موجود نہیں۔ اسی بناء پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجتہ البالغہ'' میں دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقۂ وقف کا موجد ہے۔ اسلام میں وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ہجرت کے پہلے ہی سال مسجد نبوی کی بنیاد جس زمین پر رکھی تھی وہ دو یتیموں کی ملکیت تھی۔ آپ نے (اس زمین کی) قیمت دینا چاہی مگر انہوں نے کہا ''لا واللہ لانطلب ثمنہ' الا الی اللہ۔'' (نہیں ہم خدا کی قسم اس کی قیمت نہیں لیں گے ہاں ہم اس کی قیمت خدا ہی سے لیں گے) یہ اسلام کا پہلا وقف تھا اور نہایت سادہ صورت میں تھا۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو مشترکہ جائیداد کے وقف کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ اس کے بعد ۴ھ یا ۵ھ میں یہ آیت جب نازل ہوئی۔

''لن تنالو البر حتیٰ تنفقوا ممّا تحبّون'' (تم ہرگز نیکی نہ پاسکو گے جب تک اپنی محبوب چیز خدا کی راہ میں نہ دے دو) تو ابوطلحہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔ ''یارسول اللہ! بیرحا[1] مجھے سب سے عزیز ہے۔ میں اس کو خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہوں۔ آپ جس مصرف چاہیں اس کو رکھیں۔'' چنانچہ آپ کے مشورہ سے انہوں نے اس کا منافع اپنے اعزا پر وقف کیا۔'' (سیرت النبی جلد دوم ص: ۱۶۳)

یہ تھی اسلام میں وقف کی ابتداء جو بلا ارادہ اچانک وجود میں آئی اور دو یتیموں کے فی البدیہہ فیصلہ سے جو اللہ کی محبت کی بنیاد پر تھا یہ تصور مسلمانوں کے سامنے آیا اور جب آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی یعنی اللہ نے جب

[1]..... بیرحا: مدینہ میں واقع ایک قطعہ زمین کا نام ہے۔

Presented by Ziaraat.net

آخرت میں نیکی کے حصول کا ذریعہ محبوب ترین چیز کو اللہ کی راہ میں دینا بتایا اور اس طرف رغبت دلائی تو ابوطلحہ نے بلا ارادہ اپنی زمین کو وقف کر دیا، اسکے بعد وقف کے اصول وقواعد مرتب ہوئے۔

لیکن وہ شخصیت کس قدر ارفع واعلیٰ قرار دی جائے گی جس نے نہ تو کسی بزرگ ہستی کے احترام ولحاظ کی بنیاد پر اچانک ایسا فیصلہ کیا ہو اور نہ ہی پہلے سے کسی خارجی رغبت کی بنا پر ایسا قدم اٹھایا ہو۔ بلکہ القائے یہ خواہش اس کے اندرون سے ابھری ہو اور پھر اس نے اپنی عزیز ترین اہم ترین اور نفع بخش ترین ایسی ملکیت کو جس کے سبب وہ پوری قوم بالخصوص اور پورے جزیرۃ العرب پر بالعموم اپنی حاکمیت جتا سکتا ہو، جس کے ذریعہ اپنے دشمنوں کو بے دست و پا مجبور و مطیع رکھ سکتا ہو۔ فی الفور اسے اللہ کے نام پر وقف کرنے کا نہ صرف فیصلہ کر لے بلکہ فخریہ اس کا اعلان بھی اسی وقت پوری قوم کے سامنے کر ڈالے۔

شاہ ولی اللہ نے حجتہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ اسلام ہی طریقۂ وقف کا موجد ہے۔ اگر حضرت شاہ صاحب یہ دعویٰ نہ کرتے تو ان کی بات ایک حد تک تسلیم کر لی جاتی یا وہ اصول وقواعد سے متعلق دعویٰ کرتے تو ناقابلِ تردید ٹھہرتا۔ اس لیے کہ وقف کا قانون سب سے پہلے اسلام ہی نے بنایا اور اس کو فروغ بھی اسلام ہی میں زیادہ ہوا، ورنہ عبادت گاہوں کے لیے اوقاف کا وجود تاریخیں پیش کرتی ہیں۔ ایسے وقف زرتشوں کی عبادت گاہوں میں بھی تھے اور یہود میں بھی۔ عیسائیوں میں بھی ان کا وجود ملتا ہے اور یہ سب اسلام سے پہلے ہیں، دور کیوں جایئے نجران کا کلیسا جسے وہ کعبہ کہتے تھے۔ اس کے لیے ایک بہت بڑی جائیداد وقف تھی۔ علامہ شبلی جو خود (سیرت النبی کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۶۲) پر شاہ صاحب کے اس دعویٰ کا ذکر کرتے ہیں وہ خود ہی اس جلد کے صفحہ ۶۶ پر یہ لکھتے ہیں:

> ''یہاں (نجران) عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا۔ جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے..... اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔''
>
> (معجم البلدان)

نجران کے کعبہ کیلئے اتنا بڑا وقف موجود تھا جبکہ مکہ کے کعبہ کے لیے کوئی وقف نہ تھا۔ اس کا کام چڑھاوے اور نذرانہ سے چلتا تھا اور وہ بھی قریش کھا جاتے تھے۔

ہاں! ہم بلا خوفِ تردید یہ بات دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کو اللہ کیلئے سب سے بڑا اور پہلا وقف حضرت عبدالمطلب نے کیا اور یہ وقف وہ کنواں تھا جسے زمزم کہا جاتا ہے۔ عبدالمطلب نے یہ کنواں جسے ان کی ملکیت تسلیم کر لیا گیا تھا۔ کعبہ کا حج وطواف کیلئے آنے والوں اور اپنی قوم قریش کیلئے وقف کر دیا تھا۔

کنوئیں کی اہمیت

عرب جیسے بنجر اور خشک علاقہ میں جہاں سارا سال بارش نہ ہوتی تھی کسی چشمہ یا کنوئیں کی وہاں جو قدر و قیمت ہو سکتی ہے اسے ہر جاندار سمجھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر پانی کے سوال پر قتل وخونریزی ہوتی تھی

اور کسی کنوئیں یا چشمہ کی ملکیت اور قبضہ کے لیے دو قبیلوں میں طویل جنگیں چھڑ جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰ کی قوم کے لیے جب معجزاتی طور پر چشمے پیدا ہوئے تو بارہ تھے۔ توریت میں لکھا ہے کہ یہ بارہ چشمے اس لیے تھے کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے پانی کیلئے آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں، کنوئیں کی اہمیت صرف اس لئے نہ تھی کو یہ ایک قبیلہ کے افراد کی زندگی کا ذریعہ تھا بلکہ اسلئے بھی کہ انکے جانوروں کے ریوڑ جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی تھی پانی کے بغیر زندہ نہ رہ سکتے تھے اور یہی ان کا سرمایہ اور دولت تھے۔ پانی فروخت بھی کیا جاتا تھا اور اس پر ٹیکس بھی لیا جاتا تھا۔ یہ سرمایہ میں اضافہ کا سبب بھی تھا اور دوسروں کو مطیع بنانے اور دشمن کو زیر کرنے کا باعث بھی۔

کنوئیں کی ملکیت کا تصور

اسی اہمیت کی بناء پر چشمے اور پھر کنوئیں کی ملکیت کا تصور پیدا ہوا۔ کوئی قدرتی چشمہ جو فرد یا قبیلہ دریافت کرتا وہ اسی کی ملکیت تصور کیا جاتا، وہ دوسرے ہمسایہ یا قریبی قبیلے کو چاہتا تو پانی لینے دیتا ورنہ نہیں۔ کنواں البتہ کھودا جاتا تھا اور یہ ضروری بھی نہ تھا کہ وہ محنت بار آور ہو، اکثر محنت رائیگاں جاتی اور بہت گہرائی تک پانی نہ ملتا۔ کنوئیں کی ملکیت کا تصور دو ہزار قبل مسیح سے بھی پہلے موجود تھا۔ توریت میں حضرت ابراہیم کے کنوؤں کا تصور ملتا ہے، آپ کا ایک کنواں ہمسایہ قبیلے کے افراد نے بزور قبضہ کر لیا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار کے ذریعہ اس کنوئیں کی واپسی کا ذکر بائبل میں موجود ہے۔ جب آپ کی بھیڑ بکریوں کے گلے اور آپ کے غلاموں کی تعداد اس نسبت سے چار سو (۴۰۰) تک پہنچ گئی تو کنوؤں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

قریش کے کنوئیں

زمزم کے ہوتے ہوئے اہل مکہ کو کسی کنوئیں کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن بنی جرہم زمزم کو بند کر کے ہموار کر گئے تھے یہ صدیوں پوشیدہ رہا۔ قصیٰ کے بعد جب قریش کو اقتدار ملا تو زمزم کا نہ کوئی نام ونشان تھا اور نہ کوئی یہ بات جانتا تھا کہ یہاں کسی زمانہ میں کنواں زمزم کے نام سے موجود تھا۔ حضرت عبدالمطلب کو خواب میں جیسا کہ بیان کیا گیا، اس کنوئیں کی نشان دہی کی گئی۔ انہوں نے خود اور اپنے بیٹے حارث کی مدد سے اس جگہ کو کھود کر کنواں برآمد کیا۔ زمزم کی برآمدگی کے بعد قریش نے جھگڑا کیا اور اس میں اپنا حق بتایا۔ کنوئیں کی ملکیت کا مسلمہ اصول اسے حضرت عبدالمطلب کی ملکیت قرار دیتا تھا۔ مگر فساد کو ختم کرنے کے لیے ثالث کے ذریعہ فیصلہ کا انتظام ہوا۔ راہ میں معجزاتی طور پر چشمہ پھوٹ نکلنے پر قریش نے تسلیم کر لیا کہ ''خدا حضرت عبدالمطلب کے ساتھ ہے اور یہ کنواں درحقیقت اسی کا دیا ہوا عبدالمطلب کی ملکیت ہے۔''

اس فیصلہ کے بعد واپسی پر حضرت عبدالمطلب نے زمزم کو حاجیوں، قریش اور تمام انسانوں کیلئے وقف کرنے کا اعلان کر دیا، قریش نے پانی لینے کی درخواست کی تو آپ نے کہا۔ ''ہاں تم سارا سال پانی لے سکتے ہو کسی کو ممانعت نہیں البتہ حج کے زمانے میں پہلے حاجیوں کی ضرورت پوری کی جایا کرے گی۔''

Presented by Ziaraat.net

آج تک یہ وقف، فیض عام کی طرح جاری ہے یہ پانی متبرک قرار دیا گیا ہے۔ اسی سے کعبہ کو غسل دیا جاتا ہے تمام دنیا کے مسلمان اسے اپنے ساتھ بھی لاتے ہیں۔ مگر یہ کنواں ڈیڑھ ہزار سال سے تقریباً پانی دے رہا ہے۔

چاہ زمزم اور آب زمزم

یوں تو قدیم وجدید تمام مؤرخین اور حج کے سفرنامے لکھنے والے سب ہی نے چاہ زمزم اور آب زمزم کے متعلق حقائق اور اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں مگر ہم یہاں پروفیسر محمد سلیم کے سفرنامۂ حج ''رب کعبہ کے حضور'' سے اقتباس پیش کرتے ہیں۔ اس سے آپ کو زمزم کی اہمیت، عزت واحترام، تقدس اور اسکے بے تحاشا استعمال کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ عرب جیسے ریگستان میں جہاں کی زمین انتہائی گہرائی تک خشک و بے آب ہے، صرف چاہِ زمزم میں اس قدر پانی کہاں سے آتا ہے؟ اس کے ساتھ ہی اس بات کا اندازہ بھی ہوجائے گا کہ حضرت عبدالمطلب کا یہ وقف کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ پروفیسر محمد سلیم لکھتے ہیں:

''یہ معجزاتی چشمہ بعد میں کنوئیں کی شکل میں محفوظ ہوگیا اس پر ڈول اور چرخی بھی نصب کردی گئی۔ آج ڈول، رسی اور چرخی جیسی اشیاء کہیں نظر نہیں آتیں۔ ٹیوب ویل لگے ہوئے ہیں اور پانی دن رات نکالا جاتا ہے خدا جانے یہ کتنا بڑا چشمہ ہے کہ اس کا پانی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ یہ ایک زندہ مجسمہ اور اللہ کی مجسم نشانی ہے جسے سب لوگ دیکھتے ہیں۔ لوگ نہ صرف یہ پانی پیتے ہیں بلکہ اس سے نہاتے ہیں اور ڈرموں میں بھر کر ساتھ بھی لاتے ہیں۔ حرم میں بہت سی ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں اور نہاتے ہیں بہت سے لوگ کفن کا کپڑا ساتھ لے جاتے ہیں اور آبِ زمزم میں بھگو کر واپس لاتے ہیں۔ حرم شریف سے باہر مختلف دروازوں کے سامنے سقے چھوٹی چھوٹی مخروطی صراحیاں اٹھائے ''زمزم بارد'' (ٹھنڈا آب زمزم) کی آوازیں لگاتے نظر آتے ہیں۔ صراحیوں میں برف ملا ہوا زمزم کا پانی ہوتا ہے۔ سقوں کے دوسرے ہاتھ میں سفید کٹورہ ہوتا ہے ان کٹوروں کو صراحی کے ساتھ ٹکرانے سے بڑی دلنواز آواز پیدا ہوتی ہے۔ ''زمزم بارد'' عصر کی نمازوں کے بعد خوب بکتا ہے۔ ایک کٹورہ ایک ریال میں آتا ہے۔ حرم شریف میں بھی زمزم بارد دستیاب ہوتا ہے۔ دھات کے بنے ہوئے سرخ رنگ کے کولر قطار در قطار تقریباً ہر دروازے کے سامنے موجود ہوتے ہیں جن میں خدام کعبہ ہر وقت پانی بھرتے رہتے ہیں۔ لیکن حجاج کی تعداد اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ آن کی آن میں بڑے کولر خالی ہو جاتے ہیں۔ زمزم پیتے ہوئے جو دعا مانگی جاتی ہے مستجاب ہوتی ہے اور پھر حرم شریف میں قبلہ رو ہو کر زمزم پیتے ہوئے دعا کی کیا شان ہوگی۔ لہٰذا ایسے نظارے آپ کو عام نظر آئیں گے کہ ہاتھ میں گلاس ہے نگاہ بیت اللہ شریف پر مرکوز ہے اور زبان دعا میں مصروف ہے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری ہے۔

اکثر لوگ پانی کے کین بھر کر اپنی رہائش گاہ پر لے گئے تھے۔ ہمارا دستور بھی یہی رہا ہے کہ زمزم کا کین بھر کر فریج میں رکھ دیا کھانے کے موقع پر یا جب بھی پیاس لگی اس زمزم بارد کو نکال کر پی لیا۔ ایک ختم ہوا تو دوسرا بھر کر رکھ دیا۔ اس طرح مکہ کے دورانِ قیام زمزم کے علاوہ دوسرا پانی کم ہی پیا جاتا ہے۔ پھر مدینہ شریف کی

روانگی کے وقت پانی کا بڑا کین اپنے ساتھ رکھ لیا، کیونکہ پھر مکہ واپس آنے کا امکان نہیں ہوتا۔ اسی طرح حج کے بعد جتنے بھی حجاج مدینہ شریف روانہ ہوتے ہیں وہیں سے اپنے وطن روانہ ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا ہر حاجی کے ساتھ زمزم کا کین بس میں بھرا نظر آتا ہے۔[1]

اس کے بعد پروفیسر مذکور نے مکہ میں پانی کی شدید قلت اور اس سے پیدا ہونے والی پریشانیوں کا نقشہ پیش کیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ حضرت عبدالمطلب اگر اپنی اس عظیم ملکیت کو وقفِ عام نہ کرتے تو نہ یہ مقدس نظارے دیکھنے میں آتے اور نہ پانی کی اسقدر فراوانی وآسانی ہوتی بلکہ یہ زمزم بنو امیہ کی دشمنی کا نشانہ بن کر رہ جاتا، جس طرح حرب کی آئندہ اولاد اور اس کے حلیفوں نے برسر اقتدار آکر رسول اللہؐ کے ترکے پر قبضہ کیا، وہ زمزم کو بھی اپنے تصرف میں لے لیتے اور آج تمام حاجی پانی کو ترستے یا قیمتاً حاصل کرنے پر مجبور ہوتے۔ اس حالت میں حج کے موقع پر یہ مناظر دکھائی نہ دیتے جن کا ذکر پروفیسر محمد سلیم نے کیا ہے یا دیگر حاجیوں نے اپنے سفرناموں میں پیش کیا ہے۔

[1] بحوالہ سیارہ ڈائجسٹ ماہ ستمبر ۱۹۸۲ء ص:۳۱، عنوان ''رب کعبہ کے حضور'' قسط نمبر ۳

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب کا دورِ اصلاحات

مذہبی اصلاحات

عریانی کی حالت میں طواف پر پابندی

حرم کعبہ میں زنا کی مثالیں قدیم تاریخ میں ملتی ہیں۔ گزشتہ صفحات میں اساف اور نائلہ کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ بعد میں باہر سے آنے والے عربوں نے ننگے ہوکر طواف کرنا شروع کردیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قریش نے جو کعبہ کے محافظ تھے بیرونی حاجیوں کو ان کے غلیظ اور جوؤں سے بھرے کپڑوں کے ساتھ طواف کرنے سے منع کردیا تھا۔ اگرچہ یہ حکم اپنی جگہ بہتری کا حامل تھا۔ لیکن جن غریب بادیہ نشینوں اور بدوؤں کے پاس دوسرے کپڑے نہ ہوتے وہ طواف کے موقع پر اپنے بدبودار کپڑے اتار دیتے اور عریاں حالت میں طواف کرنے کے بعد پھر پہن لیتے۔ وہ بے حیائی اور عریاں حالت میں سونے کے پہلے ہی عادی تھے یہ ایک بری رسم پڑ چکی تھی۔ اس سے زنا کی تحریک ہوتی اور کعبہ کی حرمت اور اس کے تقدس پر زد پڑتی تھی۔ حضرت عبدالمطلب نے اسے بالکل ختم کردیا اور رفادہ کے ذریعہ ایسے لوگوں کو کپڑے مہیا کرنے کا انتظام کیا۔ بروقت کپڑوں کی سلائی کا کوئی ذریعہ ممکن نہ تھا اس لئے یہ کپڑے بغیر سلے ہوتے تھے اور ایسے حاجی ان کپڑوں کو اپنے جسم پر لپیٹ کر طواف کرتے تھے۔ یوں طواف کے موقع پر عریانیت کا خاتمہ کردیا گیا۔ احرام باندھنے کا طریقہ جو آج بھی پایا جاتا ہے یہ حضرت عبدالمطلب ہی کا جاری کردہ طریقے کا یادگار نشان ہے۔ اس میں بھی دو بے سلی چادریں ہوتی ہیں ایک ناف سے گھٹنوں تک جو تہہ بند کا کام دیتی ہے۔ دوسری جو کندھوں پر ڈالی جاتی ہے۔ حضرت عبدالمطلب کے وقت یہ صرف ایک چادر ہوتی تھی۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد تیس سال کے دوران بنی امیہ نے پھر وہی طریقہ یعنی عریاں حالت میں طواف کرنا رائج کردیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فتح مکہ کے بعد حج کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے ذریعہ یہ اعلان کرادیا تھا کہ آئندہ کوئی عریاں حالت میں طواف نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ حکم نازل ہوچکا ہے۔

"یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد" یعنی "اے اولاد آدم مسجدوں میں جاؤ تو کپڑے پہن لیا کرو۔"

مسلمانوں پر ۹ھ میں حج فرض کیا گیا (زادالمیعاد) شبلی لکھتے ہیں کہ "آنحضرتؐ نے اس سال حج اسی لیے نہیں کیا تھا کہ عریاں طواف کا طریقہ رائج تھا۔"

Presented by Ziaraat.net

حرام وحلال کے مسائل

اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں عرب حلال وحرام میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے، وہ ہر چیز جو کھائی جا سکتی ہے، کھانے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ وہ ہر قسم کے کیڑے مکوڑے، چوہے، چھپکلیاں اور مردہ جانور کھاتے تھے۔ ایسا ان لوگوں میں تھا جو گلہ بان نہ تھے اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ گلہ بان قبیلے نذر و قربانی کی ایسی رسمیں اپنائے ہوئے تھے جن کی رو سے اگر ان کے جانوروں میں مردہ بچہ پیدا ہوتا تو مرد وعورت دونوں کھاتے اور اگر زندہ بچہ پیدا ہوتا تو صرف مرد کھاتا۔ بعض نذریں ایسی ہوتیں کہ مرد ہی کھاتا اس میں عورت کا کوئی حصہ ہی نہ تھا اور جن جانوروں کو بتوں سے مخصوص کر دیتے ان کا ذبح کرنا گناہ جانتے تھے۔ یہ تمام لوگ بادیہ نشین تھے اور غذا کی قلت کے سبب ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن شہری بستیوں میں رہنے والے مستقل باشندے ان سے مختلف تھے۔

اسی لیے کھانے پینے کی اشیاء سے متعلق حلال وحرام کے بارے میں ایسی کوئی واضح روایت یا واقعہ نہیں ملتا جس سے قریش میں حضرت عبدالمطلب کی جانب سے حلال وحرام کی تمیز کا کوئی معیار قائم کرنے کا پتہ چلتا ہو، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ انہوں نے اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی یا حلال وحرام کی تمیز کو درخور اعتنا ہی نہ جانا ہو۔ آپ نے ان امور کی جانب پوری توجہ مبذول رکھی تھی۔ لیکن عام طور پر ایسا نہ ہونے کا سبب سیرت نگاروں نے یہ بیان کیا ہے کہ قریش عرب ہونے کے باوجود صحرانورد اور بادیہ نشین عربوں سے مختلف تھے۔ وہ خوراک کے معاملے میں بادیہ نشینوں کی طرح مجبور نہ تھے اور حرام خوری سے متعلق جو کچھ عربوں کے متعلق کہا جاتا ہے وہ تمام تر قریش پر صادق نہیں آتا۔ لیکن جب قریش کو ان عربوں میں شامل سمجھ لیا جائے تو اس مغالطہ کا پیدا ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ مورخ یا سیرت نگار حضرات جب دور اسلامی اور عہد جاہلیت کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لیے عربوں کی پستی ظاہر کرنے کے لیے ان باتوں کو جو عرب جاہلیہ میں پائی جاتیں تھیں بیان کرتے ہیں، اور صحرائی بدوؤں اور شہری بستی کے متمدن قبیلوں میں تفریق نہیں کرتے اس سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ متمدن قریش بھی ایسے ہی تھے۔ حالانکہ ان کی غذائی اشیاء حرام نہ تھیں۔

حضرت عبدالمطلب کے دور میں مکہ ایک بڑی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ خورد ونوش کی تمام اشیاء افراط سے ملتی تھیں۔ وہ تاجر تھے۔ بعض ان میں بھیڑ بکریاں چرانے کا کام کرتے تھے ہر خاندان کی بھیڑ بکریاں ہوتی تھیں اور غذا افراط سے ملتی تھی۔ تب ہی تو وہ عام دعوتوں کا انتظام بھی کرتے تھے اور وہ لوگ جو لوٹ مار کرتے تھے بہر حال حلال غذا حاصل کر لیتے تھے۔ اس لیے حضرت عبدالمطلب کو غذائی اشیاء میں قریش کو حلال و حرام میں کوئی فرق بتانے یا ان کی اصلاح کرنے کی کوئی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ ہاں! البتہ ذبیحہ کی رسوم اور طریقوں میں قریش حرام طریقے استعمال کرتے تھے، ان کی جانب حضرت عبدالمطلب نے پوری توجہ کی اور قریش کو اس سے منع کیا۔

بتوں پر ذبیحہ کی ممانعت

جب بنی خزاعہ مکہ پر قابض تھے اور خانہ کعبہ کی تولیت ان کے ہاتھ میں تھی اس زمانہ میں قریش عربوں اور بنی خزاعہ کی تقلید میں بتوں پر جانوروں کو ذبح کرنے لگے تھے۔ ان ذبیحوں کا گوشت کھانا ہر بنی اسمٰعیل پر حرام تھا۔ تاریخ پورے وثوق سے بتاتی ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے قریش کو بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنے اور اس کا گوشت کھانے سے منع کیا۔ چونکہ آپ حکماً قریش پر اس عمل کو مسلط نہیں کر سکتے تھے اس لیے آپ نے اپنے ذاتی ومخصوص طریقہ تبلیغ کے مطابق ان کے سامنے اپنا عمل پیش کیا۔ یعنی خود اللہ کے نام پر ذبیحہ پیش کر کے مثال ان کے سامنے لائے آپ نے کبھی کوئی ذبیحہ بتوں کے نام پر نہیں کیا۔ وہ اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے اور اس وقت اللہ ہی سے دعا کرتے۔ ایسے مواقع پر کسی بت سے مدد طلب نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے کاہنہ سے فال کے وقت، عبداللہ کی قربانی کے وقت، زمزم کے خزانہ پر قرعہ اندازی کے وقت اور ابرہہ کے حملے کے وقت صرف اللہ سے دعا کی تھی کسی بت سے مدد نہیں مانگی تھی۔ آپ اکثر قربانی چاہ زمزم یا صفا ومروہ کے قریب کرتے تھے۔ قریش کی طرح ہبل بت کے قدموں میں یا اساف ونائلہ کے درمیان نہیں کرتے تھے۔ قریش آپ کے اس عمل کو دیکھتے تھے اور اس طرف رغبت کرنے لگے تھے۔ پھر ایک خاص مقررہ دن قریش کو جمع کر کے ان سے خطاب کرتے اور اس دوران انہیں بہتر طریقوں کی جانب توجہ دلاتے اکثر قریش نے آپ کے اس عمل کو قبول کیا اور وہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنے سے باز رہے۔ اس بارے میں تاریخ ایسے دلائل پیش کرتی ہے جو آپ کے اسی عمل کے لیے واضح ثبوت سامنے لاتے ہیں۔ مثلاً وہ لوگ جنہوں نے حضرت عبدالمطلب کے پیش کردہ دین حنیف کو قبول کر لیا تھا۔ وہ نہ بتوں پر ذبیحہ کرتے تھے اور نہ ایسے ذبیحہ کا گوشت کھاتے تھے اور نہ بتوں سے دعا کرتے تھے۔ وہ صرف اللہ سے رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے تقریباً دس سال بعد جب بنی امیہ ان کے حلیف قبائل کے سرداروں نے پھر سے بتوں پر جانور ذبح کرنے کا طریقہ رائج کیا تو یہی لوگ تھے جنہوں نے ان کے اس عمل کی مخالفت کی اور مکہ سے باہر وحدانیت کی تلاش میں نکل گئے۔

آنحضرتؐ نے اپنے زمانہ نبوت میں ایسے ذبیحوں کو حرام قرار دیا، حلت وحرمت کے احکام بھی اسی زمانہ میں بتدریج نازل ہوئے اور قریش کو ان کا پابند بنایا جاتا رہا۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں:

> ”اس دور میں مسلمانوں کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی۔ حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی۔ ۷ھ میں مسلمانوں کو خیبر کی فتوحات سے جاگیریں ہاتھ آئیں تو جانوروں میں بھی حلال وحرام کی تفریق کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ اور پنجہ دار پرند حرام ہیں۔ ۸ھ میں تربیت یافتہ شکاری جانوروں کا شکار کیا ہوا کھانا حلال قرار دیا گیا بشرطیکہ اسے اللہ کا نام لیکر شکار پر چھوڑا گیا ہو“۔

Presented by Ziaraat.net

یوم الجمعہ کی اہمیت

معتبر روایت سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب ہفتہ میں ایک خاص دن جو عربوں میں یوم السّتہ یعنی ہفتہ کا چھٹا دن کہلاتا تھا، قریش کو جمع کرتے اور اپنے مخصوص طریقہ پر انہیں تبلیغ کرتے، بری باتوں سے بچنے اور اچھی باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے۔ یہ آپ کا معمول تھا۔ جب بھی آپ تجارتی سفر سے فارغ ہوتے تو مکہ میں بلا ناغہ قریش کا یہ اجتماع ہوتا۔ یہاں تک کہ یہ دن یوم السّتہ سے یوم الجمع مشہور ہوگیا۔ چونکہ یہ مخصوص مقصد کے لیے خاص دن تھا۔ اس لیے بعد میں اس تخصیص کے لیے ''ہ'' کا اضافہ عربی زبان کے قواعد کی رو سے کر دیا گیا اور یوں یہ دن یوم الجمعہ کہا جانے گا۔

آپ اس دن کو خاص اہمیت دیتے اور جمعہ کے روز غارِ حرا میں عبادت کرتے۔ مذہبی اور مقدس امور کی انجام دہی اور کسی اچھے اور نیک کام کا آغاز جمعہ ہی کے دن کرتے تھے۔ اس عمل کو بعض قریش اور احناف مکہ نے بھی اختیار کر لیا تھا۔ آنحضرتؐ نے بھی اپنے دورِ نبوت میں اس دن کو اہم اور مبارک قرار دیا تھا اور جمعہ کے دن عبادت کیلئے خاص اجتماع کا حکم دیا تھا۔ صحیح بخاری (کتاب الجمعہ) میں ہے کہ مسجد نبوی (مدینہ) کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو ''اثی'' میں واقع ہے۔

مکہ میں نماز جمعہ اسی لیے فرض نہ ہو سکی کہ اس کی پہلی اور ضروری شرط جماعت ہے اور یہ شرط اسی لیے رکھی گئی تھی کہ حضرت عبدالمطلب جمعہ کو اجتماعی صورت میں خطاب کرتے تھے۔ لیکن مدینہ میں انصار کی کافی تعداد اسلام قبول کر چکی تھی۔ اس لیے آنحضرتؐ کی تشریف آوری سے پہلے جو مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کر چکے تھے ان میں سے اسعد بن زرارہ نے مسلمانوں کو تحریک دلائی اور بنی بیاضہ کے محلّہ میں انہوں نے سب سے پہلے نمازِ جمعہ باجماعت ادا کی۔ مصعب بن عمیر امامِ جماعت تھے اور کل چالیس مسلمان نماز میں شریک تھے۔

اس کے بعد جب آنحضرتؐ نے مدینہ آتے ہوئے ''قبا'' کے مقام پر قیام فرمایا تو وہاں سے مدینہ روانگی کے لیے قصداً جمعہ کا دن مقرر کیا۔ بنی سالم کے محلّہ میں پہنچے تو نماز کا وقت ہوگیا تھا۔ آنحضرتؐ نے سب سے پہلے نماز جمعہ جماعت کے ساتھ یہیں ادا فرمائی۔ یہ آخر ربیع الاوّل پہلی ہجری کا واقعہ ہے۔

(سیرت النبی جلد دوم ص: ۴۵۔۱۴۴)

جمعہ کا تقرر و تخصص حضرت عبدالمطلب ہی کی یادگار ہے۔

حج ایک عبادت

پوری دنیا میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے وحدت پرستی کے لیے کعبہ کی شکل میں عام عبادت گاہ تعمیر کی اور تمام دنیا کے قبائل کو وہاں آ کر حج کی صورت میں عبادت کی عام دعوت دی جس پر قبائل عرب نے لبیک کہا اور وہ ہر سال حج کے مقررہ ایام میں دور دراز کے مقامات سے حج کے لیے آنے لگے۔ بعد میں اولاد اسمٰعیلؑ کی

عزت و حرمت ان کی نظر میں اس قدر بڑھ گئی کہ وہ آپ کے لیے تحائف لانے لگے۔ یہ تحائف بھیڑ بکریوں کی شکل میں ہوتے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے ان کا مصرف یہ نکالا کہ وہ انہیں ذبح کر کے حاجیوں کی دعوت کرتے یہی طریقہ قصیٰ کے زمانہ میں ''رفادہ'' کی صورت اختیار کر گیا۔

لیکن جب بعد میں بنی خزاعہ کعبہ پر مسلط ہو گئے اور اس قبیلے کے ایک شخص عمر بن لحی نے کعبہ میں ایک بت لا کر رکھ دیا تو آہستہ آہستہ یہ عبادت گاہ بتوں کا مرکز بنتی چلی گئی۔ ہر قبیلے نے اپنا بت خانہ کعبہ کی حدود میں نصب کر دیا، جب اسلام آیا تو کعبہ کی حدود میں تین سو ساٹھ بت موجود تھے اور اس گھر کی تولیت سے اولاد اسمٰعیلؑ بیدخل ہو چکی تھی۔ پورے آٹھ سو سال کے بعد غالباً ۴۳۰ء میں آلِ اسمٰعیلؑ سے قصیٰ بن کلاب نے یہ حق بزورِ شمشیر واپس لے لیا، پھر اس کے پوتے ہاشم نے حج کے امور پر خاص توجہ دی اور رفادہ میں وسعت و اصلاح کی۔ اس کے بعد ہاشم کے بیٹے حضرت عبدالمطلب نے حج کی رسوم میں اصلاح کی اور ایسی رسوم کو اس سے خارج کیا جو غلط اور کفر و بت پرستی کی مظہر تھیں، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے دین حنیف قائم کر کے شعائرِ ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کیا۔

حج کی رسوم میں اصلاحات

عربوں میں اجداد پرستی کے اثرات بھی پائے جاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی شاعری کی اہم اقسام قصائد و مراثی اسی کی نشانیاں تھیں اور جب بنی خزاعہ کے دور میں ان کے بت بھی خانہ کعبہ کی حدود میں آ گئے تو وہ جب حج کے موقع پر جمع ہوتے تو طواف کے دوران اپنے بتوں اور اجداد کے مفاخر اور کارناموں کا ذکر کرتے۔ حضرت عبدالمطلب نے اس موقع پر علی الاعلان اور بآواز بلند اللہ کا ذکر کیا اور اس کی قوت و طاقت اور نعمتوں کی طرف عرب اور قریش کی توجہ دلائی اور اس طریقہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ انہوں نے بتوں کے نام پر ذبیحہ کی بدعت کو ختم کرا دیا، چنانچہ اسلام آنے کے بعد حج کی فرضیت کا حکم ہوا تو اس میں یہ بھی کہا گیا۔

''پھر جب حج کے ارکان پورے کر لو تو خدا کا ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بڑھ کر۔''

(سورہ بقرہ)

رسم حمس کا خاتمہ

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ قبائل بنی معضر (خزاعہ) کو تین خصوصیتیں حاصل تھیں۔ ایک یہ کہ جب حاجی عرفات سے مزدلفہ کی جانب روانہ ہوتے تو اس کی قیادت غوث بن مرّہ بن اوّ کو حاصل ہوتی، دوسرے یہ کہ مقام جمع (مزدلفہ میں ایک مقام) سے منیٰ کی طرف حاجیوں کی روانگی کے وقت یہ قیادت زید بن عدوان کے پاس رہتی اور تیسرے یہ کہ عرفات والے پاک مہینوں میں تقدیم و تاخیر کر سکتے تھے اس کا قائد مقلس تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی خزاعہ جو حمس کے نام سے مشہور تھے، ان خصوصیات کی بناء پر اپنا وقار اور امتیاز قابل فخر

Presented by Ziaraat.net

گردانتے، چنانچہ جب قصیٰ نے بنی خزاعہ سے تولیت کعبہ حاصل کر لی تو قریش نے بھی اپنا امتیاز قائم کرنے لیے کچھ امور اپنے لیے مخصوص کر لیے تھے، ان میں بنوامیہ کے افراد ہی پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے لیے یہ خصوصیت رکھی تھی کہ ایام حج میں جب عام عرب عرفات میں قیام کرتے تو یہ لوگ ان کے ساتھ ساتھ اس قیام کو اپنی توہین سمجھتے اور عرفات کی جگہ مزدلفہ میں جو حدود حرم میں تھا قیام کرتے اور اپنا لقب بھی خصوصیت کی بنیاد پر بنی خزاعہ کی طرح ''احمس'' رکھ لیا تھا اور قریش کے ان افراد کا یہ طریقہ کار حقیقت واصل کے خلاف تھا۔ غالباً یہ صورت حال مطلبؑ تک باقی رہی۔ حضرت عبدالمطلب نے اسے ختم کر دیا تھا کیونکہ عرفات میں قیام کرنا سنت ابراہیمی تھی۔

حضرت عبدالمطلب سے پہلے اور ان کے زمانہ میں تمام عرب حاجی عرفات اور مزدلفہ جایا کرتے تھے لیکن بنی امیہ اور ان کے حلیف کچھ قریش اس سے گریز کرتے تھے اور عرفات کے بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حدود حرم میں تھا ان کا خیال تھا کہ اگر چہ ہم نے مناسک حج حرم کے سوا کسی اور جگہ ادا کیے تو ان کی شان میں فرق آ جائیگا اور قریش وعام عرب میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا۔

حضرت عبدالمطلب نے عرفات میں قیام کو خصوصی اہمیت دی وہ تمام قریش کو عرفات جانے کی ہدایت کرتے اور اس پر اپنے وعظ سے آمادہ کرتے۔ آپ ہی نے مزدلفہ میں آگ روشن کرنے کا طریقہ رائج کیا تھا اور اسے باقاعدہ رواج دے دیا تھا۔ یہ اس لیے کہ عرفات سے مزدلفہ کی جانب آنے والے حاجی صحیح راستہ کی سمت کا تعین کر لیں اور اصل راستے سے بھٹک نہ جائیں۔ لیکن حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد بنی امیہ اور ان کے ساتھی عہدیداروں نے جو دارالندوہ کے مناسب رکھتے تھے اس عمل کو ترک کرنے کی قریش کو ترغیب دلائی اور یہ کہا کہ ''ہم اہل حرم ہیں ہمیں حرم سے باہر نہیں جانا چاہیے یہ فریضہ عام عربوں کا ہے اور اس طرح ہماری توہین ہوتی ہے۔'' چنانچہ وفاتِ حضرت عبدالمطلب سے اسلام آنے تک ان لوگوں نے تمام قریش سے اس فریضہ کو ترک کرا دیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ اس کام میں ابوسفیان اور ولید پیش پیش تھے۔ اس زمانہ میں تمام قریش نے عرفات کی جگہ مزدلفہ میں قیام کرنا شروع کر دیا تھا اور حضرت عبدالمطلب کے اس طریقہ کو ترک کر دیا تھا۔ لیکن بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب نے عرفات میں قیام کو جاری رکھا تھا۔ اس پر ابن ہشام کی پیش کردہ یہ روایت محکم دلیل ہے۔

> ''ابن اسحاق، عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمر حزم سے وہ عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم سے وہ اپنے چچا نافع بن جبیر سے وہ اپنے باپ جبیر بن مطعم سے نقل کرتے ہیں کہ جبیر کا بیان ہے کہ ہم نے قبل نزول وحی رسول اللہؐ کو مقام عرفات میں قوم کے لوگوں میں سے اپنے خاص اونٹ پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ میرے سامنے ہی انہی لوگوں کے ساتھ، بتوفیق الٰہی جو اس وقت ان کے شامل حال تھی تشریف لے گئے۔''
>
> (سیرت ابن ہشام ص: ۷۹)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مقام عرفات میں جانا، رسم حمس کی رو سے قریش نے ترک کر دیا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ قبل بعثت عرفات جایا کرتے تھے اور راوی کے مطابق وہاں توقف فرماتے تھے۔ جبیر بن مطعم نے جن لوگوں کو آپ کے ساتھ دیکھا وہ یقیناً بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے لوگ تھے جو حمس کی رسم پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ولید نے اس رسم پر عمل کیلئے ایک ایسے ہی موقع پر ابوجہل کو آمادہ کرنے کیلئے کہا تھا۔ ''محمدؐ ہمارے عمل کیخلاف کرتے ہیں۔'' آنحضرتؐ نے اپنی نبوت کے دوران ذی الحجہ ۱۰ھ کو عرفات میں اعلان فرما دیا تھا۔ ''اپنے مقدس مقامات پر ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت پر ہو۔'' اور پھر یہ حکم اسی طرح قرآن میں نازل ہوا:

> ''پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو جس طریقہ سے اس نے تم کو (اس ذکر کی) ہدایت کی ہے اور اس سے پہلے بیشک تم گمراہ تھے پھر وہیں سے چلو جہاں سے اور لوگ چلتے ہیں اور خدا سے معافی مانگو وہ غفور الرحیم ہے۔''
>
> (القرآن)

صفا و مروہ کا تقدس

مکہ کے قریب صفا و مروہ دو پہاڑیاں ہیں جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیلؑ کی یادگار ہیں جب حضرت اسمٰعیلؑ پیاس سے تڑپ رہے تو ان کی والدہ حضرت ہاجرہ ان ہی دو پہاڑیوں کے درمیان پانی کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ اسی دوران حضرت اسمٰعیلؑ کے قدموں تلے وہ چشمہ ظاہر ہوا تھا جسے زمزم کہا گیا۔ اس لیے ان دونوں پہاڑیوں کا تقدس بنی اسمٰعیلؑ میں باقی تھا۔ مگر عرب حاجیوں نے ان پہاڑیوں کے احترام کو نظر انداز کر دیا تھا اور حج کے بعد صفا و مروہ کا طواف نہیں کرتے تھے۔ لیکن حضرت عبدالمطلب نے ان کے تقدس کو محسوس کیا اور اسے رواج دینے کے لیے ان کی توجہ اپنے ان اعمال کی طرف دلائی جو ان کے احترام کی طرف ان حاجیوں کا رخ موڑ سکے۔ چنانچہ آپ جب بھی قربانی کرتے ان ہی دو پہاڑیوں کے نزدیک کرتے اور ان کے احترام کا اظہار کرتے۔ آپ کے اس عمل سے ان کے دلوں میں صفا و مروہ کے احترام و تقدس کی بنیاد پڑی۔ اسلام آنے کے بعد صفا و مروہ کی سعی کو فرض قرار دے دیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

> ''صفا و مروہ اللہ کی یادگاریں ہیں۔ اس لیے جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دونوں پہاڑیوں کا طواف کرنا چاہیے۔''
>
> (قرآن)

زکوٰۃ

زکوٰۃ انسانی بہبود کیلئے ایک امدادی ذخیرہ ہے جو صاحب حیثیت لوگوں کے عطیات سے جمع کیا جاتا تھا اور غریبوں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کر دیا جاتا تھا۔ اس امدادی طریقہ کی ابتدا ہاشم بن عبد مناف کے

Presented by Ziaraat.net

دورِ سرداری میں ہوئی۔ اگرچہ زکوٰۃ کا لفظ اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن نے استعمال کیا لیکن اس سے قبل اس طریقہ کار کو ''ماعون'' کہتے تھے۔ قرآن نے بھی اس لفظ ماعون کو زکوٰۃ کے قریبی معنی میں استعمال کیا ہے اور جس مختصر سورت میں یہ الفاظ استعمال ہوا ہے اس کا نام ہی سورہ ماعون ہے۔ ماعون اس شے کو کہا جاتا تھا جو دوسروں کی مدد کیلئے دی جائے۔

ماعون یا امدادی اشیاء اور اس طریقہ کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب ہاشم نے دور دراز سے آنے والے حاجیوں کی حالت زار پر نظر کی ابن سعد نے اس کی وجہ اور تفصیل یہ بیان کی ہے۔

''جب ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ کو سقایہ و رفادہ کی خدمت ملی، اور موسمِ حج قریب آیا تو ہاشم نے تمام قبیلہ قریش کو جمع کر کے فرمایا۔ اے جماعتِ قریش! تم خدا کی جماعت ہو اور اس کے گھر والے، ان ایام میں تمہارے پاس خانہ خدا کی زیارت کرنے والے اس کے خانہ مقدس کی عظمت بڑھانے کے خیال سے آتے ہیں، پس وہ لوگ خدا کے مہمان ہیں، اور ان کا سب سے بڑا حق یہی ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کی بحسن سلوک ضیافت کرے اور یہ ایک ایسا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور تم میں ان حقوق کو اسی طرح محفوظ کیا ہے جس طرح وہ اپنے بندوں کی جماعت کو دوسری جماعت سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس تم اپنے ان مہمانوں اور زائروں سے بالا اکرام پیش آیا کرو۔ جو بالکل گرد و غبار میں اٹے دور دراز ملکوں سے تمہارے پاس آتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے مقابلہ کرنے والی فوج مسافت کی دوری اور سفر کی صعوبت سے نڈھال اور شکستہ ہو۔ پس تم بالا لطاف و اکرام تمام، ان کو اپنے پاس بلاؤ، ان کو پانی پلاؤ اور کھانا کھلاؤ۔'' (طبقات ابن سعد، جلد اول، ص: ۴۵)

قریش ہاشم کی اس تقریر سے متاثر ہوئے اور انہوں نے ان خدمات کے لیے اپنے مال سے حسبِ توفیق ہدیہ دینا شروع کر دیا۔ خود ہاشم بھی ہر سال اپنے سرمایہ سے کثیر مال اس مصرف کے لیے دیا کرتے تھے۔ یہ امداد کی ایک اجتماعی شکل تھی اس ہدیہ شدہ مال کو ماعون اور اس ادارہ کو رفادہ کہتے تھے۔

ہاشم کے زمانہ میں امیہ مکہ بدر تھا، مطلب کے دور میں شہر بدری کی سزا کاٹ کر شام سے مکہ آیا اور جب یہ عہدہ حضرت عبدالمطلب کو ملا تو امیہ کے بیٹے حرب نے مخالفت کی وہ دیگر معاملات میں تو کامیاب نہ ہو سکا لیکن اس نے اپنے قبیلے اور اپنے حلیفوں کو آمادہ کیا کہ وہ ماعون نہ دیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ماعون دینا بند کر دیا۔ لیکن حضرت عبدالمطلب نے ہمت نہیں ہاری اس سلسلہ کو جاری رکھا اور اپنے مال سے رفادہ کے مسائل پورے کرتے رہے اور تمام قریش کو اس کا پابند بنائے رکھا۔ دورِ اسلامی میں اسی ماعون کو زکوٰۃ کہا گیا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ماعون کے دوسرے معنی زکوٰۃ کے کیے گئے ہیں۔'' (تفسیر سورۂ ماعون، تفسیر ماجدی، ص: ۱۲۱۲)

یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ و خیرات کی ترغیب اسلام میں ابتداء ہی سے تھی۔ مکہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں زکوٰۃ کا لفظ مذکور ہے لیکن سورۂ ماعون میں لفظ ماعون استعمال کیا ہے۔ اس سورت میں بنی امیہ کے ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کیا ہے جو ماعون دینے سے قریش کو روکتا تھا یہ ابوجہل تھا۔ اس سورت میں کہا گیا ہے:

''کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔''

یہ اشارہ کہتے ہیں ابوجہل کی جانب ہے۔ آگے کہا ہے:

''ویمنعون الماعون'' اور یہ لوگ ماعون دینے سے روکتے ہیں۔''

(تفسیر سورۂ ماعون)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بنی امیہ اور ان کے حلیف حضرت عبدالمطلب کے زمانہ سے رسول اللہ کے دور تک ماعون نہیں دیتے تھے اور دوسروں کو ماعون دینے سے روکتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے دادا کے اس طریقہ کو دوبارہ جاری کیا۔ ۲ھ میں عید کے دن میں صدقہ فطر واجب قرار پایا (طبری) غربت کے باعث ۸ھ تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد اس کی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بھی متعین کئے گئے اور آنحضرتؐ نے تمام ممالک مقبوضہ میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ۹ھ میں محصلین مقرر کیے۔

(سیرت النبی، جلد ۳ ص: ۱۵۱)

روزہ کا التزام

اگرچہ روزہ داری کے طریقے لوازمات اور اوقات مختلف تھے لیکن روزہ پیدائشِ مسیح سے بھی پہلے مختلف اقوام و قبائل اور مذاہب میں رائج تھا۔ روزہ داری کا وجود یہودی، عیسائی اور ہندو مذاہب میں بھی ملتا ہے۔ مہاتما بدھ اور زرتشت کے یہاں بھی اس کے آثار پائے گئے ہیں۔ گیان، دھیان کرنے والے یکسوئی، تنہائی اور مراقبہ سے رغبت رکھنے والے اور تارک الدنیا لوگ بھی اپنے طور پر روزہ رکھتے تھے۔ روزہ، مادیت سے بعد اور روحانیت سے قرب کا بہترین ذریعہ مانا جاتا رہا ہے۔ روزہ ایک طرح جسم انسانی کا سبت ہے اس سے جسمانی و ذہنی قویٰ کی تطہیر عمل میں آتی ہے۔

حضرت عبدالمطلب کے زمانے اور اس سے پہلے قریش بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے اس روز خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ لیکن حضرت عبدالمطلب اکثر روزہ رکھتے تھے۔ بالخصوص ان ایام میں جب غارِ حرا میں اعتکاف کی حالت میں ہوتے تھے۔ جتنے دن آپ اعتکاف اور مراقبہ کی حالت میں گزارتے روزہ رکھتے تھے اور قریش آپ کے اس عمل سے پوری طرح واقف تھے۔ روزہ داری ہی کا یہ تاثر تھا کہ آپ ان دنوں بھوکے لوگوں مسافروں اور پرندوں وغیرہ کو خوراک مہیا کرنے میں زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس طرح آپ نے تمام قریش کو روزہ کی اہمیت اور افادیت سے آشنا کر دیا تھا۔ قریش بھی مقررہ ایام میں روزہ رکھتے تھے، مثلاً

Presented by Ziaraat.net

عاشورہ کے روز۔ آنحضرتؐ نے سات آٹھ سال کی عمر میں اپنے دادا کو روزہ داری میں مصروف دیکھا تھا۔ چنانچہ آپؐ بھی روزہ رکھتے تھے اور اپنی نبوت کے ابتدائی ایام میں روزہ رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ نبوت کے پانچویں سال حضرت جعفر نے جو تقریر نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں کی تھی۔ اس میں آپ نے کہا تھا:

''ایھا الملک ! اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بت پوجتے اور مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے اور ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا قوی لوگ کمزور کو کھا جاتے تھے۔ اس اثنا میں، ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے ہی واقف تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھر پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو تکلیف نہ دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ ہم اسی پر ایمان لائے۔ شرک اور بت پرستی چھوڑ دی۔'' (مسند ابن حنبل جلد اول ص:۳۰۲)

حضرت جعفر کی اس تقریر میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر زور دینے کا ذکر موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بھی روزہ کی تلقین کی۔ اپنے دادا کی سنت کو برقرار رکھا خود بھی روزہ رکھتے حتیٰ کہ ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض کر دیئے گئے تو عاشورہ کا روزہ مستحب ہو گیا۔ (کتاب الصوم، ابوداؤد)

نماز ایک طریقِ عبادت

حضرت عبدالمطلب پوری دنیا اور تاریخ کے وہ اولین شخص ہیں جنہوں نے ہر روز فرصت کے اوقات میں حسب خواہش عبادت کرنے کا طریقہ رائج کیا اور اپنی قوم کے افراد کو عبادت کرنا سکھایا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ سے پہلے مذہب میں ایسے خدا پرست لوگ گزرے ہیں جو تنہائی، غور و فکر، یکسوئی، مراقبہ اور چلہ کشی کرتے تھے۔ ان میں تمام انبیاء، زرتشت، کنفوشیس، مہاتما بدھ اور دیگر تارک الدنیا لوگ شامل ہیں لیکن ان کی یہ عبادت ان کی اپنی ذات تک محدود تھی، انہوں نے کوئی طریقۂ عبادت اپنی قوم کے افراد میں رائج نہیں کیا۔ جو انفرادی یا اجتماعی طور پر طریقۂ عبادت کہا جائے۔ تمام مذاہب میں خواہ وہ مادی ہوں یا روحانی ان میں سالانہ عبادت کی رسوم تو ملتی ہیں اور تاریخ میں ایسے سالانہ مذہبی عبادت کے اجتماعات اور جشن منانے کے واقعات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً تین ہزار قبل مسیح دوآبہ عراق کی سمیری، اشوری، کلدانی، حتیٰ اور مصری و یونانی اقوام میں سالانہ مذہبی جلوس اور عبادت کی سالانہ رسوم کی ادائیگی کا پتہ چلتا ہے لیکن روزمرہ عبادت کا کوئی انفرادی طریقہ معلوم نہیں۔

اسی طرح توریت و انجیل ہونے کے باوجود کسی نبی تک کے انفرادی طریقِ عبادت کا پتہ نہیں چلتا۔ آدم و نوحؑ سے لیکر حضرت موسیٰ تک کسی نبی کے متعلق صحیح طور پر یہ علم نہ ہو سکا کہ ان کا طریقہ عبادت کیا تھا۔

حضرت موسیٰؑ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ طور سینا پر گئے، چالیس دن تک اعتکاف و چلہ کشی میں رہے یعنی عبادت الٰہی کرتے رہے۔ مگر وہ طریقہ کیا تھا اس کا کوئی علم نہیں۔ توریت کے بغور پڑھنے سے صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کو غالباً نیک عمل ہی عبادت کا درجہ رکھتے تھے۔ حضرت داؤدؑ کے متعلق عبادت کا ذکر ملتا ہے مگر وہ عبادت مذموم کی شکل میں تھی۔ یعنی آپ حمد و ثنائے الٰہی کے گیت گایا کرتے تھے جو الہامی ہوتے تھے۔ عہد نامۂ قدیم کی کتاب زبور میں تمام الہامی مذموم درج ہیں، ان سے تاریخی واقعات کا استنباط بھی ہوتا ہے اور احکامات کا بھی یوں اس عبادت کا مفہوم نہیں نکلتا۔ دیگر انبیائے اسرائیل کے لیے بھی ان کے اذکار میں انکی عبادت سے متعلق جملے ملتے ہیں مگر اسکی وضاحت کہیں نہیں کہ وہ عبادت کیا تھی۔ کب، کیسے اور کہاں کی جاتی تھی ایک اور چیز جو ان افکار میں نظر آتی ہے وہ تنہائی کی طرف اشارہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی کئی دن لوگوں کی نظروں سے بچ کر جنگل کی طرف نکل جاتے تھے۔ آبادی سے دور رہتے تھے۔ لوگ ان کی تلاش میں پھرتے رہتے تھے۔ پھر وہ کسی بستی میں اچانک نمودار ہو جاتے تھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ علائق سے دور تنہائی اور یکسوئی ہی ان کی عبادت تھی۔ جیسا کہ انجیل میں درج واضح واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ حضرت عیسیٰ سے قبل یوحنا (یحییٰ) نبی کے متعلق لکھا ہے۔ ''وہ جنگلوں میں رہتے، ٹڈی اور شہد پر گزارہ کرتے تھے، وہیں آپ کو نبوت ملی اور پھر آپ آبادیوں میں منادی کرنے لگے پھر لوگ جوق در جوق آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ یوحنا (یحییٰ) انہیں بپتسمہ دیتے اور پھر جنگلوں میں چلے جاتے۔'' یہی صورت حضرت عیسیٰ کے متعلق ثابت ہے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ ''آپ کے پیچھے لوگوں کا اتنا جم غفیر رہتا تھا کہ آپ کو عبادت کے لیے وقت نہیں ملتا تھا۔ لیکن عبادت کی کیا صورت تھی اس کا علم نہیں ہوتا اس کی کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ کئی مقامات پر دعا کا لفظ ملتا ہے اور کئی مقام پر حضرت عیسیٰؑ کا دعا کے لیے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دعا وہ تنہائی میں کرتے تھے اور اکثر کوہِ زیتون پر دعا کے لیے جاتے تھے۔'' ایک مقام پر حضرت عیسیٰؑ اپنے شاگردوں کو دعا کا طریقہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

''اور جب تم دعا کرو تو ریاکاروں کی طرح نہ بنو، کیونکہ وہ دکھاوا ہے بلکہ جب تو دعا کرے تو اپنی کوٹھری میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ (خدا) سے جو پوشیدگی میں ہے دعا کرتے رہو۔ پس تم اس طرح دعا کیا کرو۔ اے ہمارے باپ! تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے''۔ (انجیل متی۔۶۔۵تا۱۲)

ان تمام امور پر خصوصاً دعا کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دعائیہ کلمات کے ذریعہ اللہ سے ہم کلامی یا تخاطب ہی انبیائے بنی اسرائیل کا طریقہ عبادت تھا۔ مگر اس کی اولین شرط تنہائی اور یکسوئی تھی۔ اسلام میں نماز، جو طریقِ عبادت ہے اس میں بھی قرآن کی وہ سورت تلاوت کرنا فرض ہے جو صرف دعا کہی جا سکتی ہے۔ اکثر علماء نے صلوٰۃ کے معنی ''دعا'' ہی کئے ہیں۔

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب کی نماز

انبیاء کے مقابلے میں یہ شرف صرف خاتم الانبیاءؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے عبادت، دعا یا نماز کا طریقہ ایک خاص اسلوب میں قائم ورائج کیا اور اسے عام لوگوں خصوصاً قریش میں عام کیا۔ انبیائے سلف کی عبادت کی روح کو جو عبادت میں مرکزی اہمیت رکھتی تھی میں مرکزی حیثیت تھی یعنی تنہائی اور یکسوئی کو برقرار رکھا۔ مراقبہ کی ابتداء قریش میں حضرت عبدالمطلب ہی نے کی وہ ہر ماہ چند روز خصوصاً جمعہ کے دن اور ماہ رمضان کے پورے ایام میں غار حرا میں جا کر عبادت کرتے تھے۔ یہ عبادت مراقبہ، یکسوئی اور غیب سے غیبی تعلق کی بنیاد پر ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کو نبوت کے بعد جب عبادت کے لیے حکم دیا گیا تو یہ الفاظ استعمال کیے گئے:

"فاذا فرغت فانصب والیٰ ربک فارغب"

یعنی "اے رسولؐ! جب تو فارغ ہو تو عبادت کیلئے تیار ہو جا اور اپنے رب سے دل لگا۔"

یہی رغبت الی اللہ تھی جسے حضرت عبدالمطلب نے ایک طریقہ خاص میں رائج کیا اور اپنے پوتے کو بھی اسکی تربیت دی۔ ابتداء میں آپ غارِ حرا کی تنہائی میں بیٹھ کر یکسوئی اور رغبت الی اللہ میں تادیر مصروف رہتے اس وقت آپ کی نظریں کعبہ پر جمی رہتیں۔ آپ کا یہ طریقہ کار قریش میں شہرت پا گیا۔ مگر قریش کے کسی فرد نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ قریش جب تجارتی سفر پر روانہ ہوتے تو روانگی کے وقت اپنے بتوں سے دعا کرتے اور جاتے ہوئے حرم کعبہ سے کوئی پتھر اٹھا کر برکت کے لیے اپنے ساتھ رکھ لیتے۔ حضرت عبدالمطلب کو انکی یہ بات ناگوار تھی۔ آپ حکماً منع نہیں کر سکتے تھے اس لیے آپ نے وہی صورت اختیار کی جو آپ اپنا عمل ان کے سامنے رکھ کر تبلیغ کرتے تھے۔ جب آپ سفر پر روانہ ہوتے تو کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرتے۔ جبکہ آپ حرا کے غار میں بیٹھ کر دعا کرتے تھے پھر آپ نے روانگی کے وقت پہلے کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر پھر بیٹھ کر دعا کو اپنا وطیرہ بنا لیا، آہستہ آہستہ یہ طریقہ چند شریف قریش نے اپنایا پھر جب احناف کا وجود ہوا تو ان لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کی تقلید میں چاشت کے وقت ہر روز خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر پھر ساتھ ہی بیٹھ کر دعا یا عبادت کرنا شروع کر دی۔ بعد میں دعا کے اسی ابتدائی طریقہ کو صلوٰۃ یا نماز کہا گیا یہ گویا ایک رکعت نماز تھی جس میں قیام اور قعود داخل تھے اس طریقہ عبادت سے دلی رغبت ہوئی تو عبادت کے وقت میں اضافہ کیلئے اسے دوگنا یعنی دو رکعت کر دیا گیا تھا اور یہی وہ نماز ہے جو اسلام سے چالیس سال قبل احناف اور کچھ قریش ادا کرتے تھے اور تمام قریش اس نماز سے واقف تھے وہ کسی کو روکتے نہیں تھے۔

زید بن عمر بن نفیل کی اس خواہش کا اظہار سیرت ابن ہشام میں ملتا ہے کہ آپ کہا کرتے تھے کہ "اے اللہ اگر میں جانتا کہ تجھے کونسا طریقہ زیادہ پسند ہے تو اسی کے مطابق تیری پرستش کرتا لیکن اس کا علم نہیں۔" اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب نے نماز کا یہ طریقہ رائج کیا تو تمام احناف

آپ کی اولاد اسی طرح اللہ کی عبادت کرنے لگی۔ آنحضرتؐ بھی اسلام سے پہلے اسی طرح نماز ادا کیا کرتے تھے۔ مذکورہ آیت اور جہاں کہیں قرآن میں نماز کا حکم آیا ہے وہاں نماز کا کوئی طریقہ نہیں بتایا ہے کہ آنحضرتؐ نماز کے طریقے کو پہلے ہی جانتے تھے اس لیے یہ کہنا ہی کافی تھا کہ:

"فانصب والی ربک فارغب" "لیکن جب نماز فرض ہوئی اور نماز سے قبل وضو کرنے کا حکم آیا تو وضو کا طریقہ بھی بتایا گیا کیونکہ حضرت عبدالمطلب کے دور میں وضو شرط نہ تھا اور نہ اس کا کوئی طریقہ تھا علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

"چاشت کی نماز آپ رسول اکرمؐ سب کے سامنے حرم میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔" (سیرت النبی جلد دوم ص:۳۱۳)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت یہ نماز وقت چاشت یعنی دن کے ابتدائی حصہ میں ادا کی جاتی تھی اور یہ وہی وقت ہے جس وقت حضرت عبدالمطلب کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر اور پھر بیٹھ کر دو رکعت نماز ادا کرتے تھے پھر یہی وقت احناف نے اختیار کر لیا تھا اور قریش اس طریقہ نماز سے آشنا تھے اگرچہ وہ دور اسلام میں نماز فرض ہونے سے قبل اس کی پابندی نہ کرتے تھے مگر اس سے منع بھی نہ کرتے تھے۔ ہاں اس وقت وہ نماز پڑھنے والوں کا مذاق ضرور اڑاتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک روز آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور روسائے قریش تمسخر اڑا رہے تھے۔

موضوع روایات

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد دس سال کے دوران جب بنو امیہ نے دارالندوہ میں اقتدار حاصل کر لیا تو آپکی جاری کردہ بیشتر اصلاحات کو ختم کر دیا اور اس طرح عبادت کرنا ترک کر دیا تھا پھر آگے چل کر بنو امیہ کے حاشیہ بردار، راویوں نے ایسی روایات کو جنم دیا جس سے نماز کی ابتداء کا تعلق حضرت عبدالمطلب کی ذات سے ختم ہو گیا اور ایسے ہی حاشیہ بردار علماء نے ان روایتوں کو فروغ دیا جو بنیادی طور پر غلط تھیں۔

مثلاً یہ کہنا کہ پہلی وحی کے ساتھ ہی نماز فرض ہو گئی تھی اور یہ ایک ہی وقت کی دو رکعت نماز تھی۔ بنی امیہ کے زرخرید علماء نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور بغیر سوچے سمجھے سب نے اسے صحیح سمجھ لیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ سورہ اقراء کی یہ صرف پانچ آیات تھیں جو اس پہلی وحی میں نازل ہوئیں اور نماز بھی فرض ہو گئی تو نماز میں کونسی سورتیں پڑھی جاتی تھیں کیا یہ ابتدائی نماز صرف اقراء کی پانچ آیتوں سے مکمل ہو جاتی تھی اور جب اس خلاء کی طرف توجہ گئی تو ان ہی لوگوں نے ایک اور روایت کو جنم دیا اور کہا کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی اور یہ اس لیے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے مگر اس روایت کو باطل قرار دیا جا چکا ہے، یہ سب کچھ اس لیے مشہور کیا گیا کہ حضرت عبدالمطلب کی قائم کردہ نماز کا تصور باقی نہ رہے۔ پھر سوال پیدا ہو گا کہ نماز کا طریقہ کس نے بتا دیا؟ تو یہی لوگ کہتے ہیں کہ سورہ اقراء کی پانچ آیات کی تلاوت کے بعد جبرائیلؑ نے آپ کو نماز اور وضو کا طریقہ

Presented by Ziaraat.net

سکھایا اس روایت میں بیان کیا گیا ہے جبرائیلؑ غار سے نکلے اور ایک جگہ پاؤں کی ایڑھی لگائی وہاں سے پانی کا چشمہ بہہ نکلا۔ جبرائیلؑ نے آپ کو نماز اور وضو کا طریقہ سمجھانے کیلئے پہلے خود وضو کر کے دگانہ ادا کیا، آنحضرتؐ بغور ملاحظہ فرماتے رہے پھر آپؐ نے اسی طرح وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اس وقت آپ کو صرف دو نمازوں، دگانہ، فجر اور دگانہ عصر کا حکم ہوا۔ ۱۲ نبوت میں شب معراج کے دن میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

(عہد نبوت کے ماہ وسال ص: ۲۰)

خود روایات بتا رہی ہیں کہ ان میں صداقت موجود نہیں ہے اور ان روایات کو صرف اس لیے فروغ دیا گیا ہے تا کہ حضرت عبدالمطلب کی ذات سے نماز کی ابتداء کا کوئی تعلق باقی نہ رہے یہی سمجھا جائے کہ نماز پہلی وحی پر فرض ہوئی اور اس کا طریقہ جبرائیلؑ نے سکھایا وہ پہلے سے نماز کو جانتے ہی نہ تھے پھر یہاں بھی نماز کی دو ہی رکعتیں بتائی ہیں کیونکہ آپ نماز دو رکعت ہی ابتدا میں پڑھتے تھے چاشت کے وقت، اور یہی زمانہ حضرت عبدالمطلب سے چلی آ رہی تھیں اور آپ نماز کا طریقہ جانتے تھے۔ جبرائیلؑ کا نماز پڑھنا سکھانا اس لیے بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ اس میں پہلے وضو کرنا سکھایا ہے جبکہ نہ تو اس وقت وضو فرض تھا اور نہ وضو کیا جاتا تھا پھر جب ہجرت کے بعد وضو کا حکم آیا تو اس میں طریقہ بیان کر دیا گیا تھا اور پھر یہ کہ جبرائیلؑ نے قرآن میں بیان کردہ طریقہ کے خلاف آنحضرتؐ کو وضو کرنے میں مسح کی جگہ پیر دھونا کیسے بتا دیئے؟[1] اور پھر جب پہلی وحی کے وقت مسلمان موجود ہی نہ تھے تو نماز کس کیلئے فرض کی گئی تھی اگر یہ کہا جائے کہ یہ نماز اس وقت صرف آنحضرتؐ پر فرض تھی تو وہ پہلے ہی چاشت کی نماز پڑھنے کے عادی تھے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ قریش منع نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح مزید روایات ملتی ہیں جن سے ایسی نماز کا تاثر دیا جاتا ہے جو حضرت عبدالمطلب سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ مثلاً

''ایک بار آنحضرتؐ حضرت علیؑ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے اتفاق سے ابو طالب آ نکلے۔ انہوں نے دیکھا تو پوچھا'' بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو، آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی''۔

(سیرت النبی جلد: ۲ ص: ۳۱۳م، مسند ابن حنبل جلد: ۱، ص: ۹۰)

بعض روایتوں میں حضرت خدیجہ کو بھی اس نماز میں شریک بتایا ہے، مگر آنحضرتؐ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت خدیجہ کو نماز کیلئے دروں میں بھٹکنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ گھر سے بہتر کوئی جگہ محفوظ نہ تھی۔ پھر جب نماز قریش میں رائج تھی تو اس سے ابو طالب بھی واقف تھے بلکہ یہ نماز صرف عبدالمطلب کی اولاد پڑھتی تھی ان کا حیرانی سے پوچھنا کہ بھتیجے تم یہ کیا کر رہے ہو سراسر لغو ہے۔ اس روایت کو رواج دے کر وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جناب ابو طالب نماز سے واقف نہ تھے وغیرہ۔

شبلی اسی صفحہ ۳۱۳ پر لکھتے ہیں: نبوت کے ساتھ ساتھ آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا لیکن چونکہ کفار

۱۔ آیت وضو سے متعلق اس کی تفصیل جناب طارق صاحب کی کتاب ''منسوخ القرآن'' میں دیکھئے یہاں بحث کی گنجائش نہیں ہے

قریش کا دور تھا اس لیے چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھ لیتے۔ (سیرت النبی، جلد دوم، ص: ۳۱۳)

یہ شبلی صاحب کا ایک صفحہ پر متضاد بیان ہے۔ اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ آپ چاشت کی نماز حرم میں پڑھتے تھے اور بقیہ نمازوں کیلئے گھاٹی میں جاتے تھے تو اس وقت پانچ وقت کی نماز فرض ہی کب تھی۔ پنجگانہ نماز معراج کی شب فرض ہوئی اور معراج ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا واقعہ ہے۔

اسی طرح حضرت عبدالمطلب کی ذات مبارکہ سے متعلق بھی متعدد روایات کو پھیلایا گیا اور آپ کے وقار و خدمات کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے دادا کہاں ہیں، جنت میں یا دوزخ میں، تو آپؐ نے جواب میں کہا وہ دوزخ میں ہیں۔

ابوجہل کیلئے جنت

ہم آخر میں ایک روایت بیان کرتے ہیں جس سے ہمارا تمام تر مقصد واضح ہو جائے گا کہ یہ روایتیں کیوں وضع کی گئی تھیں۔ اسماء الرجال میں ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے ایک خواب دیکھا اور رسولؐ اللہ سے بیان کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ابوجہل کیلئے جنت میں کھجور کے درخت ہیں آگے بیان کیا گیا ہے کہ جب عکرمہ بن ابوجہل نے اسلام قبول کیا تو آنحضرتؐ نے بی بی سلمہؓ کو یہ خواب یاد دلا کر فرمایا کہ ''تمہارے اس خواب کی تعبیر یہ ہے۔''

(ابوجہل اور عکرمہ ص: ۲۰۸، رازق الخیری)

اب یقیناً ان روایات کا مقصد واضح ہو گیا ہوگا کہ یہ لوگ ان روایات سے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ابوجہل کو تو اس کے لڑکے کے مسلمان ہونے سے جبکہ وہ مجبوراً اسلام لایا تھا، جنت میں کھجور کے باغ ملے مگر آپ کا چچا ابولہب جس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی دل سے مسلمان ہوئے، اسے دوزخ ملی اور نہ رسولؐ کے دادا اور چچا ابوطالب کو جنت ملی، کتنے حیرت کی بات ہے کہ کفار بنی امیہ کے مسلمان ہونے سے تو پشتیں بخشی جائیں اور رسولؐ کے اعزا جو دین حنیف رکھتے ہوں جہنمی ہی رہیں۔ یہ تمام بکواس اسماء الرجال کے مصنفین کی ہے۔ مصر کے مشہور محقق ڈاکٹر طٰہٰ نے درست کہا ہے کہ اسماء الرجال بھی تو انہی لوگوں نے لکھیں جنہوں نے روایات لکھیں۔

زمانہ جاہلیت کے اطوار سے متعلق ایک حدیث ملتی ہے کہ اسلام میں زمانہ جاہلیت کی اچھی باتوں پر عمل کیا جائے گا۔ (مسند امام احمد حنبل جلد سوم، ص: ۴۲۰)

حج عہد جاہلیت ہی کا ایک مذہبی ادارہ ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے اس کے مشرکانہ رسوم کو ختم کر کے ان سب کو باقی رکھا جو حضرت ابراہیم کی سنت تھیں۔ عصر حاضر کے معتبر محقق ڈاکٹر حمید اللہ کا جامع تجزیہ اس بارے میں یہ ہے۔

''عبدالمطلب نے بڑی خوش اسلوبی سے قریش کے تصور حیات و عبادت کو تبدیل

Presented by Ziaraat.net

کرنے کی کوشش میں کامیابی حاصل کی اور وہی فعل جو پہلے قریش کرتے تھے اور بت پرستی میں شمار ہوتے تھے یعنی سجدہ قربانی، دعا وغیرہ کو وحدانیت اور خدا پرستی کا اعلیٰ ترین مظاہرہ قرار دیا ہے۔'' (عہد نبوی میں نظام حکمرانی)

اقوام کی بازگشت

ہمیں مذہبی تاریخ کے ذریعہ معلوم ہے کہ جو قومیں اللہ سے اپنا رشتہ رکھتی تھیں جب وہ اپنے مرکزی عقیدہ سے ہٹ گئیں اور شرک میں ملوث ہوگئیں تو اللہ انہیں پھر اپنے مرکز توحید پر لوٹا لایا۔ بنی اسرائیل جب عقیدہ توحید سے ہٹ گئے اور اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم کو بھلا دیا اور انکے مذہب کو چھوڑ بیٹھے مصر میں حضرت یوسفؑ کی بدولت عروج پا کر پھر اپنی دوسو سالہ زندگی میں بت پرست بن گئے تو غیرت الٰہیہ جوش میں آئی اور اللہ نے کہا ''میں تمہیں ارض متروکہ پر لوٹا لاؤں گا۔'' (توریت)

مگر اس سے پہلے ان کے معاشرہ میں بتدریج ایک انقلاب لایا گیا ان کے اذہان میں تبدیلی پیدا کی گئی۔ مصری اور قبطی کے درمیان تفریق کے اسباب قائم کیے گئے پھر موسیٰؑ کو بھیجا معجزات کے ذریعے اپنی قدرت کاملہ کے کرشمے دکھائے اور پھر بنی اسرائیل ارض موعود (فلسطین) پر لوٹ آئے، انہوں نے توحید کے عقیدے کو پھر سے اپنا لیا باوجود اس کے قارون اور اس کی جماعت موسیٰؑ کی مخالفت کرتی رہی یہاں یہ جاننا مفید ہے کہ قارون حضرت موسیٰؑ کے قبیلے بنی لاوی سے یعنی آپ کا چچازاد تھا۔

ایک عرصہ کے بعد زمانہ قضاۃ میں انہوں نے (بنی اسرائیل) نے پھر شریعت کو بدل ڈالا اور قرب و جوار کی بت پرست اقوام سے خلط ملط کی بناء پر وہ آہستہ آہستہ بت پرست ہوگئے۔ اللہ نے پھر انہیں حضرت عیسیٰؑ کے ذریعے مرکز توحید کی طرف پلٹایا مگر اس سے پہلے یہودی معاشرہ اور اذہان میں ایک انقلاب پیدا کیا پھر حضرت یحییٰ (یوحنا) کو بھیجا کہ وہ بتدریج یہودیوں کے اذہان میں تبدیلی لائیں اور حضرت عیسیٰؑ کیلئے ان کے ظہور سے پہلے راہ ہموار کردیں یہ کام یوحنا (یحییٰ) نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا مگر یہودی سردار اور احبار حسد اور اپنے مفاد کی خاطر برسرمخالفت رہے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ مصلوب کردیئے گئے۔

بنی اسماعیل کی عقیدہ توحید پر بازگشت

بعینہ بنی اسمٰعیلؑ کے ساتھ پیش آیا قطعی طور پر انہی مراحل سے اولاد اسمٰعیل کو گزرنا پڑا جن منازل سے اولاد یعقوب گزری تھی۔ ابتداء میں بنی اسمٰعیل توحید پرست تھے، خانہ کعبہ کے متولی تھے پھر بنو جرھم کے زیر اثر عقیدہ توحید میں کمزوری پیدا ہونے لگی اور ان کی مذہبی رسوم نے آہستہ آہستہ بنو اسمٰعیل میں جگہ حاصل کرلی تولیت کعبہ بنی اسمٰعیل سے جاتی رہی۔ ایک مدت بعد بنی خزاعہ بنی جرھم پر غالب آگئے۔ اسی قبیلے کے ایک سردار عمر بن لحی خزاعی کے زمانہ میں کعبہ کی حدود میں بت رکھے گئے اور بنی اسمٰعیل بت پرست ہوتے چلے گئے اور اپنے آباء کے

مذہب کو یکسر بھول گئے۔ پھر بنی خزاعہ ہی کے ہاتھوں انہیں اپنے آباء کی سرزمین مکہ اور حرم کے گرد و نواح کو چھوڑنا پڑا۔ وہ اپنے مذہبی مرکز کعبہ سے دور چلے گئے اور منتشر ہوگئے۔ اللہ نے کہا میں تمہیں ارض متروکہ پر لوٹا لاؤں گا۔

پھر اس نے ان ہی میں سے قصیٰ بن کلاب کو بھیجا جس نے بنو خزاعہ سے جنگ کر کے تولیت کعبہ کو اپنے قبضہ میں کیا پھر بنی اسمٰعیل کے ایک قبیلے قریش کو مکہ میں لا کر حرم کعبہ کے گرد آباد کیا اور اپنی سرداری کو استحکام بخشا۔ پھر قصیٰ کی اولاد سے عبد مناف آیا اس نے قصیٰ کی قائم کردہ جمہوریہ کو مستحکم کیا اور اپنے دور سرداری میں قریش کو متحد رکھا اسی کے بعد اس کا بیٹا ہاشم آیا اس نے سیاسی استحکام دیا اصلاحات کیں، قریش کو قتل و غارت گری سے ہٹا کر عزت بخش پیشہ تجارت میں لگایا اور ان کی معاشرتی اصلاح کی جب یہاں تک بات درست ہوئی تو اللہ نے مطلب کے بعد اپنے خاص منتخب بندہ عبدالمطلب کو بھیجا تا کہ وہ آنے والے نبی کی راہیں ہموار اور راستہ صاف کردے اور توہمات اور شر میں مبتلا قریش کے اذہان میں وحدانیت کی گنجائش پیدا کر کے اس منزل اور راہ کی نشاندہی کردے جس راہ پر آنے والا نبی انہیں چلانا اور جس منزل پر پہنچانا چاہتا ہو۔

یہی وہ کام تھا جو قدرت حضرت عبدالمطلب سے لینا چاہتی تھی اسی دور میں قریش بتدریج وحدانیت کی طرف لوٹنے لگے اور بت پرستی سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے اس کام کو اس قدر خوش اسلوبی، نامحسوس اور نامعلوم طور پر انجام کو پہنچایا کہ اس کی خوبی تک کوئی باریک بین نظر ہی پہنچ سکتی ہے۔ آپ نے اپنی فہم و فراست، تدبر و ذکاوت، اپنی صداقت اور بے لوث خدمت سے اس قوم کو پہلے اپنا مطیع و منقاد بنایا، حتیٰ کہ قریش بلا حجت آپ کی تقلید پر مائل ہوگئے پھر آپ نے اپنا عمل ان کے سامنے پیش کیا وہ آپ کے ہر عمل کو درست اور منجانب اللہ خیال کرنے لگے تھے اور بغیر کہے اس پر عمل کرنے لگے تھے۔ انہوں نے اس کے حق میں کچھ ایسے عقل و فہم سے بالا امور بچشم خود مشاہدہ کیے تھے کہ ان کو آپ پر اللہ کی خاص نظر کرم کا یقین ہوگیا تھا۔ مثلاً بیابان میں چشمہ کا جاری ہونا، خواب کے ذریعے زمزم کا پتہ لگنا، خزانہ کیلئے قرعہ آپ کے نام نکلنا وغیرہ۔ حضرت عبداللہ کے ذبح کے وقت تمام قریش کا آپ کو اس عمل سے روکنا اور یہ کہنا کہ اے عبدالمطلب اگر آپ نے ایسا کیا تو ہمارے یہاں یہ رسم پڑ جائے گی اور پھر ہماری اولاد اپنے بیٹوں کو ذبح کرنے لگے گی یہ اس امر کی بڑی واضح دلیل ہے کہ قریش آپ کے عمل کی تقلید کرنے پر آمادہ رہتے تھے اور اسے آپ کی سنت کا درجہ دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قریش سے آپ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ تمہارے یہ خدا صرف پتھر ہیں نہ حرکت کرتے ہیں نہ بولتے اور نہ سنتے ہیں اور نہ ہی کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے کبھی کھلم کھلا اس قسم کی تبلیغ نہیں کی۔ اس لیے کہ یہ آپ کا منصب نہ تھا یہ منصب تو آنے والے نبی کو تفویض کیا جانے والا تھا علی الاعلان کی جانے والی تبلیغ کی ذمہ داری مستقبل کے نبی پر تھی۔ آپ کا کام تو صرف اسی قدر تھا کہ اس سرکش قوم کو بتوں کی تنقیص سننے کا عادی بنا دیا جائے۔ لہٰذا آپ نے ان کے سامنے خاموشی سے اپنا عمل رکھا تا کہ وہ خود اس پر غور کریں اور خود ہی اس عمل کی جانب اقدام کریں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قریش کی کثیر تعداد نے اس رخ پر غور کیا کچھ نے اظہار نہ کیا کچھ مخالفین نے در پردہ مخالفت کی جس طرح حضرت موسیٰ کی

Presented by Ziaraat.net

قارون نے اور یحییٰ کی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے کی تھی لیکن چند ایسے بھی تھے جنہوں نے بتوں سے بیزاری کا اظہار کھلم کھلا کر ڈالا تھا، ان کی یہ کیفیت خاص طور پر واقعہ اصحاب فیل کے بعد منظر عام پر آنا شروع ہو گئی تھی۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد اور اعلان رسالت سے قبل بعض افراد نے بت پرستی قطعی ترک کر دی تھی بتوں پر ذبیحہ بند کر دیا تھا اور ذبیحہ کا گوشت حرام سمجھنے لگے تھے اور بعض اس بت پرست ماحول کو چھوڑ کر کسی سچے دین کی تلاش میں مکہ سے چلے گئے تھے یہ تمام وہی لوگ تھے، جنہیں احناف کہا جاتا ہے۔

حضرت عبدالمطلب کا طریقہ تبلیغ

حضرت عبدالمطلب نے اپنی قوم میں جو ذہنی انقلاب برپا کیا وہ مستقبل قریب کے دین اسلام کا پیش خیمہ تھا اور آنے والی نبی کی راہ کی ہمواری تھا۔ اس ضمن میں آپ نے جو طریقہ استعمال کیا وہ نفسیات انسانی بالخصوص قریش کی نفسیات کے قریب تر تھا، یہ ایک ایسا عجیب طریقہ تھا جسے نہ آج سے پہلے کسی نے استعمال کیا اور نہ آئندہ ممکن ہے یہ طریقہ اسی وقت موثر ثابت ہوتا ہے جب ایک مصلح یا رہنما اپنے پیچھے چلنے والوں کو اپنے عمل و کردار اور صادق القول ہونے سے اس قدر اپنا مطیع و فرمانبردار بنا چکا ہو کہ اس کا قول و فعل اور عمل حکم کا درجہ اختیار کر لے۔ آنحضرتؐ نے بھی یہ مقام درجہ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے حاصل کر لیا تھا، کون نہیں جانتا تھا کہ ہر مسلمان کیلئے آج آپؐ کا ہر فعل حکم کا درجہ رکھتا ہے اور آپ کی سنت پر عمل اپنے مفاد میں بہتر اور درست سمجھتا ہے۔ ایک موقع پر جسے صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ سے قربانی کرنے کیلئے کہا تو وہ پہلے سے دیئے گئے ایک تاثر کی بناء پر قربانی کرنے کیلئے تیار نہ ہوئے مگر جب حضورؐ نے خود خاموشی سے اپنی قربانی کر دی تو تمام صحابہ یہ دیکھ کر اور سن کر دوڑ پڑے اور اپنی اپنی قربانی کا بندوبست و تعمیل کرنے لگے اور اپنے پہلے افکار پر سخت شرمندہ ہوئے۔

ابتداء میں بلاشبہ حضرت عبدالمطلب کی مخالفت ہوئی اور یہ مخالفت کرنے والے بنی امیہ اور ان کے حلیف تھے لیکن جب قریش نے آزما لیا کہ حضرت عبدالمطلب اپنے قول و فعل میں سچے اور قوم کے حق میں مخلص ہیں ان کا ہر کام اجتماعی مفاد ہی میں ہوتا ہے، وہ پوری قوم کے خیر خواہ ہیں، انصاف سے کام لیتے ہیں، مخالفین کے حقوق کی بھی حفاظت کرتے ہیں، اللہ ان کے ہر کام میں برکت دیتا ہے تو وہ ان کے مطیع ہو گئے تھے اور ان کی تقلید اپنے حق میں درست جانتے تھے۔ سوائے حرب بن امیہ اور اس کے ساتھیوں کے اور قریش اس کی مخالفت میں کوئی صداقت نہیں پاتے تھے۔ اس طرح یہ مخالفت حضرت عبدالمطلب کے حق میں قطعی بے اثر تھی۔

حضرت عبدالمطلب نے علی الاعلان اس عقیدہ کی تبلیغ نہیں کی جسے وہ خود اختیار کر چکے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے علی الاعلان کوئی ایسی تحریک جاری نہیں کی وہ صرف ہر جمعہ کے اجتماع میں قریش کو نصیحتیں کرتے، بیرونی اور اندرونی حالات سے باخبر رکھتے اور اسی کے دوران اپنے نظریات بھی ان پر واضح کرتے۔ انہوں نے اپنی قوم سے صاف الفاظ میں کبھی یہ نہیں کہا کہ تم بت پرستی چھوڑ دو اور اس ایک خدا کے

قائل ہو جاؤ جو اس کعبہ کا مالک و مکین ہے اور ابراہیم و اسمٰعیلؑ کا خدا ہے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ ان کی قوم کی خصلت کیا ہے انہیں یہ بھی احساس تھا کہ اس قوم میں ان کا ایک مخالف عنصر بھی موجود ہے، اگر وہ خود اپنی زبان سے اسی امر کی ہدایت کرتے تو آپ کا مخالف گروہ اس کو بہانہ بنا کر پوری قوم کو مخالف بنا دیتا اور قوم خود یہ خیال کرنے لگتی کہ اب ہاشم کا یہ بیٹا ہم میں سب سے بڑا بننا چاہتا ہے، ہم اس کی بڑائی کیوں تسلیم کریں۔ قریش کی یہ عادت جبلت ثانیہ بن چکی تھی کہ وہ خود کسی کو اپنے میلان طبع کے تقاضا سے عظیم ہستی تسلیم کر لیں تو کوئی بات نہیں لیکن اگر کوئی خود کو عظیم تر ثابت کرنے کے لئے آگے بڑھے تو وہ اپنی انا کے مقابلے میں اسی کی عظمت تسلیم کرنے کو ہرگز تیار نہ ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے یہاں مناظرہ کا ایک باقاعدہ شعبہ قائم تھا اور مناظرے آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب خود کئی مناظروں کا سامنا کر چکے تھے۔ اس لیے حضرت عبدالمطلب نے اپنے منہ سے کبھی کچھ نہ کہا بلکہ اس امر کی طرف راغب کرنے کیلئے آپ نے خاموشی سے اپنی مثال ان کے سامنے پیش کی۔ اپنا عمل ان کے روبرو رکھا وہ جو صحیح جانتے خاموشی سے ان سب کے سامنے کر گزرتے یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک غیبی طاقت یہ عمل ان سے کرواتی تھی اور قریش کو اس پر چہ میگوئیاں کرنے کیلئے چھوڑ دیتی تھی۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو سنجیدگی سے اس پر غور کرتے اور جب حقیقت تک نہ پہنچ پاتے تو خاموش ہوتے اور یوں یہ عمل حضرت عبدالمطلب کا ذاتی عمل بن کر رہ جاتا اور انہیں مخالفانہ اظہار خیال پر آمادہ نہ کرتا۔ بعض لوگ حقائق تک رسائی حاصل کر لیتے تو ان کے نظریہ اور عقیدہ میں گنجائش اور لچک پیدا ہونی شروع ہو جاتی اور ایک دن آتا جب وہ اس عمل کو اپنا لیتے۔

عمل کی تحریک

گویا یہ تحریک حضرت عبدالمطلب کیلئے نعرہ یا اعلان کی نہیں بلکہ سراپا عمل کی خاموش تحریک تھی قول کی تحریک نہیں بلکہ اشاراتی عمل کی تحریک تاکہ قریش بغیر کہے خود ہی آہستہ آہستہ آپ کے عمل کے متعلق غور و فکر کریں اور خود ہی کسی نتیجہ پر پہنچیں پھر اپنے ہی میلان طبع اور اندرونی خواہش کے زیر اثر اسے قبول کر لیں۔ اس طرح یہ دریافت ان کی اپنی دریافت ہوتی انہیں یہ کہنے کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی کہ ان کی رہنمائی ان کے علاوہ کسی اور نے کی ہے جسے ان کی انا تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتی تھی۔ وہ اس دریافت کی عظمت و فضیلت اپنی ہی ذات سے منسوب دیکھنا چاہتے تھے اور یوں یہ عظمت ان کے اندروں سے پھوٹتی تھی آنحضرتؐ گو ان ہی قریش نے آپؐ کے عمل سے صادق و امین تسلیم کیا اور یہ القاب بھی خود ہی تجویز کیے لیکن جب آپ نے خود کو نبی ظاہر کیا تو یہی قریش تھے جو آپؐ کو نبی ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے۔

بہرحال ایک معتد بہ تعداد ایسے لوگوں کی پیدا ہو گئی تھی جو بتوں سے نفرت کرنے لگے تھے بعد میں انہی لوگوں نے کھلم کھلا بتوں سے بیزاری کا اظہار بھی کیا اور قریش کا کوئی شخص انہیں نہ روک سکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام قریش کے دلوں میں بتوں کی نفی کی گنجائش پیدا ہو چکی تھی مگر اکثر جرأت مند نہ تھے۔

Presented by Ziaraat.net

مخالف عمل کا اثر

قریش نے معاشرتی اور مذہبی کچھ ایسی رسوم قائم کر لی تھیں جو دین ابراہیم کیخلاف تھیں۔ حضرت عبدالمطلب نے انہیں محسوس کیا اور کوشش کی کہ ان رسوم میں ترمیم کر کے دین ابراہیم سے مطابقت کر دی جائے۔ ایسا کرنے کیلئے آپ نے قریش کو روکا نہیں منع کرنا اور روکنا انہیں بھڑکانے اور مخالفین کو موقع بہم پہنچانے کا سبب بن سکتا تھا اور وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ابن ہاشم ہمیں ہمارے باپ دادا کے چلن سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا آپ نے خاموشی کے ساتھ قریش کے عمل کیخلاف عمل شروع کر دیا۔ قریش عبادت کیلئے کعبہ میں رکھے بتوں کی طرف جاتے تو آپ پورے پورے ماہ غار حرا میں خدائے واحد کی عبادت کرتے۔ قریش اپنے کسی بت کی تعظیم کرتے اسے چومتے اور اس کے گرد گھومتے۔ آپ کبھی ایسا نہ کرتے آپ ہمیشہ کعبہ کا طواف کرتے اور کعبہ کے سامنے کھڑے اور بیٹھے دعا کرتے، قریش بتوں کے نام پر بتوں کے سامنے قربانی کرتے۔ آپ نے انہیں اس سے کبھی نہیں روکا البتہ اس کے مخالف اپنا عمل ان کے سامنے پیش کیا یعنی ہر قربانی آپ اللہ کے نام پر کرتے اور صفا و مروہ کی پہاڑی پر یا ان دونوں کے درمیان یا چاہ زمزم کے قریب کرتے تاکہ وہ بتوں سے دوری کو محسوس کرلیں سب سے بڑی قربانی جو آپ نے اپنے لخت جگر عبداللہ کی قربانی پیش کرنے کی خواہش کی تھی وہ بھی اللہ کے نام پر تھی۔ کسی بت سے متعلق نہیں تھی قریش بتوں سے استعانت چاہتے اور دعا کرتے مگر آپ تمام قریش کی موجودگی میں صرف اللہ کا نام لے کر پکارتے اور اسی سے دعا کرتے قریش جب استخارہ کرتے تو استخارہ کے تیر ہلاتے اور اس عمل کے دوران ہبل بت کے سامنے بیٹھ کر دعا کرتے مگر آپ اس دوران ہبل سے رخ پھیر کر کھڑے ہوتے تو آپ کے ساتھ قریش کے سردار بھی تھے، عرافہ نے انہیں اگلے روز آنے کیلئے کہا تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے آپ اس پوری رات اپنے اللہ سے دعا کرتے رہے۔

آپ نے اپنے اس عمل سے قریش کے سرداروں کو یہ بتانا چاہا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور کسی بھی جگہ اسے پکارا جا سکتا ہے۔ اصحاب فیل کے لشکر کشی کے موقع پر آپ نے تمام تر قریش کو جمع کر کے زنجیر کعبہ پکڑ کر اللہ سے دعا کی تھی کسی بت کے سامنے آپ نہیں گئے نہ ان میں سے کسی کا نام لیا تھا۔ قحط سے چھٹکارہ حاصل کرنے کیلئے آپ نے عربوں کے طریقہ کار پر عمل نہیں کیا تھا بلکہ بوقبیس پہاڑ پر جا کر اللہ سے دعا کی تھی۔ قریش آپ کا یہ مختلف عمل و طریقہ کار دیکھتے اور یہ بھی محسوس کرتے کہ آپ نے اس طرح دعا کر کے جو مانگا وہ آپ کو مل بھی گیا ہے تو وہ انفرادی طور پر خود بھی غور و فکر کرتے ہر ایک اپنی استعداد اور ذہانت کے مطابق سوچنے پر مجبور ہوتا۔ ان میں سے کچھ لوگ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ ہم واقعی انتہائی جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہیں اور ہم نے اپنے آباء کے دین کو بھلا دیا ہے اس طرح حضرت عبدالمطلب کے مخالف عمل کی معقول وجہ ان کی سمجھ میں آنے لگی اور وہ آہستہ آہستہ بتوں سے نفرت کرنے لگے اور وحدانیت کی راہ راست پر آنے لگے۔

بت پرستی پر آخری اور کاری ضرب

جب حضرت عبدالمطلب کی عمر ۴۷ رسال ہوگئی اور غیبی طاقت سے آپ کا رشتہ مضبوط ہو گیا، عرفان اور ادراک کی قوت بڑھ گئی تو آپ غیب کے اشاروں کو سمجھنے لگے۔ الہام اور القاء کا سلسلہ استحکام حاصل کر گیا اور دوسری جانب اس طویل مدت میں بتدریج قریش کے ذہنوں میں ایک خاموش انقلاب رونما ہونے لگا تو وہ وقت بھی جلد آ گیا جب آپ نے قریش کی بت پرستی پر کاری ضرب لگائی اور ان کی بت پرستی کا خاتمہ کر کے وحدت پرستی کو قریش میں رواج دیا۔

یہ وہ وقت تھا جب ابرہہ اپنے عظیم لشکر کے ساتھ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے مکہ کے نواح میں پہنچ چکا تھا۔ راہ میں آنے والے قبیلوں کے سردار اپنا مال و متاع لیکر اس کی خدمت میں پہنچنے لگے تھے اور اس سے گزارش کر رہے تھے کہ وہ جس قدر مال چاہے لے لے مگر اپنے اس ارادہ سے باز آ جائے۔ راہ کے قبیلے اس کا راستہ روکنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے۔ قریش کو ان خبروں نے سخت پریشانی میں مبتلا کر رکھا تھا مگر حضرت عبدالمطلب کے چہرے پر پریشانی، فکر و ملال کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔ قریش کی تشویش لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ سے گفتگو کرنے گئے تھے تو اس خیال سے کہ شاید کوئی باہمی تصفیہ ہو جائے اور خانہ کعبہ مسماری سے بچ جائے۔ قریش کی پریشانی میں کمی ہوگئی تھی مگر ابرہہ سے آپ نے صرف اپنے اونٹوں کی واپسی پر بات کی اور کہا کہ کعبہ کا جو مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کریگا۔ قریش کو یہ دیکھ کر بھی فکر لاحق ہوئی خوف و پریشانی نے انہیں پھر گھیر لیا۔ وہ ابرہہ سے مقابلہ کی طاقت ہرگز نہ رکھتے تھے۔ ساٹھ ہزار آزمودہ کار جنگجو سپاہیوں کے مقابلہ کا تصور ہی انہیں موت سے ہمکنار کرنے کیلئے کافی تھا۔ قریش تلملا اور پیچ و تاب کھا رہے تھے اور آپس میں غضبناک ہو کر کہہ رہے تھے کہ یہ ہمارا سردار ہاشم کا بیٹا قوم کے تحفظ کیلئے کوئی اقدام کیوں نہیں کرتا؟ ہر شخص کو اپنے مال و متاع اپنی عورتوں اور بچوں کی فکر تھی جن کے لٹ جانے اور کنیز و غلام بن جانے کا خطرہ درپیش تھا۔ وہ اپنے بتوں سے دعائیں کر رہے تھے، ان سے اپنے مال و دولت گھر بار اور بچوں کی حفاظت کی التجائیں کر رہے تھے۔ لیکن ان حالات میں بھی حضرت عبدالمطلب کی پیشانی پر حزن و ملال کی ایک شکن تک موجود نہ تھی وہ بڑے اطمینان سے اپنے معمولات میں مشغول تھے۔

بروقت اقدام

جب قریش پر ان کے بتوں کی بے حسی آشکار ہوگئی تو وہ مجبوراً مایوسی کا شکار ہو کر اپنی تباہی اور کعبہ کے انہدام پر راضی اور خاموش تماشائی بن کر رہ گئے۔ ہر شخص اپنی جگہ اپنی تباہی کا منتظر تھا، ان کے بتوں نے ان کی کوئی مدد نہ کی تھی جب حضرت عبدالمطلب نے پوری طرح محسوس کر لیا کہ قریش کی مایوسیاں اور اپنے بتوں کی

Presented by Ziaraat.net

جانب سے لاپرواہیاں آخری حد تک پہنچ چکی ہیں۔ بتوں سے ان کا اعتماد اٹھ چکا ہے تو آپ تیار ہوئے قریش کو اپنے ساتھ لیا اس لیے کہ وہ آپ کے عمل کو بچشم خود دیکھ لیں پھر آپ منیٰ کے نزدیک گئے اور ان دوسو اونٹوں کو جو آپ ابرہہ کے قبضہ سے واپس لائے تھے ذبح کر دیا اور ہر ایک قریش کو جس قدر ضرورت ہو گوشت لے جانے کی اجازت دی۔ پھر قریش کو اپنے ساتھ لے کر خانہ کعبہ آئے سب کی موجودگی میں در کعبہ کی زنجیر کو دونوں ہاتھوں میں لیا اور صرف اللہ کو پکارا۔ (سیرت ابن ہشام، جلد اول، ص:۷۹)

تمام مورخ اور تذکرہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عبدالمطلب نے اس موقع پر کسی بت کا نام نہیں لیا کسی بت کو مدد کیلئے نہیں پکارا بلکہ صرف اپنے اللہ سے مدد طلب کی تھی کہ ''ہم اپنے دشمن سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے، اے اللہ اب تو خود اپنے گھر کی حفاظت کر۔''

جب تک دعا کرتے ہیں زنجیر در کعبہ تھامے رہتے ہیں پھر بڑے یقین اور اطمینان کے ملے جلے تاثر کے ساتھ قریش سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

''تم سب اپنے اہل و عیال اور مال کو لے کر پہاڑوں اور درّوں میں چلے جاؤ اللہ خود اپنے گھر کی حفاظت کرے گا جیسے کسی طاقت نے ان کے کان میں یہ بات پھونک دی ہو، قریش چلے گئے اور پھر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جو کچھ ابن ہاشم نے کہا تھا وہی ہوا، بیت اللہ سلامت رہا اور ابرہہ کا لشکر تباہ ہو گیا اور قریش کے گھر بھی محفوظ رہے۔

سوال یہ ہے کہ وہ کونسا جذبہ تھا جو حضرت عبدالمطلب کو مطمئن رکھے ہوئے تھا اور وہ کونسی نادیدہ طاقت تھی جو ان سے ایسے اقدام کروا رہی تھی، وہ کونسی چیز تھی جس نے آپ کے کان میں یہ بات پھونک دی تھی کہ کعبہ محفوظ رہے گا، تم اپنی قوم سے بلاخوف کہہ دو کہ پہاڑوں پر اپنے گھر چھوڑ کر چلی جائے اور اللہ کی قدرت کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہے۔

قریش میں نمایاں انقلاب

ابرہہ کے عظیم لشکر کی تباہی تمام قریش نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اس چشم دید واقعہ کے بعد قریش میں نمایاں طور پر انقلاب عظیم پیدا ہوا، آپ کی ذات پر اعتماد اور اللہ کی وحدانیت پر یقین کے ساتھ وہ بتوں سے نفرت کرنے لگے، اب قریش اپنی محفلوں میں اللہ اور اس کی قدرت و کمال کا ذکر بلاخوف و خطر کرتے، وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ انہوں نے تسلیم کر لیا تھا کہ یہ گھر اللہ کا ہے اور اسی نے اپنے گھر کی حفاظت کی ہے، بتوں سے اس گھر کا کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اس وقت کے ایک شاعر نے کہا۔

۱) بیت اللہ کے دشمن وادی مکہ سے عبرتناک سزا کے ساتھ فرار پر مجبور کر دیے گئے اور بلاشبہ قدیم زمانہ سے اس کا یہ حال رہا ہے کہ کوئی بری نیت کے ساتھ اسکے حرم کا ارادہ نہیں کر سکتا۔

۲) جن دنوں حرم محترم بنایا گیا ان دنوں شعریٰ پیدا بھی نہ ہوا تھا اور مخلوق میں سے کوئی قوی

تو بھی اس کی جانب مخالفت سے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔

۳) فوج کے سردار ابرہہ سے پوچھو کہ اس نے خود اللہ کی قدرت کا کیا کرشمہ دیکھا اور جو اس واقعہ سے ناواقف ہوں ان کو بھی (یہ واقعہ) سنا دو۔

۴) ساٹھ ہزار افراد جو بیت اللہ کو مسمار کرنے کے ارادے سے نکلے تھے اپنے وطن کی سرزمین کو واپس نہ جا سکے بلکہ ان میں کا بیمار (ابرہہ) بھی لوٹنے کے بعد زندہ نہ رہا۔

۵) اس سے پہلے وہاں مکہ میں عاد اور بنی جرہم بھی تو رہا کرتے تھے ان کی بھی کبھی جرأت نہ ہوئی کہ کعبۃ اللہ کو نظر بد سے دیکھیں کیونکہ اللہ تمام بندوں کے ساتھ اس کعبہ کی نگرانی بھی کرتا تھا۔

(سیرت ابن ہشام حصہ اول ص : ۸۶)

وہی عرب شاعر جو بت پرست تھے اور اللہ کو واحد نہیں مانتے تھے، اس واقعہ کے بعد اللہ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان تھے۔ ابرہہ کے واقعہ کو معجزہ کے طور پر بڑے یقین کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ یہی حال قریش کا تھا ایک دوسرے شاعر نے اسی بارے میں کہا۔

۱) اس اللہ کی کارسازیوں میں سے ایک کارسازی کا نمونہ حبشیوں کے ہاتھی سے حملہ آوری کے روز ظاہر ہوا کہ جس قدر ہاتھی کو طرح طرح کی تدابیر سے اٹھنے پر مجبور کرتے وہ اسی قدر اٹھنے سے انکار کرتا۔

۲) آخر اس ہاتھی نے پیٹھ پھیر دی اور جس راستہ سے آیا تھا اسی راستہ پر پلٹ گیا اور جو شخص وہاں رہ گیا وہ وقت سے پہلے تباہی کا سزاوار ہوا۔

۳) پھر اس خدائے قادر نے اس پر پتھروں کی بارش کی تو اس بارش نے انہیں اسی طرح لپیٹ لیا جس طرح ذلیل، حقیر، بے قدر چیزوں کو سمیٹ لیا جاتا ہے۔ (سیرت ابن ہشام)

امیہ بن ابی الصلت کے یہ اشعار جو اس وقت بتوں سے نفرت کرنے والوں میں شامل تھا اور بلند پایہ شاعر تھا۔

۱) پس اٹھو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور سخت پہاڑوں کے درمیان والے اس گھر کعبہ کی دیواروں پر برکت حاصل کرنے کیلئے ہاتھ پھیرو۔

۲) کیونکہ بڑے بڑے فوجی دستوں کے سردار ابی یکسوم ابرہہ کے حملہ کے اور اس بیت اللہ کی وجہ سے تمہیں وہ بڑی نعمت دشمن پر فتح مندی نصیب ہوئی جو تمہارے پاس مسلم ہے۔

۳) پھر جب تمہارے پاس (اے قریش!) عرش والے کی امداد پہنچ گئی تو اس حکومت والے کے لشکر ابابیل نے انہیں مٹی اور پتھروں سے مار مار کر پسپا کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام ص : ۸۸)

حضرت عبدالمطلب کے پوتے اور جناب ابوطالب کے بیٹے طالب بن ابوطالب نے جو اسی سال پیدا ہوئے تھے بعد کے زمانہ حنفاء میں یہ شعر کہے۔

۱) کیا تمہیں خبر نہیں کہ جنگ واحس اور لشکر ابی یکسوم (ابرہہ) کا کیا حشر ہوا؟ جب انہوں نے

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

تمام گھاٹیاں بے شمار سپاہ سے بھر دی تھیں۔

۲) پس اگر اللہ تعالیٰ کی حمایت نہ ہوتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسکے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں، تو تم لوگ اپنے مویشی کے گلوں یا اپنی عورتوں کی حفاظت نہ کر سکتے۔

(سیرت ابن ہشام جلد اول ص: ۸۹)

یہ وہ خیالات ہیں جو قریش واقعہ اصحاب فیل کے بعد اپنی محفلوں میں ظاہر کیا کرتے تھے اور یہ وہ اشعار ہیں جو واقعہ مذکور کے بعد بعثت نبوی تک کے درمیانی عرصہ میں کہے گئے۔ یہ وہ شاعر ہیں جو زمانہ عبدالمطلب میں جوان ہو چکے تھے اور بعثت نبوی تک زندہ رہے۔ ان میں سے چند نے اسلام کا زمانہ بھی پایا اور یہی وہ زمانہ ہے جسے احناف کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اسی قسم کا تاثر مکہ سے باہر قبائل عرب میں بھی پایا جاتا تھا۔ ابرہہ کے لشکر کی تباہی کی خبر تمام عرب میں پھیل چکی تھی اور ان پر رب کعبہ کا رعب غالب ہو چکا تھا، وہ آپس میں علی الاعلان یہ کہنے لگے تھے، قریش کا خدا اس عظیم لشکر پر تنہا غالب آ گیا اور اسے چند لمحوں میں برباد کر دیا۔ اس بارے میں ابن اسحاق کہتا ہے۔

''پھر جب اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو مکہ سے لوٹا دیا اور انہیں اسکے سبب بطور سزا بڑی بڑی مصیبتیں پہنچیں تو عرب قریش کی عظمت کرنے لگے۔ اور انہوں نے کہا یہ لوگ اللہ والے ہیں اللہ نے انکی جانب سے جنگ کی اور دشمن کے سر و سامان کے مقابلہ میں صرف اللہ کی امداد ان کیلئے کافی ہوئی''۔ (سیرت ابن ہشام، جلد اول، ص ۸۶)

بدرقہ نبوت وثائی یحیٰ

اب یہ بات تلاش و جستجو کی محتاج نہیں رہی اور شک و شبہ سے بالاتر ہوگئی کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنی اشاراتی اور علامتی تبلیغ کا حق ادا کر دیا جو مشن آپ کو سونپا گیا تھا، اسے بحسن و خوبی انجام دیا اور آپ کے آخری زمانہ میں قریش وحدانیت کی طرف لوٹ آئے تھے۔ یہی وہ مقام ہے جسے ہم نبوت کی راہیں ہموار کرنے سے تعبیر کرتے ہیں یہ گویا ایک طرف اگر حضرت عبدالمطلب نبوت کیلئے بدرقہ کی حیثیت رکھتے تھے تو دوسری طرف یوحنا کا مثل بھی تھے۔

حدیث رسول

حضرت ام ہانی کی روایت کردہ یہ حدیث ہمیں معتبر اسناد سے پہنچ چکی ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے:

''اس زمانہ میں دس سال یا سات سال تک قریش صرف اللہ کی عبادت کرتے رہے اور انہوں نے بتوں سے کوئی نسبت قائم نہیں کی''۔

اس حدیث میں ''اس زمانہ'' سے مراد یہی زمانہ ہے یعنی واقعہ اصحاب فیل سے وفات حضرت

عبدالمطلب تک جو صرف آٹھ سال ہیں کیونکہ حضرت عبدالمطلب واقعہ اصحاب فیل کے بعد صرف آٹھ سال زندہ رہے۔ حدیث میں سات یا دس کے اعداد اندازہ کا اظہار کرتے ہیں جو صحیح معنی میں پورے آٹھ سال ہو جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جب تک حضرت عبدالمطلب زندہ رہے۔ قریش خدائے واحد کی عبادت کرتے رہے۔ انہوں نے بتوں کا نام لینا یا ان سے استعانت طلب کرنا یکسر ترک کر دیا تھا۔ البتہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مخالف گروہ کے کچھ لوگ نہ صرف خود بدل گئے بلکہ انہوں نے اپنی باتوں سے قریش کے دوسرے لوگوں کو بھی پچھلی رسوم پر پلٹا دیا تھا۔ لیکن کیسے؟ (اس پر ہم آگے بحث کرینگے)

دین کیلئے راہ کی ہمواری

دین حنیف یا دین ابراہیمی کی تجدید قریش مکہ میں حضرت عبدالمطلب نے ہی کی تھی۔ تاریخ میں جو لوگ حنفا یا احناف کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ یہ حضرت عبدالمطلب ہی کی خاموش عملی تبلیغ کا نتیجہ تھے۔ ان میں سے اکثر نے اسلام کا قریبی زمانہ پایا تھا۔ تین اشخاص ایسے تھے جو اسلام کی ابتداء میں زندہ تھے، دو نے اسلام قبول کیا تھا۔

عرب میں دیگر مذاہب کے اثرات

حضرت عبدالمطلب سے پہلے اور آپ کے ابتدائی زمانہ میں بت پرستی عام تھی لیکن عربوں میں دیگر مذاہب بھی رائج تھے۔ اگر چہ ان کے پیروکار بہت تھوڑے تھے مگر ان کا وجود بہر حال تھا۔ یہ مذاہب، صابی، مجوسی، دہری، عیسائی اور یہودی تھے۔ ان تمام مذاہب کے اثرات تمام عرب میں کہیں کہیں پھیلے ہوئے تھے مگر عربوں کی اکثریت بت پرست ہی تھی۔ یہی حال قریش کا تھا اگر چہ ان مذاہب نے قریش کو بہت زیادہ متاثر نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے کسی مذہب کو قبول کیا البتہ بنی خزاعہ کے اقتدار کے زمانہ میں وہ نظریہ وحدت کو چھوڑ کر آہستہ آہستہ بت پرست ہو گئے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں قریش پوری طرح بت پرستی میں جکڑے ہوئے تھے۔

حضرت عبدالمطلب کے ابتدائی زمانہ تک قریش تہذیب و تمدن کو جانتے تک نہ تھے۔ عرصہ دراز سے مشرکانہ رسم و رواج میں گھرے ہوئے تھے۔ قطعی جاہل تھے۔ اوہام پرستی میں یگانہ تھے، بداخلاقی میں پیش پیش تھے۔ پاک و ناپاک اور حلال و حرام میں کوئی تمیز نہ رکھتے تھے۔ وحشیانہ طور طریقے اپنائے ہوئے تھے، شراب، زناء، قتل، وغارت گری چوری، رہزنی، ان کا پیشہ تھا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، مرد اور عورت برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔ سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتے تھے۔ روایت ہے کہ امیہ بن عبدالشمس کے بیٹے ابوعمر نے بھی ایسا کیا تھا۔ (رسائل جاحظ)

اگر چہ قریش کا خدا وہی خدائے واحد تھا جو ان کے آباء حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیلؑ کا تھا مگر اس

Presented by Ziaraat.net

دراز مدت میں وہ اسے یکسر بھول چکے تھے اور بتوں کو خدائے واحد پر اس درجہ ترجیح دیتے تھے کہ یہودیوں کی طرح خدا کے نام پر نذر کیا ہوا مال کھا پی لیتے اور اس میں کم وبیش کر لیتے مگر بتوں کے نام پر نذر کیا ہوا مال کم و بیش کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہ تھی ان کی مذہبی پستی جو حضرت عبدالمطلب کے ابتدائی زمانہ میں ان کے اندر موجود تھی۔ انہیں خدائے واحد کی طرف لوٹا لانا آسان مرحلہ نہ تھا وہ اپنی کسی بات کیلئے نازیبا کلمہ سننے کیلئے تیار نہ تھے۔

ان تمام اخلاقی، مذہبی، نظریاتی اور معاشرتی برائیوں کے ساتھ اگر قریش کی کٹ حجتی، قبائلی عصبیت، مجرمانہ ذہنیت، سخت طبعیت، داخلی جہالت، انکار کی عادت، انا، حسد، بغض اور نفرت وغیرہ کو بھی سامنے رکھا جائے تو کیا یہ کہنے میں کوئی تامل ہو سکتا ہے کہ اس جیسی قوم میں کسی نبی کیلئے کارِ نبوت کوئی آسان کام نہ تھا اور ایک نبی کی پوری عمر ان کی درستی کیلئے قطعاً ناکافی تھی۔ کیونکہ ہم دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ جب بھی اس جیسی کٹر بت پرست قوم میں کوئی نبی آیا وہ دن رات اور مسلسل تبلیغ کے باوجود اپنی پوری عمر میں معدودے چند کے سوا کسی کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکا اور اس نبی کی وفات کے بعد وہ چند بھی نئے مذہب پر قائم نہ رہ سکے اور پھر سابقہ نظریہ پر پلٹ گئے۔

اس حقیقت کی روشنی میں صاف تصور کیا جا سکتا ہے کہ آخری نبی جس کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور شریعت جس کے بعد کوئی شریعت نہ آئی اگر ایسی حالت میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تو کیا ہو سکتا تھا۔ اس لیے ہمیں بہرحال تسلیم کرنا پڑے گا کہ قریش کی اس حالت میں بتدریج تغیر و تبدل پیدا کرنے کا پہلے سے انتظام کیا گیا تھا۔ ہماری نظر حال پر رہی ماضی پر ہم نے ایک طائرانہ نظر بھی ڈالنا گوارا نہ کیا اور ہم کیسے پلٹ کر دیکھتے کہ گزشتہ تاریخ ہمیں معلوم ہی نہ تھی کیونکہ وہ تاریکیوں کے پردہ میں پوشیدہ کر دی گئی تھی اسی لیے رسول اللہؐ کو بار بار کہنا پڑا۔

''حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسمٰعیلؑ کو برگزیدہ کیا پھر ان کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو بنو کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے انتخاب فرمایا''

یہ اشارہ صریح طور پر منتخب حضرات کی طرف ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں حصہ لیا اور اس کی ابتداء حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد قصیٰ سے ہوئی اور انتہا حضرت عبدالمطلب پر ہوئی پھر نبیؐ آخر تشریف لائے۔ علی الاعلان پہلے سے پیشگوئیوں کا بیان بھی اس امر کی وضاحت کرتا ہے۔

بدرقہ نبوت

ہم نے ابھی ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ قوم یہود جب وہ اپنی شریعت سے ہٹ کر بت پرست ہو گئی تو حضرت عیسیٰ سے پہلے کئی نبی آئے آپ کی آمد سے کچھ پہلے بلکہ ایک طرح آپ ہی کے

زمانہ میں یوحنا (یحییٰ) آئے اور انہوں نے صاف طور پر کہا ''میں آنے والے کیلئے راہ ہموار کرنے آیا ہوں۔'' انہوں نے کوئی حکم نہیں دیا کوئی شریعت پیش نہیں کی اور نہ کسی دین کا اجراء کیا اور نہ شریعت موسوی میں کہیں کوئی کمی بیشی کی۔ آپ نے صرف لوگوں کو گناہ سے توبہ کرنے کیلئے کہا اور جو اس پر رضامند اور آمادہ ہوئے انہیں بپتسمہ دے کر گناہوں سے پاک کیا اور آنے والے کیلئے بیعت لی۔ جب معاملات درست ہو گئے لوگ نیکی کی طرف آ گئے اور آنے والے کا انتظار کرنے لگے تو حضرت عیسیٰ نے خود کو ان پر ظاہر کر دیا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یوحنا کی موجودگی اور بپتسمہ دینے کے دوران ہی حضرت عیسیٰؑ موجود تھے لیکن انہوں نے خود کو بحیثیت نبی ظاہر نہیں کیا جب تک یوحنا کا کام پورا نہ ہو گیا اور عوام کی طرف سے مخالفت کا خدشہ باقی نہ رہا۔

جب ایک ایسی قوم جو صاحب شریعت تھی شریعت کے احکام جانتی تھی اس پر کبھی عمل پیرا بھی رہی تھی اب بات صرف اسی قدر تھی تاکہ وہ شریعت کے احکام کی روح سے نابلد ہو چکی تھی نبی اور نبوت سے تو واقف تھی پھر بھی اصل نبی سے پہلے ایک نبی راہ کی ہمواری کیلئے بھیجا گیا تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ قریش جیسی بدخصلت قوم کیلئے آخری نبی اور آخری شریعت آئے اور اس سے پہلے اسکی راہ ہموار نہ کی جائے۔ وہ پیشگوئیاں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمدؐ کے درمیان ایک نبی کے آنے کی پیش کی جا چکی ہیں اور قرآن نے اس کی تائید بھی کی ہے تو آنحضرتؐ سے پہلے ایک نبی یقیناً آپؐ کیلئے قریش میں تغیر لانے کیلئے آیا اور وہ حضرت عبدالمطلب کے علاوہ اور کوئی نہیں جس کے لئے قرآن نے فرمایا سلام ہو ''آلِ یاسین'' پر اور وہ صالحین میں سے تھا۔

حضرت عبدالمطلب نے جیسا کہ تفصیل سے مدلل بیان کیا جا تا رہا ہے، قریش میں یہ تغیر عظیم پیدا کیا۔ انتہائی تدبر اور دانشمندی سے ان کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی مشرکانہ رسوم کو خدا پرستی میں تبدیل کیا، انکے قوانین میں تبدیلی کی، نئے قوانین جاری کیے غلط کاریاں ممنوع قرار دیں۔ مادی اصلاح کے بعد روحانی اور مذہبی اصلاحات بتدریج رائج کیں اور آخر میں انہیں بت پرستی سے دور اور وحدانیت کے نزدیک تر لے آئے۔ یہ تمام اصلاحات ابرہہ کی لشکر کشی سے پہلے ہو چکی تھیں۔ واقعہ اصحاب فیل کے دوران آپ نے انتہائی حکمت عملی سے قریش کو بتوں سے متنفر اور وحدت الٰہ کا قائل کر لیا یہی وہ زمانہ تھا جب آپ نے دین حنیف کو قریش میں رواج دیا اور پورے آٹھ سال یعنی جب تک آپ واقعہ اصحاب فیل کے بعد زندہ رہے۔ ایک خدا کی پرستش قریش کرتے رہے۔ اس بارے میں قول رسولؐ جو ہمیں ام ہانیؓ کی زبانی پہنچا ہے۔ بیان کر چکے ہیں تمام محدثین نے اسے درست قرار دیا ہے کون انکار کر سکتا ہے اس سے کہ قریش میں یہ تغیر حضرت عبدالمطلب کے ہی آخری زمانہ میں رونما ہوا تھا اور لوگ دین حنیف کو قبول کر چکے تھے۔ آپ کی وفات کے سال ڈیڑھ سال بعد قریش کے دو قبیلوں کے سبب جو پہلے سے حضرت عبدالمطلب کے مخالف تھے قریش نے پھر پلٹا کھانا شروع کیا، اس کے باوجود آپ کے رائج کردہ دین حنیف کے باقیات کا وجود آنحضرتؐ کے زمانہ

Presented by Ziaraat.net

تک ملتا ہے۔ یہ وہ احناف تھے جنکی تعداد تاریخ میں 24 اور 30 کے درمیان ملتی ہے۔ ان میں سے چند نے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا اور دو مسلمان بھی ہوئے تھے۔

دین حنیف کی ابتداء حضرت عبدالمطلب کا عظیم ترین کارنامہ

رسولؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے دیگر عظیم کارناموں میں سے سب سے عظیم کارنامہ مشرک اور بت پرست قریش میں وحدانیت کا حکیمانہ تعارف اور پھر دین حنیف کا اجراء ہے۔ ایسے کارنامے صرف نبی ہی انجام دے سکتے ہیں اور یہ ان ہی کے فرائض میں سے ہے کتنے نبی ایسے گزرے ہیں کہ وہ اپنا کام کرتے رہے مگر لوگوں نے انہیں بحیثیت نبی نہ پہچانا۔ کتنے ایسے گزرے ہیں کہ ان کے ہمعصروں کو بہت بعد میں ان کے نبی ہونے کا علم اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرتے رہے اور ان کی وفات کے بعد ان کے نبی ہونے کا گمان ہوا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ نبی بھی انسان ہوتا ہے اس کی تمام واردات انسانوں کی طرح ہوتی ہیں، وہ فرشتہ نہیں ہوتا کہ فی الفور پہچان لیا جائے یا وہ کوڑا لے کر اپنی بات منوالے۔ اسے اپنے فرائض نبوت بھی انسانی دائرہ عمل ہی میں انجام دینے ہوتے ہیں وہ اس سلسلے میں کوئی دوسرا طریقہ استعمال کرنے کا مجاز نہیں۔ چنانچہ بہت سے نبی اپنی ساری زندگی میں صرف چند افراد کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو سکے۔ یہ درست ہے کہ قریش آثار نبوت سے ہرگز واقف نہ تھے۔ مگر حضرت عبدالمطلب نے اپنی زندگی اور وفات کے بعد ایسے آثار چھوڑے تھے جن کے باعث بعد میں انہیں آسانی سے پہچانا جا سکتا تھا۔ مثلاً ان کے وہ باقیات جو بعد میں اسلام کا جز اور اصول بنے اور جن کی تائید قرآن نے اپنے وقت میں کی وہ خارق عادت امور جو قریش نے ان کی زندگی میں دیکھے اور وہ دین حنیف کے پیروکار جوان کے عہد میں پیدا ہوئے، پروان چڑھے اور اسلام آنے تک زندہ رہے۔ مگر مورخین نے احناف کا ذکر جزوی طور پر کیا ہے اور اسلام سے قریب ان کا وجود ظاہر کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے احناف کا تعلق حضرت عبدالمطلب کی ذات سے اور ان کے فعل و عمل کے نتیجے سے منقطع کر ڈالا ہے۔ اس بناء پر عامۃ المسلمین یہی سمجھتے ہیں کہ احناف حضرت عبدالمطلب کے بعد پیدا ہوئے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر ہم اسے صحیح تسلیم کر لیں تو احناف کا حقیقت کی طرف رجوع کرنے کے اسباب و علل ہم کہاں تلاش کریں گے۔ ہر حال میں یہ سلسلہ حضرت عبدالمطلب ہی پر ختم ہوگا۔

ایک طرف راوی بیان کرتا ہے کہ تحنث کی ابتداء حضرت عبدالمطلب نے کی دوسری طرف راوی کہتا ہے۔ اسلام کے قریبی زمانہ میں احناف ہوئے ہیں۔ یہ دو روایتیں جو تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ آخر ان کا حاصل کیا ہوا؟ یہی نا کہ حضرت عبدالمطلب نے قریش میں حنفیت کو رواج دیا اور یہی وہ احناف تھے جو اسلام کے قریبی زمانہ تک زندہ رہے، مگر راوی اور پھر مورخین نے درمیان میں ایک طویل مدت ظاہر کر کے اس کا باہمی تعلق ختم کر دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں مورخ نے اس خلاء کو کیوں پورا نہیں کیا اور تاریخ کے سلسلہ کو فنی طور پر قائم کیوں نہ رکھا؟

یہ بات با آسانی ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ تمام احناف جن کی تعداد 30 کے قریب بتائی جاتی ہے۔

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب کے عہد میں پیدا ہوئے، بچپن گزارا، جوان ہوئے تو قریش کے بت پرستانہ ماحول میں تبدیلی محسوس کی، آپ کی اشاراتی تبلیغ وتفہیم سے متاثر ہوئے۔ بتوں کی طرف سے ان کے دل میں شکوک و شبہات نے سر ابھارا واقعہ اصحاب فیل کے وقت احناف جوانی کی عمر میں تھے، بالغ اور بالغ النظر تھے۔ اس موقع پر تمام قریش پر بتوں کی نااہلی ثابت ہو چکی تھی اور اللہ کے قائل ہو گئے تھے ایک حدیث کے مطابق تمام قریش دس سال تک ایک خدا کی پرستش کرتے رہے، بتوں سے انہوں نے کوئی سروکار اور واسطہ نہ رکھا۔ یعنی حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں وہ اس نظریہ پر قائم رہے۔ آپ کی وفات کے بعد ایک خاص گروہ کی ترغیب اور شہ پر قریش ان بت پرستانہ رسموں کو پھر اپنانے لگے جنہیں وہ ترک کر چکے تھے۔ اس حالت میں یہ نفوس قدسی یعنی احناف ان سے الگ ہو گئے۔ حتیٰ کہ بعض دین حق کی تلاش میں مکہ چھوڑ کر دوسرے ممالک کی طرف ہجرت کر گئے۔ انہوں نے اس ماحول میں رہنا گوارہ نہ کیا۔ مورخین نے احناف کی موت تو اسلام کے قریب یعنی چند سال بعد اسلام بتائی ہے مگر ان کی بقیہ گزشتہ عمر پر نظر نہیں ڈالی اگر ہم اس زمانہ میں عربوں کی طبعی موت کا صحیح اندازہ کر لیں تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ احناف حضرت عبدالمطلب ہی کے زمانہ کی پیداوار ہیں۔

ہمیں اچھی طرح علم ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے 83 سال کی عمر میں وفات پائی، ان کے بڑے بیٹے جناب ابوطالب 80 سال کی عمر میں فوت ہوئے، ابوعتبہ 85 سال کی عمر میں فوت ہوا، حضرت عباس کی عمر وفات کے وقت 88 سال تھی، (استعیاب) آنحضرتؐ کا وصال 63 سال کی عمر میں ہوا۔ قصیٰ بن کلاب نے 80 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اسی طرح اور صحابہ اور دوسرے عربوں کی طبعی عمر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت ایک عرب کی عمر طبعی 65 سے 75 سال کے درمیان ہوتی تھی۔ احناف اسلام سے ذرا قبل اور ذرا بعد فوت ہوئے اب اگر ان کی اس عمر کے اوسط سے حضرت عبدالمطلب کی وفات اور بعثت نبوی کا درمیانی وقفہ جو ۳۲ سال ہے نکال دیا جائے تو یہ احناف حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت 33 اور 43 سال کے درمیان تھے اور واقعہ اصحاب فیل کے وقت ان کی عمریں 25 اور 35 سال کے درمیان تھیں۔ ان میں مزید دس سال کی کمی بھی کر لی جائے تب بھی وہ بلوغت کی عمر میں ثابت ہوتے ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ احناف حضرت عبدالمطلب کے عہد سے متاثر نہیں ہوئے۔ انہوں نے آپ کا طریقہ تبلیغ نہیں دیکھا۔ انہوں نے آپ کے خطبات نہیں سنے یا انہوں نے آپ کے کردار وعمل پر غور نہیں کیا ہوگا۔ جب آپ بارش کی دعا کے لئے گئے تو یہ لوگ آپ کے ساتھ تھے، جب آپ نے در کعبہ کی زنجیر پکڑ کر اللہ سے دعا کی اس وقت بھی یہ لوگ آپ کے گرد جمع تھے۔ ابرہہ کے لشکر تباہ ہوتے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جب حضرت عبدالمطلب اپنے پوتے کی تلاش میں سرگرداں تھے اس وقت راستے میں آپ کو ورقہ بن نوفل ملے تھے۔ امیہ بن ابی الصلت کے اشعار اس کے اس موقع پر موجود ہونے کے گواہ ہیں۔ عبید اللہ بن جحش جو احناف میں شامل ہیں آپ کے نواسے تھے۔

اس تمام گفتگو سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے ہی قریش میں وحدانیت کا

پرچار کیا دین حنیف جاری کیا اور اس طرح اپنے رسولؐ ہونے والے پوتے کا کار رسالت آسان اور ہلکا کر دیا ورنہ ممکن نہ تھا کہ ابتدائی خفیہ تبلیغ کے دوران 113 مرد و زن اسلام لے آتے اور پھر اس قدر تیزی سے اسلام پورے عرب اور بیرون عرب پھیل جاتا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی نبی اس تیزی سے اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوا۔ قرآن نے خود اپنے رسولؐ کو آپ کے دادا کی اس خدمت کا احساس دلاتے ہوئے واضح کیا کہ ''اے رسول اگر پہلے ہی تمہارے دادا اس کام کو آسان نہ بنا جاتے تو یہ کار رسالت اس سے بھی زیادہ دشوار تھا جس قدر تم سمجھ رہے ہو۔'' چنانچہ فرمایا گیا۔

''ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک''۔ (الم نشرح)

اور ہم نے (عبدالمطلب کے ذریعے) آپ پر سے وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔

چونکہ روایت اور تاریخ نے صحیح اور متصل واقعات پیش نہیں کئے اور واقعات کے روایتی خلا کو پر نہیں کیا گیا اس لیے مفسرین نے ان آیات کی تفاسیر میں ٹھوکر کھائی۔ متقدمین کی تفسیر کو اسی لیے قابل اعتراض قرار دیا گیا ہے کہ وہ محض بدترین قیاس پر مبنی ہیں۔ (یہ محل اس بحث کا نہیں) اس لیے ہمارا یہ نظریہ ہے کہ اعلان نبوت کے موقع پر رسول اللہؐ کا کوئی دشمن نہ تھا اور نہ ہی تمام قریش آپ کی مخالفت پر کمربستہ تھے۔ وہ اسلام قبول کر لینا چاہتے تھے لیکن وہی بنی ہاشم کے چند دشمن قبائل کے سردار تھے جو قریش کو اس اقدام سے روکے ہوئے تھے۔ تاریخوں اور تذکروں میں صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ ان قبیلوں کے بھی بہت سے لوگ چھپ کر اسلام لے آئے تھے۔ ان چند سرداروں کی تعداد جو مخالفت کر رہے تھے اور قریش کو اسلام لانے سے روک رہے تھے۔ قرآن نے 13 اور 17 بتائی ہے۔

دین ابراہیمی کی تجدید

اسی دور اصلاحات میں دین ابراہیم کو زندہ کرنے کی تحریک جاری ہوئی اس کے محرک اول خود حضرت عبدالمطلب پیغمبر اسلام کے دادا تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے نبوت، رسالت، ولایت یا امامت کا اپنی زبان سے دعویٰ نہیں کیا لیکن ان کی ذات میں مادی و روحانی صفات کا اعلیٰ درجہ پر اجماع تھا جس میں قدوسیت نمایاں تھی یہی سبب تھا آپ روحانیت کی طرف راغب ہوتے چلے گئے۔ ان کا یہ رجحان فطری اور غور وفکر کی بنیاد پر تھا کسی نے ان کی رہنمائی نہیں کی تھی ان کی زندگی میں جس قدر محیر العقول اور فطرت سے مافوق واقعات ظہور پذیر ہوئے ان کے متعلق وہ کہا کرتے تھے یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔

وہ خود ان پر غور وفکر کرتے اور قریش کو دعوت فکر دیتے۔ آپ اپنی قوم کو نامعلوم اور نامحسوس طریقہ سے اس دین کی طرف لانا چاہتے تھے جو آپ کے آباء کا تھا یعنی ابراہیم کا دین۔ ''دین حنیف'' ظاہر ہے اس وقت اسلام کا وجود نہ تھا اسلام کیا ہے یہی دین ابراہیم گویا، اسلام کی خشت اول، رسول اللہؐ کے دادا نے اسی زمانہ

Presented by Ziaraat.net

میں رکھی جس کی عالی شان تعمیر کیلئے قسام ازل نے ایک معمار مقرر فرما دیا تھا اور جسکی آمد عنقریب ہونے والی تھی اس کی آمد سے پہلے گویا راہوں کو ہموار اور صاف کرنا مقصود تھا اور اسلام کی عمارت کیلئے لوازمات کا مہیا کرنا مطلوب اس امر کا بین ثبوت حضرت عبدالمطلب کی اصلاحات، آپ کے اعمال وافعال اور اقوال میں مضمر ہے کہ اسلام میں وہی باتیں جوں کی توں برقرار رکھی گئیں اور دین کی تائید بعد میں کلام الٰہی کے ذریعے ہوئی۔

اس کا ایک بڑا ثبوت احناف کا وجود ہے جو محض حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں ہی ملتا ہے، اس سے پہلے قریش میں اس کا کوئی چرچا نہ تھا بلکہ وہ بری طرح ایک مدت سے بت پرستی میں جکڑے ہوئے تھے اور ان کے احترام کیخلاف کوئی لفظ سننے کو تیار نہ تھے۔ اگرچہ ان کے ذہن کے کسی دور دراز گوشہ میں الٰہ کا تصور موجود تھا اور وہ اب بھی الٰہ کو تمام خداؤں سے بڑا تصور کرتے تھے مگر انکی جہالت یہ تھی کہ وہ دوسرے خداؤں کو الٰہ کا شریک کار گردانتے تھے۔ ایام جاہلیت میں عربوں کے تلبیہ کے الفاظ اس کے شاہد ہیں اس طرح غیر محسوس الٰہ محسوس خداؤں کے تصور تلے دب کر رہ گیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے بڑی دانشمندی سے قریش کے اذہان میں بتدریج انقلاب پیدا کیا اور اس دبے ہوئے تصور کو اس قدر ابھارا اور اجاگر کیا کہ وہ الٰہ کی فوقیت کے قائل ہو گئے۔ یہی لفظ الٰہ بعد میں تخصیص کا الف لام لگانے سے عربی میں اللہ ہو گیا۔

احناف حضرت عبدالمطلب کے زمانہ کے وہی لوگ ہیں جنھوں نے علی الاعلان اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا تھا اور بت پرستی سے نفرت کرنے لگے تھے۔ تاریخ نے اس زمانہ میں ایسے لوگوں کی تعداد چوبیس اور تیس کے درمیان بتائی ہے قریش نے ان لوگوں کو برداشت بھی کر لیا تھا۔ وہ ان سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی صحبت، گفتگو اور نظریہ سے فائدہ حاصل کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام قریش نے کم وبیش ایک حد تک بتوں کے عدم کو تسلیم کر لیا تھا مگر رسماً ان سے وابستگی بھی جاری رکھی تھی، اس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تمام عرب خانہ کعبہ کے جس میں ان کے بت رکھے تھے محافظ ہونے کے سبب قریش کی عزت کرتے تھے اور قریش اپنے مفاد میں اس عزت کو ختم کرنا نہیں چاہتے تھے۔

ورقہ بن نوفل، عمر بن نفیل، امیہ بن ابی الصلت وغیرہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے حضرت عبدالمطلب کے اعمال واقوال کو اپنا رہنما بنایا اور بت پرستی سے آہستہ آہستہ انحراف کیا۔ یہ سب اسی زمانہ اصلاحات کی پیداوار ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے کبھی قریش کے سامنے اس کی علی الاعلان تبلیغ نہیں کی یہ خیال اس لیے ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے کہ ہمارے سامنے رسولؐ کی مثال موجود ہے جو علی الاعلان تبلیغ فرماتے تھے۔ اول یہ کہ آپؐ کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا۔ آپ بتوں کو برا کہتے تھے۔ دوم یہ کہ ابتداء آپؐ نے بھی اسی طریقے سے فرمائی تھی۔ جو آپ کے دادا کا طریق تبلیغ تھا۔ یعنی آپ کا انفرادی عمل، قریش بتوں کی رسوم میں شریک ہوتے تھے۔ آپؑ اس سے اجتناب برتتے تھے، قریش حج کے موقع پر مکہ سے باہر دوسرے حاجیوں کی طرح میدان عرفات نہیں جاتے تھے مگر آپؑ جاتے تھے۔ قریش بتوں پر قربانی کرتے اور ان کا گوشت کھاتے تھے آپؑ نہ بتوں پر قربانی کرتے اور نہ ان کا گوشت کھاتے وغیرہ۔ یہ آپ کے وہ انفرادی عمل تے جو

ایک طرح خاموش تبلیغ کہے جا سکتے ہیں، پھر آپؐ نے پہلے خفیہ تبلیغ کی اس کے بعد اعلانیہ۔ اگر رسول اللہؐ نے بھی جو اعلانیہ رسول تھے۔ ابتداء میں یہ طریقہ اختیار کیا تو حضرت عبدالمطلب کا زمانہ تو اور بھی ابتداء کا ہے وہ کیسے ایسا کر سکتے تھے۔ ان کے زمانہ میں تو قریش اور بھی زیادہ جاہل محض تھے۔ اس لیے حضرت عبدالمطلب کی تبلیغ اعلانیہ نہ تھی بلکہ کنایتہً اور اشارتاً تھی۔ آپ ان کے سامنے اپنی ذات اور اپنے انفرادی فعل کو رکھتے تھے تا کہ وہ خود اس پر غور کریں اس طرح آپ کا ہر عمل اور وہ ایک ہی منزل کی طرف اشارہ کرتا تھا اس کی وجہ قریش کی معکوس فطرت تھی جسے آپ خوب جانتے تھے۔

Sabeel-e-Sakina (S.A)
Presented by Ziaraat.net

دور احناف

۵۷۱ء سے ۶۱۰ء تک پورے چالیس سال کا زمانہ دور احناف کے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ قریش میں دین حنیف کی ابتداء عام الفیل یعنی ۵۷۱ء سے ہوئی اور آنحضرتؐ کی بعثت تک یعنی اسلام کے آغاز پر اس کی انتہا ہوگئی۔ دوسرے الفاظ میں یہی دین حنیف یا دین ابراہیم جس کا آغاز حضرت عبدالمطلب نے کیا تھا اسلام کے واضح دین میں تبدیل ہوگیا۔ اسلام ہی دین حنیف کا نقش ثانی ہے اور اس پورے دور میں کسی نہ کسی صورت میں حنفیت جاری و باقی رہی۔ ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث عبداللہ بن جحش، زید بن عمر بن نفیل، امیہ بن ابی الصلت حنفاء میں سے ہیں۔ جو اسلام کے دور تک مکہ میں زندہ اور موجود تھے۔ ان میں نفیل بن عبدالعزیٰ کا پوتا زید بن عمر بن نفیل بن عبدالعزیٰ اپنی کم عمری ہی میں حضرت عبدالمطلب کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگیا تھا اور حنفیت اختیار کر لی تھی۔

مجدد دین ابراہیم

دین ابراہیمی یا وہ دین جسے اس وقت دین حنیف کہتے تھے اور جسکے پیروکار احناف یا حنفاء کہلاتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب ہی نے حضرت اسماعیل کے کوئی دو ہزار سال بعد انکی اولاد قریش میں رائج کیا۔ صحیح تاریخی واقعات اور معقول قرائن یہ بتاتے ہیں کہ وہ حضرت عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے اس مذہب کی تجدید کی اور تمام قریش کو بت پرستی سے ہٹا کر ایک خدائے واحد کی پرستش پر جمع کر دیا یہی آپ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جو آپ کی نبوت اور آپ ہی کے الیاس اور یحییٰ ہونے کا عظیم ثبوت ہے۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت عبدالمطلب غار حرا میں تحنث کیا کرتے تھے۔ محققین کا دعویٰ ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش میں تحنث کی ابتداء کی اور پھر احناف کو خاص عبادت کی طرف ترغیب دلائی۔ سیرت ابن ہشام سے ثابت ہے کہ احناف بھی تحنث کیا کرتے تھے۔ دین حنیف کے پرجوش اور نوجوان ایک پیرو زید بن عمر بن نفیل کا یہ قول تاریخوں میں موجود ہے کہ ''اے خدا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری عبادت کس طرح کی جاتی ہے تو میں اسی طرح تیری عبادت کرتا۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کوئی طریقہ عبادت رائج نہ تھا جو صرف اللہ کیلئے ہو حضرت عبدالمطلب نے تحنث کا طریقہ اور پھر کعبہ کے سامنے ایک رکعت دعا (نماز) کا طریقہ احناف کو بتایا اور اپنے پوتے کو اس کی پوری تعلیم و تربیت دی جو آپ کو یقیناً بذریعہ وحی غیر متلو معلوم ہوئی ہوگی۔

تحنث کیا ہے

تحنث تنہائی میں یکسوئی کے ذریعے ایک ایسی عبادت ہے جو بندہ کا روحانی تعلق اسکے خالق سے قائم کر

Presented by Ziaraat.net

دیتی ہے امام زہری نے اس سبب سے اسے تعبد سے موسوم کیا ہے۔ یعنی تحنث کو عبادت قرار دیا ہے اس کا تمام تر دارومدار ارتکاز توجہ پر ہے۔ ذہن کی یکسوئی کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکا ہے، ادراک ماورائے حواس کی تمام تر بنیاد یکسوئی اور ارتکاز توجہ پر منحصر ہے۔ اسی کیفیت کو استغراق اور مراقبہ بھی کہا گیا ہے، اس طریقہ سے جسم کی خفیہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور ذہن کی تخلیقی پرواز بہت بلند ہو جاتی ہے۔ مادی اعتبار سے یہ قوتیں کسی نقطہ خاص پر یا شمع بینی کے ذریعے بیدار کی جاتی ہیں جبکہ روحانی اعتبار سے مرکز توجہ ذات باری تعالیٰ ہوتی ہے۔ یہ ان دیکھی ذات جسے ذہن کی تخلیقی پرواز اپنا مرکز بناتی ہے اور پھر تمام حواس ایک نقطہ پر لا جمع کرتی ہے اپنے گرد و پیش اور مافیھا سے بے خبری کی کیفیت روح میں بالیدگی پیدا کرتی اور مرکز توجہ سے قریب تر کرتی چلی جاتی ہے، اسی لیے تحنث کو تعبد کا نام بھی دیا گیا ہے اور اس وقت یہی ایک طریق عبادت تھا جو احناف میں رائج تھا۔

تحنث ہی تحنف ہے

اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ تحنث ہی تحنف یعنی حنفیت ہے دوسرے معنی میں تحنث ہی دین حنیف ہے اور تحنث کی ابتداء حضرت عبدالمطلب نے کی تو یہ بات بھی با آسانی ثابت ہو جاتی ہے کہ دین حنیف کی تجدید حضرت عبدالمطلب ہی نے کی تھی۔

ابن ہشام اس وقت عربوں کے طریق تلفظ کی وضاحت کرتے ہوئے ہمیں بتاتا ہے کہ ''تحنث کی ''ث'' اصل میں ''ف'' ہے یعنی لفظ تحنث اصل میں تحنف تھا عرب ''ف'' کو ''ث'' سے بدل لیا کرتے تھے، اس لیے اصل لفظ تحنف جس کے معنی دین حنیف اختیار کرنے کے ہیں تحنث کے لفظ سے مشہور ہوا۔ ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں۔

> ''عرب تحنث اور تحنف دونوں لفظ استعمال کرتے ہیں اور ان دونوں لفظوں سے ان کی مراد دین حنفی اختیار کرنا ہوتی ہے ''ف'' کو ''ث'' سے بدل دیتے ہیں جس طرح جدف اور جدث دونوں لفظوں سے مراد قبر ہے روبتہ العجاج نے لکھا ہے ''لوکان احجاری مع الاجداف'' اگر میرے پتھر قبروں کے ساتھ ہوتے یہاں اجداف سے مراد اجداث ہے جس کے معنی قبریں ہیں''۔

(سیرت بن ہشام اول، ص: ۲۶۱، مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز)

اب ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ابن ہشام کا یہ فیصلہ کن تجزیہ اپنی جگہ درست اور مدلل ہے کہ تحنث ہی تحنف ہے اور تحنف کے معنی دین حنیف اختیار کرنا ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ تحنث کی ابتداء حضرت عبدالمطلب نے کی گویا دین حنیف یا دین ابراہیم کی تجدید حضرت عبدالمطلب ہی نے کی اور یہ طریق عبادت احناف کو آپ ہی نے سکھایا جو بعد میں ایک اور پھر دو رکعتی (دعا) نماز میں تبدیل ہو گیا۔ اس وقت اس میں صرف قیام اور قعود شامل تھے۔ رکوع اور سجدہ بعد میں اضافہ کر کے اسے مکمل نماز کی شکل دی گئی۔ یہ عمل اور

اضافہ آنحضرتؐ کے زمانہ نبوت میں ہوا۔ اسی طریقہ عبادت کو آنحضرتؐ نے بھی اختیار کیا اور اس پر عمل کر کے منصب رسالت تک پہنچے۔ اب اس میں بھی کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ آپ ہی نے آنحضرتؐ کو دین حنیف کی تعلیم اور اس کی تربیت دی نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسولؐ کی ابتدائی پرورش و تربیت ایک نبی اور اپنے برگزیدہ بندے کی آغوش میں کرانے کا انتظام کیا ابن اسحاق کہتا ہے۔

> ''مجھ سے آل زبیر کے غلام وہب بن کیسان نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا میں نے عبداللہ بن الزبیر کو عبید بن عمر بن قتادہ اللیثی سے کہتے سنا ہے کہ اے عبید بتائیے رسولؐ کے پاس جب جبرائیل علیہ السلام آئے تو نبوت کی ابتداء کا ظہور کس طرح ہوا۔ راوی نے کہا میں موجود تھا۔ عبید نے عبداللہ بن زبیر اور ان لوگوں سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''رسول اللہ ہر سال ایک مہینہ حرا میں جا بیٹھتے تھے اور قریش زمانہ جاہلیت میں بھی یکسو ہو کر عبادت کیا کرتے تھے۔''

(سیرت ابن ہشام اول، ص: ۲۶۰)

اس متفقہ روایت سے دو باتوں کا صاف طور پر اثبات ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ آنحضرتؐ تحنث فرماتے تھے۔ اسی دوران وحی کا نزول ہوا۔ دوسرے یہ کہ قریش زمانہ جاہلیت میں تحنث کرتے تھے۔ قریش سے یہاں مراد احناف قریش ہیں اور ظاہر ہے یہاں زمانہ جاہلیت سے مراد زمانہ احناف ہے۔ واقعہ اصحاب فیل سے بعثت نبوی تک چالیس سال بنتے ہیں۔

دین حنیف ہی دین اسلام ہے

آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت تک جتنے نبی آئے ان سب نے ایک ہی دین مخلوق کے سامنے پیش کیا اور وہ تھا ''دین اسلام'' خدا نے خود کہا ''ان الدین عنداللہ الاسلام'' کہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے یہی دین جب حضرت ابراہیم نے پیش کیا، جو درحقیقت اسلام تھا تو چونکہ قرآن نے حضرت ابراہیم کیلئے فرمایا اور ابراہیم حنفاء میں سے تھا تو اسی دین اسلام کو دین حنیف یا دین ابراہیم ان کی نسبت کی وجہ سے کہا گیا۔

یوں تو تمام علمائے اسلام نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے مگر ہم یہاں صرف مولانا مودودی کے بیانات سے اقتباسات پیش کرینگے۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں تمام ممکنہ نظریات کو احاطہ کر لیا ہے۔

> ''اور اسلام کا جو تصور عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک مذہب کا نام ہے جو اب سے تیرہ سو سال پہلے عرب میں پیدا ہوا تھا اور جس کی بنیاد حضرت محمدؐ نے ڈالی تھی۔ ''بنیاد ڈالی تھی'' کا لفظ میں قصداً اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ صرف غیر مسلم ہی نہیں بلکہ بکثرت مسلمان اور اچھے خاصے ذی علم مسلمان بھی حضرت محمدؐ کو بانی اسلام کہتے اور لکھتے ہیں گویا ان کے نزدیک اسلام کی ابتداء

Presented by Ziaraat.net

آنحضرتؐ سے ہوئی اور آپ ہی اسکے بانی (FOUNDER) ہیں۔''

(سیرت سرور عالم حصہ اول ص: ۳۳۴)

حضرت مولانا مودودی مرحوم صاف الفاظ میں اس حقیت مسلمہ کا انکشاف واقرار کررہے ہیں کہ اسلام کی بنیاد صرف آنحضرتؐ نے نہیں ڈالی بلکہ اس کی ابتداء بہت پہلے ہو چکی تھی اور ہر نبی اس دین کو پیش کرتا رہا تھا ہم صرف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے بعد نبی اسرائیل میں سینکڑوں نبی حضرت عیسیٰؑ تک اسی دین اسلام کو جاری رکھنے کیلئے آتے رہے مگر نبی اسمٰعیل میں تقریباً دو ہزار سال کے بعد اس کی تجدید قریش میں حضرت عبدالمطلب نے کی تھی۔ اس وقت یہ دین حنیف کہلایا۔ اس کے ماننے والے حنفاء یا احناف کہلائے اور یہ سلسلہ بعثت تک قائم رہا پھر یہی دین دین اسلام کے نام سے شہرت یافتہ ہوا۔ مولانا مودودی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

''کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں خدا کی طرف سے اسکے سچے پیغمبر نہ آئے ہوں، ان سب کا مذہب ایک ہی تھا اور وہ یہی مذہب تھا جس کو ہم اپنی زبان میں اسلام کہتے ہیں، البتہ تعلیم کے طریقے اور زندگی کے قوانین ذرا مختلف تھے عام طور پر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اسلام کی ابتداء حضرت محمدؐ سے ہوئی ہے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کو بانی اسلام کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جسے ذہن سے قطعی طور پر نکال دینا چاہئے۔

(سیرت سرور عالم حصہ اول، ص: ۶۴ وحاشیہ صفحہ ہذا)

بنی اسمٰعیل کے قبیلہ قریش میں دین حنیف کے نام سے حضرت عبدالمطلب نے اسلام کی تجدید کی آپ نے قریش کو بت پرستی سے نفرت دلا کر خدائے واحد کی پرستش کا خوگر بنایا۔ جب یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ ہر نبی دنیا میں اسی فرض کو ادا کرنے آیا تھا تو آپ نے بھی اپنا یہی فرض بہ تمام وکمال ادا کیا جس کا زندہ ثبوت احناف کا وہ وجود ہے جو بعثت نبوی تک مکہ میں موجود تھا اور یوحنا کے پیروکاروں کی طرح ایک رسول کے آنے کا انتظار کررہا تھا ہم نہیں سمجھ سکے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ حضرت عبدالمطلب فرائض تو نبیوں کے انجام دیں اور نبی نہ کہلائیں جبکہ قرآن شہادت دے اور توریت وانجیل پیشگوئی کردیں۔ اس حقیقت کے سامنے کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ قریش میں بعد اسلام بھی ایسا عنصر موجود تھا جس نے اس کے تمام آثار کو مٹایا اور قرآن کی آیات بینات کی تفسیر وتوضیح میں تاویل سے کام لیا۔

دین حنیف کے پیروکار

احناف کا وجود

تمام مورخین عرب نے دین حنیف کے پیروکاروں کا وجود جنہیں احناف کہا جاتا تھا تسلیم کیا ہے۔ ان میں سے کچھ کے حالات ونظریات کا ذکر تاریخوں میں بالتفصیل ملتا ہے جو ان کے وجود پر کھلی دلالت ہے۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

''بہت سے لوگوں کے حالات ہمیں تاریخوں میں ملتے ہیں جنہیں حنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ سب لوگ علی الاعلان توحید کو اصل دین کہتے تھے اور مشرکین کے مذہب سے اپنی بے تعلقی کا صاف صاف اظہار کرتے تھے۔''

(سیرت سرور عالم حصہ اول ص: ۵۹۷)

ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں مشہور ترین چار احناف کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر طٰہٰ نے ''علی ھامش السیرۃ'' میں احناف کا ذکر کیا ہے۔

احناف کی تعداد

ابتداء میں یعنی واقعہ اصحاب فیل سے حضرت عبدالمطلب کی وفات تک پورے آٹھ سال تمام قریش خدائے واحد کی پرستش کرتے رہے، ان میں بھی دو قبیلے ایسے تھے جو بظاہر قریش کی اکثریت کے ساتھ تھے مگر دل سے اس طریقہ سے متعلق نہ تھے، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انہیں حضرت عبدالمطلب سے بغض وعناد تھا۔ آپ کی وفات کے بعد قریش پر وہی اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے جو ایک نبی کے جانے کے بعد اس کی قوم یا ایک مرکزی شخصیت کی وفات کے بعد اس کی جماعت کے افراد پر ہوتا ہے، پھر قریش میں تو ایسی جماعت موجود تھی جو انہیں پہلی حالت پر پلٹانا چاہتی تھی، یہ لوگ اللہ کے قائل تو رہے مگر بہت سی مشرکانہ متروک رسوم کو اپنے معاشرے میں داخل کرلیا اور اکثریت ان رسوم میں شامل ہونے لگی 32 سال کا عرصہ کوئی کم مدت نہیں ہے۔ یہ اثرات روز بروز بڑھتے رہے آنحضرتؐ اپنے بلوغت اور جوانی کے دور سے گزر رہے تھے اور اپنے دادا کی کامیاب کوششوں کو ناکامی سے ہمکنار ہوتا بڑے دکھ کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ آپؐ اور آپ کے اعزا خصوصاً آپ کے سگے چاچا جناب ابوطالب اور زبیر معاشرے کی اصلاح کی سرتوڑ کوشش میں مصروف تھے مگر مخالف قبائل اپنی دولت اور افرادی طاقت کے سبب بہت بڑی رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اسی زمانہ میں حلف الفضول جیسے ادارے اصلاح معاشرہ کیلئے وجود میں آئے۔ اس وقت قریش میں دو بڑے گروہ وجود میں آ

Presented by Ziaraat.net

گئے۔ایک وہ جو آنحضرتؐ اور آپ کے اعزا کے ساتھ برائیوں کی روک تھام میں شریک تھا۔ان میں بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد اور بنی زہرہ شامل تھے جبکہ بنی امیہ، بنی مخزوم، بنی سہم، بنی ربیعہ، بنی تیم اور بنی عدی وغیرہ ان کے مخالف گروپ میں تھے۔یہی وہ لوگ تھے جو دین حنیف کے اثرات کو زائل کرنے میں کوشاں رہے۔ اس کا سبب محض یہ تھا کہ دین حنیف نبی ہاشم سے نسبت رکھتا تھا اور یہ لوگ بنی ہاشم کے مخالف تھے۔

جیسا کہ اکثر قوموں میں ہوتا ہے۔قریش میں بھی یہ حالت موجود تھی یعنی ان میں ایک تعداد ایسی تھی جو غور وفکر کی صلاحیت سے محروم تھی۔ یہ انتہائی پست طبقہ تھا اور تقلید پر عمل پیرا تھا کچھ ایسے تھے جنہوں نے غور وفکر سے کام لیا مگر کسی صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ یہ لوگ بھی مقلد تھے جیسا دوسرے کہتے ویسا ہی مان لیتے، اپنی کوئی ذاتی رائے نہ رکھتے تھے، کچھ ایسے تھے جو صحیح نتیجہ پر پہنچے اور دین حنیف کو ترک کرنا نہ چاہا مگر ان میں اظہار اور ثابت قدمی کی جرأت نہ تھی۔اس کے باوجود ایک مختصر طبقہ ایسا تھا جو جرأت اظہار رکھتا تھا۔اس نے اپنی حنفیت کا اعلان کیا اور برابر اس پر ثابت قدم رہے۔وہ نہ انکی رسموں میں شریک ہوتے نہ بتوں پر قربانی کرتے، نہ قربانی کا گوشت کھاتے، نہ بتوں سے دعا کرتے اور نہ ان کی تعظیم کرتے تھے، اس کے باوجود قریش ان سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اکثریت بتوں سے اس تعلق میں سنجیدہ نہیں تھی۔ حضرت عبدالمطلب نے جن باتوں کی انہیں تلقین کی تھی وہ ان پر برابر عمل پیرا رہے۔مجملہ تین بنیادی گناہوں سے وہ ہمیشہ دور رہے۔شرک باللہ، قتل ناحق اور زنا۔جبکہ یہ تین برائیاں قریش میں کثرت کے ساتھ موجود تھیں۔آنحضرتؐ نے بھی احادیث میں ان تین باتوں سے منع کیا ہے۔

ایسے لوگوں کی تعداد جنہوں نے جرأت سے کام لے کر اپنے دین کا اعلان کیا اور مذہبی امور میں عوام سے علیحدگی اختیار کی ان کی صحیح تعداد کا علم یقینی طور پر نہیں ہوسکا ہے۔مورخین نے بڑی تلاش کے بعد ان کی تعداد 24 سے 30 کے درمیان بتائی ہے۔کافی تعداد ایسی بھی ہوگی جس کا علم مورخین کو نہیں ہوسکا ہے۔مولانا مودودی نے بڑی جستجو کے بعد تفہیم القرآن جلد چہارم کے صفحہ 32 پر سولہ نام درج کیے ہیں۔وہ تسلیم کرتے ہیں اور دوسرے تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ یہ لوگ آنحضرتؐ کے عہد سے بالکل قریب کے زمانہ میں ہوئے ہیں وہ نام یہ ہیں۔

(۱) قس بن ساعدۃ الایادی (۲) امیہ بن ابی الصلت (۳) سوید بن عمر المصطلقی (۴) وکیع بن سلمہ بن زہیر الایادی (۵) عمر بن جندب الجہنی (۶) ابوقیس صرمہ بن ابی انس (۷) زید بن عمر بن نفیل (۸) ورقہ بن نوفل (۹) عثمان بن الحویرث (۱۰) عبیداللہ بن جحش (۱۱) عامر بن الظرب العدوانی (۱۲) علاف بن شہاب التمیمی (۱۳) المتلمس بن امیہ الکنانی (۱۴) زہیر بن ابی سلمٰی (۱۵) خالد بن سنان بن غیث العبسی (۱۶) عبداللہ القضاعی۔ان سولہ ناموں کے بعد مولانا لکھتے ہیں اور ایسے ہی بہت سے لوگوں کے حالات ہمیں تاریخ میں ملتے ہیں جنہیں حنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان سولہ ناموں کے علاوہ دو نام النابغہ الجعدی اور عمر بن عبسہ کا نام بھی تاریخوں میں ملتا ہے۔ان میں

سے آٹھ حنفاء ایسے ہیں جنہوں نے اسلام کا کچھ نہ کچھ زمانہ پایا ہے وہ آٹھ نام یہ ہیں۔(۱) ورقہ بن نوفل (۲) عبیداللہ بن جحش (۳) عثمان ابن الحویرث (۴) زید بن عمر بن نفیل (۵) امیہ بن ابی الصلت (۶) النابغۃ الجعدی (۷) صرمہ بن ابی انس اور (۸) عمر بن عبسہ۔باقی تمام غالباً اسلام آنے سے کچھ ہی مدت پہلے تک اسلام کے انتظار میں جاں بحق ہو چکے تھے۔

دین حق کی تلاش

جب حضرت عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا اور دین حنیف کا محرک ورہنما ان کے درمیان سے اٹھ گیا مرکزیت جاتی رہی تو وہ جو اپنے دین میں ثابت قدم تھے اور جو جرات اظہار رکھتے تھے وہ خود کو تنہا محسوس کرنے لگے وہ سکون جو انہیں حضرت عبدالمطلب کی مرکزی شخصیت سے حاصل تھا جاتا رہا۔وفات کے دو سال بعد قریش میں تبدیلیاں شروع ہوئیں اور حسب سابق انہوں نے متروکہ رسوم کا اجراء شروع کر دیا تو یہ ماحول احناف کی طبیعت سے مطابقت نہ کر سکا۔وہ ایک قسم کی گھٹن محسوس کرنے لگے، رفتہ رفتہ یہ گھٹن بڑھتی رہی یہ وہ زمانہ تھا جب قریش کا ایک طبقہ جس میں بنی امیہ شامل تھے، اس عمل کی مخالفت کر رہا تھا اور اصلاحات جاری کرنے کیلئے انجمن حلف الفضول جیسی جماعتیں وجود میں آرہی تھیں۔ان ہی دنوں یہود ونصاریٰ کی طرف سے ایک نبی کی آمد کی پیش گوئیاں گشت کر رہی تھیں۔عیسائی اور یہودی مذہب کے عالموں نے اپنی مذہبی کتابوں میں پائی جانے والی پیش گوئیوں کی بناء پر عرب کے علاقے سے ایک نبی کے ظہور کا چرچا کر رکھا تھا اور یہ خبر اطراف مکہ میں پھیل چکی تھی۔آنحضرتؐ کے بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ سفر شام کے موقع پر بحیرہ کی گفتگو کی خبر بھی مکہ پہنچ چکی تھی۔ان خبروں کی بنیاد پر حنفاء اس نبی کے ظہور کے انتظار میں گھڑیاں گزار رہے تھے مگر اس ظہور میں تاخیر ہو رہی تھی کسی کو اس وقت کا صحیح علم نہ تھا آخر جب یہ لوگ گھڑیاں گنتے گنتے تھک گئے اور گھٹن بڑھتی گئی یہاں تک کہ انہیں اس ماحول میں سانس لینا بھی مشکل ہوگیا تو ان حنفاء میں سے چار نے آپس میں خفیہ میٹنگ کی اور یہ طے کیا کہ ہماری قوم واقعی غلط روش پر جا رہی ہے ہمیں ان سے علیحدہ ہو جانا چاہئے، یہ پتھروں کو پوجتے ہیں اور دین ابراہیم انہوں نے ترک کر دیا ہے پھر انہوں نے آپس میں طے کیا کہ ہمیں مکہ چھوڑ دینا چاہئے اور کسی سچے دین کی تلاش کرنا چاہئے۔اس کے بعد انہوں نے قریش کی مشرکانہ رسوم میں شرکت ترک کر دی۔قربانی کا گوشت کھانے اور بتوں پر قربانی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ابن اسحاق اس موقع کے واقعہ کو بیان کرتا ہے۔

> ''ایک روز قریش اپنی ایک عید میں ایک بت کے پاس جمع ہوئے جس کی وہ تعظیم کرتے تھے اس کیلئے قربانیاں دیتے تھے اس کے پاس معتکف رہتے تھے اور اس کے گرد گھومتے تھے ان کی یہ عید ہر سال ایک روز ہوا کرتی تھی۔ان لوگوں میں سے چار شخصوں نے تنہائی میں گفتگو کی اور ایک نے دوسرے سے کہا ''سچائی کا عہد کرو اور

Presented by Ziaraat.net

اپنے آپس کے معاملوں کو دوسروں سے چھپاؤ، سب نے کہا۔ اچھا یہ لوگ ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان ابن الحویرث اور زید بن عمر بن نفیل تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا علم حاصل کرو، اللہ کی قسم تمہاری قوم کسی ٹھیک راستہ پر نہیں وہ اپنے ابراہیم کے دین کو بھول چکے ہیں پتھر کیا چیز ہے جس پر نجاست ڈالی جاتی ہے نہ وہ سنتا ہے نا دیکھتا ہے نہ نقصان دیتا ہے نہ نفع پہنچاتا ہے۔ لوگو! اپنے لیے کوئی دین ڈھونڈو کیونکہ اللہ کی قسم تم کسی صحیح طریقہ پر نہیں ہو ملکوں میں طریقہ حنفیہ دین ابراہیم کی تلاش میں پھیل جاؤ۔" (سیرت ابن ہشام حصہ اول ص: ۲۴۷)

حضرت عبدالمطلب کی وفات کو ۲۵ برس (تقریباً) گزر چکے تھے اور آنحضرتؐ کی بعثت میں ابھی سات سال تقریباً باقی تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس عرصہ میں قریش کے حالات اس قدر بگڑ چکے تھے۔ چنانچہ ان آنحضرت نفوس میں سے ورقہ بن نوفل اور عثمان بن الحویرث مکہ چھوڑ کر دین ابراہیمی کی تکمیل کیلئے باہر کے ملکوں میں چلے گئے۔ زید بن عمر بن نفیل نے پہلے مکہ ہی میں ظہور نبی کا انتظار کیا جب اس میں دیر ہوئی تو وہ بھی مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔ عبید اللہ بن جحش اور امیہ بن ابی الصلت اسلام آنے تک زندہ رہے۔ ان میں سے عبداللہ نے اسلام قبول کیا۔ امیہ بن ابی الصلت اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھا مگر وہ بوجوہ ایسا کرنے سے رکا رہا۔

امیہ بن ابی الصلت بنی ثقیف سے تھا جن سے بنی امیہ اور ان کے حلیفوں نے شادی بیاہ کے رشتے قائم کر لیے تھے۔ وہ ثقفیوں کو حنیف اور پھر آنحضرتؐ کے زمانہ میں مسلمان ہونے سے روکتے تھے۔ امیہ بن ابی الصلت ایک ذہین شخص تھا اس کو وہ نہ روک سکے لیکن جب آنحضرتؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو یہی بنی امیہ کے افراد تھے جنہوں نے امیہ بن ابی الصلت کو خود نبی بننے کا شوق دلایا۔ چنانچہ اسے خود نبی بننے کی خواہش ہوئی اور آنحضرتؐ پر ایمان لانے سے رکا رہا۔ الاغانی کا بیان ہے کہ "امیہ بن ابی الصلت کو خود منصب نبوت پر فائز ہونے کی امید تھی۔ چنانچہ جب اس نے سرور عالمؐ کی بعثت کی خبر سنی تو سخت مایوس ہوا اور رشک وحسد کی بناء پر اس نے حضورؐ کی رسالت کو تسلیم نہ کیا اور آپؐ کی عظمت و بزرگی کو تسلیم کرنے کے باوجود شرف ایمان و اسلام سے محروم رہا لیکن حنفیت کو باقی رکھا۔" امیہ بن ابی الصلت حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں جوان تھا مکہ میں آمد و رفت کی بناء پر متاثر ہوا اس کا شمار حنفاء میں کیا گیا ہے۔ وہ توحید، یوم آخرت، جزاء و سزا، عرش، ملائکہ اور انبیائے سابقین کا قائل تھا اور ایک اچھا شاعر تھا بقیہ تین احناف غالباً اسلام آنے سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔

دین حق کے پانچ متلاشی

حضرت عبدالمطلب کی رہنمائی میں دین حنیف کو اختیار کرنے والوں میں پانچ اشخاص ایسے بھی تھے جو آپ کی وفات کے بعد کوئی رہنمانہ پا کر دین حق کی تلاش میں مکہ سے باہر چلے گئے تھے کیونکہ نبی امیہ نے اس

دوران اقتدار پر قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا اور وہ دوبارہ مکہ میں مشرکانہ رسوم کو جاری کرنے لگے تھے دین حق کے یہ پانچ متلاشی ورقہ بن نوفل، عثمان الحویرث، عبداللہ بن جحش، زید بن عمر بن نفیل اور امیہ بن ابی الصلت تھے۔

(۱) ورقہ بن نوفل

ورقہ بن نوفل ام المومنین سیدہ خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ یہ خاندان مکہ میں عزت و شرف کا مالک تھا، ورقہ بن نوفل نے اپنی چچازاد بہن حضرت خدیجہ کو ان کے مشورہ طلب کرنے پر آنحضرتؐ سے شادی کرنے کی رائے دی تھی اور یہ ہدایت بھی کی تھی کہ مخالفین سے ہوشیار رہیں۔ حضرت ابوطالب کے خطبہ نکاح کے بعد اس موقع پر ورقہ بن نوفل نے بھی ایک مختصر خطبہ دیا تھا اور اس بات کا اقرار حاضرین کے سامنے کیا تھا کہ آنحضرتؐ کا خاندان صاحب عز و شرف اور فضیلت و قیادت کا مالک ہے۔

ورقہ بن نوفل جب آنحضرتؐ کی شادی حضرت خدیجہ سے ہوئی اس وقت دین حنیف پر قائم تھے، بت پرستی ترک کر چکے تھے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی وفات کو ۱۷ سال گزر چکے تھے۔ جب قریش میں نبی امیہ نے دوبارہ مشرکانہ رسوم جاری کرنا شروع کیا تو وہ بہت زیادہ فکرمند اور پریشان ہوئے۔ یہاں تک کہ اسی پریشانی کی بناء پر چار احناف نے وہ عہد کیا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد ورقہ بن نوفل مکہ چھوڑ کر سچے دین کی تلاش میں نکل گئے۔ انہوں نے ایران اور روم کا سفر کیا ان دنوں یہودی زرتشتی اور عیسائی مذاہب شہرت رکھتے تھے۔ آپ بالخصوص عیسائی اور یہودی مذاہب کے رہنماؤں سے ملے ان سے مذہبی معلومات حاصل کیں اور عیسائی مذہب کو پسند کیا پھر توریت و انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ورقہ بن نوفل ہی تھے جنہوں نے آنحضرتؐ پر پہلی وحی کا واقعہ سن کر آپ کے نبی ہونے کی تصدیق کی تھی اور بتایا تھا کہ آنے والا فرشتہ جبرائیل تھا جو حضرت موسیٰؑ پر وحی لایا کرتا تھا۔ ورقہ بن نوفل ہی نے اس موقع پر آنحضرتؐ کو قریش کی جانب سے مخالفت ہونے کی اطلاع دی تھی اور اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کاش اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کو ہجرت پر مجبور کیا جائے گا اور آپ کی مدد کر سکوں بعض کہتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل اسلام لے آئے تھے۔ آپ اسلام آنے کے چند سال بعد وفات پا گئے۔

(۲) عثمان بن الحویرث

یہ بھی حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں دین حنیف کے پیروکار رہ چکے تھے۔ ورقہ بن نوفل کے ساتھ یہ بھی دین حق کی تلاش میں مکہ سے چلے گئے تھے۔ روم جا کر عیسائی مذہب سے متعلق معلومات حاصل کیں اور یہی مذہب اختیار کر لیا۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شاہ روم کے دربار میں رسائی حاصل کر لی تھی اور مستقلاً روم ہی میں رہائش اختیار کر لی تھی وہ مکہ واپس نہیں آئے وہیں وفات ہوئی لیکن سید امیر علی نے روح اسلام میں لکھا ہے کہ وہ شام میں قتل کر دیئے گئے تھے۔

Presented by Ziaraat.net

(۳) عبداللہ بن جحش

یہ آنخضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی بیٹی امیمہ کے فرزند اورام المومنین حضرت زینب کے بھائی تھے، دین حنیف اختیار کرلیا تھا۔ بت پرستی چھوڑ دی تھی، یہ اس معاہدہ میں شامل تھے جو چار احناف نے کیا تھا آپ نے مکہ نہیں چھوڑا وہیں مقیم رہے اور آنے والے نبی کا انتظار کرتے رہے۔ آپ کی شادی ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ سے ہوئی تھی۔ جب آنخضرتؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو آپ اسلام لے آئے۔ ام حبیبہ نے بھی اسلام قبول کرلیا ہجرت حبشہ کے موقع پر آپؑ اپنی بیوی ام حبیبہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے تھے وہیں فوت ہوئے۔

(۴) زید بن عمر بن نفیل

دین حنیف میں سب سے زیادہ مخلص اور سخت زید بن عمر بن نقیل تھے، جو قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ ورقہ بن نوفل اور عثمان الحویرث دین حق کی تلاش میں جب مکہ سے چلے گئے تو آپ نے بھی مکہ کے بت پرستانہ ماحول سے چلے جانے کا ارادہ کرلیا۔ خطاب بن نفیل زید کا چچا تھا وہ زید کے ان خیالات کا سخت ترین مخالف تھا، اس نے ان کی بیوی صفیہ سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ مکہ سے جانے کا اردہ کرے تو وہ اس کو فوراً مطلع کردے۔ خطاب اطلاع ملتے ہی پہنچ جاتا اور اپنے اس بھتیجے زید کو زدوکوب کرتا مکہ سے باہر جانے سے روکتا اور حنفیت ترک کرنے پر زور دیتا۔ خطاب حضرت عمر کا باپ تھا، خطاب کی شادی عاص بن وائل سہمی نے بنی مخزوم میں ہشام کی بیٹی اور ابوجہل کی بہن سے اسی منصوبہ کے تحت کرائی تھی کہ بنی عدی نبی ربیعہ اور بنی مخزوم کا ساتھ بنی ہاشم کے مقابلہ میں دیں ان ہی کے کہنے سے خطاب زید کو مارتا تھا۔ زید بن عمر بن نفیل نے نہ تو عیسائیت اختیار کی اور نہ یہودیت کو اپنایا وہ نبی کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ وہ نہ بتوں پر ذبیحہ کرتے نہ یہ ذبیحہ کھاتے نہ ان کی مذہبی رسوم میں شریک ہوتے وہ اپنی پیٹھ دیوار کعبہ سے لگا کر کہتے۔ ''اے گروہ قریش اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں زید بن عمر کی جان ہے، آج میرے سواتم میں کوئی شخص دین ابراہیم پر نہیں رہا پھر وہ کہتے یا اللہ اگر میں جانتا کہ کونسا طریقہ تجھے زیادہ پسند ہے تو اس کے مطابق تیری پرستش کرتا لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔'' (سیرت ہشام)

آخر آپ نے بھی مکہ سے جانے کا ارادہ کیا اور موقع پا کر پوشیدہ مکہ سے چلے گئے۔ تمام عمر سفر کرتے رہے اور دین حق کی تلاش کرتے رہے وہ جہاں جاتے مکہ کے حالات دریافت کرتے رہتے تاکہ جس نبی کے مبعوث ہونے کی پیش گوئی کی جاتی رہی ہے اس کے مبعوث ہونے کی اطلاع انہیں بروقت مل جائے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ زید موصل، الجزیرہ اور شام کے تمام علاقوں میں گھومتے رہے۔ آخر بلقاء کے مقام سیفعہ میں ایک راہب سے معلوم ہوا کہ اس نبی کا ظہور ہو چکا ہے جو دین ابراہیمی کا طریقہ سکھا سکتا ہے۔ لہٰذا زید واپس

مکہ کی طرف لوٹے۔ راستے میں جب وہ نبی لنخم کی بستیوں سے گزر رہے تھے تو ان لوگوں نے مال ودولت کے لالچ میں ان پر حملہ کیا اور خناجہ نامی شخص نے انہیں قتل کرڈالا یہ خبر جب مکہ پہنچی تو ورقہ بن نوفل کو اپنے اس ساتھی کی غربت میں موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ انہوں نے زید کی موت پر مرثیہ کہا خود زید بن عمر بن نفیل نے بھی اپنے اشعار میں دین حنیف اختیار کرنے کا ذکر کیا ہے اور بت پرستی کی مذمت کی ہے۔ چند اشعار یہ ہیں۔ (ترجمہ)

۱..... کیا میں ایک پروردگار کی عبادت کروں یا ایک ہزار کی، جیسا کہ انہیں بانٹ رکھا ہے۔

۲..... میں نے لات وعزیٰ سب کو چھوڑ دیا قوت والا اور مستقل مزاج شخص ایسا ہی کرتا ہے۔

۳..... پس نہ ہی میں عزیٰ کی پوجا کرتا ہوں نہ اس کی دونوں بیٹیوں کی اور نہ ہی بنی عمر کے دونوں بتوں کی زیارت کرتا ہوں۔

۴..... اور نہ ہی غنم (ایک بت) کی پرستش کرتا ہوں جو اس زمانہ میں ہمارا پروردگار سمجھا جاتا تھا جب میری عقل کم تھی۔

۵..... خبردار! اے انسان اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا کیونکہ تو اللہ تعالیٰ سے کوئی بھید چھپا نہیں سکتا۔

۶..... اے انسان، اللہ کیساتھ اس کے غیر کو شریک کرنے سے خود کو بچا کہ سیدھی راہ تو نمایاں ہو چکی۔

۷..... یا اللہ میں تیری ربوبیت سے راضی ہوں، تیرے سوا کسی دوسرے معبود کو پرستش کے لائق کبھی نہ سمجھوں گا۔

(۵) امیہ بن ابی الصلت

امیہ بن ابی الصلت قبیلہ بنی ثقیف سے تھا۔ اپنے وقت کا اچھا شاعر تھا، اس نے بھی دین حنیف اختیار کرلیا تھا، اس کی شاعری اس امر کی گواہ ہے۔ اس سے بت پرستی سے نفرت اور وحدانیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسکی شاعری میں ایسے الفاظ اور اصطلاحیں ملتی ہیں جو قرآن میں استعمال ہوئی ہیں۔ حق گو مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ اس نے قرآن ہی سے استفادہ کیا تھا جبکہ بدگو اہل قلم اس کیخلاف دلیل قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں قرآن میں استعمال کی جانے والی تراکیب امیہ بن ابی الصلت کی شاعری سے لی گئی ہیں۔ وہ دین حق کا متلاشی ضرور تھا مگر وہ اپنے قبیلے سے باہر نہیں گیا۔ حتیٰ کہ آنخضرتؐ مبعوث ہوئے وہ کئی سال زمانہ اسلام میں زندہ رہا، اس نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرلیا تھا مگر نبی امیہ نے روکے رکھا اور پھر بعد میں اسے موت نے مہلت نہ دی اور وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی موت کا شکار ہوگیا۔ ایک روایت ہے کہ آنخضرتؐ نے امیہ بن ابی الصلت کے اشعار سنے تو کہا تھا ''امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا۔''

سیرت ابن ہشام میں اسکے وہ اشعار ہیں جو اس نے واقعہ فیل کے موقع پر اس حیرت انگیز تباہی سے متاثر ہوکر کہے تھے۔ جس نے اصحاب فیل کو شکست سے دوچار ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ ابن ہشام کہتا ہے یہ اشعار امیہ بن ابی الصلت کے ہیں۔

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

1...... بے شبہ ہمارے پروردگار کی نشانیاں چمک رہی ہیں جن کے بارے میں کسی سخت منکر کے سوا کسی کو اعتراض اور اختلاف کی مجال نہیں ہے۔

2...... اس نے دن اور رات پیدا کیے پس ان میں سے ہر ایک دن اور ہر ایک رات کا حساب مقرر و معین ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

3...... پھر وہ مہربان پروردگار روزانہ شفاف و منور آفتاب کے ذریعے جس کی کرنیں پھیلی ہوتی ہیں دن کو جلوہ گاہ ظہور پر لاتا ہے۔

4...... اسی نے مغمس میں ہاتھی کو روک دیا حتیٰ کہ وہ رینگنے لگا اس کی حالت یہ ہوگئی گویا اس کے پاؤں کٹے ہوئے ہیں۔

5...... قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین حنیف کے سوا ہر دین ناکارہ ہوگا۔

قریش کا مرد خدا

رسول کا طریقہ تبلیغ اعلانیہ ہوتا ہے جبکہ نبی کا علامتی، حضرت عبدالمطلب رسول نہ تھے بلکہ وہ توریت کی زبان میں مرد خدا تھے۔ یعنی ایسا انسان جو رسول نہ ہو مگر نبوت سے نزدیک تر جس پر وحی جلی کا نزول نہ ہوتا ہو مگر وحی خفی کا حامل ہو، جس کا تعلق براہ راست فرشتہ سے نہ ہو مگر غیبی طاقت سے اتصال ہو اور غیبی طاقت کے اشارے سمجھتا ہو، جو اللہ کی نظر خاص کا مرکز ہو اور روحانیت کی بنیاد پر اللہ سے تعلق خاطر رکھتا ہو۔ ایسے اوصاف کے مالک ہر شخص کو توریت نے مرد خدا کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ تمام خصائص حضرت عبدالمطلب میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ آپ نے کبھی شراب نہیں پی اور نہ کبھی زنا کے قریب گئے۔ ابن سعد حضرت عبدالمطلب کے متعلق لکھتا ہے۔

> ''وہ (عبدالمطلب) قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت، تنومند، سنجیدہ، سخی اور سب سے زیادہ ان برائیوں (شراب وزنا) سے دور تھے جو مردوں کو بگاڑنے والی ہوتی ہیں۔''

آپ مخصوص من اللہ لوگوں کی طرح چلہ کشی کرتے، تنہائی میں غور وفکر کرتے، ایک اللہ سے لو لگاتے، بتوں سے نفرت کرتے، قربانی صرف اللہ کے نام پر دیتے اور جو مانگتے تھے اللہ سے مانگتے تھے۔ محمد رضا مصری لکھتے ہیں۔

> ''وہ (عبدالمطلب) غار حرا میں بیٹھ کر غور وفکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے انہوں نے بتوں کی پرستش ترک کردی تھی اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرلیا تھا۔'' (محمد رسول اللہؐ)

اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ روحانیت سے خاص علاقہ رکھتے تھے۔ جہاں آپ نے قریش کو مادی اعتبار سے ترقی کی راہوں پر گامزن کیا وہاں آپ نے قریش کی روحانی تربیت بھی کی اور ان کی مذہبی رسوم میں روحانیت کو دخیل کیا۔ سچے خواب دیکھنا، تیقن سے ایک بات کہنا پھر اس کا ویسا ہی واقع ہونا، غیب کی آوازیں

سننا۔ تنازعات کا فیصلہ آپ کے حق میں ہونا، مخالفین کے انتقامی تدابیر کا ناکام ہوجانا اور حرب بن امیہ کی آپ کیخلاف تمام برائیوں کا اچھائیوں میں بدل جانا۔ اس امر کا ثبوت واضح ہیں کہ آپ کسی غیبی طاقت سے تعلق خاطر رکھتے تھے اور آپ کے اندر ایک ایسی انجانی قوت کارفرما تھی جو آپ کے ارادوں پر غلبہ رکھتی تھی اور آپ سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے رہی تھی اور یہ کام اسلام کے آنے سے پہلے اس کی راہیں ہموار کرنا اور قریش کے اذہان میں ایک تغیر پیدا کرنا تھا ہمارے اس موقف کی تائید ڈاکٹر طٰحہ کے اس خیال سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی تصنیف ''علی ہامش السیرۃ''(1) میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

> ''وہ (عبدالمطلب) عام لوگوں کی طرح غور وفکر کے بعد کام نہیں کرتے تھے بلکہ ایک پوشیدہ طاقت ان سے کام کراتی تھی جسے وہ محسوس کرتے تھے ابتداء میں وہ اس کا حکم نہیں مانتے تھے مگر آخر کار اس کا حکم ماننے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ یہ پوشیدہ طاقت مختلف صورتوں میں اپنا حکم منواتی تھی۔ کبھی وہ ان کے احساسات وجذبات پر اسقدر مسلط ہوجاتی تھی کہ وہ اس سے سرتابی نہیں کرسکتے تھے اور اس کا حکم ماننے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ کبھی وہ پوشیدہ طاقت واضح اور نمایاں شخصیت بن کر ان کے سامنے خواب میں نمودار ہوتی تھی اور انہیں کسی خاص کام کو انجام دینے کا حکم دیتی تھی۔ کبھی وہ ندائے غیبی بن کر آتی تھی اور یہ آواز خواب و بیداری ہر حالت میں انکے کانوں میں گونجتی رہتی تھی اور کسی خاص کام کو انجام دینے کا حکم دیتی رہتی تھی۔
> (نقوش سیرت اول، ص: ۳۵)

اگر قدیم مورخ اور سیرت نگار اس مرد خدا کے کردار کا صاف دل سے پورا جائزہ لیتے تو وہ بھی یقیناً یہی تجزیہ کرتے جو ڈاکٹر طٰحہ نے کیا ہے اور جس کی طرف ہم اشارہ کررہے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کو قدرت نے ایک خاص مشن پر بھیجا تھا۔ اُن کا مشن صرف یہ تھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے آنے سے پہلے ان کیلئے راہیں ہموار کردیں۔ قریش کے اذہان میں انقلاب برپا کردیں اور ماحول کو پیغمبر اسلام کے پیغام حق کیلئے استوار اور سازگار کردیں مگر کس قدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ سیرت نگار اس مرد خدا کا ذکر تک گوارا نہیں کرتے جبکہ سیرت کی کوئی کتاب اس وقت تک نہ تو مکمل کہی جاسکتی ہے اور نہ ہی نبوت و رسالت کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے پیش کرسکتی ہے جب تک اس پس منظر کو پیش نہ کیا جائے۔

وحدت الٰہ تک رسائی

حضرت عبدالمطلب کے ذہن کی وحدانیت تک رسائی غالباً اس طرز فکر کا نتیجہ تھا جو آپ کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم کا طرز فکر تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع وغروب سے

1... ''علی ہامش السیرۃ'' کا اردو ترجمہ ''نقوشِ سیرت'' کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

ایک برتر قوت کا وجود تسلیم کیا اور عجائبات عالم کے یکساں نظام سے وحدت الٰہ پر استدلال کیا۔ بعینہ جب قدرت کی جانب سے حضرت عبدالمطلب نے عجائب وغرائب کا مشاہدہ کیا یہ مشاہدہ گویا فکر کی دعوت تھی۔ آپ نے غور کیا غار حرا کی خاموش اور تنہا فضاء میں سوچا اور یقیناً آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب باتیں بلا وجہ نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اسی لیے آپ اکثر قریش سے کہا کرتے تھے غور کرو یہ اللہ کی نشانیاں ہیں اور ایسے ہی قرآنی مضمون کو آپ کے پوتے رسول اللہؐ نے متعدد بار قریش کے سامنے دہرایا تھا۔ محمد رضا مصری اپنی کتاب ''محمد رسول اللہؐ'' میں لکھتے ہیں۔ عبدالمطلب وحدت الٰہ کے قائل تھے۔

آپ تعدد الٰہ سے وحدت الٰہ تک پہنچے، یہ آپ کا اٹل فیصلہ تھا جسے آپ نے اپنے کردار اور مخالف عمل سے بعد میں قریش پر ظاہر کیا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ تنہائی میں مراقبہ غیب کیلئے ہوتا ہے شہود کے لیے نہیں۔ آپ نے خانہ کعبہ میں جا کر ایسی عبادت نہیں کی جیسی غار حرا میں کعبہ کی جانب رخ کر کے کیا کرتے تھے۔ یہی وہ غار حرا ہے جہاں آپ کے پوتے رسول اللہؐ نے غور وفکر کیا اور اولین وحی کا نزول وہیں ہوا۔

حضرت عبدالمطلب اور نزول وحی

حضرت عبدالمطلب کی ذات سے وحی الٰہی کے تعلق کا اظہار یقیناً چونکا دینے والا ہے۔ اس لیے یہ امر ہمارے لیے ضروری ہوگا کہ وحی کے معنی ومفہوم، اس کا طریق نزول، اس کی اقسام پر مختصراً گفتگو کریں۔

وحی کے معنی ومفہوم

عربی کی مشہور ومستند ترین لغات وحی کے لفظی معنی یہ بیان کرتی ہیں۔ (۱) اشارہ کرنا۔ (۲) پیغام بھیجنا۔ (۳) الہام یعنی دل میں کوئی بات ڈالنا۔ (۴) پوشیدہ کلام۔ (۵) پوشیدہ آواز۔ (۶) پوشیدہ طریقہ سے کوئی بات سمجھانا۔ (کتابت ومکتوب کے معنی بھی لیے گئے ہیں)

مذکورہ چھ معنی وحی کے مفہوم کو کلی طور پر واضح کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک طریقہ کو وحی کہا جائے گا جو چیز ان تمام معنی میں مشترک ہے وہ ہے پوشیدگی اس کا واضح مطلب یہ نکلا کہ کوئی کلام یا پیغام اس طریقہ سے پہنچانا کہ کلام کرنے یا پیغام پہچانے والے اور جس سے کلام کیا جائے یا جس کو پیغام پہنچایا جائے ان دونوں کے علاوہ اس کلام یا پیغام سے تیسرا باخبر نہ ہو ابن اسحاق کہتے ہیں وحی کی اصل تمام لغات میں مخفی طور پر کسی کو کوئی بات معلوم کرانا ہے اسی لیے الہام والقاء وحی میں شامل ہے۔ احادیث سے وحی کے حسب ذیل طریقے ثابت ہیں:

1: فرشتہ وحی لے کر آئے اور ایک آواز گھنٹی کی طرح معلوم ہو۔
2: فرشتہ بصورت بشر آ کر کلام کرے۔ 3: فرشتہ کوئی بات دل میں ڈال دے۔
4: اللہ بیداری میں کلام کرے۔ 5: اللہ خواب میں کلام کرے۔
6: فرشتہ خواب میں کلام کرے۔

(تاریخ القرآن ص: ۱۸۹)

وحی کے اصطلاحی معنی

حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ شرعاً مخفی طریقہ سے احکام شرع معلوم کرانا وحی ہے۔ (فتح الباری اول نمبر ۵)

''التقیح'' کی فصل الوحی میں وحی کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں۔ ایک ظاہر دوسرے باطن، فرشتہ کی زبان سے پیغام آنا وحی ظاہر ہے اور یہ طریقہ رسولوں سے متعلق اور مخصوص ہے۔

لغت اور اصطلاح دونوں اعتبار سے اب وحی کا فہم ہمارے لیے زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ یعنی وحی اللہ کے پیغام یا حکم پہنچانے کے اس طریقہ کو کہتے ہیں جس میں پیغام بھیجنے والے اور جسے پیغام بھیجا جارہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان راز ہو اور اس پیغام یا طریقہ پیغام رسانی سے کوئی دوسرا واقف نہ ہو سکے۔ خفیہ پیغام رسانی کے یہ کئی طریقے ہیں۔ ایک وحی خفی یا باطن یا بلا واسطہ دوسرے وحی جلی، ظاہر یا بالواسطہ۔ ان دونوں میں محض واسطہ کے اظہار کا فرق ہے۔

وحی جلی

یعنی وحی کا وہ طریقہ جس میں پیغام رسانی کا ذریعہ ظاہر ہو جائے جیسے (۱) فرشتہ کا گھنٹی کی جھنجھناہٹ کی طرح آنا اور پیغام دینا، (۲) فرشتہ کا کسی شکل میں آ کر پیغام پہنچانا، (۳) اس فرشتہ کا خواب میں آ کر کلام کرنا، (۴) حالت بیداری میں یا خواب میں خود اللہ کا کلام کرنا۔ وحی کا یہ طریقہ رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ (الاتقان، سیوطی)

وحی خفی

یعنی وحی کا وہ طریقہ جس میں پیغام رسانی کے ذریعہ کا اظہار نہ ہو اور پیغام بلا کسی درمیانی واسطہ کے پہنچایا جائے جیسے۔ (۱) رویائے صادقہ، (۲) گھنٹیوں کی آواز سے پیغام اخذ کرنا، (۳) القاء اور الہام یہ تینوں طریقے اگرچہ علم غیب کے حصول کے ذریعہ غیبی ہیں لیکن وحی کا یہ طریقہ نبی سے متعلق ہے یعنی وحی جلی رسول کے سوا کسی اور پر نازل نہیں ہوئی جبکہ وحی خفی نبی اور غیر نبی دونوں پر نازل ہوتی ہے۔ ہمارے موقف کا تعلق وحی کی اسی قسم سے ہے۔ حضرت عبدالمطلب پر وحی خفی کا نزول ہوتا تھا اور اس وحی کا ہر طریقہ آپ کیلئے استعمال کیا گیا تھا۔

کسی بھی شخص کو تجسس کے بغیر جو بھی صحیح اور درست تدبیر یا صائب رائے بروقت سجھائی جائے وہ القاء یا الہام سے متعلق وحی ہے۔ دنیا کے مشہور لوگوں پر جو اچانک انکشافات ہوئے وہ تمام تر ایجادات جو اچانک انکشاف سے ہوئیں یا کسی کو معاً ان کا خیال آیا اچانک کوئی عجوبہ مضمون یا معاً کوئی معنی خیز شعر ذہن میں آیا یا کوئی اچانک ایسا عمل جو ہوا اور کارنامہ بن گیا، یہ سب وحی کے زمرے میں آتے ہیں اسی لیے خاص طور

Sabeel-e-Sakina (SA)

Presented by Ziaraat.net

سے شاعری کو پیغمبری کا جز وقرار دیا گیا ہے۔

یہ تو عام لوگوں سے متعلق القاء کی بات ہے۔ البتہ انبیاء کو کی جانے والی وحی عام لوگوں کے مقابلے میں مفہوم و عمل کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور یہی اختلاف نبی اور غیر نبی میں فرق کرتا ہے۔ جو نبی نہ ہو اس پر یہ کیفیت کبھی کسی اہم سبب سے طاری ہوتی ہے جبکہ نبی پر الہام، القاء اور وحی کے نزول کی کیفیات حسب ضرورت طاری ہوتی رہتی ہے۔ عام آدمی وحی کا وقوف بھی نہیں رکھتا اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اسے وحی سمجھ سکے۔ نبی وحی سے واقف ہوتا ہے ایسے امور کا وہ منجانب اللہ یقین کرتا ہے وہ ایسے اشاروں کو اللہ کی طرف سے سمجھتا اور ان پر عمل کرتا ہے اور اس کے نزول کی غرض و غایت سے بھی آگاہ ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ نوع انسانی کی پوری طرح رہنمائی کرتا ہے اور یہی نبی کا فریضہ ہے حضرت عبدالمطلب نے القاء، الہام اور وحی سے جو پیغام وصول کیا۔ اس سے پورے قریش کی صحیح معنی میں رہنمائی کی اور جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے آپ سے ایک غیبی طاقت اپنی منشاء کے مطابق کام لے رہی تھی اور ہر موقع پر وحی خفی کے ذریعے آپ کو پیغام پہنچاتی رہتی تھی تا کہ آپ منشائے خداوندی کے مطابق اس کے آنے والے رسول کیلئے نبوت کی راہیں صاف و ہموار کردیں اور نبوت کیلئے ماحول کو سازگار بنا دیں تا کہ آنے والے احکام و طریق قریش کیلئے سخت نا قابل قبول اور اجنبی نہ ہوں۔ سورہ شوریٰ میں ارشاد الٰہی ہے:

> ''وکذالک اوحینا الیک قرانا عربیا o'' ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے اے رسول! عربی قرآن آپ پر وحی کیا۔'' اسی طرح سورہ یوسف میں فرمایا۔
> ''نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک هذا القرآن o'' ترجمہ: ہم آپ پر اے رسول ایک بہت اچھا قصہ اسی طرح وحی کر رہے ہیں جس طرح یہ قرآن وحی کیا ہے۔'' اور پھر سورہ شوریٰ ہی میں یہ بتایا ہے کہ وحی کیوں کی جاتی ہے۔
> وما کان بشرِان یکلمه الله الاوحیا اومن ورای حجاب اویرسل رسولاً فیوحیٰ باذنه ما یشاء o ترجمہ: ''کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے روبرو کلام کرے (اس لیے) اس کی بات یا تو وحی کے طور پر ہوتی ہے یا پردہ کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغام بر فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ اسکے حکم سے جو کچھ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔''

وحی کے متعدد طریقوں کے استعمال کی وجہ اس عبارت سے بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اور اللہ کے درمیان اس قدر مادی بعد واقع ہو چکا ہے کہ اللہ اس سے براہ راست کلام نہیں کر سکتا۔ دوسرے الفاظ میں انسان براہ راست گفتگو کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جب اللہ اپنے کسی خاص بندہ کو کوئی حکم یا پیغام دینا چاہتا ہے تو وہ وحی کا ذریعہ اختیار کرتا ہے اور اس لیے یا تو وہ القاء اور الہام سے کام لیتا ہے یعنی وہ بات جو وہ کہنا چاہتا

ہے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے یا خواب میں کچھ دکھا کر اس کے کرنے پر آمادہ کرتا ہے یا اسے ایک آواز سنائی دیتی ہے اور بولنے والا نظر نہیں آتا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کے دامن میں آواز سنی تھی جو ایک درخت سے آتی معلوم ہوتی تھی مگر بولنے والا کہیں نظر نہیں آتا تھا یا پھر وہ اپنا پیغامبر فرشتہ انسانی شکل میں یا اصل صورت میں بھیجتا ہے اور وہ وہی پیغام پہنچاتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اسی آیت کے ضمن میں مولانا مودودی مرحوم لکھتے ہیں:

> ''وحی کے لغوی معنی ہیں اشارۂ سریع اور اشارہ خفی، یعنی ایسا اشارہ جو سرعت کے ساتھ اس طرح کیا جائے کہ بس اشارہ کرنے والا جانے یا وہ شخص جسے اشارہ کیا گیا ہے، باقی کسی اور شخص کو اس کا پتہ نہ چلنے پائے''
>
> (تفہیم القرآن، جلد:۴ص:۴۷۸)

وحی کے ایک معنی لغت میں سرعت کے بھی ہیں۔ (ابن خلدون) لہٰذا اصطلاحاً وحی ایسے سرعت آمیز اشارے کو کہا جائے گا جو کسی کے دل میں جھماکے کی طرح ڈال دیا جائے۔ اسی کو القاء والہام کہتے ہیں اور یہ بھی وحی کی ایک قسم ہے اس طریقے میں کسی واسطہ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جب وہ کسی خاص بندہ کو اشارہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کام کیلئے وحی کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور یہی وہ طریقہ خاص ہے جو حضرت عبدالمطلب کو ہدایات دینے کیلئے اکثر استعمال کیا گیا تھا انہیں سچے خواب کے ذریعے اور گھنٹی کی آواز کی جھنجھناہٹ سے بھی وحی کی گئی تھی۔

حضرت عبدالمطلب کو بذریعہ وحی ہدایات

الشوریٰ کی آیت مذکورہ میں وحی کے تین طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) القاء والہام، (۲) صدائے غیبی، (۳) فرشتہ کے ذریعے پیغام، یہ بات قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبیؐ کو ان تینوں طریقے سے ہدایات دی گئی تھیں۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ وحی کی ابتداء رویائے صادقہ سے ہوتی ہے اگر وہ شخص جسے غیبی ہدایت دی جائے رسول نہیں ہے تو رویائے صادقہ کے بعد القاء والہام پھر صدائے غیبی اور پھر گھنٹی کی جھنجھناہٹ کے ساتھ فرشتہ کی آمد ہوتی ہے۔ فرشتہ کا اصل صورت یا کسی انسان کی شکل میں آکر پیغام دینا صرف رسول کی ذات سے متعلق ہوتا ہے۔ اس لیے فرشتہ کی آمد کے سوا وحی کے تمام طریقے حضرت عبدالمطلب کو ہدایات پہنچانے کیلئے استعمال میں لائے گئے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ پر وحی آنے کی ابتداء سچے خوابوں ہی سے ہوئی تھی۔ احادیث میں آنحضرتؐ کے بہت سے خوابوں کا ذکر ہے۔ (الفتح) متعدد احادیث میں آنحضرتؐ پر القاء والہام کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مثلاً حضورؐ نے فرمایا فلاں بات میرے دل میں ڈالی گئی ہے یا مجھے یہ بتایا گیا ہے یا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے یا اس سے مجھے منع کیا گیا ہے۔ احادیث میں اس قسم کے مفاہیم الہام والقاء کو ظاہر کرتے ہیں۔

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب پر وحی کی ابتداء بھی سچے خواب سے ہوئی تھی۔ یہ وہ خواب ہے جس میں زمزم کا پتا بتایا گیا تھا اور اسے کھودنے کا حکم دیا گیا تھا پھر آپ کو زمزم پر جھگڑے کے وقت، امعان کی راہ میں مایوسی کے وقت، اپنے بیٹے عبداللہ کے ذبح کے وقت اور تمام قدیم رسوم اور نئے قوانین کے اجراء کے وقت آپ کو القاء و الہام کے ذریعے ہدایات دی جاتی رہیں۔ اس کے بعد آپ غیبی آواز اور گھنٹی کی جھنجھناہٹ میں فرشتہ کا پیغام سنتے رہے۔ یہ طریقہ وحی آپ کی زندگی کے آخری دو سال میں استعمال کیا گیا، جب زیادہ وقت غار حرا میں یکسوئی اور عبادت کیلئے دینے لگے تھے اور غیبی اشارات کی تفہیم آپ کو ہونے لگی تھی۔

رویائے صادقہ

بخاری کے ''باب القید فی المنام'' میں رویا یعنی خواب کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) حدث نفس، (۲) تخویف شیطان، (۳) بشارت من جانب اللہ، بخاری ہی میں بیان کیا گیا ہے کہ رویائے صادقہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں اور یہ نبوت کا ایک حصہ ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا کہ ''رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔'' اسی قسم کی حدیث انس بن مالک اور حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ تمام انبیاء کی نبوت کا آغاز رویائے صادقہ سے ہوا۔ حافظ ابونعیم اصفہانی نے ''دلائل النبوۃ'' میں علقمہ بن قیس کی یہ روایت درج کی ہے۔

''بلاشبہ سب سے پہلے انبیاء کو جو کچھ عطا کیا جاتا ہے وہ خواب میں عطا کیا جاتا ہے تاکہ ان کے دل مطمئن ہو جائیں پھر وحی بعد میں نازل ہوتی ہے۔''

(قرآن مجید کا نزول اور وحی، ص: ۲۳۷)

مسلمہ اور صحیحہ روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ رسولؐ کیلئے بھی رویائے صادقہ وحی کا بدرقہ تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

''ابتداء میں وحی کی قسم سے رسولؐ پر جس چیز کا آغاز ہوا، وہ نیند میں رویائے صادقہ تھے۔ پس آپ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی طرح صحیح ثابت ہوتا تھا پھر آپ کو تنہائی کی رغبت ہوئی اور آپ غار حرا میں خلوت نشین ہونے لگے''۔ (حدیث، بخاری)

حضرت عبدالمطلب کا خواب

یہی صورت حضرت عبدالمطلب کو پیش آئی تھی یعنی سب سے پہلے آپ نے ایک خواب دیکھا جو سچ ثابت ہوا پھر آپ کو تنہائی کی طرف رغبت ہوئی اور آپ غار حرا میں مراقبہ کرنے لگے۔ آپ کے اس خواب کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے لیکن اس میں جو باتیں قابل غور ہیں۔ وہ آپ کا اس خواب میں اشارہ نہ سمجھنا ہے اور ایک ہی خواب کا چار مرتبہ نظر آنا ہے چونکہ یہ آپ کا پہلا خواب تھا اور اس خواب میں اشارہ کیلئے جو نام زمزم

کیلئے استعمال کیے گئے وہ نام آپ کے زمانہ میں استعمال نہیں کیے جاتے تھے۔ اس لیے آپ خواب میں کیے گئے اشارہ یا لیے گئے نام کو نہ سمجھ پائے اور جب تک خواب کا منشاء آپ پر واضح نہ ہو گیا، آپ برابر وہی خواب دیکھتے رہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ ایک معمولی یا عام خواب نہ تھا بلکہ بذریعہ خواب وحی تھی۔

ابن اسحاق کی روایت موجود ہے کہ قریش نے یہ خواب سن کر کہا ''اے عبدالمطلب! آپ انتظار کیجئے اگر یہ خواب صحیح اور اللہ کی جانب سے ہے تو اس کی مزید وضاحت کی جائے گی اور اگر شیطان کی طرف سے ہے تو وہ دوبارہ لوٹ کر نہ آئے گا۔ آپ سو گئے تو پھر وہی خواب دیکھا اور اس میں نام کی مزید وضاحت کی گئی اور جب آپ نے اس حکم پر عمل کیا تو اسے پورے طور پر سچ اور صحیح پایا اس لیے یہ یقیناً بذریعہ خواب وحی تھی۔

القاء یا الہام

کسی کے دل میں کوئی صحیح بات ڈال دینا القاء یا الہام کہلاتا ہے۔ اصطلاحاً اللہ کا کسی درست اور صحیح بات کو اچانک دل میں ڈال دینا القاء والہام کے معنی میں ہے۔ یعنی جب اللہ کا کوئی نیک بندہ کوئی غلط قدم اٹھانے والا ہو اور اللہ نہ چاہتا ہو کہ وہ ایسا کرے تو وہ اچانک ایک خیال اس کے دل میں ڈال دیتا ہے جس کے سبب وہ غلط اقدام سے رک جاتا ہے اور اللہ کی مرضی کے مطابق کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ القاء یا الہام بھی وحی کی تعریف میں شامل ہے بلکہ اسے بھی وحی ہی کہا جاتا ہے۔

سورہ قصص میں ہے ''واوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیہ'' اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ ''تم اس کو دودھ پلاؤ''۔ یہاں وحی القاء والہام کی شکل میں ہے یعنی ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اپنے بیٹے موسیٰ کو دودھ پلائیں۔ اسی طرح یہ آیت ''وما کنت ترجوا ان یلقیٰ الیک الکتاب'' ''اے محمدؐ تم یہ توقع نہیں کرتے تھے کہ تم پر یہ کتاب قرآن القاء کی جائے گی''۔ یہاں القاء وحی کے معنی میں ہے جس کا مطلب یہ نکلا کہ القاء والہام بھی وحی کی قسم ہیں۔

ابن عربی لکھتے ہیں: ''اور وحی کی ایک قسم الہام ہے جو اللہ تعالیٰ کسی سبب کو ظاہر کیے بغیر دل میں پیدا کرتا ہے''۔ (احکام القرآن جلد، ص: ۱۷)

حافظ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں۔ ''وحی کی دوسری قسم یہ ہے کہ آپؐ کے قلب مبارک میں کلام الٰہی پھونک دیا جاتا تھا۔'' (الاتقان جلد: ۱، ص: ۴۴)

شیخ بوعلی سینا کہتے ہیں۔ ''اگر یہ القاء بحالت بیداری ہو تو اسے وحی کہتے ہیں۔ اگر بحالت خواب ہو تو اس کو نفث فی الروع کہا جاتا ہے۔'' (دائرہ المعارف، ص: ۳)

ابو اسحاق کہتے ہیں: ''وحی کی اصل تمام لغات میں مخفی طور پر کسی کو کوئی بات معلوم کرانا ہے اسی لیے الہام وحی کہا جاتا ہے۔'' الازہری کہتے ہیں۔ ''اشارہ اور ایما دونوں وحی کے نام سے موسوم ہیں''۔ (قرآن مجید کا نزول اور وحی)

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبدالمطلب پر القاء یا الہام

جب آپ رویائے صادقہ کے مرحلے سے گزر گئے اور آپ کا قلب اللہ کی طرف منعطف ہوگیا تو تمام احکام اور منشائے الٰہی آپ کے دل میں بذریعہ القاء وحی کیے گئے۔ یہ سلسلہ آپ کی عمر کے آخری دو سال سے قبل تک جاری رہا۔ زمزم سے اسلحہ برآمد ہونے پر جب قریش نے جھگڑا کیا تو قرعہ اندازی پر رضامندنہ ہوئے اور عرافہ سے فیصلے کیلئے امعان گئے تو راہ میں پانی نہ ہونے کے سبب آپ اور آپ کے ساتھی زندگی سے مایوس ہو کر موت کے انتظار میں بیٹھ گئے قبریں تک کھود لیں یہ امر منشائے الٰہیہ کیخلاف تھا۔ اس موقع پر ایک نیا ارادہ اچانک آپ کو القاء کیا گیا اور آپ نے پہلے حکم کیخلاف اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ اس سے منشائے الٰہی یہ تھا کہ چشمہ برآمد ہو اور قریش خود حضرت عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ تسلیم کرلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور انہوں نے خود ہی آپکے حق میں ابے اللہ کا فیصلہ قبول کرلیا۔

آپ اپنے بیٹے عبداللہ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے پر اس قدر مصر تھے کہ تمام قریش کے روکنے اور زور دینے کی آپ نے کوئی پرواہ نہ کی اور بیٹے کو قربان کر دینے پر بضد رہے۔ جبکہ آپ کے اسی بیٹے کی صلب سے رسول اللہؐ کی پیدائش ہونا باقی تھی۔ اس لیے یہ امر اللہ کی مرضی کیخلاف تھا لیکن حضرت عبداللہ کا بچ جانا مقدر ہو چکا تھا مگر حضرت عبدالمطلب کی توجہ اپنی قسم کے پورا کرنے کی جانب زیادہ مائل تھی پھر اچانک آپ کو القاء کیا گیا آپ نے فوراً اپنا ارادہ تبدیل کرلیا۔ خزانہ کعبہ کی چوری کے موقع پر چوروں کے نام آپ کو بذریعہ الہام معلوم ہوئے اور پھر چور کے ہاتھ کاٹ دینے کی سزا آپ کو القاء کی گئی۔ جب حضرت عبداللہ بچ گئے اور ان کے بدلے ۱۰۰ اونٹ پر قرعہ نکل آیا تو آپ کو انسانی جان کی دیت سو اونٹ مقرر کرنے کا القاء ہوا۔

آپ ابرہہ سے کعبہ کا انہدام روکنے کیلئے بات کرنے گئے تھے مگر وہاں آپ نے اس کے بجائے صرف اپنے اونٹوں کی واپسی کی بات کی اچانک یہ تبدیلی القاء والہام کے ذریعے فوری طور پر ہوئی تھی۔ اسی طرح عہد جاہلیہ کی تمام رسوم میں تبدیلیاں، نئے قوانین کا اجراء، لڑکیوں کو دفن سے روکنا محرم سے شادی کی ممانعت، برہنہ حالت میں طواف سے ممانعت۔ یہ سب باتیں آپ کو القاء کے ذریعے وحی کی گئی تھیں۔ اس کا بین ثبوت عہد اسلام میں بھی ان کا رائج رہنا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ علی الاعلان ان امور کی تبلیغ نہ کرتے تھے بلکہ جس امر کیلئے القاء ہوتا وہ خود کرگزرتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب آنے والا نبی ان کا اعلان کرے تو یہ امور قریش کو گراں نہ گزریں۔

غیبی آواز سننا

غیبی آواز کے ذریعے پیغام پہنچانا بھی وحی کی تعریف میں آتا ہے۔ یہ آواز بیداری اور خواب دونوں حالتوں میں سنی جاسکتی ہے۔ اس میں آواز دینے والا نظر سے اوجھل رہتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کو طور کے قریب

بیابان میں آواز آئی تھی حضرت عبدالمطلب کو بھی ایسی ہی نادیدہ ذات کی آوازوں کے ذریعے حکم ملتا تھا۔ جب آنحضرتؐ بچپن میں گم ہو گئے تھے اور حضرت عبدالمطلب کو اطلاع ملی تھی تو آپ بڑے پریشان ہوئے اور بیت اللہ میں جا کر بازیابی کی دعا کرنے لگے۔ معارج النبوت میں اس موقع کے معاملات میں لکھا ہے۔

''عبدالمطلب مناجات میں مشغول تھے کہ انہوں نے سنا کہ منادی کرنے والا فضائے آسمان سے ندا کر رہا ہے ''محمدؐ کا پروردگار اسے ذلیل وضائع نہیں کرے گا۔'' عبدالمطلب نے (غیبی آواز سن کر) کہا اے ہاتف! وہ کہاں ہے جواب ملا ''وادی تہامہ'' میں یعنی درخت کے پاس اور واقعی آپؐ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے مل گئے''۔ (معارج النبوت، ص:۱۳۳)

آنحضرتؐ کی پیدائش کے موقع پر جب حضرت عبدالمطلب کو آپ کی پیدائش کی اطلاع ملی آپ اس وقت طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ یہ خبر سن کر پوتے کے دیکھنے کیلئے دوڑے اس موقع پر روایت وہ خود بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''میں باب بنی شیبہ سے بطحا کی طرف نکلا تو میں نے صفا کو دیکھا کہ کبھی بلند ہوتا ہے اور کبھی پست، مروہ اضطراب میں تھا اور اطراف سے آواز آتی تھی کہ اے سید قریش! کیوں خوفزدہ ہے؟ (معارج النبوت رکن دوم، ص: ۹۷)

گویا حضرت عبدالمطلب غیبی آوازیں سنتے تھے اور غیبی آواز آپ سے کلام کرتی تھی۔

صلصلۃ الجرس

یعنی وحی کا گھنٹہ کی آواز کی طرح سنائی دینا۔ یہ بھی نزول وحی کی ایک صورت ہے جو احادیث سے ثابت ہے۔ موطا اور بخاری کی متعدد احادیث میں بیان ہوا ہے کہ کبھی وحی یا فرشتہ آپکے پاس مثل صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹہ کی آواز کی طرح آتا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ آواز جھنجھناہٹ کی طرح ہوتی تھی اور بعض نے اس کی مثال بھنبھناہٹ سے دی ہے۔ جب یہ بھنبھناہٹ کی یا جھانج جیسی آواز ختم ہو جاتی تھی تو سننے والے کو وحی کا مفہوم سمجھ میں آجاتا تھا اور دل پر نقش ہو جاتا تھا۔ امام مالک ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد عروہ بن زبیر سے اور وہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''حارث بن ہشام نے نبیؐ سے پوچھا آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ تو رسول اللہؐ نے فرمایا کبھی تو وحی میرے پاس گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ وحی مجھ پر سخت ترین ہوتی ہے پھر یہ مجھ سے منقطع ہو جاتی ہے تو اس سے سب کچھ مجھ کو یاد ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ میرے پاس آدمی کی شکل میں آتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔'' (موطا و بخاری)

Presented by Ziaraat.net

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں:

''میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا یا رسول اللہؐ کیا آپ وحی کو محسوس فرماتے ہیں؟ تو رسول اللہؐ نے جواب دیا۔ میں صلصلہ (آوازیں) سنتا ہوں تو اسی وقت خاموش ہو جاتا ہوں۔

شاہ ولی اللہ صلصلہ یعنی وحی کے وقت گھنٹی کی آواز کے متعلق اظہار خیال کرتے ہیں کہ ''قوت سمع کی پراگندگی، مبہم آوازیں مثلاً طنین (جھنجھناہٹ) صلصلہ (گنگھناہٹ) اور ہمہمہ (گڑگڑاہٹ) سنائی دیتی ہے پھر جب یہ اثر کم ہو جاتا ہے تو علم حاصل ہو جاتا ہے۔ (حجتہ البالغہ) ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

''اور بعض اوقات تو نبی کے غیب کی طرف متوجہ ہونے اور حواس کے مغلوب ہو جانے کے وقت گھنٹہ کی گھنگھناہٹ کی آواز آتی ہے۔ جیسا کہ غشی کے واقع ہونے کے وقت سرخ اور سیاہ رنگ نظر آتے ہیں۔''

بعض کا کہنا ہے کہ یہ آواز فرشتہ کے پروں کی سنسناہٹ سے پیدا ہوتی تھی۔ صلصلہ کی حقیقت کیا ہے اور یہ آواز کیسی ہوتی تھی۔ اس پر حافظ سیوطی، ابن خلدون اور شیخ عبدالحق وغیرہ نے اظہار خیال کیا ہے اور انہوں نے اسے دوی یعنی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے تعبیر کیا ہے مگر یہاں ہمارا مدعا اس کی حقیقت کی تلاش اور بیان نہیں ہے۔ وحی کا گھنٹی کی آواز میں نازل ہونا ثابت ہے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ حضرت عبدالمطلب پر گھنٹی کی آواز یا بھنبھناہٹ کی آواز میں بھی وحی کا نزول ہوتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب پر صلصلۃ الجرس کے ذریعے نزول وحی کی کیفیت ڈاکٹر طٰہٰ بیان کرتے ہیں۔

''کبھی وہ طاقت ایک واضح اور نمایاں شخصیت بن کر ان کے سامنے خواب میں نمودار ہوتی تھی اور انہیں (عبدالمطلب کو) کسی خاص کام کو انجام دینے کا حکم کرتی تھی۔ کبھی وہ ندائے غیبی بن کر خواب و بیداری ہر حالت میں ان کے کانوں میں گونجتی رہتی تھی اور کسی خاص کام کو انجام دینے کا حکم دیتی تھی۔ یہ آواز مبہم اور غیر واضح ہوتی تھی تاہم اس میں ایک جلالی شان ہوتی تھی جس سے وہ مرعوب ہو جاتے تھے مگر اسے اس قدر پسند بھی کرتے تھے کہ جب کبھی یہ آواز نہیں آتی تھی تو ان پر مایوسی کی حالت طاری ہو جاتی تھی مگر جب یہ آواز آنے لگتی تھی تو اکثر ان کے کانوں میں گونجتی رہتی تھی۔

یہ آواز عام سمجھنے والے الفاظ کی طرح کانوں میں نہیں گونجتی تھی بلکہ یہ عجیب وغریب الفاظ و معنی میں گھنٹی کی طرح گونجتی تھی''۔ (نقوش سیرت حصہ اول، ص: ۳۵۔۳۶)

اس تمام گفتگو سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عبدالمطلب پر وحی نازل ہوتی تھی اور جس پر مسلسل وحی نازل ہو یعنی جو شخص وحی کا محیط ہو وہ نبی ہوتا ہے۔ ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ ''رویاء الانبیاء وحی'' یعنی انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے گویا حضرت عبدالمطلب کو وحیٔ خواب سے زمزم کا پتہ دیا گیا اور ایک دوسرے خواب سے نبی امیہ کی ظالمانہ روش کی خبر دی گئی۔

نبی کے اوصاف

علمائے مذاہب نے انبیاء کے جو اوصاف متعین کئے ہیں اور شعور جن صفات کو انبیاء سے منسوب کر سکتا ہے وہ تمام حضرت عبدالمطلب کی ذات میں پائی جاتی تھیں۔ قرآن نے بھی انبیاء و رسل کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ ان کا اطلاق بھی آپ کی ذات گرامی پر ہوتا ہے۔ نبی کی اقتاد طبع اور اس کا ذہن شروع ہی سے ایک خاص نہج پر پروان چڑھتا ہے۔ عمر کے کسی بھی حصہ میں ان اوصاف کے خلاف کوئی حرکت دیکھنے میں نہیں آتی۔ آپ کی پوری زندگی جو کتب تاریخ و سیر میں بیان کی گئی ہے۔ کسی مقام پر بھی آپ ان اوصاف سے ہٹتے نظر نہیں آتے۔ آپ نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا وعدہ خلافی نہیں کی۔ ہمسایہ کو دکھ نہیں دیا بلکہ اس کا حق ادا کیا۔ قریش اور غیر قریش کو انصاف کے معاملہ میں یکساں سمجھا۔ اپنے نفع کیلئے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کیلئے اپنا نقصان برداشت کیا۔ فساد سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ فساد کو ختم کرنے کیلئے صبر و خاموشی اور مصالحت سے کام لیا۔ دشمن کو بھی گلے لگا لیا صلہ رحمی کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا، ننگوں کو کپڑا پہنایا، مسافروں کی ہمیشہ مدد کی۔ نیکی کی ہدایت کرتے رہے۔ ایک اللہ کی عبادت کو اپنا معمول بنایا اور جو مانگا اللہ سے مانگا۔

مولانا مودودیؒ سیرت سرور عالم میں نبی و پیغمبر کی شناخت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جس طرح دوسرے علوم و فنون کے باکمال لوگ ایک خاص قسم کا ذہن اور ایک خاص قسم کی طبیعت لے کر آتے ہیں، اسی طرح پیغمبر بھی ایک خاص قسم کی طبیعت لے کر آتے ہیں۔''

ایک پیدائشی مقرر ایک پیدائشی انشا پرواز، ایک پیدائشی موجد، ایک پیدائشی لیڈر بھی اپنے کارناموں سے صاف پہچانا جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے کام میں غیر معمولی قابلیت کا اظہار کرتا ہے۔ جو دوسروں میں نہیں ہوتی۔ ایسا ہی حال پیغمبر کا بھی ہے۔ اسکے ذہن میں وہ باتیں آتی ہیں، جو دوسرے لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ اسکی نظر ایسی باریک باتوں تک خود بخود پہنچ جاتی ہے جن تک دوسروں کی نظر برسوں کے غور و فکر کے بعد بھی نہیں پہنچی۔ پھر اس کی طبیعت ایسی پاکیزہ ہوتی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں سچا اور شریفانہ طریقہ اختیار کرتا ہے۔ وہ کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔ کوئی برا کام نہیں کرتا۔ ہمیشہ نیکی اور صداقت کی تعلیم دیتا ہے اور جو کچھ دوسروں سے کہتا ہے اس پر خود عمل کر کے دکھاتا ہے۔ اسکی زندگی میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ وہ جو کچھ کہے اس خلاف عمل کرے اسکے قول و عمل میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی۔ وہ دوسروں کے بھلے کی خاطر خود نقصان اٹھاتا ہے اور اپنے بھلے کیلئے دوسروں کا نقصان

Presented by Ziaraat.net

نہیں کرتا۔ اسکی ساری زندگی سچائی، شرافت، پاک طینیتی، بلند خیالی اور اعلیٰ درجہ کی انسانیت کا نمونہ ہوتی ہے۔ جس میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ ان ہی چیزوں کو دیکھ کر صاف پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص خدا کا پیغمبر ہے۔"

(سیرت سرور عالم حصہ اول، ص ۵۹)

یہ تمام صفات حضرت عبدالمطلب میں پوری طرح موجود تھے۔

آیات و دلائل نبوت

جن انبیاء کا قرآن میں ذکر ملتا ہے۔ ان کی نبوت کے نشان اور دلائل بھی مذکور ہیں مگر بعض انبیاء کا ذکر تو ہے مگر ان کی نبوت کی پہچان کیلئے نشان یا دلائل نہیں ہیں۔ جیسے حضرت اسحاق، حضرت اسمٰعیل، حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل وغیرہ۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ ان کو کوئی ایسی نشانی عطا نہیں کی گئی جو ان کی نبوت کی دلیل ہو۔ صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام اور صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں آنحضرتؐ کا یہ قول منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

"ہر نبی کو کچھ ایسی باتیں دی گئیں جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔" جب ابتداء میں حضرت عبدالمطلب کی مخالفت کی گئی تو ہر بار ان کو نشانی دی گئی۔ مثلاً چشمہ کا پیدا ہونا، زمزم کا برآمد ہونا، عبداللہ کا قربانی سے بچنا وغیرہ۔ چنانچہ تمام قریش ماسوائے نبی امیہ آپ پر ایمان لائے اور انہوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ اللہ ابن ہاشم کے ساتھ ہے۔ دراصل حیرت انگیز اور غیر معمولی نشانیاں انہی انبیاء کو دی جاتی ہیں جن کا واسطہ سخت ترین بت پرستوں، وحدانیت کے شدید مخالفین اور منکرین و معاندین سے پڑتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ کا واسطہ جب بت پرست فرعون سے پڑا تو عصائے موسیٰ نبوت کا نشانہ بنا۔

علامات نبوت

علامہ شبلی نے قرآن کریم سے نبوت کی یہ علامات اخذ کی ہیں۔

"وہ (نبی) آیات الٰہی تلاوت کرتا ہے۔ زنگ آلود نفوس اور سیاہ کار قلوب کو جلا دیتا ہے لوگوں کو کتاب و حکمت اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ اچھی باتوں کو پھیلاتا اور برائیوں سے روکتا ہے۔ وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے۔ وہ قوموں کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان کے پاؤں کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالتا ہے۔ وہ خدا کا گواہ بن کر اس دنیا میں آتا ہے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے۔ نیکوکاروں کو بشارت سناتا ہے۔ بدکاروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے اور اس ظلمت کدہ عالم میں وہ ہدایت کا چراغ بن کر چمکتا ہے۔"

(سیرت النبی جلد ۳۔ ۲۴۶)

قرآن کی اس آیت سے جس میں کہا گیا ہے۔ "اے محمدؐ! تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم میں ایک

ہادی گزرا ہے۔ (منذر و ہاد) تو اس وقت قریش کے ہادی اول حضرت عبدالمطلب قرار پاتے ہیں۔

قرآن میں انبیا کے اوصاف

قرآن کی متعدد آیات سے انبیاء کے اوصاف کا علم ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ اور اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کیجئے بیشک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔ (مریم۔۴۱)
۲۔ اور اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجئے وہ ایک چیدہ انسان تھا اور رسول و نبی تھا۔ (مریم۔۵۱)
۳۔ اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے وہ وعدہ کا سچا اور رسول و نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کو نماز، روزہ زکوۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا۔ (مریم۔۵۴تا۵۶)
۴۔ اور اس کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے۔ وہ ایک راست باز انسان اور رسول و نبی تھا۔ (مریم۔۵۷)
۵۔ لوط کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا وہ صالح لوگوں میں سے تھا۔ (الانبیاء)
۶۔ اور یہی نعمت ہم نے اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کو دی کہ یہ سب صابر لوگ تھے اور ان کو ہم نے رحمت میں داخل کیا کہ وہ صالحین سے تھے۔ (الانبیاء)
۷۔ یہ لوگ نیکی کے کاموں میں کوشش کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے رہتے تھے۔ (الانبیاء۔۹۰)

مذکورہ آیات سے انبیاء کے اوصاف میں راست بازی، وعدہ کی پختگی، پسندیدگی، نیکی، صبر و استقامت، نیکی میں سبقت، خوف الٰہی وغیرہ کا پتہ چلتا ہے اور یہ سب اوصاف حضرت عبدالمطلب کی ذات میں چھپے تھے۔

احادیث میں مومن کی صفات

رسول اللہؐ نے فرمایا:

۱۔ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں اس کی اصل یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو معبود نہ مانو۔
۲۔ مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جان و مال کیلئے خطرہ نہ ہو۔
۳۔ اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانتداری نہیں، اور وہ شخص بے دین ہے جو عہد کا پابند نہیں۔
۴۔ ایمان تحمل اور فراخدلی کا نام ہے۔
۵۔ ایمان کی بہترین حالت یہ ہے کہ تیری دوستی اور تیری دشمنی دونوں خدا کیلئے ہوں۔ تیری زبان پر خدا کا نام ہو اور دوسروں کیلئے تو وہی پسند کرے جو اپنے لئے اور دوسروں کیلئے وہی ناپسند کرے جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

۶۔ سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور جو اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔

۷۔ مومن کبھی طعنے والا، لعنت کرنے والا، بدگو اور زبان دراز نہیں ہوتا۔

۸۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں جس کی بدی سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو۔

۹۔ جو شخص خود پیٹ بھر کر کھالے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے وہ مومن نہیں ہے۔

۱۰۔ جو شخص اپنا غصہ نکالنے کی طاقت رکھتا ہو اور پھر ضبط کر جائے وہ مومن ہے۔

قرآن اور احادیث سے انبیاء اور مومن کے جو اوصاف ہمیں معلوم ہوئے وہ سب حضرت عبدالمطلب میں پائے جاتے تھے۔

انبیاء کے فرائض

مشیت الٰہیہ انبیاء پر جو فرائض عائد کرتی ہے۔ وہ سب حضرت عبدالمطلب نے ادا فرمائے ہیں۔ ایک نبی کا فرض ہے کہ وہ اپنی قوم کو بھولا ہوا سبق یاد دلائے۔ آپؑ نے قریش کو وحدانیت کی طرف توجہ دلائی۔ نبی کا فرض ہے کہ وہ اپنی قوم کو ایک خدا کی پرستش کی طرف لائے؟ حضرت عبدالمطلب نے انتہائی خوبصورتی سے قریش کو ایک خدا کی طرف پلٹایا اور ان کے دلوں میں بتوں سے نفرت پیدا کر دی۔ اور انہیں آہستہ آہستہ شرک سے دور لے گئے۔ آپ نے ان میں سے جاہلانہ اور بت پرستانہ مذہبی رسموں کو دور کیا۔ اور دین سے قریب تر رسموں کو ان میں رواج دیا قریش کو زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ بتایا جو اللہ کی مرضی کے عین مطابق تھا، آپ نے ان کے لئے نئے قانون وضع کئے، اور ان پر عمل کرنے کا عادی بنایا غرض قریش کو آپ رات کے اندھیرے سے صبح کے اجالے کی طرف لے آئے۔ جہاں سے انہیں اب دن کی روشنی کی طرف قدم بڑھانا تھا۔

جب یہ تمام اوصاف آپ میں پائے جاتے تھے اور وحی کا نزول بھی آپ پر ثابت ہے تو اب یہ امر تصفیہ طلب باقی رہ جاتا ہے کہ:۔

حضرت عبدالمطلب نبی تھے یا نہیں؟

حضرت عبدالمطلب نبی تھے:

آپ کے حالات زندگی کے قرائن اور تاریخی شواہد اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے نبی تھے۔ آپ نے وہی فرائض اپنی زندگی میں انجام دیئے جو ایک نبی پر مشیت الٰہی عائد کرتی ہے۔ آپ کو جو ایک مخصوص مشن سونپا گیا تھا۔ آپ نے اس کو بھی بخیر وخوبی انجام دیا پہلے سچے خواب کے بعد تمام زندگی القاء، الہام، صدائے غیبی اور گھنٹیوں کی جھانج میں وحی کے نزول کا سلسلہ قائم رہا، اور ان ذرائع سے آپ کو پیغام خداوندی پہنچائے جاتے رہے۔

تاریخ کا غلط فیصلہ

اس کے باوجود تاریخ آپ کے اس منصب کے متعلق فیصلہ صادر کرنے میں خاموش ہے، یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے آپ کے حق میں فیصلہ محفوظ رکھا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔ اس قدر جاننا ضروری ہے کہ بنو اسمٰعیل میں صرف حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد کبھی کوئی نبی یا رسول نہیں آیا، وہ ایک مدت دراز تک اپنے مذہب اور عقیدہ سے ہٹے رہے اور بت پرستانہ رسم ورواج سے منسلک رہے۔ طویل مدت تک ان کے گردونواح بت پرست اقوام آباد رہیں۔ اس لئے نہ تو قریش نبوت کے اثرات سے واقف تھے اور نہ ہی نبی کے خصائص واوصاف سے باخبر تھے۔ یہی بڑی وجہ تھی کہ قریش حضرت عبدالمطلب کو نبی کے معنی و مفہوم اور حیثیت میں پہچاننے سے قاصر رہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ قریش نے اپنی آنکھوں سے وہ کمالات دیکھے تھے، بیابیان میں چشمہ کا جاری ہونا انہوں نے دیکھا اسی بنیاد پر انہوں نے زمزم آپ کی ملکیت تسلیم کرلیا، اور راستہ ہی سے مکہ واپس لوٹ آئے اور پھر کبھی آپ سے جھگڑا کرنے کی جرأت نہیں کی۔ انہوں نے قرعہ اندازی کے وقت ہی اندازہ کرلیا تھا کہ خدا آپ کے ساتھ ہے۔ وہ تسلیم کرتے تھے کہ اللہ کی مہربانیاں آپ کی ہمہ وقت مددگار ہیں، وہ ہر طرح آپ کے مطیع تھے۔ آپ کی شان وشوکت، رحمدلی، سخاوت وغیرہ سب کچھ دیکھتے تھے۔ مگر انہیں کبھی آپ کے نبی ہونے کا خیال تک نہ آیا، اگر ایسا ہوتا تو ضرور ان میں سے کوئی ایک اس کا اظہار کرتا اور پھر یہ بات شہرت پاتی اور آپ ایک نبی کی حیثیت سے مشہور ہوتے۔ مگر قریش نبی یا نبوت سے ہرگز واقف نہ تھے۔ وہ آپ کی باتوں اور کاموں پر حیرت ضرور کرتے تھے مگر ان کا ذہن اس طرف مبذول نہیں ہو پاتا تھا کہ آپ ایک نبی کے درجہ پر فائز انسان ہیں۔ بلکہ ان کا نظریہ تو یہ تھا کہ انسان نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ نبی تو صرف فرشتہ ہوسکتا ہے۔ پھر وہ نبی سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ پہاڑ کو سونے میں تبدیل کردے اور جب چاہے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹادے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنی نبوت کا اظہار خود کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا جواب گذشتہ صفحات میں مختصراً گزر چکا ہے۔ یہاں صرف اس قدر کہنا ہی مناسب ہے کہ قریش اور گردونواح کے قبائل نبوت کے مقابلہ میں کہانت سے زیادہ واقف تھے۔ شیطان کے وجود کو تسلیم کرتے تھے کاہن کے اوصاف سمجھتے تھے اور کاہن کی انہیں پہچان بھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے شیطان کاہن کے تابع ہوتا ہے اور وہی ان کو غیب کی باتیں بتاتا ہے۔ اگر حضرت عبدالمطلب اپنے نبی ہونے کا اظہار کرتے تو قریش آپ کو فوراً کاہن کہتے اور یہ سب امور جو آپ نے انجام دیئے شیطان کی کارستانی سمجھے جاتے۔ قریش آپ کی کوئی بات نہ مانتے اور آپ کا مشن ناکام ہوجاتا، آپ نے دیکھ لیا جب آنحضرتؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو دشمن فریق کو موقع ہاتھ آیا، اور اس نے تمام قریش کو یہ کہہ کر شک وشبہ میں ڈالدیا کہ یہ نبی نہیں کاہن ہے۔ اس کے تابع شیطان ہے جو اسے یہ باتیں سکھاتا ہے۔ اور کبھی جادوگر کہا۔

Presented by Ziaraat.net

پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل جن میں پے در پے انبیاء آئے ان میں بیشتر نے خود کو نبی ظاہر نہیں کیا۔ بنی اسرائیل میں بھی کہانت کا وجود تھا۔ ان میں بھی کاہن ہوتے تھے۔ لیکن وہ کاہن اور نبی میں فرق بھی جانتے تھے اور ان میں تفریق کرتے تھے۔ اسلئے کہ وہ نبوت اور نبی کے اوصاف و قرائن سے واقفیت رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ ایسے نبی کیلئے جو نبوت کا اظہار یا دعویٰ نہیں کرتا تھا مگر اس میں نبی کے اوصاف موجود ہوتے تھے، مرد خدا، غیب ہیں اور مرد صالح کے نام سے یاد کرتے تھے۔ کاہن نہیں کہتے تھے۔

یہ دو بڑی اور واقعی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے نہ قریش نے آپ کو نبی سمجھا اور نہ آپ نے خود اس کا اظہار کیا۔ ورنہ آپ کا مدعا فوت اور مشن تباہ ہو جاتا۔

اس کی ایک وجہ علمائے تاریخ و سیر کی وہ عصبیت بھی ہے جو انہوں نے روایات کے ابتدائی دور کے حالات سے متاثر ہو کر اور عقائدی چپقلش کی بنا پر اختیار کر لی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک فریق جن حضرات کی فضیلت کا دعویٰ لیکر کھڑا ہوا ہے۔ ان کی فضیلت کا ڈنکا بجنے لگے۔ لہٰذا کسی اہل قلم کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ آنحضرتؐ کے خاندانی افراد کی مسلمہ فضیلت پر قلم اٹھائے اور ان کے ساتھ انصاف سے کام لے کتب سیرت میں آپؐ کے دادا اور چچا کا نام صرف آپ کی پرورش اور تربیت کے ضمن میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذکر حتی کہ ان دونوں حضرات نے آپ کی پرورش و تربیت میں کتنے مخدوش امور انجام دیئے اور کن مشکلات سے گزر کر آپ کو پروان چڑھایا اس کا بیان تفصیل سے نہیں کیا جاتا کہیں ایسا نہ ہو کہ نبوت کے پروان چڑھانے میں آپ کے اعزا کا تعلق ثابت ہو جائے اور جن مخالف اور دشمن لوگوں کو نبی کا مددگار وہ ثابت کرتے ہیں اس کا پول کھل جائے۔ ایسی حالت میں کس کو غرض اور وقت ہے کہ وہ ان نفوس پر تحقیق کی نظر ڈالے اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرے۔ برخلاف اس کے یہ ضرور دیکھنے میں آیا کہ ان ہی حضرات کو کافر و مشرک ثابت کرنے میں انہوں نے اپنا کثیر وقت صرف کیا۔ اس مقصد کیلئے بیشمار روایتیں وضع کیں۔ احادیث میں تغیر و تبدل کیا۔ تفاسیر میں توجیہات وغیرہ کو داخل کیا۔ ان اہل قلم کے اس مزاج کا اس وقت پتہ چل جاتا ہے جب یہی لوگ غیر ارادی طور پر اس کا خود ہی اقرار کر جاتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں وحی کے زیر عنوان ان حضرات کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جب وہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب پر وحی خفی کا نزول برابر ہوتا رہا تو اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ مشرک و کافر پر بھی اللہ وحی بھیجتا ہے۔

شیاطین کا وحی کرنا

علمائے اسلام نے شیاطین کا وحی کرنا تسلیم کیا ہے اور یہ قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہم پہلے ہی نبوت و کہانت کا ذکر تفصیل سے کر چکے ہیں۔ بنی اسرائیل ان دونوں میں فرق کرتے تھے۔ جبکہ قریش اس سے معذور تھے۔ اسی لئے قرآن نے بھی اس فرق کو واضح کر دیا ہے۔ شیطان کا وحی کرنا نیک امور میں نہیں ہوتا نہ بنی نوع انسان کے مفاد میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے کہا۔

''شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و شبہات القا کرتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔'' (الانعام: ۱۲۱)

لیکن حضرت عبدالمطلب پر کوئی ایسی وحی معلوم نہیں جو شیطانیت پر مبنی ہو بلکہ آپ پر وحی اس مفہوم میں تھیں۔

''ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اس (موسیٰ) کو دودھ پلاؤ پھر جب تجھے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف و غم نہ کر۔'' (القصص: ۷)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے جو حضرت موسیٰ کو پیدائش کے بعد دریائے نیل کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ اللہ کی وحی کے مطابق کیا تھا اور اللہ کو اس طرح اپنے ہونے والی نبی کی پرورش اور حفاظت منظور تھی۔ اب تصور کیجئے اس وقت کا جب حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کو قربان کرنے پر ضد کی اور اللہ کو منظور تھا کہ انہیں بچا لے کیونکہ اللہ کا رسول آپ کی صلب سے پیدا ہونے والا تھا۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کے دل میں جو کچھ القاء کیا تھا وہ بیان ہو چکا۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت عبدالمطلب پر شیطان وحی کرتا تھا یا یہ کہ جب ابرہہ کعبہ کو منہدم کرنا چاہتا تھا تو آپ نے اسے اس سے روکنے کے بجائے یہ کہہ دیا کہ ''کعبہ کا مالک خود کعبہ کی حفاظت کرے گا۔'' یہ الفاظ اچانک القا ہوئے اور سچ ثابت ہوئے پھر یہ بھی کہ قرآن، حدیث رسول اور علمائے دین نے رحمانی اور شیطانی وحی کے درمیان واضح خط تفریق کھینچ دیا ہے۔ مولانا مودودی کہتے ہیں۔

> ''ان بہت سی اقسام میں سے ایک خاص قسم وحی کی وہ ہے جس سے انبیاء علیہم السلام نوازے جاتے ہیں۔ اور یہ وحی اپنی خصوصیات میں دوسری اقسام سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ ان میں وحی کئے جانے والے کو پورا شعور ہوتا ہے کہ یہ وحی خدا کی طرف سے آ رہی ہے۔ اسے اس کے منجانب اللہ ہونے کا پورا یقین ہوتا ہے۔ وہ عقائد اور احکام، قوانین اور ہدایات پر مشتمل ہوتی ہے اور اسے نازل کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ نبی اس کے ذریعے سے نوع انسانی کی رہنمائی کرے۔'' (سیرت سرور عالم حصہ اول ۸۶)

لیکن بعد میں بنی امیہ نے حضرت عبدالمطلب پر آنے والی وحی کو شیطان سے منسوب کر کے شہرت دی وہ کہا کرتے تھے کہ ان پر شیطان وحی کرتا ہے یہی بات آنحضرت کے زمانہ میں بھی آپ سے منسوب کر کے مشہور کی گئی تھی۔ جب حضرت عبدالمطلب کو خواب میں زمزم سے متعلق وحی کی گئی تھی تب بھی ان لوگوں نے اسے شیطان سے منسوب کیا تھا اور آپ سے کہا تھا کہ انتظار کیجئے اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو پھر خواب دیکھیں گے اگر شیطان کی طرف سے ہے تو وہ دوبارہ لوٹ کر نہیں آئیگا۔ آپ نے دوبارہ خواب دیکھا اور خواب کے بعد حضرت عبدالمطلب کے قریش سے کہے گئے الفاظ یہ تھے کہ ''اللہ نے مجھے زمزم کھودنے کا حکم دیا ہے۔'' اور آپ اس کے باوجود کہ قریش آپ کا مذاق اڑا رہے تھے آپ برابر زمزم کھودتے رہے۔ اور خواب سچا ثابت ہوا۔

Presented by Ziaraat.net

علامہ ابن خلدون نے ''دوی'' یعنی بھنبھناہٹ کی آواز میں وحی انسانی شکل میں فرشتہ کی لائی ہوئی وحی میں فرق کر کے اپنا فیصلہ حضرت عبدالمطلب کے حق میں دیدیا ہے۔''

یہ معلوم رہے کہ پہلی قسم کی وحی جو حالت دوی (صلسلۃ البحرس) ہے بر بنائے تحقیق علماء، ان انبیاء کا رتبہ ہے جو رسول نہیں ہیں اور وحی کی دوسری قسم جو فرشتہ کا انسانی شکل میں آ کر مخاطب کرنے کی حالت ہے ان انبیاء کا رتبہ ہے جو رسول بھی ہیں اور اسی لئے یہ دوسری قسم پہلی قسم سے اکمل ہے۔'' (مقدمہ ابن خلدون ۹۸)

حضرت یعقوب کے متعلق ارشاد الٰہی ہے کہ آپ نے اپنے بیٹوں سے کہا۔

''انی اعلم من اللہ مالا تعلمون (یوسف: ۱۱) میں اللہ کی بتائی ہوئی باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ حضرت عبدالمطلب نے بھی وصیت کے وقت اپنے بیٹے ابو طالب سے کہا تھا۔'' میں اس فرزند (حضورؐ) کے متعلق سب سے زیادہ جانتا ہوں'' یعنی اللہ نے آپ کو حضورؐ کے متعلق بتا دیا تھا۔

اللہ خود کہتا ہے۔''وعلی اللہ مقصد السبیل و منھا جائرہ (النمل۔۹) سیدھا راستہ بتانا اللہ ہی کے ذمہ ہے جبکہ غلط راستے بھی موجود ہیں'' گویا جو کچھ اصلاحات حضرت عبدالمطلب نے اپنے دور میں کیں وہ سب اللہ کی بتائی ہوئی تھیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے انّا علینا الھدیٰ' ہدایت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف وہی وحی نازل نہیں ہوئیں جو قرآن میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ آپ کو علم دیا جاتا تھا جو قرآن میں درج نہیں۔ ایسی ہی وحی حضرت عبدالمطلب پر نازل ہوئی تھی۔

رسول اور نبی کا فرق

رسول اور نبی، رسالت اور نبوت میں کافی فرق ہے اور اس فرق کا سبب حضرت عبدالمطلب کو نبی ثابت کرتا ہے۔ یہ کہنا ہی کہ'' رسول نبی بھی ہوتا ہے جبکہ نبی رسول نہیں ہوتا۔'' دونوں میں اظہار فرق کیلئے کافی ہے۔ فرائض، منصب، نزول وحی، نفاذ شریعت اور اشاعت احکام کے اعتبار سے جو مزید فرق ہیں وہ بھی حضرت عبدالمطلب کی تائید میں جاتے ہیں۔ مثلاً رسول کا تعلق رسالت سے ہے جبکہ نبی صرف خبر سے متعلق ہوتا ہے۔ رسول، اللہ سے بالواسطہ اور بلا واسطہ پیغام وصول کرتا اور امت کو پہنچاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں نبی صرف غیب کی خبر دیتا ہے جو اسے وحی خفی سے معلوم ہوتی ہے۔ رسول حکم کرتا اور ڈراتا ہے جبکہ نبی نہ حکم کرتا ہے اور نہ عذاب کا خوف دلاتا ہے بلکہ ان احکام کی طرف توجہ دلاتا اور خود عمل کر کے انہیں رواج دیتا ہے۔ رسول شریعت لاتا اور اس کا نفاذ کرتا ہے۔ نبی اسی شریعت کو آگے بڑھاتا اور اس کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ رسول پر

کتاب نازل ہوتی ہے۔ نبی پر کتاب کا نزول نہیں ہوتا۔ رسول کے پاس فرشتہ بشکل انسان یا اپنی اصل صورت میں آتا اور کلام کرتا ہے۔ نبی پر نہ فرشتہ آتا ہے اور نہ روبرو کلام کرتا ہے۔ اسی لئے رسول نبی بھی ہوتا ہے مگر نبی رسول نہیں ہوتا ہے۔ رسول کا درجہ نبی سے بلند ہے۔ اس فرق میں جو باتیں غیر رسول سے منسوب ہیں وہ سب حضرت عبدالمطلب میں پائی جاتی ہیں۔

رسول اور نبی کی آمد کا مقصد

جب کسی قوم میں کفر و شرک، اللہ کے وجود کا انکار، بت پرستی، اور دوسری اخلاقی برائیاں اپنی انتہا کو پہنچنے لگتی ہیں۔ تو اللہ ان ہی میں سے اپنا ایک رسول مقرر کرتا ہے۔ وہ پہلے ان کی اصلاح کرتا ہے، کفر و شرک سے انہیں پاک کرتا ہے۔ نیک اعمال کی ہدایت کرتا ہے۔ نیکی کی جزا بتاتا اور بدی کی سزا سے ڈراتا ہے۔ جب وہ راہ راست پر آ جاتے ہیں تو انہیں اللہ کے احکام بتاتا اور ان پر عمل کیلئے تیار کرتا ہے۔ یعنی شریعت الٰہیہ کا نفاذ کرتا ہے۔ اپنی ذات کو بطور نمونہ و مثال ان کے سامنے رکھتا ہے۔ پوری امت اس کے نقش قدم پر چلنے لگتی ہے۔ مگر جب یہ رسول اپنی مدت پوری کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ تو یہی لوگ کچھ عرصہ اس کی بتائی ہوئی شریعت پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ دوسری نسل جس نے رسول کو نہیں دیکھا، دین سے غیر ارادی طور پر اور لاعلمی میں انحراف کرنے لگتی ہے۔ شدہ شدہ یہی بات بالارادہ کی جانے لگتی ہے۔ اس وقت شریعت چونکہ ان کے اندر موجود ہوتی ہے اس لئے رسول کو دوبارہ آنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی بلکہ ایسے موقع پر ان ہی میں سے کسی کو نبی مقرر کر کے بھولی ہوئی شریعت یاد دلانے اور اس پر عمل پیرا کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اس لئے فرشتہ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ کام صرف خواب میں ہدایت کرنے اور بذریعہ الہام والقاء پورا ہو جاتا ہے اس حالت میں لمبے لمبے احکام یا لوگوں کے اعتراضات کے جوابات یا ان کی سمجھ سے بالا امور کی فہمائش اور تفصیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ امت کو صحیح راہ پر لے جانے اور احکام شریعت کی صحت کا احساس دلانا مقصود ہوتا ہے۔ ایک رسول یا ایک شریعت کے بعد انبیاء کا یہ تواتر قائم رہتا ہے۔ مدت مزید کے بعد جب ایک شریعت بالکل مسخ ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کی اصلاح یا تجدید نبی کے اختیار سے باہر ہو جاتی ہے تو پھر ایک رسول نئی شریعت کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ اسکے بعد پھر انبیاء کا تواتر جاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اس دنیا میں کم آئے ہیں اور انبیاء بہت زیادہ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ بقولے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا میں رسول چند ہیں۔ انبیاء اکثریت میں ہیں۔

صدقہ نہ کھانا علامت نبوت

حضرت سلمان فارسیؓ نے بیان کیا کہ عموریہ کے ایک بزرگ پادری نے مجھے بتایا تھا کہ'' عنقریب ایک پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کے دین وملت پر سرزمین عرب میں مبعوث ہوگا۔ اس پیغمبر کی نبوت کی نشانی یہ ہوگی

Presented by Ziaraat.net

کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا مگر صدقہ نہیں کھائے گا۔'' سلمان فارسیؓ کہتے ہیں میں نے مدینہ میں حضور کو ان دو نشانیوں سے پہچانا تھا۔'' (سیرت سلمان ۴۵)

سلمان فارسیؓ کی یہی روایت حضرت عبدالمطلب کے نبی ہونے کی دلیل بنتی ہے۔ کیونکہ صدقہ کی ممانعت حضرت عبدالمطلب ہی نے عبداللہ کے بدلے سو اونٹ کی قربانی کے موقع پر اپنے خاندان کو کی تھی اور یہ نشان آپ کو القاء کیا گیا تھا۔

اسی لئے آنحضرتؐ نے بھی اپنے خاندان پر صدقہ حرام کر دیا تھا۔ اسلئے خاندانِ نبوت کا کوئی فرد صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا۔ ایک بار ابن زمہ بن حارث بن عبدالمطلب اور فضل بن عباس بن عبدالمطلب نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے۔ آنحضرت کی خدمت میں درخواست کی کہ اب ہماری عمر نکاح کے قابل ہوگئی ہے۔ ہم کو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجئے کہ اس کے معاوضہ سے نکاح کیلئے سرمایہ مہیا کر لیں، لیکن آپؐ نے فرمایا۔ ''صدقہ آل محمدؐ کیلئے جائز نہیں وہ لوگوں کا میل ہے''۔ (صحاح کتاب الصدقات، سیرت النبی جلد دوم: ۹۷)

روایت میں آل محمدؐ کا لفظ ہے جبکہ دونوں درخواست کنندگان محمدؐ کی آل میں شامل نہیں ہیں بلکہ وہ دونوں عبدالمطلب کی آل میں شامل ہیں۔ اس کے صاف معنی یہ ہوتے ہیں کہ خاندان عبدالمطلب پر صدقہ حرام تھا آل محمدؐ بھی اسی میں شامل ہے اور یہ حضرت عبدالمطلب کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

نبی کا خصوصی منصب

کسی ایک نبی کا خاص منصب و فرض بھی ہوتا ہے جس کی جانب علماء نے کبھی توجہ نہیں دی، یہی وجہ ہے یہ فریضہ انبیاء کے فرائض کے بیان میں نظر سے نہیں گزرا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ فریضہ تمام انبیاء سے متعلق نہیں ہوتا، یہ فرض اور یہ منصب صرف اس نبی سے متعلق ہوتا ہے جو کسی آنے والے رسول سے متصل قبل کی مدت میں نبوت کیلئے منتخب کیا جاتا ہے۔ ایسے نبی کے فرائض میں دیگر مشترکہ فرائض کے ساتھ حقیقی اور خصوصی فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ آنے والے رسول کیلئے راہ ہموار اور اسکے نفاذ شریعت میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو دور کر دے، اس موجودہ امت کے اذہان و تصورات کو اس عمدگی اور نامعلوم و غیر محسوس طور پر بدل دے کہ وہ آنے والی یقینی تبدیلیوں کو قبول کر لیں اور خوش آئند مستقبل کا ایسا تصور قائم کر دے کہ وہ لوگ نہ صرف آنے والے رسول کی تمنا اور انتظار کرنے لگیں بلکہ زندگی میں اس کے ظہور کی دعائیں کریں۔

اگر غور کیا جائے اور رسولان سلف کے حالات اور ان کی آمد سے متصل زمانے کے واقعات پر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ امر ظاہر ہونے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی کہ ایک رسول کے آنے سے قبل موجود حالت میں تغیر لانے کی کوشش کی گئی ہے، خواہ وہ تغیر حالات کے انقلاب کی بناء پر ہو یا کوئی نبی یہ تغیر لایا ہو اور یا پھر آنے والے رسول نے خود ہی یہ فرض بھی انجام دیا ہو یعنی پہلے اس نے امت میں تغیر پیدا کیا پھر احکامات پر عمل کرایا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے یہ عمل خود کیا منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد اپنے معاشرہ میں تبدیلی کی کوشش کی نمرود کے سبب ناکامی ہوئی تو اپنے خدا کے حکم سے آپ نے ہجرت کی۔

''اور خداوند نے ابرام (ابراہیم) سے کہا کہ تو اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر اس ملک میں جا جو میں تجھے دکھاؤں گا اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ (کتاب پیدائش ۱۲، ص: ۱ تا ۳)

حضرت ابراہیمؑ بابل چھوڑ کر فلسطین کے مقام کنعان کے جنوب میں آباد ہو گئے یہاں حتی قبیلہ آباد تھا اور سورج کی پرستش کرتا تھا تاریخی قحط کے بعد آپ حبرون کے علاقے میں منتقل ہو گئے جسے بعد میں ''الخلیل'' کہا گیا، یہاں آپ نے بت پرست ہمسایہ قوم میں آہستہ آہستہ تغیر پیدا کیا۔ کچھ حالات کے انقلاب نے ان پر حضرت ابراہیمؑ کا رعب قائم کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جب آپ کی روحانیت سے مرعوب ہو گئے اور حالات نے ان پر یہ ثابت کر دیا کہ آپ جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں اس میں برکت ہوتی ہے اور آپ کا خدا آپ کے ساتھ ہے تب آپ نے احکام دینے شروع کیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت سے پہلے حالات کے انقلاب سے بنی اسرائیل میں تغیر پیدا ہوا، پھر حضرت موسیٰ نے خود بنی اسرائیل کی لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی طبیعت کو قابو کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت یوشع

Presented by Ziaraat.net
Saheed-e-Sakina (SA)

بن نون آپ کی مدد کرتے رہے، پھر آپ کی رسالت میں حضرت ہارونؑ کو مددگار قرار دیا گیا اور آپ بنی اسرائیل کو بت پرستانہ ماحول مصر سے نکال لانے میں کامیاب ہو گئے اور جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کلی اعتبار کرنے لگے تو سفر کے دوران طور کے دامن میں جب وہ خیمہ زن تھے شریعت کے احکام نازل ہوئے۔ بنی اسرائیل نے ان احکام پر عمل کا وعدہ کیا مگر اپنی غیر مستقل طبیعت کی بناء پر آئے دن اپنے قول وقرار سے پھرنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کی اس متغیر طبیعت پر بھی آخر کار قابو حاصل کیا اور پوری شریعت کا نفاذ عمل میں آیا۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ سے بڑا کسی رسول یا نبی کو ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ لیکن جب موسوی شریعت میں بھی تغیر وتبدل ہو گیا، شریعت آپ کی وفات کے بعد نا کام رہ گئی اور عمل اس کیخلاف ہونے لگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بے شمار نبی بھیجے گئے تا کہ وہ شریعت موسوی کا اجراء جاری رکھیں مگر آخر میں سب کچھ اس حد تک بدل گیا کہ ایک رسول بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔

حضرت عیسیٰ کی آمد سے پہلے بنی اسرائیل کے حالات خرابی کی حدود سے تجاوز کر چکے تھے۔ انکے احبار نے ہیکل پر قبضہ کر رکھا تھا، فقیہ اپنی مرضی سے احکام شریعت نافذ کرتے تھے، کاہن نذر کا مال ہضم کر جاتے تھے۔ غرض شریعت موسوی کا کوئی ضابطہ قانون اور حکم اپنی اصل صورت میں نافذ العمل نہ تھا۔ اس کی تصدیق اناجیل اربعہ کے مضامین سے ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے پاس بخت نصر کے حملہ کے بعد توریت تحریری شکل میں موجود نہ تھی، وہ اس افراتفری میں مفقود ہو چکی تھی پھر اس پر بھی برائی یہ آ گئی تھی کہ بنی اسرائیل اس وقت رومی حکومت کے غلام تھے اس لئے ایک صاحب کتاب رسول کی ضرورت پیش آئی، لیکن ان بگڑتے حالات میں صرف رسول پہلے انکی برائی دور کرے پھر نفاذ شریعت کرے اور یہ ممکن نہ تھا اس لئے کہ ایسا کرنے میں مدت درکار تھی اور حضرت عیسیٰ کی مدتِ رسالت بہت تھوڑی مقرر تھی، یعنی صرف تین سال اس لئے ان سے پہلے ایک نبی کو اس لیے بھیجا گیا کہ وہ پہلے راہ ہموار کرے پھر رسول بھیجا جائے۔ رسول سے پہلے آنے والے یہ نبی حضرت یحییٰ تھے جنہیں انجیل نے ''یوحنا'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ایسا ہونے کی خبر یسعیاہ نبی نے پہلے ہی دے دی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ایک نبی آئے گا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے نفاذ کیلئے راہیں ہموار کریگا۔ مرقس کی انجیل میں یوحنا کے متعلق ہے۔

''جیسا یسعیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں، جو تیری راہ تیار کرے گا، بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو اس کے راستے سیدھے بناؤ۔ یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا تھا۔''

(مرقس، باب:۱، نشان ۱تا۳)

لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے آنے والے نبی یوحنا کے متعلق اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

''فرشتہ نے اس سے کہا اے زکریا خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی اور تیرے لیے تیری بیوی الیشبع کے بیٹا ہوگا تو اس کا نام یوحنا رکھنا اور وہ بہت سے بنی اسرائیل کے خداوند کی طرف جو ان کا خدا ہے پھیرے گا اور وہ ایلیا کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا اور خداوند کیلئے ایک مستعد قوم تیار کرے گا۔''

(لوقا، باب:۱، نشان ۱۳تا۱۷)

لوقا ہی کی انجیل میں یوحنا کی پیدائش کے بعد ختنہ کی رسم کے موقع پر حضرت زکریا کی زبان سے ادا کردہ یہ الفاظ موجود ہیں۔

''اور اے لڑکے (یوحنا) تو خدائے تعالیٰ کا نبی کہلائے گا کیونکہ تو خداوند[1] کی راہیں تیار کرنے کو اس کے آگے آگے چلے گا تا کہ اس کی امت کو نجات کا علم بخشے۔''

(لوقا باب:۱، نشان : ۷۶-۷۷)

یہ سب کچھ صرف بطور پیش گوئی نہیں تھا بلکہ بطور واقعہ بھی تھا۔ چنانچہ یوحنا نے اپنی آمد کے بعد اس کا اقرار کیا اور لوگوں پر واضح کیا کہ میں صرف اپنے بعد کے رسول کی راہ ہموار کرنے آیا ہوں۔ جب حضرت عیسیٰ نے بپتسمہ دینا شروع کیا اور یوحنا کے شاگردوں کو اس کا علم ہوا تو وہ یوحنا کے پاس آئے اور پوچھا۔

''ربی! (اے استاد) جو شخص یردن کے پار تیرے ساتھ تھا اور جس کی تو نے گواہی دی ہے وہ بپتسمہ دیتا ہے اور سب اس کے پاس آتے ہیں یوحنا نے جواب میں کہا۔ انسان کچھ نہیں پا سکتا جب تک اسے آسمان سے نہ دیا جائے تم خود میرے گواہ ہو کہ میں نے تم سے کہا تھا میں مسیح نہیں ہوں مگر اس کے آگے بھیجا گیا ہوں (تا کہ اس کی راہ ہموار کروں)۔''

(یوحنا باب : ۳، نشان : ۲۶ ـ ۲۹)

''یوحنا نے ان سے کہا، میں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں تمہارے درمیان ایک شخص کھڑا ہے جسے تم نہیں جانتے یعنی میرے بعد آنے والا جس کی جوتی کا تسمہ میں کھولنے کے لائق نہیں۔''

(انجیل یوحنا، باب:۱، نشان ۲۶تا۲۸)

یہ اس وقت کی بات ہے جب یوحنا یردن کے پار بیت عینیاہ میں بپتسمہ دیتے تھے۔ ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تبلیغ کا آغاز نہیں کیا تھا یوحنا ہی کی انجیل میں یوحنا (یحییٰ) کے یہ الفاظ موجود ہیں۔

''یوحنا نے اس (حضرت عیسیٰ) کی بابت گواہی دی اور پکار کر کہا یہ وہی ہے جس کا میں نے ذکر کیا جو میرے بعد آیا ہے وہ مجھ سے مقدم ٹھہرا کیونکہ وہ مجھ سے پہلے تھا''۔

(یوحنا کی انجیل، باب: ۱، نشان :۱۵)

صرف اسی قدر نہیں بلکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تبلیغ کا آغاز کیا اور لوگوں کو بپتسمہ

[1] یہاں خداوند سے مراد ''خدا'' نہیں عیسیٰ ہیں۔ خداوند آقا کے معنی میں آتا ہے۔

Presented by Ziaraat.net

دینا شروع کر دیا اور لوگ آپ کے گرد جمع ہونے لگے اور آپ پر ایمان لے آئے تو آپ نے بھی اپنے سے پہلے آنے والے کی تصدیق کی اور جس مقصد کیلئے وہ آیا تھا اس کی وضاحت فرمائی۔ یوحنا (یحییٰ) جب حاکم وقت کی قید میں تھے، آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی اطلاع آپ کے شاگردوں نے دی اس وقت آپ نے شاگردوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ معلوم کرانے بھیجا کہ یہ وہی نبی ہے جس کی آمد کی وہ اطلاع دیتے تھے یا کوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں بتا دیا کہ میں وہی ہوں۔ جب وہ چلے گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے اپنے گرد جمع لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''تم بیابان میں کیا دیکھنے گئے تھے، کیا ایک نبی کو؟ ہاں میں تم سے کہتا ہوں۔ بلکہ نبی سے بڑے کو یہ وہی ہے جسکی بابت لکھا ہے کہ دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا۔'' (لوقا باب: ۷، نشان: ۲۴-تا-۲۷)

ہجوم سے مخاطب ہو کر آپ کا یہ کہنا کہ تم بیابان میں کیا دیکھنے گئے تھے کیا ایک نبی کو؟ یہ اس لیے کہا تھا کہ یوحنا (یحییٰ) کی پرورش جنگل میں ہوئی تھی وہ دنیا ترک کر کے جنگل میں رہنے لگے تھے وہ ٹڈیاں اور شہد پر گزارہ کرتے تھے، وہیں نبوت ملی اور تبلیغ کا حکم ہوا لوگ انہیں دیکھنے بیابان میں جاتے تھے وہیں ان لوگوں کو تبلیغ شروع کی اور یہ کہا:

''خداوند کی راہ تیار کرو اس کے راستے سیدھے بناؤ، ہر ایک گھاٹی بھر دی جائے گی، اور ہر اک پہاڑ اور ٹیلہ نیچا کیا جائے گا اور جو ٹیڑھا ہے سیدھا اور جو اونچا نیچا ہے ہموار راستہ کیا جائے گا اور ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا۔''

(لوقا کی انجیل باب: ۳، نشان: ۴تا۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یوحنا (یحییٰ) دونوں ہم عصر نبی ہیں، ان دونوں کی عمروں میں صرف چھ ماہ کا ہی فرق تھا ایک طرح دونوں ایک ہی زمانہ میں موجود تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ دونوں کی نبوت کا وقت اور مقام ایک نہیں ہے۔ یوحنا کو تبلیغ کا حکم پہلے ملا جبکہ حضرت عیسیٰ بھی اسی علاقہ میں موجود تھے۔ انہوں نے خود کو ابھی نبی و رسول ظاہر نہیں کیا تھا لیکن جب یوحنا کی تبلیغ کامیابی سے ہمکنار ہو گئی۔ یعنی انہوں نے جب حضرت عیسیٰ کیلئے راہ ہموار کر دی اور بگڑے لوگوں نے گناہوں سے توبہ کرنا اور بپتسمہ لینا شروع کر دیا اور وہ ایک نئی شریعت کو قبول کرنے اور ایک رسول کا انتظار کرنے لگے، تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحیثیت رسول ظاہر کرنے کا حکم ہوا اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۳۰ رسال تھی اور یوحنا قید میں تھے، قید ہی میں ان کا سر قلم کر دیا گیا تھا۔

یوحنا کے تمام پیروکاروں کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ جس رسول کے آنے کی اطلاع یوحنا نے دی تھی، وہ یہی ہیں تو تمام لوگ حضرت عیسیٰ کے پیچھے ہو گئے۔ اگر چہ آپ کی مدت نبوت صرف تین سال ہے۔ یہودیوں نے آپ کی مخالفت کر کے مصلوب کرا دیا مگر وہ مقصد حاصل ہو گیا جس کیلئے آپ کو بھیجا گیا تھا۔ چونکہ آپ کی

مدت نبوت بہت قلیل تھی اس لیے پہلے آنے والے نبی کا زمانہ آپ کے زمانہ سے متصل تھا جبکہ نبوت الگ الگ تھی۔ اگر اس سے پہلے یوحنا کو نہ بھیجا جاتا تو اسی قدر مختصر مدت میں حضرت عیسیٰ کی کامیابی ممکن نہ تھی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے بہت پہلے اکثر انبیاء اور رسول آئے مگر چند نفوس کے علاوہ کوئی ایمان نہ لایا اور یہ چند نفوس بھی تھوڑی مدت میں ختم ہو گئے۔

آخری نبی کی ضرورت اور اہمیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کے پیروکاروں میں باوجود یکہ شریعت ایک تھی اور دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول اور توریت کو مانتے تھے اختلاف پیدا ہوا وہ جاری رہا اور خرابی کی منزل تک پہنچا۔ تمام یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی تسلیم نہیں کیا تھا، وہ ابھی تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بگڑی ہوئی برائے نام شریعت پر قائم تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے اپنے نبی کی بتائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا اور وہ یہودیوں کو اس اعتبار سے اچھا نہ سمجھتے تھے، دونوں نے ایک دوسرے کی اس قدر مخالفت کی کہ سیاسی اثرات نے ان کے دینی امور کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ عیسائی ضد میں اتنا آگے بڑھے کہ حضرت مریم کو خدا کی ماں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگے جو صریح شرک تھا، حتیٰ کہ ساڑھے چھ سو سال کے اندر شریعت عیسوی کا بھی وہی حشر ہوا جو شریعت موسوی کا ہوا تھا اس وقت پھر ایک رسول کے بھیجنے کی ضرورت پیش آئی اور یہ اللہ کا آخری رسول تھا۔

خواہش کے عین مطابق

آخری نبی کی آمد نبی اسرائیل کی خواہش کے عین مطابق تھی کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کے زمانہ کے بعد ایک ایسا نبی چاہتے تھے جو موسیٰ کی مانند ہو جو براہ راست خدا سے احکام حاصل کر کے ان تک پہنچائے اور انہیں خدا کی آواز سننی نہ پڑے اور نہ ایسی آگ کا نظارہ انہیں دیکھنا پڑے جو انہوں نے طور پر دیکھا تھا کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر پھر ایسا ہوا تو وہ سب مر جائیں گے۔

اس لیے اس رسول کے آنے کی پیش گوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کر دی گئی تھی اور اس خبر کا سلسلہ درمیان کے تمام انبیاء کے ذریعہ چلا آ رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب طور کے دامن میں بمقام حورب، قیام کے دوران اللہ نے حضرت موسیٰ کو شریعت دینے کیلئے طور پر بلایا اور بنیادی احکام کی دو تحریر شدہ پتھر کی سلیں ان کو دیں تو اس وقت بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے ضد کی کہ ہم اس خدا کو دیکھیں گے جس نے یہ احکام دیئے ہیں اور خدا کو دیکھے بغیر شریعت کو اور اسکے احکام کو نہ مانیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ تم خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ بائبل کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عرض کی اور اس خواہش کے پورا کرنے کی التجا کی۔ تو اللہ نے کہا اگر یہ نہیں مانتے تو ان سے

Presented by Ziaraat.net

کہہ دو کہ یہ آج اور کل اپنے آپ کو صاف اور پاک کریں۔ پاک صاف کپڑے پہنیں اور تین روز تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جائیں تیسرے دن وہ میرا جلال دیکھیں گے بائبل میں درج ہے۔

تیسرا دن ہوا تو علی الصبح بادل گرجنے لگے اور بجلی چمکنے لگی آہستہ آہستہ پہاڑ پر کالی گھٹا چھانے لگی اس کے بعد قرنا کی آواز اس قدر بلند ہوئی کہ اسرائیلی اپنے خیموں میں کانپ اٹھے اور خوف کے مارے باہر نہ نکلے۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام خود گئے اور انہیں سمجھا کر خیموں سے باہر لائے تمام پہاڑ دھوئیں سے بھرا تھا اور اسرائیلی خوف سے لرز رہے تھے۔ بائبل کی کتاب خروج کے الفاظ یہ ہیں۔

''کوہ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلے میں ہو کر اس پر اترا اور دھواں تندور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھ رہا تھا اور وہ سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا''۔

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو پکارا، اللہ نے جواب دیا۔ یہ جواب تمام اسرائیلیوں نے سنا۔ پھر حکم ہوا ستر نیک اور پختہ ایمان والے بزرگ اپنے ساتھ لے کر آؤ تا کہ شریعت دی جائے۔ مگر یہ ستر بزرگ پہاڑ کے دامن سے دور رہیں۔ حضرت موسیٰ پہاڑ پر گئے اللہ سے گفتگو کی پھر دیدار کی خواہش کی جواب ملا۔ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے اصرار بڑھا تو اچانک طور پر ایک شدید کڑکے سے برق کوندی جس کے اثر سے موسیٰ بے ہوش ہو گئے اور ستر بزرگ مر گئے۔ بنی اسرائیل نے بھی اس تجلی کو دیکھا۔ کتاب خروج کے الفاظ یہ ہیں۔

''اور بنی اسرائیل کی نگاہ میں پہاڑ کی چوٹی پر خدا کے جلال کا منظر بھسم کرنے والی آگ کی مانند تھا۔''

قرآن نے اسے یوں بیان کیا ہے۔

''واذ قلتم یموسیٰ ......تا......لعلکم تشکرون''

''اے نبی اسرائیل جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تمہاری باتوں پر جب تک کہ ہم خدا کو ظاہر نہ دیکھ لیں۔ سو تمہارے دیکھتے ہوئے تمہیں کڑک نے آ لیا پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تم کو زندہ کر دیا شاید کہ تم شکر گزار رہو۔

زندہ کرنے کا اشارہ ان ستر بزرگوں کی طرف ہے جو موسیٰ اپنے ساتھ پہاڑ کے قریب لے گئے تھے اور وہ آواز سن کر مر گئے تھے۔ اس واقعہ کے بیان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بنی اسرائیل اس قدر خوفزدہ ہو گئے تھے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ التجا کی تھی کہ آئندہ خدا ہمیں نظر نہ آئے اس طرح تو ہم مر جائیں گے آپ خود ہی ہم سے بات کر لیا کریں اور جو حکم ہو ہمیں بتا دیا کریں۔

''جب لوگوں نے یہ دیکھا تو کانپ اٹھے اور دور کھڑے ہو گئے اور موسیٰ سے کہنے لگے تو ہی ہم سے باتیں کیا کر ہم سن لیا کریں گے لیکن خدا ہم سے باتیں نہ کرے تا کہ یہ نہ

ہو کہ ہم مر جائیں۔

(کتاب خروج باب: ۲۰،نشان :۱۹-۲۰)

چنانچہ بنی اسرائیل کی اس خواہش پر ایک ایسا نبی بھیجنے کا ذکر واضح الفاظ میں بائبل کی کتاب ''استثنا'' کے باب: ۱۸،نشان: ۱۵تا۱۹ میں موجود ہے۔

اس واقعہ کے چالیس برس بعد حضرت موسیٰ نے یردن (دریائے اردن) کے پار ''موآب'' کے میدان میں بنی اسرائیل کو جمع کیا کیونکہ آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تھا اور آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ ''اے موسیٰ! تم اس دریائے یردن کے پار نہ جا سکو گے تمہاری موت یہیں واقع ہو گی۔ چنانچہ آپ نے وہ امور جو باقی اور ضروری تھے یہیں موآب کے میدان اور پسگہ نامی پہاڑ کی چوٹی کے قریب انجام دیئے۔ آپ نے اپنا خلیفہ حضرت یوشع بن نون کو بنایا اور بنی اسرائیل سے ان کی فرمانبرداری کی وصیت کی اس وقت آپ نے ایک طویل ترین خطبہ نبی اسرائیل کو دیا جس میں وہ تمام معجزات، اللہ کی جانب سے کی گئی مہربانیاں اور من وسلویٰ کے نزول کا ذکر کیا۔ مصر سے نکلنے کے بعد جو دشواریاں پیش آئیں اور جس طرح خدا نے انہیں بنی اسرائیل سے دور کیا اور بنی اسرائیل پر نعمتیں نازل کیں، سب بیان کر کے انہیں یاد دلائیں اور اللہ کی شریعت پر عمل کرنے کی نصیحت کی۔ اسی خطبہ میں آپ نے بنی اسرائیل کی اس خواہش کا ذکر کیا جو انہوں نے چالیس سال قبل موآب کے مقام پر شریعت دیتے وقت کی تھی کہ آئندہ خدا ہم سے بات نہ کرے ایسا نہ ہو ہم مر جائیں۔

آپ نے انہیں ان کی یہ خواہش یاد دلاتے ہوئے بتایا کہ اس وقت خدا نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کی خواہش بجا اور درست ہے، میں ان ہی کے بھائیوں میں سے ایک نبی ایسا بھیجوں گا جو تیری مانند ہو گا تمہیں چاہیے کہ تم اس نبی کی پیروی کرنا، آپ نے کہا ''اور خدا نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ میں اپنا کلام اس نبی پر نازل کروں گا اور وہی ان سے بات کرے گا اس طرح یہ اس بڑی آگ کے نظارے سے بچ جائیں گے اور انہیں مرجانے کا خوف نہ ہو گا۔ بنی اسرائیل سے کہے گئے آپ کے الفاظ بائبل میں یہ ہیں۔

''اے اسرائیل! خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی بات سننا یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو اپنے خداوند خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو گا کہ میں مر نہ جاؤں اس وقت خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں میں ان کیلئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کر دوں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا''۔

(کتاب استثنا باب: ۱۸،نشان: ۱۵تا۱۹)

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

مندرجہ بالا عبارت کے یہ الفاظ ''میں ان کیلئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری (موسیٰ کی) مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ ان الفاظ سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ آنے والے نبی کے ذریعہ شریعت ان کو اس طرح نہ دی جائے گی جس طرح حورب میں دی گئی تھی اور وہ تجلی سے خوفزدہ ہو کر مرنے کے قریب ہو گئے تھے بلکہ میں بذریعہ وحی اور فرشتہ کے توسط سے یا خود بلا واسطہ وہ احکام اس تک پہنچاؤں گا اور وہ اپنی امت سے بیان کرے گا اس کے سوا کچھ نہیں لہٰذا یہ پیش گوئی صریحاً آنحضرتؐ کے بارے میں ہے اور وہی حضرت موسیٰ کی مانند ٹھہرتے ہیں اور وہی بنی اسرائیل کے برادر قبیلے یعنی بنی اسماعیل علیہ السلام سے ہیں آنحضرتؐ نے خود کئی مواقع پر اپنے آپ کو حضرت موسیٰ کے مثل بیان کیا ہے اور حضرت علیؑ کو حضرت ہارون کی مانند بیان کیا ہے۔

قرآن نے بھی اس کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے۔

''وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی''

ترجمہ: وہ اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کرتا وہ وہی کہتا ہے جو اسے بتایا جاتا ہے۔ (سورہ النجم آیات :۳،۴)

تقریباً ایک ہزار سات سو سال بعد قرآن نے اس نبی کی وہی صفت بیان کی ہے جو حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم کے مطابق بنی اسرائیل کو بتائی تھی۔ تمام علمائے اسلام نے توریت کی اس پیش گوئی کو آنحضرتؐ ہی کے حق میں قرار دیا ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

''یہ توریت کی صریح پیش گوئی ہے جو محمدؐ کے سوا کسی اور پر چسپاں نہیں ہو سکتی،..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مستقل شریعت صرف آپؐ ہی کو دی گئی۔ اس کے عطا کرنے کے وقت کوئی ایسا مجمع نہیں ہوا جیسا حورب پہاڑ کے دامن میں بنی اسرائیل کا ہوا تھا اور کسی وقت بھی احکام شریعت دینے کے موقع پر وہ حالات پیدا نہیں کیے گئے جو وہاں پیدا کیے گئے تھے''۔

(سیرت سرور عالم حصہ اول، ص: ۶۷۹-۶۷۸)

مددگار نبی

ظاہر ہے اس پیشگوئی کے پورا کرنے کیلئے بڑے اہتمام اور پیشگی انتظام کی ضرورت تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے کیے گئے انتظام سے بھی کہیں زیادہ اس لیے کہ:

۱..... یہ بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ بنی اسماعیل سے برپا کیا جانے والا تھا جس کی مخالفت بنی اسرائیل کی طرف سے ہونا یقینی تھا۔

۲..... بنی اسرائیل صدیوں سے اپنا سبق بھولے ہوئے تھے۔

۳..... وہ نبی اور نبی کی خصوصیات سے ناواقف ہو چکے تھے۔

۴..... قریش کے حالات بنی اسرائیل سے بھی زیادہ خراب اور بدتر تھے۔

قریش منتشر تھے قبائلی تعلق منقطع تھا نظریہ وحدانیت سے دور ہو گئے تھے بت پرستی اختیار کر چکے تھے، لوٹ مار کرتے تھے، قتل و غارت، زنا، شراب نوشی ان کا روزمرہ کا معمول بن چکا تھا، کعبہ کی کوئی حرمت ان کے دل میں باقی نہ رہی تھی، برہنہ طواف کرتے تھے، کعبہ کی حدود میں زنا کے مرتکب ہوتے تھے، سنت ابراہیمی کو ترک کیے صدیاں گزر چکی تھیں، مردار کھاتے تھے، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، توہم پرستی اختیار کر چکے تھے، شیطان سے پناہ مانگتے تھے، پتھروں کی پوجا کرتے اور ان ہی سے دعائیں مانگتے تھے، محرم کو بیوی بنا لیتے تھے، غرض کہ کوئی ایسی اخلاقی پستی اور معاشرتی خرابی نہ تھی جو ان میں نہ پائی جاتی ہو۔ پھر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک صاحب شریعت قوم میں ان کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوں تو ایک نبی پہلے راہ ہموار کرنے کیلئے بھیجا جائے ایک ایسی قوم میں جو نبی اور اس کے خصائص سے واقف ہو انبیاء کو قبول کرتی رہی ہو اور ان کے بے راہ ہو جانے کی وجہ سے ان میں برپا ہونے والے نبی سے پہلے راہ ہموار کرنے کیلئے نبی بھیجا جائے اور اس کے بالمقابل ایک ایسی قوم اور ماحول میں نبی بھیجنے کیلئے کوئی مددگار بدرقہ موجود نہ ہو جس میں پہلی بار رسول آ رہا ہے اور جو کفر و ضلالت کی دلدل میں سرتاپا دھنسی ہوئی ہے اور پھر شریعت بھی مکمل اور ناقابل تردید و تبدیل دی جانے والی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے اللہ نے ایک مرد صالح کو بھیجا تا کہ وہ آنے والے نبی کی پرخار راہیں صاف کر دے مگر نہ تو اسے بحیثیت بنی قریش نے پہچانا اور نہ ہی مسلمانوں نے اس پر غور سے کام لیا اور یقیناً وہ بنی حضرت عبدالمطلب ہی ہیں جو رسالت محمدیؐ کیلئے بدرقہ کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ پیشگوئی کے مطابق آپ بھی بنی اسرائیل کے برادر قبیلے یعنی بنی اسماعیل علیہ السلام سے ہیں۔

تاریخی واقعات اور متواتر بدلتے ہوئے اس دور اور ماحول کے حالات پر نظر ڈالیں تب بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرتؐ کے آنے سے بہت پہلے اسی مقصد کیلئے اس قوم میں تبدیلیاں شروع ہو گئی تھیں، بنی خزاعہ سے خانہ کعبہ کا اقتدار قصیٰ بن کلاب کے قبضہ میں آنا کعبہ کے گرد آبادی کا تبدیل ہونا۔ دارالندوہ کا قیام اور حج کے امور میں بہتری کا قیام، قریش کے اذہان میں ارتقائی عمل کا وجود، ان کے اخلاق میں بہتر تبدیلی کی جانب رغبت اور قصیٰ سے حضرت عبدالمطلب کے زمانہ کے دوران جلد جلد بدلنے والے حالات اس امر کی کھلی دلیل ہیں کہ آنے والے رسول کیلئے ہی یہ تبدیلیاں عمل میں لائی جا رہی تھیں۔

حضرت عبدالمطلب کیلئے نبوت کی پیش گوئی

اب ہم اپنی استعداد کے مطابق اس پیش گوئی پر گفتگو کرینگے جو آنحضرتؐ کے متعلق اناجیل میں بیان کی گئی ہے اور جس میں آنحضرتؐ سے پہلے ایک نبی کے آنے کی پیش گوئی موجود ہے اس نبی کا انتظار بھی بنی اسرائیل اسی طرح کر رہے تھے جس طرح یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمدؐ کا۔ علمائے اسلام نے اس

Presented by Ziaraat.net

پیش گوئی پر بڑی طویل بحثیں کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ اس پیشگوئی میں آنحضرتؐ کی ہی طرف صریح اشارہ ہے ان کی بحث کا مرکز دراصل آنحضورؐ کی ذات اقدس ہی رہی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرتؐ کے درمیان جس نبی کی آمد کا ذکر کیا گیا اسکی طرف انکی توجہ مبذول نہ ہوسکی جس کیلئے ہم حیرت کے سوا اور کسی خیال کا اظہار نہیں کر سکتے۔ توریت میں مذکور اس پیشگوئی کا ذکر کیا جا چکا ہے جو کتاب استثنا میں موجود ہے یہاں اس پیشگوئی سے کوئی بحث نہ ہوگی اس پر اظہار خیال مختصر طور پر ہو چکا ہے۔

اناجیل میں مذکور پیش گوئی کی بنیاد حضرت موسیٰؑ کی یہی پیشگوئی ہے اور یسعیاہ نبی کی بیان کردہ پیشگوئی جو انہوں نے بنی اسرائیل کے سامنے بیان کی کہ ''پکارنے والے کی آواز، بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو صحرا میں ہمارے خدا کیلئے شاہراہ ہموار کرو۔'' (یسعیاہ) اس بیان میں پکارنے والے سے مراد یوحنا ہیں۔ یہ اطلاع صدیوں پہلے یسعیاہ بن آموص نبی نے دی تھی جو صحیح ثابت ہوئی پھر یوحنا آئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی اطلاع دی وہ بھی صحیح ثابت ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یکے بعد دیگر دو نبیوں کی آمد کی طرف اشارہ کیا ایک ایلیاہ (الیاس) دوسرے (آنحضرتؐ)۔ یوحنا کی انجیل میں موجود ہے کہ:

''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں، پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون اس نے کہا کہ بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو۔ انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ ہے نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ (یوحنا، باب، نشان : ۱۹ تا ۲۵)

اس عبارت سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جب یوحنا (یحییٰ) نے تبلیغ کا آغاز کیا اور بپتسمہ دینا شروع کیا اور یہ خبر یروشلم کے یہودیوں کو پہنچی تو انہوں نے لاوی قبیلے کے کچھ لوگ اور کاہن یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجے کہ یہ کون ہے جو بپتسمہ بھی دیتا ہے، ان کا خیال تھا کہ جن تین نبیوں کے آنے کی پیشگوئی چلی آ رہی ہے یہ ان میں سے تو نہیں لیکن ان لوگوں کے دریافت کرنے پر یوحنا نے صاف طور پر بتایا کہ ''نہ میں مسیح ہوں نہ ایلیاہ اور نہ وہ نبی بلکہ میں بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو۔'' اسکا مطلب تھا کہ میں آنے والے نبی کی راہ ہموار کرنے والا ہوں جو ان سے پہلے آیا ہے اس کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ بنی اسرائیل تین نبیوں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ:

''انجیل یوحنا اس بات پر گواہ ہے کہ مسیح کی آمد کے زمانہ میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے ایک مسیح، دوسرے ایلیاہ، تیسرے وہ نبی۔''

(سیرت سرور عالم حصہ اول ص:۶۸۰)

اور علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی کی جلد سوم میں انجیل یوحنا (۱۔۱۹) کا یہ اقتباس دے کر کہتے ہیں۔ اس فقرے سے ثابت ہوتا ہے کہ توریت کی پیشگوئی کے مطابق یہود کو تین پیغمبروں کا انتظار تھا جن میں سے دو کے نام الیاس اور مسیح تھے لیکن تیسرے کا نام صرف وہ نبی لیا گیا ہے یہ تیسرا نبی محمدؐ کے سوا اور کون ہے؟

(سیرت النبی جلد:۳، ص: ۷۷۵)

لیکن حیرت ہے کہ مصنف مذکور نے بھی یہ غور کرنے اور بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ عیسیٰ کے بعد اور وہ نبی سے پہلے الیاس (ایلیاہ) کی آمد کا ذکر ہے وہ کون ہے؟ اور وہ آئے یا نہیں؟

ایلیاہ کی آمد کا انتظار

اناجیل میں کئی مقامات پر ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے پیشگوئی کی ترتیب کے مطابق حضرت عیسیٰ کی آمد کے بعد بنی اسرائیل ایلیاہ کی آمد کے منتظر تھے اور اس کے بعد رسول اللہؐ کی آمد تھی مثلاً:

۱..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی آمد کے بعد جب وہ قیصریہ فلپی کے علاقے میں تھے۔ اپنے شاگردوں سے پوچھا یہاں کے لوگ ابن آدم کو کیا کہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا بعض یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں بعض ایلیاہ، بعض یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی۔''

(انجیل مرقس باب ۸، ۲۸، انجیل متی، باب ۱۶۔۱۴)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ یوحنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ایک ہی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یوحنا آئے تھے ان کی شہرت پھیل چکی تھی اس لیے بعض لوگ حضرت عیسیٰ کو یوحنا ہی سمجھتے تھے اور بعض حضرت عیسیٰ کے بعد آنے والے نبی ایلیاہ کو سمجھتے تھے۔

۲..... اسی طرح مرقس اور متی کی انجیل میں ایک اور حیرت انگیز روایت ملتی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایلیاہ کی آمد اور ان کا انتظار ثابت کرتی ہے۔ پطرس، یعقوب اور یوحنا حضرت عیسیٰ کے ساتھ تھے جب وہ ایک اونچے پہاڑ پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت بدل گئی ہے لباس بھی صاف شفاف ہے اور ان کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایلیاہ باتیں کر رہے ہیں۔ وہ تینوں ڈر گئے پھر دیکھا تو حضرت عیسیٰ تنہا تھے۔

''جب وہ پہاڑ سے اترے تو (اس) عیسیٰ نے ان کو (تینوں حواریوں) کو حکم دیا کہ جب تک ابن آدم (خود حضرت عیسیٰ) مردوں میں سے جی نہ اٹھے جو کچھ تم نے دیکھا ہے کسی سے نہ کہنا۔ پھر انہوں نے اس (عیسیٰ) سے یہ پوچھا کہ فقیہ کیونکر کہتے ہیں کہ ایلیاہ کا پہلے آنا ضروری ہے۔ اس نے ان سے کہا کہ ایلیاہ البتہ پہلے آ کر سب کچھ بحال کرے گا مگر کیا وجہ ہے کہ ابن آدم (عیسیٰ علیہ السلام) کے حق میں لکھا ہے وہ بہت سے دکھ اٹھائے گا اور حقیر کیا جائے گا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آ چکا اور جیسا

Presented by Ziaraat.net

اس کے حق میں لکھا ہے انہوں نے جو کچھ چاہا اس کے ساتھ کیا تب شاگرد سمجھ گئے اس نے ان سے یوحنا بتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے۔"

(مرقس کی انجیل باب:۹،نشان:۹ تا ۱۳،متی انجیل باب:۱۷،نشان:۱-۱۳)

حاشیہ

مرقس اور متی کی انجیل سے دیئے گئے اس اقتباس کے چند آخری جملوں میں شدید غلط فہمی کا احتمال ہے اور یہ غلط فہمی چونکہ مولانا مودودی مرحوم کو بھی ہوئی ہے اس لیے اس کی وضاحت کرنا ضروری خیال کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آ چکا اور جیسا کہ اس کے حق میں لکھا ہے۔ انہوں نے جو کچھ چاہا اس کے ساتھ کیا الخ (یوحنا کو قید کر دیا گیا تھا اور وہیں ان کا سر قلم کر دیا گیا تھا) اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ایلیاہ یوحنا کی شکل میں آ چکے۔ اگر اس کا مطلب یہی ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے یہ جملہ نہ کہتے" ایلیاہ البتہ پہلے آ کر سب کچھ بحال کرے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایلیاہ کا آنا یقینی اور باقی ہے اپنے اگلے مذکورہ جملے سے تو وہ اپنے شاگردوں پر یہی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یوحنا جو میرے لیے ایلیاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ ان لوگوں نے کب اچھا سلوک کیا کہ آنے والے اصل ایلیاہ کے ساتھ کرینگے۔ اس سے یہ بھی واضح مطلب نکلا کہ ایلیاہ کی حیثیت آنے والے نبی کیلئے بدرقہ جیسی ہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے یوحنا ایلیاہ ہیں تو آخری نبی کیلئے ایلیاہ البتہ آئے گا اور سب کچھ اسی طرح بحال کرے گا جیسا یوحنا نے عیسیٰ کیلئے کیا۔ (مولف)

۳..... جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا گیا تو آپ نے چلا کر کہا۔

"ایلی! ایلی! لما شبقتنی ؟یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اسپنج لے کر سرکہ میں ڈبو دیا اور سرکنڈہ پر رکھ کر اسے چسایا مگر باقیوں نے کہا۔" ٹھہر جاؤ دیکھیں تو۔" ایلیاہ اسے بچانے آتا ہے یا نہیں؟ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دیدی"

(متی کی انجیل، باب:۲۷،نشان :۴۵تا۴۹)

۴..... حاکم وقت ہیرودیس نے یوحنا کو قید کر دیا تھا پھر انکا سر کٹوا دیا گیا ان ہی ایام میں حضرت عیسیٰ نے اپنی نبوت کا آغاز کیا اور بپتسمہ دینا شروع کیا لوگوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ یوحنا دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی خبر جب ہیرودیس کو پہنچی تو وہ بھی گھبرایا، لوقا کی انجیل میں ہے۔

---

۱ یہ یوحنا حضرت یحییٰ نبی نہیں ہیں بلکہ یہ حضرت عیسیٰ کے ایک حواری کا نام ہے جو ان کے ہمراہ رہتے تھے۔

"اور چوتھائی ملک کا حاکم ہیرودیس سب احوال سن کر گھبرایا اس لیے کہ بعض کہتے تھے کہ یوحنا مردوں میں سے جی اٹھا ہے اور بعض یہ کہ ایلیاہ ظاہر ہوا ہے اور بعض یہ کہ قدیم نبیوں میں سے کوئی جی اٹھا ہے مگر ہیرودیس نے کہا کہ یوحنا کا تو میں نے سر کٹوا دیا، اب یہ کون ہے؟ جس کی بابت ایسی باتیں سنتا ہوں پس اسے دیکھنے کی کوشش میں رہا"۔

(لوقا کی انجیل باب: ۹،نشان: ۷تا۹)

تین انجیلوں سے جو یہ چار اقتباس دیئے گئے یہ اس بات پر شہادت ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ایلیاہ کا انتظار کیا جا رہا تھا اور حضرت عیسیٰ کے بعد ان کا آنا بھی ضروری تھا۔ یہ بات یوحنا کے اس جواب سے بھی ثابت ہوتی ہے جو انہوں نے کاہنوں اور لاویوں کے سوال کرنے پر دیا تھا، ان کے یہ پوچھنے پر کہ کیا تو ایلیاہ ہے؟ آپ نے کہا نہیں۔ اگر آپ کے علم میں ایلیاہ کا آنا یقینی نہ ہوتا تو جواب میں یہ کہتے کہ کون ایلیاہ؟ تم کس ایلیاہ کی بات کرتے ہو؟ کوئی ایلیاہ نہیں آئے گا اور جب انہوں نے پوچھا کہ کیا تو وہ نبی ہے؟ تب بھی آپ نے جواباً کہا، نہیں میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں یہ نہیں کہا کہ تم کس نبی کے متعلق پوچھ رہے ہو؟ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد ایلیاہ اور ایلیاہ کے بعد ایک اور نبی کے آنے کی طرف کھلا اشارہ ہے اور ایلیاہ سے مراد حضرت عبدالمطلب، ایلیاہ ثانی اور قرآن کے الیاسین یعنی الیاس کے مثنیٰ اور ان کے ثانی اثنین ہیں۔

ایلیاہ کون ہیں؟

ایلیاہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھے جنہیں قرآن نے الیاس کہا ہے جو حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے تقریباً ساڑھے سات آٹھ سو سال پہلے یردن کے شمالی علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے۔ آپ ایلیاہ تشبی کے نام سے مشہور تھے۔ بائبل میں آپ کا یہی نام آیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد جب ان کا بیٹا رجعام نامی تخت پر بیٹھا تو اس کی زیادتی اور ظلم کے باعث اسرائیلی اس کیخلاف ہو گئے۔ یربعام نامی ایک شخص حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ان کیخلاف ہو گیا تھا۔ اسے قتل کی سزا دی گئی تو وہ فرار ہو کر مصر چلا گیا اور جب تک حضرت سلیمان زندہ رہے۔ وہ وہیں رہا جب اسے حضرت کی وفات اور ان کے بیٹے رجعام کے تخت نشین ہونے کی اطلاع ملی تو وہ واپس آ گیا۔ اسرائیلیوں نے جو رجعام سے ناراض تھے۔ یربعام کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور تمام اسرائیلی یربعام کے تابع تھے اسی طرح یہ سلطنت سلیمانیہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک کو سلطنت اسرائیل کہا جاتا جس کا دارالخلافہ سامریہ تھا۔ دوسری کو سلطنت یہودا جس کا مرکز یروشلم تھا۔ سامریہ میں جس وقت یربعام کی اولاد سے اخی اب نامی شخص حکومت کر رہا تھا اس زمانہ میں ایلیاہ کا ظہور ہوا محققین نے آپ کے زمانہ کا تعین ۸۵۰ق۔م سے ۸۷۵ق۔م کے درمیان کیا ہے۔ بائبل کی کتاب سلاطین، ا میں لکھا ہے کہ "اخی اب" نے اسرائیل پر بائیس سال حکومت کی اور اس عرصہ میں اپنے تمام پیش رو بادشاہوں سے زیادہ خلاف شریعت

Presented by Ziaraat.net

موسوی امور انجام دیئے اس نے بت پرست قبیلے صیدانی کے سردار کی بیٹی سے شادی کی اور پھر خود بھی بت پرستی کرنے لگا جس کے سبب بنی اسرائیل میں بت پرستی رواج پانے لگی۔ اس وقت ان کی اصلاح کیلئے ایلیاہ نبی کو بھیجا گیا تھا آپ نے عوام میں اصلاح کیلئے تبلیغ شروع کردی اور اخی اب کو سمجھایا کہ وہ بتوں کی پرستش ترک کردے مگر وہ نہ مانا بلکہ آپ کی مخالفت پر آمادہ ہوا اس وقت آپ نے بددعا کی اور کہا۔

''خداوند اسرائیل کے خدا کی حیات کی قسم جس کے سامنے میں کھڑا ہوں ان برسوں میں نہ اوس پڑے گی اور نہ مینہ برسے گا''

(سلاطین (۱) باب: ۱۷، نشان : ۱)

یہ کہہ کر آپ روپوش ہوگئے کیونکہ اس نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تین سال تک برابر قحط رہا۔ لوگ بھوکے مرنے لگے اس وقت ایلیاہ دوبارہ اخی اب کے پاس آئے اس خیال سے کہ شاید اب وہ باز آجائے آپ نے دعا کی بارش ہوئی مگر اخی اب اپنی ضد پر قائم رہا بلکہ اپنی بت پرست بیوی کے بہکانے سے ایلیاہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا سو وہ پھر بھاگ کر روپوش ہوگئے۔ ایلیاہ کا ایک بڑا قریبی شاگرد اور معتقد ''الیشع'' تھا جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس وقت آپ نے چاہا کہ آپ کی روپوشی کی خبر اس شاگرد کو بھی نہیں ہونی چاہئے۔

اس لیے آپ الیشع کو بتائے بغیر بیابان میں روپوش ہوئے۔ الشیع نے آپ کو بہت تلاش کیا پہاڑوں میں، بیابان اور جنگلوں میں مگر آپ کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اس نے اپنے نوجوان بھی ہر طرف ۲۰ میل تک بھیجے مگر کوئی نشان نہ ملا ان کی موت کب؟ کہاں اور کس حالت میں ہوئی کسی کو معلوم نہیں۔ اس کے بعد الیشع نے اسی امر کی گواہی دی کہ ایلیاہ آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں اور وہ دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے اسی وقت سے سینہ بہ سینہ یہ پیش گوئی بنی اسرائیل میں ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہی۔ یہ صرف ان کا اعتقاد ہی نہ تھا بلکہ الیشع کے بعد بھی صریح الفاظ میں ایلیاہ کے دوبارہ آنے کی خبر دی جاتی رہی جن کا وہ برابر انتظار کرتے رہے۔ چنانچہ بائبل یعنی کتاب مقدس کی کتاب ملاکی میں یہ پیش گوئی موجود ہے جس میں خدا ملاکی کے ذریعے بنی اسرائیل کو اطلاع دیتا ہے۔

''تم میرے بندے موسیٰ کی شریعت یعنی ان فرائض واحکام کی جو میں نے حورب پر تمام بنی اسرائیل کیلئے فرمائے۔ یاد رکھو اور دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا اور وہ باپ کا دل بیٹے کی طرف اور بیٹے کا باپ کی طرف مائل کریگا۔'' (ملاکی باب:۴، نشان :۴ تا ۶)

ایلیاہ یا الیاس

بائبل میں اخی اب کے زمانہ کے جس نبی کو ایلیاہ کہا گیا ہے اس نبی کا نام قرآن نے الیاس بتایا ہے

تمام علمائے تفسیر اس امر پر متفق ہیں کہ ایلیاہ ہی قرآن کے الیاس ہیں جس طرح بائبل نے ایلیاہ یا حضرت الیاس کے کارناموں کا ذکر کیا ہے قرآن نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا۔ صرف دو مقام پر اتنا ہی کہا ہے کہ الیاس بھی ایک نبی تھے اور ان پر سلام ہو۔ اگر قرآن حالات بیان کرتا تو واقعات کی نسبت اور مماثلت سے ہم سمجھ لیتے کہ ایلیاہ ہی الیاس ہیں جیسا کہ بائبل نے جس نبی کو یوحنا لکھا قرآن نے اس نبی کا نام یونس کہا اب چونکہ بائبل اور قرآن میں بیان کردہ حالات آپس میں یکساں پائے جاتے ہیں اس لیے یقین ہے کہ یوحنا ہی یونس ہیں مگر یہاں یہ بات معلوم کرنے کا ایک صریح قرینہ موجود ہے اور وہ ہے قواعد زبان کی رو سے کسی غیر زبان کے لفظ کو اپنی زبان میں ڈھالنا عبرانی زبان کے لفظ یوناہ کو عربی تلفظ میں لایا گیا یعنی معرب کیا گیا تو آخری (ہ) کو (س) سے بدل دیا گیا اور الف فتحہ یعنی زیر ہوگیا۔ اس طرح یوناہ یونس بن گیا یہی طریقہ چونکہ ایلیاہ کو الیاس بنانے میں برتنا ظاہر ہے یعنی ایلیاہ کی آخری (ہ) کو (س) سے بدلا تو الیاس ہوگیا پھر عربی قاعدہ زبان کے مطابق الف کے بعد ی کو کسرہ یعنی زیر سے بدل دیا کیونکہ زیر 'ی' کے قریب تر حرکت ہے اس سے معلوم ہوا ایلیاہ ہی کا نام قرآن میں الیاس ہے۔

قرآن کی گواہی

اب تک کی اس گفتگو سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایلیاہ یا الیاس کی آمد کے کیلئے بہت پہلے پیش گوئی کردی گئی تھی جس پر توریت اور انجیل سے شہادتیں پیش کی گئیں لیکن مذکورہ آسمانی والہامی کتب کے علاوہ قرآن بھی صریح الفاظ میں ایلیاہ یا الیاس کے آنے کی خبر دے رہا ہے نہ صرف یہ بلکہ توریت وانجیل کی طرح اس نے بھی یہ بات کھلے الفاظ میں کہی ہے کہ ایلیاہ یا الیاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اور آنحضرت ﷺ سے پہلے یعنی ان دونوں کے درمیانی زمانہ میں ظہور پذیر ہوئے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر قرآن میں صرف دو مقام پر آیا ہے ایک سورہ الصّٰفّٰت کی آیت ۱۳۲ تک دوسرے سورہ الانعام کی آیت ۸۵ میں الصفت میں کہا گیا۔

'' وان الیاس لمن المرسلین :	اور الیاس بھی یقیناً مرسلین میں سے تھے۔
اذ قال لقومه الاتتقون :	جب اس نے اپنی قوم سے کہا تم لوگ ڈرتے نہیں؟
اتدعون بعلاً و تذرون :	اور کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین
احسن الخالقین' الله ربکم :	کو چھوڑتے ہو اس اللہ کو جو تمہارا رب ہے اور
ورب ابائکم الاولین :	تمہارے باپ دادا کا رب ہے۔
فکذبوه فانهم لمحضرو ن :	پس انہوں نے اسے جھٹلایا بیشک وہ پیش کیے جائینگے۔
الاعباد الله المخلصین :	بجز اللہ کے مخلص بندوں کے۔
وترکنا علیه فی الآخرین'	اور اس (الیاس) کا ذکر ہم نے بعد کی نسلوں میں باقی رکھا

Presented by Ziaraat.net

سلام علی ال یاسین : سلام ہے الیاس (ثانی) پر

انا کذالک نجزی المحسنین : ہم نیکی کرنے والے کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

انہ من عبادنا المومنین : واقعی وہ (الیاس ثانی) ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

(الصفت آیات : ۱۲۳ تا ۱۳۲)

ان آیات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ ایلیاہ ہی الیاس ہیں کیونکہ اس میں بعل بت کی پرستش کا ذکر ہے جس سے وہ بنی اسرائیل کو منع کرتے ہیں بائبل میں بھی بعل بت ہی کی پرستش کا ذکر ہے جس سے آپ نے اخی اب اور دوسرے اسرائیلیوں کو منع کیا تھا۔ دوسرے اس جملہ سے کہ ہم نے الیاسین کا ذکر بعد کی نسلوں میں باقی رکھا اس پیشگوئی کی تائید ہے جو توریت اور انجیل میں کی گئی اور ہر آنے والا نبی اس پیشگوئی کو دہراتا رہا۔ بنی اسرائیل آپ کا انتظار کرتے رہے اور ہر نبی سے پوچھتے رہے کہ تو ایلیاہ تو نہیں اس طرح آپ کا ذکر آئندہ نسلوں میں آنحضرتؐ کی آمد تک باقی رہا یہ الفاظ خود ایک قسم کی پیشگوئی کی تائید اور ایلیاہ کے آچکنے کی یقین دہانی کراتے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ قرآن کا یہ قول حضرت عبدالمطلب کی وفات کے ۳۲ رسال بعد آیا ہے۔ یعنی اس وقت جب یہ پیشگوئی آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے پوری ہو چکی تھی کیونکہ قرآن کے اس مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ خداوند عالم نے ایلیاہ کو تو دنیا میں نہ بھیجا اور ایلیاہ یا الیاس کا ذکر آئندہ نسلوں میں جاری رکھنے کیلئے اپنے نبیوں سے جھوٹا پراپیگنڈا کرادیا تاکہ آئندہ نسلیں اسکا انتظار اور ذکر ہی کرتی رہیں۔

حضرت الیاس کا دوسری جگہ ذکر سورہ انعام کی آیت: ۸۵ میں کیا ہے "وذکریا ویحییٰ و عیسیٰ و الیاس کل من الصالحین (اور زکریاؑ، یحییٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام یہ سب صالحین بندوں میں سے ہیں۔ لیکن اصل مدعا سمجھنے کیلئے ہمیں اس سے پہلی آیات کا ذکر کرنا ہوگا تاکہ سیاق وسباق سے اصل اور صحیح مطلب واضح ہو سکے۔

ووھبنا لہ اسحق و یعقوب کلا ھدینا '

ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق و یعقوب دیئے اور ہر ایک کو راہ راست دکھائی۔

ونوحاً ھدینا من قبل ومن ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ وھارون،

وکذالک نجزی المحسنین، وزکریا، ویحییٰ، عیسی و الیاس کل من الصالحین،

ترجمہ: اس سے پہلے نوح کو ہدایت کی تھی اور اس کی نسل سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو ہم نے ہدایت دی۔ اس طرح ہم نیکوں کو نیکی کا بدلہ دیتے ہیں اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (ہدایت دی) ان میں سے ہر ایک صالح تھا۔

(سورہ انعام آیات : ۸۴-۸۵)

جس طرح سورہ الصفت کی آیات سے حضرت الیاس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنا ثابت

ہوتا ہے اسی طرح ان مذکورہ آیات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت الیاس، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت محمدؐ سے پہلے آئے۔ ان آیات کے معنی ومفہوم کی طرف توجہ دلانا ہمارا مقصود نہیں ہے بلکہ ان آیات میں جن انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بیان میں ترتیب زمانی کی طرف توجہ مبذول کرانا ہمارا مقصد ہے۔ کہا گیا ہے۔ "ہم نے اس کو یعنی ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق اور یعقوبؑ جیسی اولاد دی، عصری ترتیب واضح ہے۔ پہلے ابراہیمؑ، پھر اسحٰق اور پھر یعقوبؑ پھر کہا اس سے پہلے نوح علیہ السلام کو ہم نے یہی ہدایت دی"۔ اس سے پہلے کہہ کر ترتیب قائم کر دی۔ یعنی ابراہیمؑ سے پہلے نوح پھر کہا داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کو ہم نے یہی ہدایت کی تھی ترتیب زمانی موجود ہے۔ پھر کہا۔ "ہم نے زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو ہدایت کی یہ سب صالح لوگوں میں سے تھے۔"

فصاحت کے اصول وشرائط میں ترتیب زمانی اور ترتیب مراتب خاص مقام رکھتی ہے۔ قرآن کی فصاحت وبلاغت مسلمہ ہے۔ جب یہ بات تسلیم تو ہمارا سوال ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو آخر سلسلہ انبیاء میں آخری نمبر کیسے دیا گیا جبکہ حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ساڑھے آٹھ سو سال پہلے نبی ہوئے تھے۔ ترتیب زمانی کے اعتبار سے ان کا نمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کہیں آنا چاہئے تھا۔ قرآن اس ترتیب کو قائم کر کے صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ وہ یہ ایلیاہ یا الیاس نہیں ہیں جو اخی اب کے زمانہ میں ہوئے تھے بلکہ یہ الیاس ثانی ہیں جن کی آمد کی خبر دی گئی تھی اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے تھے اور جو واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے یعنی الیاس ثانی قرآن نے انہیں الیاسین کہہ کر ثانی اثنین ہی ظاہر کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ الیاس ثانی کون تھے وہ کب آئے؟ اور ہم انہیں کیوں نہیں جانتے؟

Presented by Ziaraat.net

الیاس ثانی

یہاں تک کی اس طویل گفتگو اور بیان کردہ اقتباسات وحوالہ جات سے یہ واضح نتیجہ نکلا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی آمد کی خبر ایک مدت پہلے سے گرم تھی جو نبی آتے رہے وہ آپ کے آنے کی برابر اطلاع دیتے رہے۔ بنی اسرائیل ہر زمانہ میں آپ کے منتظر رہے، جب بھی کوئی نبی آتا وہ سب سے پہلے یہی سوال کرتے کہ کیا تو ایلیاہ ہے اور ہر نبی یہی جواب دیتا کہ نہیں وہ آنے والا ہے اور ضرور آئے گا اور سب کچھ بحال کرے گا۔ توریت، انجیل اور قرآن نے صاف الفاظ میں آپ کے آنے کا ذکر کیا ہے اور آپ کا یقینی آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد متعین تھا۔ یسعیاہ نبی نے یوحنا کی آمد کی خبر دی اور وہ آئے پھر یوحنا نے حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دی اور وہ آئے۔ حضرت عیسیٰؑ نے حضرت الیاسؑ کے آنے کا یقین دلایا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ آئے یا نہیں اگر نہیں آئے تو انبیاء کی پیشگوئیاں غلط اور قرآن کی ترتیب بے معنی، اگر آئے تو کب؟ وہ کون تھے؟ ہم نے انہیں کیوں نہ پہچانا؟

گزشتہ تمام بحث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی رہی ہے کہ حضرت الیاس کی آمد حضرت عیسیٰ کے بعد اور آنحضرتؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے سے قبل کے زمانہ میں واقع ہے۔ یہی حضرت عیسیٰ کے قول اور قرآن کی ترتیب سے ثابت ہے اناجیل کی پیشگوئیاں بھی یہی بتاتی ہیں۔ برنباس کی اطلاع بھی یہی ثابت کرتی ہے، اس لیے اب اس پر مزید بحث تضیع اوقات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب اگر ہم یہ مان لیں کہ حضرت الیاسؑ نہیں آئے اور پیشگوئی کے مطابق ان کی آمد ابھی متوقع ہے تو دعویٰ ختم نبوت باطل ٹھہرتا ہے جبکہ اناجیل اربعہ، برنباس کی انجیل اور قرآن آپؐ کو خاتم الانبیاء ٹھہراتے اور آپؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کا انکار کرتے ہیں اور یہ ثابت ہے کہ آنحضرتؐ ۶۱۰ء میں مبعوث ہوئے۔ نتیجتاً الیاس ثانی کے ظہور کا اثبات ہو جاتا ہے۔

عبدالمطلب ہی الیاس علیہ السلام ہیں

اس قدر طویل بحث کے بعد یہ کہنے کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی کہ حضرت عبدالمطلب ہی حضرت الیاسؑ کا ظہور ثانی ہیں یا بالفاظ دیگر حضرت الیاسؑ ہی حضرت عبدالمطلب کی شکل میں نمودار ہوئے تھے، ایسا سمجھنے اور جاننے کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں سے ایک بڑی اور ٹھوس وجہ یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرتؐ کی بعثت کے درمیانی عرصہ میں حضرت الیاسؑ کا آنا ثابت ہے تو اس عرصہ میں ہمیں اور کوئی ہستی اور شخصیت ماسوائے حضرت عبدالمطلب کے نظر نہیں آتی جو ان صفات اور پیشگوئیوں کی مصداق ہے۔ آپ بنی اسرائیل کے برادر قبیلے سے ہیں۔ نیز آپ ہی نے آنے والے آخری نبی کیلئے اسی طرح راہ ہموار کی جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے آنے سے پہلے یوحنا نے جیسا کہ پیش گوئیوں سے ثابت ہے اور جس کا ذکر تفصیل سے پہلے گزر چکا۔

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

تاریخی دلائل

اس کے علاوہ آپ ہی کے الیاس ثانی ہونے پر بہت سے دلائل بدیہی طور پر دستیاب ہیں۔ دونوں کی طرز نبوت میں مماثلت ان کے ثانی اثنین ہونے کی بڑی واضح دلیل ہے۔ ان میں سے ایک دلیل وہ مماثلت ہے جو حضرت عبدالمطلب اور حضرت الیاس علیہ السلام کے طریقہ تبلیغ میں پائی جاتی ہے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ واقعات میں بھی گہری یکسانیت موجود ہے جبکہ ان دونوں کے درمیان تقریباً بارہ سو سال کا طویل عرصہ پھیلا ہوا ہے، نہ صرف یہ بلکہ دونوں کی قوم، ماحول، نظریات اور معاشرت وغیرہ میں زمین و آسمان کا فرق ملتا ہے۔ دونوں کے حالات تفصیل اور وضاحت سے نہیں ملتے جو کچھ مختصر حالات تاریخی طور پر دستیاب ہیں، ان میں وہی واقعات زیادہ مشہور اور متاثر کن ہیں اور یہ دونوں آپس میں پوری مماثلت رکھتے ہیں۔

پہلا واقعہ

اخی اب بادشاہ اسرائیل کے زمانہ میں مسلسل تین سال قحط پڑا، تمام ندی نالے سوکھ گئے، لوگ بھوک سے مرنے لگے، وہ اپنے بتوں سے دعائیں کر کے تھک گئے مگر ایک قطرہ پانی کا نہ برسا۔ جب انہیں بتوں کی بے حسی کا احساس ہو گیا تو ایلیاہ (الیاس) آئے اور اپنے خدا سے دعا کی اسی وقت بادل آئے اور موسلا دھار بارش ہوئی۔ آپ کا مقصد یہ احساس دلانا تھا کہ تمہارے بت کچھ نہیں، قادر مطلق صرف خدا ہے۔ بالکل یہی واقعہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ آخر میں پیش آیا، آپ کا طریقہ بھی وہی تھا جو ایلیاہ کا تھا۔ جب آپ یمن کے شاہ ذی یزن سے ملاقات کے بعد مکہ لوٹے تو مکہ میں شدید قحط تھا اور اہل مکہ اپنے دیوتاؤں سے دعائیں کر کے عاجز و مایوس ہو چکے تھے۔ معارج النبوت میں ہے کہ:

> ''جب (اس یمن کے) سفر سے واپس آئے، قریش پانی کی کمی سے ان کی احتیاج کی بناء پر فریاد کر رہے تھے، اطراف و اہلیانِ مکہ میں مسلسل کئی سال عظیم قحط ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ زراعت اور جانوروں کے پستانوں سے دودھ خشک ہو گئے، لوگ (قریش) شدید فاقہ اور زحمت میں مبتلا ہو گئے۔''
>
> (معارج النبوت رکن دوم، ص : ۱۳۸)

لیکن حضرت عبدالمطلب کے گھرانہ میں برکت رہی آپ خاموش رہے۔ قریش اپنے بتوں سے بارش کیلئے دعائیں کرتے رہے، ہر قبیلہ نے اپنے مخصوص بت سے بارش کیلئے التجا کی مگر کچھ نہ ہوا۔ جب وہ اپنے بتوں سے پوری طرح مایوس ہو گئے تو حضرت عبدالمطلب کے پاس آئے اور بارش کی دعا کیلئے ان سے التجا کی۔ آپ نے پورا یقین کر لیا کہ قریش اپنے خداؤں سے مایوس ہو چکے ہیں تو آپ دعا کیلئے تیار ہوئے اور قریش کو صاف اور پاک کپڑے پہن کر اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ آنحضرتؐ جو اس وقت کم عمر تھے، ان کو بھی

اپنے ساتھ لیا اور اپنے بیٹوں کو بھی اپنے ہمراہ کوہ بوقبیس پر لے گئے اور وہاں اپنے خدا سے آپ نے دعا کی۔ اس مقام پر راوی کہتا ہے کہ دعا کے بعد ابھی واپس نہ لوٹنے پائے تھے کہ بادل ہر طرف گھر آئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی اور تمام قریش حضرت عبدالمطلب کے خدا کے قائل ہو گئے۔ یہ وقوعہ کی وہ یکسانیت ہے جو حضرت عبدالمطلب کو حضرت الیاس (ایلیاہ) کا نعم البدل نبی ثابت کرتی ہے۔ ایلیاہ نے بھی بنی اسرائیل کو اسی طرح خدائے واحد کی قدرت کا قائل کر دیا تھا۔

دوسرا واقعہ

اخی اب شاہ اسرائیل نے اپنی بت پرست بیوی ایزبل کے کہنے سے اس کے قبیلے کے بت بعل کی پرستش شروع کر دی تھی۔ اس نے بعل کا مندر بھی تعمیر کرایا تھا، بعل بت کے چار سو پچاس پجاری تھے۔ ایلیاہ (الیاس) نبی وقت نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا تو آپ نے کہا اگر تو یہ جاننا چاہتا ہے کہ اللہ ہی قادر مطلق ہے تو بلا اپنے بعل کے تمام پجاریوں کو جو ساڑھے چار سو ہیں اور میں اکیلا ہوں پھر ہم دونوں کو ایک ایک بیل دے وہ بھی بیل کو ٹکڑے کر کے لکڑیوں پر رکھ دیں میں بھی بیل کے ٹکڑے لکڑیوں پر رکھ دوں گا پھر وہ اپنے بت بعل سے دعا کریں میں بھی اپنے خدا سے دعا کروں گا۔ پس جس کی لکڑیوں میں آگ لگ جائے اور بیل کے ٹکڑے بھسم ہو جائیں اس کا خدا سچا ٹھہرے گا۔ بائبل میں لکھا ہے۔

> ''تب ایلیاہ نے ان لوگوں سے کہا: ایک میں ہی اکیلا خداوند کا نبی بچ رہا ہوں پر بعل کے نبی چار سو پچاس ہیں سو ہم کو دو بیل دیئے جائیں اور وہ اپنے لیے ایک بیل کو چن لیں اور اس کے ٹکڑے کاٹ کر لکڑیوں پر دھر دیں اور نیچے آگ نہ دیں اور میں دوسرا بیل تیار کر کے اسے لکڑیوں پر دھروں گا اور نیچے آگ نہیں دونگا، تب تم اپنے دیوتا سے دعا کرنا اور میں خداوند سے دعا کروں گا اور وہ خدا جو آگ سے جواب دے وہی خدا ٹھہرے گا اور سب لوگ بول اٹھے خوب کہا۔''
>
> (سلاطین (۱) باب: ۱۸، نشان: ۲۲ تا ۲۴)

یہ بات طے ہو جانے کے بعد ایلیاہ ان سب کو کوہ کرمل پر لے گئے۔ چار سو پچاس پجاری دوپہر تک دعا کرتے رہے مگر کچھ نہ ہوا۔ پھر ایلیاہ نے اپنی لکڑیوں پر پانی ڈال کر انہیں خوب بھگو دیا اردگرد بھی پانی بھر دیا، پھر آپ نے دعا کی۔ آپ کی دعا کے الفاظ یہ تھے۔

> ''اور شام کی قربانی چڑھانے کے وقت ایلیاہ نبی نزدیک آیا اور اس نے کہا: اے خداوند ابرہام اور اسحٰق اور اسرائیل کے خدا آج معلوم ہو جائے کہ اسرائیل میں تو ہی خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں نے ان سب باتوں کو تیرے ہی حکم سے کیا ہے میری سن اے خداوند میری سن تا کہ یہ جان جائیں کہ اے خداوند تو ہی خدا ہے اور تو

Presented by Ziaraat.net

نے پھر ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے۔ تب خداوند کی آگ نازل ہوئی اور اس سوختنی قربانی کو لکڑیوں اور پتھروں اور مٹی سمیت بھسم کر دیا۔ جب سب لوگوں نے یہ دیکھا تو منہ کے بل گرے (سجدہ کیا) اور کہنے لگے خداوند وہی خدا ہے خداوند وہی خدا ہے۔''

(سلاطین (۱) باب: ۱۸، نشان: ۳۶ تا ۳۹)

بلاتفریق حضرت عبدالمطلب نے بھی ابرہہ کی مکہ پر چڑھائی کے موقع پر یہی صورت اختیار کی تھی۔ قریش ابرہہ کا عظیم لشکر اور اس میں ہاتھی دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے تھے، انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے جوان، بچے قتل کر دیئے جائیں گے اور عورتیں لونڈیاں بنالی جائیں گی، کعبہ جو انکی عزت و وقار کا سبب ہے مسمار کر دیا جائیگا۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کی یہ حالت دیکھی تو انہیں آزاد چھوڑ دیا کہ وہ اپنے بتوں سے اس عذاب کے ٹلنے کی دعا کریں، وہ کئی دن اپنے بتوں سے دعائیں کرتے رہے، کئی دیگر قبیلے اپنا مال و متاع لے کر ابرہہ کے پاس آئے اور کہا وہ یہ مال لے لے اور کعبہ کو مسمار کرنے کا ارادہ ترک کر دے۔ مگر وہ نہ مانا حضرت عبدالمطلب قریش کی یہ پریشانیاں دیکھ رہے تھے، مگر وہ خود مطمئن تھے، ان کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہ تھے۔ وہ ابرہہ کے پاس قریش کے کہنے سے گئے بھی تو اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ لے کر اور جب اس نے خود ہی یہ ذکر چھیڑا تو آپ نے صاف کہہ دیا۔ ''کعبہ کا ایک مالک ہے، وہی ہمارا خدا ہے وہ خدا اپنے گھر کو بچالے گا''۔ ابرہہ نے کہا اب اسے مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ آپ نے جواب دیا۔ ''تو دیکھ لے گا کہ وہی خدا ہے اب تو جان اور میرا اللہ جانے''۔

اس مکالمہ کی خبر جب قریش کو ملی تو وہ بہت مایوس ہوئے اور جب حضرت عبدالمطلب نے دیکھ لیا کہ قریش اپنے بتوں سے دعائیں کر چکے اور ابرہہ کا دل نہ پسیجا، نہ لشکر واپس ہوا اور نہ کعبہ کی مسماری کا ارادہ تبدیل کیا، تو آپ نے قریش کو یہ بتانے کیلئے کہ خدا وہی اللہ ہے اور تمہارے بت کچھ نہیں ان کے سرداروں کو اپنے ساتھ لے کر بیت اللہ کی طرف آئے، آپ نے خانہ کعبہ کے در کی زنجیر دونوں ہاتھوں سے تھام لی اور دعا کی تاکہ تمام قریش دیکھ لیں اور جان لیں وہی اللہ قادر مطلق ہے۔

''یا اللہ بندہ اپنی سواری کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے حرم پاک کے مال و متاع کی حفاظت کر ان کی صلیب اور ان کی قوتیں تیری قوتوں پر غالب نہ ہو جائیں۔''

(ابن ہشام اول، ص: ۷۸)

پھر جو کچھ ابرہہ کے لشکر کا حشر ہوا اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد قریش بنی اسرائیل کی طرح ایک خدا کے قائل ہو گئے۔ بتوں سے نفرت کرنے لگے۔ ایک حدیث کے مطابق دس سال خدائے واحد کی پرستش کرتے رہے اور اسی زمانہ میں قریش سے احناف پیدا ہوئے۔

حضرت عبدالمطلب اور ایلیاہ کی ظاہر و باطن طریق تبلیغ میں مماثلت موجود ہے۔ یہاں حالات کا یکساں ہونا مراد نہیں، اس لیے کہ درازی مدت اور معاشرہ کے فرق کی بناء پر یہ ممکن نہیں بلکہ طریق تبلیغ اور اس

کی روح کی یکسانیت مراد ہے۔ ایلیاہ نے پجاریوں سے دعا کرائی اور پھر خود دعا کر کے ثابت کیا کہ بت کچھ نہیں الہ وہی ہے جو ایسا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے بھی پہلے قریش کو اپنے بتوں سے دعا کرنے دی، جب وہ مایوس ہو گئے تو آپ نے ان کی موجودگی میں دعا کر کے ان پر یہ ثابت کر دیا کہ بت کچھ نہیں جو کچھ ہے وہی اللہ ہے، جسے میں پکارتا ہوں اس کا جو اثر ایلیاہ کی دعا کے بعد بنی اسرائیل پر ہوا تھا کہ فوراً سجدہ میں گر گئے اور پکار اٹھے خداوند وہی خدا ہے۔ اسی طرح حضرت عبدالمطلب کی دعا کے بعد قریش نے تسلیم کر لیا تھا کہ اللہ وہی ہے جو عبدالمطلب کا خدا ہے۔

ایلیاہ کی دعا کا جو مرکزی خیال تھا وہی حضرت عبدالمطلب کے دعائیہ الفاظ کا تھا۔ ایلیاہ نے اپنی دعا میں یہ تاثر دیا تھا کہ اے خدا بعل کے پجاری مجھ پر اور بعل تجھ پر غالب نہ آجائے، تو حضرت عبدالمطلب نے بھی یہی تاثر اپنے الفاظ میں دیا تھا کہ اے خدا کعبہ کا مالک تو ہی ہے اور اس کی حفاظت تو ہی کر کے دکھا اور دیکھ ایسا نہ ہو کہ انکی صلیب اور انکی قوتیں تیری قوتوں پر غالب آجائیں۔ یہاں یہ بات تسلیم کہ حضرت عبدالمطلب نے بتوں کے غلبہ کا نہیں صلیب کے غلبہ کا ذکر کیا ہے، اس لیے کہ ابرہہ عیسائی تھا مگر جو بات قابل غور ٹھہرتی ہے، وہ یہ کہ حضرت عبدالمطلب قریش کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔ ابرہہ یا اس کے لشکریوں کو نہیں، ان کے گرد اس وقت قریش تھے، وہ جو کچھ سنانا اور دکھانا چاہتے تھے، قریش کو نہ کہ ابرہہ یا عیسائیوں کو۔ صلیب کی قوتوں سے مراد غیر اللہ کی قوتیں تھیں۔ چنانچہ قریش پر وہی اثر ہوا جو آپ چاہتے تھے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ آپ نے ایلیاہ کی طرح علی الاعلان نہیں کہا۔ مگر ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ آپ کی تبلیغ اشاراتی تھی۔

یہ بات گزشتہ صفحات کی گفتگو میں ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت عبدالمطلب پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ بائبل میں بنی اسرائیل کے جن انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ انکے حالات بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رویائے صادقہ اور غیبی آواز کے ذریعے وحی کی جاتی تھی لیکن حضرت عبدالمطلب کیلئے یہ ثابت ہے کہ آپ پر رویائے صادقہ، الہام و القاء، صدائے غیبی اور گھنٹہ کی آواز میں وحی کا نزول ہوتا تھا۔ نزول وحی کا یہ آخری طریقہ یعنی گھنٹہ کی آواز کی طرح وحی آنا، فرشتہ کا سامنے آکر وحی کرنے سے ایک درجہ ہی کم ہے، نبی اور غیر نبی کے درمیان صرف وحی ہی فرق کرتی ہے۔ اس صورت میں حضرت عبدالمطلب کو نبی تسلیم کرنے میں کون سی چیز مانع رہ جاتی ہے؟

قرآن سے استدلال

حضرت عبدالمطلب کے نبی ہونے پر قرآن سے کئی واضح دلائل ملتے ہیں۔ قرآن نے بڑے واضح الفاظ میں بعید ترین ماضی کے حالات و واقعات سے واقف ہو جانے کو نبوت کی کھلی دلیل قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے آنحضرتؐ کی رسالت کا اثبات اسی بنیاد پر کیا ہے اور یوں ماضی کے نامعلوم واقعات کا بذریعہ وحی علم ہونا نبوت کی دلیل ہے۔ چنانچہ قرآن نے سورۂ ہود کی ۴۹ ویں آیت میں کہا۔

Presented by Ziaraat.net

"(اے رسولؐ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرر ہے ہیں اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ان سے باخبر تھی۔"

(سورۂ ہود، آیت:۴۹)

ایک اور مقام پر کہا:

"(اے نبیؐ!) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کرر ہے ہیں ورنہ تم اس وقت موجود نہ تھے، جب یوسف کے بھائیوں نے مل کر سازش کی تھی۔"

(سورۂ یوسف، آیت:۱۰۲)

اور پھر سورۂ القصص کی آیات ۴۴ تا ۴۶ میں کہا:

" (اے محمدؐ) تم اس وقت مغربی گوشے میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو یہ فرمان شریعت عطا کیا۔ اور نہ تم شاہدین میں شامل تھے بلکہ اس کے بعد (تمہارے زمانہ تک) ہم بہت سی نسلیں اٹھا چکے ہیں اور ان پر بہت زمانہ گزر چکا ہے۔ تم اہل دین کے درمیان بھی موجود نہ تھے کہ ان کو ہماری آیات سنا رہے ہوتے۔ مگر (اس وقت کی یہ خبریں) بھیجنے والے ہم ہیں اور تم طور کے دامن میں بھی اس وقت موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو پہلی مرتبہ) پکارا تھا مگر یہ تمہارے رب کی رحمت ہے (کہ تم کو یہ معلومات دی جارہی ہیں)۔" (ترجمہ مولانا مودودی مرحوم)

مولانا مودودی سورۂ القصص کی مذکورہ آیات کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ تینوں باتیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں۔ جس وقت یہ باتیں کہی گئی تھیں اس وقت کے تمام سردار اور عام کفار اس بات پر پوری طرح تلے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کو غیر نبی اور معاذ اللہ جھوٹا مدعی ثابت کردیں۔" (سیرت سرورِ عالم، حصہ اول، ص:۹۵-۹۴)

گویا قرآن صدیوں پہلے گزرے واقعات سے عدم واقفیت کے بروقت واقفیت میں تبدیل ہونے کو نبوت کی دلیل قرار دیتا ہے اور واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ "اے نبی! صدیوں پہلے گزرے واقعات کے وقت تم موجود نہ تھے اور جب موجود نہ تھے تو ان سے واقف بھی نہ تھے۔ لیکن اب جو تم وہ واقعات بیان کرر ہے ہو تو یہ ہم ہی تمہیں وحی کرر ہے ہیں۔" اور جس پر غیب کی باتیں وحی کی جائیں وہی نبی ہوتا ہے۔ لہٰذا قریش کو چاہئے کہ وہ تمہیں نبی تسلیم کریں کیونکہ وہ خود بھی ان واقعات سے واقف نہیں۔

جب علم غیب کے حصول کا ذریعہ محض وحی ہے اور جسے صدیوں پہلے کی بات کا علم ہو جائے وہی نبی ہے اور حضرت عبدالمطلب کو زمانہ آدم میں تجویز کردہ آنحضرتؐ کے نام کا علم بذریعہ وحی ہو جائے اور وہ وہی نام آپ کا تجویز بھی کریں تو حضرت عبدالمطلب کے نبی ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

آنحضرتؐ کا نام محمد رکھنا

تمام مورخ اور تذکرہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ آپؐ کا نام "محمدؐ" آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب ہی نے رکھا تھا۔ جبکہ یہ نام صدیوں پہلے پیشگوئیوں میں چلا آرہا تھا اور اس کا علم اس وقت حضرت عبدالمطلب کو ہرگز نہ تھا۔ کیونکہ دوسری زبانوں میں اس نام کا ترجمہ بیان کیا جاتا رہا تھا۔ محمد رضا مصری لکھتے ہیں:

"آپؐ کی والدہ محترمہ نے آپؐ کو آپ کے دادا کو دیا جنہوں نے آپ کو دل بھر کر دیکھا۔ خوب پیار کیا پھر آپ کو خانہ کعبہ میں لے گئے۔ جہاں حق تعالیٰ سے آپ کیلئے فتنہ وشر سے خدا کی پناہ مانگی اور اللہ کا اس عطا پر شکریہ ادا کیا۔ واپس لا کر بچہ کو ماں کی گود میں دیدیا اور اپنے پوتے کا نام آپ نے اسی دن محمد تجویز کیا۔" حضرت آمنہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے اس کا نام احمدؐ رکھا جائے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا۔ "اسکے بہت ناموں میں سے ہی یہ دو نام ہیں" محمدؐ اور احمدؐ"۔ (محمدؐ رسول اللہ)

"پیدائش کے ساتویں روز جناب عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور قریش کے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ کھانے کے بعد لوگوں نے پوچھا۔ اے عبدالمطلب! آپ نے اپنے جس بیٹے کیلئے ہماری یہ ضیافت کی ہے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا: "میں نے اس کا نام محمدؐ رکھا ہے۔" لوگ کہنے لگے آپ نے اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کے ناموں سے مختلف نام کیسے رکھا؟ عبدالمطلب نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آسمان میں اللہ اور زمین پر خلق اللہ اس کی تعریف کرے۔"

(سیرت سرورِ عالم، حصہ دوئم، ص:۹۵)

لوقا کی انجیل میں یوحنا کی پیدائش پر نام رکھنے کا یہ واقعہ موجود ہے۔

"آٹھویں دن ایسا ہوا کہ وہ لڑکے (یوحنا) کا ختنہ کرنے آئے؟ اور اس کا نام اس کے باپ کے نام پر "زکریا" رکھنے لگے۔ مگر اس کی ماں نے کہا۔ نہیں اس کا نام "یوحنا" رکھا جائے۔ انہوں نے اس سے کہا۔ "تیرے کنبہ میں کسی کا یہ نام نہیں"۔ پھر انہوں نے اس (یوحنا) کے باپ (زکریا) کو اشارہ کیا کہ تو اس کا نام کیا رکھتا ہے؟ اس (زکریا) نے تختی منگا کر یہ لکھا۔ اس کا نام یوحنا ہے اور سب نے تعجب کیا۔"

(لوقا باب:۱، نشان: ۵۹ تا ۶۳)

بائبل کا مکمل اور بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بنی اسرائیل میں جس قدر نبی گزرے ہیں۔ ان کے نام وحی کے ذریعہ رکھے گئے تھے۔ اگر نبی غیر نبی خاندان میں پیدا ہوتا تو اس وقت کے نبی کو وحی کی جاتی اور وہ اس کے والدین کو بچے کی پیدائش کی خبر دیتا اور کہتا اس کا نام یہ رکھنا۔ جیسا کہ یوحنا کا واقعہ گزرا۔ اگر اس دور

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

میں کوئی نبی نہ ہوتا تو اسکے والدین کو خواب میں بتایا جاتا کہ بچہ کا یہ نام رکھا جائے۔

آنحضرت کا محمدؐ نام صدیوں پہلے تجویز کر دیا گیا تھا۔ جو پیشگوئی کے طور پر ہر نبی بیان کرتا چلا آرہا تھا۔ بقول بعض اس نام کے نبی کی پیشگوئی حضرت آدم علیہ السلام سے چلی آرہی تھی جیسا کہ ''معارج النبوت'' میں لکھا ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ زمانہ اور اس زمانہ میں رائج زبان کے اعتبار سے نام کے الفاظ بدلتے رہے مگر معنی وہی رہے جو مجوزہ تھے۔ یعنی تعریف کیا گیا یا یوں سمجھا جائے کہ جب عہد بہ عہد ایک زبان سے دوسری زبان میں پیشگوئی کا ترجمہ ہوا تو اصل نام کی جگہ اس کا ترجمہ لکھا گیا۔ جب توریت کے عبرانی، سریانی، یونانی وغیرہ متعدد زبانوں میں ترجمے ہوئے اسی طرح انجیل میں بعض نے تو وہی لفظ استعمال کیے اور بعض نے اس کا ترجمہ کر کے اپنی زبان میں لکھا جس کے معنی ''تعریف کیا گیا'' ہی رہے۔

مثلاً یوحنا کی انجیل میں اصل یونانی لفظ ''پریکلیٹس PARACLETUS'' یا ''پیری کلائیٹس'' (PERICLYTOS) استعمال ہوا ہے۔ اسکے معنی ''تعریف کیا گیا'' ہی ہوتے ہیں اور یہ لفظ یقیناً مجوزہ لفظ کا ترجمہ ہی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ نے فلسطین کی سریانی زبان میں ادا کیا ہوگا۔ کیونکہ اس وقت فلسطین میں سریانی زبان بولی جاتی تھی۔ حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یوحنا نامی نے اپنی مرتبہ انجیل میں اسی نام کو مُنحمنا لکھا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے:

''مجھے جو خبریں معلوم ہوئی ہیں ان میں سے یہ خبر بھی ہے کہ عیسیٰ بن مریم نے انجیل میں اہل انجیل کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ یہ صفت بیان فرمائی ہے۔ (حضرت عیسیٰ نے فرمایا)

''مگر جو بات ناموس ہے اس کا پورا ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے مجھ سے ناحق بغض کیا۔ پس کاش ''مُنحمنا'' آگئے ہوتے۔ جنہیں اللہ تمہاری طرف پاک روح کے ساتھ بھیجے گا یہ وہ ہوگا جو رب کے پاس سے نکلا اور میرا گواہ ہے۔''

(سیرت ابن ہشام حصہ اول، ص: ۲۵۸)

معلوم ہوا حضرت عیسیٰ نے اپنے کلام میں سریانی زبان کا اصل لفظ منحمنا استعمال کیا تھا۔ محمد اسحاق آگے لکھتا ہے۔ ''یہ سریانی لفظ ''محمدؐ'' کے ہم معنی ہے۔ یوحنا نے اپنی انجیل میں اسی کا ہم معنی لفظ ''پیری کلائیٹس PERICLYTOS یا پریکلیٹس PARACLETOS'' استعمال کیا جو ''ہر قلیطس'' اور فارقلیط'' سے باعتبار تلفظ قریب تر ہے اور اسی معنی تعریف کیا گیا میں استعمال ہوا ہے اور انجیل برنباس میں اسی نام کو ترجمہ کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ سردار کاہن نے پوچھا ''وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا؟ اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا۔ اس مسیح کا نام ''قابل تعریف'' ہے کیونکہ جب خدا نے اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا۔''

(انجیل برنباس باب : ۹۷)

یہاں نام کی جگہ اس کے معنی بیان کئے گئے ہیں۔

اس مختصر گفتگو سے یہ بات کھلے طور پر ظاہر ہوگئی کہ آنحضرت کی بعثت کا وقت اور آپ کا نام محمدؐ ازل میں تجویز کیا گیا۔ پھر حضرت آدمؑ سے تمام انبیاء کو یہ پیشگوئی یعنی آخر میں آپ کے آنے کی خبر منتقل ہوتی رہی، ہر نبی اپنی امت کو یہ خبر پہنچاتا رہا۔ عہد اور زبان کی تبدیلی کے سبب محمدؐ کا ترجمہ لکھا اور کہا جاتا رہا۔ لیکن اصل مجوزہ نام یا صفت محمدؐ پوشیدہ رہا۔

حضرت عیسیٰ کے بعد جب یوحنا نے محمدؐ کا ہم معنی لفظ استعمال کیا اس وقت حضرت عبدالمطلب پیدا بھی نہ ہوئے تھے بلکہ آپ کی پیدائش میں چار سو سال سے زیادہ کا عرصہ باقی تھا۔ پھر آپ کی پیدائش اور اس کے بعد تک پیشگوئیوں میں ''محمدؐ'' کے بجائے اس کے ہم معنی الفاظ عبرانی، سریانی، یونانی اور رومی زبان کے شہرت رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عبدالمطلب ان زبانوں سے بھی واقف نہ تھے۔ تو پھر آپ کو ''محمدؐ'' نام کیسے معلوم ہوا؟ جو نہ صرف ازل میں تجویز کردہ تھا بلکہ مشہور ناموں کے ہم معنی لفظ تھا۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت عبدالمطلب کو یہ نام بروقت وحی کے ذریعہ بتایا گیا اور تمام قریش یہ نام سن کر حیران رہ گئے کہ یہ نام ان کے لیے اجنبی تھا اور ایسا نام رکھنے کا دستور عربوں میں موجود نہ تھا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کو خواب میں ''احمد'' نام بتایا گیا کہ وہ غیر نبی خاندان سے تھیں۔ دونوں نام معنوی اعتبار سے یکساں ہیں اور اسی لئے حضرت عبدالمطلب نے کوئی اعتراض نہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''اس کے بہت ناموں میں سے ہی یہ دو نام ''محمدؐ اور احمدؐ'' ہیں۔

اب اگر قرآن آنحضرتؐ کی رسالت اور دیگر انبیاء کی نبوت پر بذریعہ وحی علم غیب کے حصول کی دلیل قرار دیتا ہے تو یہی کلیہ حضرت عبدالمطلب کی نبوت پر صادق آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے آپ کو حضرت الیاسؑ کا ثانی قرار دیا ہے۔ آپ پر سلام بھیجا ہے اور آپ کو کھلے الفاظ میں صالحین میں شمار کیا ہے۔

القائی کیفیت: متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول موجود ہے جو آپ نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ:

''جب تم کو یہ لوگ میری وجہ سے گرفتار کریں گے تو تم فکر نہ کرنا اور نہ یہ سوچنا کہ ہم کیا انہیں جواب دیں کیونکہ جو کچھ کہنا مناسب ہوگا اسی وقت تم کو بتایا جائے گا کیونکہ اس وقت بولنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کا روح (فرشتہ) ہوگا۔''

(متی کی انجیل باب: ۱۰، نشانی: ۱۹ - ۲۰)

حضرت عیسیٰ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت اللہ جو کہلوانا چاہتا ہے اس کا انتظام بروقت فرشتہ کے ذریعہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا آنحضرت کا نام رکھتے وقت لفظ ''محمدؐ'' فرشتہ ہی نے حضرت عبدالمطلب کے دل میں ڈالا تھا اور جب آپ نے ابرہہ سے گفتگو کی تھی اور اس کے سوالوں کا جواب دیا تھا وہ بھی بروقت فرشتہ کے ذریعہ آپ کو سمجھائے گئے تھے۔ اس لیے کہ آپ کے یہ جوابات ابرہہ اور قریش دونوں کی توقع کے بالکل

Presented by Ziaraat.net

برعکس اور حیران کن تھے اور آج بھی مورخ اور سیرت نگار حیران و پریشان ہیں۔

سیوطی نے ''اتقان'' میں آنحضرتؐ پر وحی کے نزول کے طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ'' آپ کے ذہن وقلب میں ایک بات ڈالی جاتی تھی۔ جیسا کہ آپؐ نے خود بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابن قیم نے ''زادالمیعاد'' میں یوں لکھا ہے۔

''فرشتہ آپ کے ذہن وقلب میں ایک بات ڈالتا تھا۔ بغیر اس کے کہ وہ آپؐ کو نظر آئے۔'' قرآن نے حضرت یعقوبؑ کے اس قول کو دہرایا ہے جو آپ نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا۔ ''انی اعلم من اللہ مالا تعلمون۔''

(سورۂ یوسف آیت: ۱۱)

انہوں نے کہا تھا۔ ''میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت اپنے بڑے بیٹے جناب ابوطالب سے آنحضرتؐ کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''اے ابوطالب! اگر تجھے زمانہ بعثت مل جائے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس فرزند ارجمند کے اوصاف کمال کے متعلق جو کچھ میں نے کہا ہے دانش وفراست کی رو سے کہا ہے۔ مجھے اسکے حالات سے تمام مخلوق سے زیادہ علم ہے۔''

(معارج النبوت، رکن دوم، ص: ۱۴۵)

مولانا مودودی نبیوں کے علم غیب سے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ خیال درست نہیں ہے کہ رسولوں کو بس اتنا ہی علم غیب دیا گیا تھا جتنا بندوں کو پہنچانا مطلوب تھا۔ یہ بات قرآن واحادیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ بکثرت آیات وروایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسولوں کو جو علم غیب دیا گیا تھا وہ اس سے بہت زیادہ تھا جو ان کے واسطے سے بندوں تک پہنچا اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ ایسا ہو۔''

(سیرتِ سرورعالم، حصہ اول، ص: ۴۷-۴۳)

معارج النبوت میں ہے کہ ایک بار حضرت عبدالمطلب نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا:

''میں دیکھتا ہوں کہ اس کی بزرگی کے بہت سے نشانات ہیں اور عنقریب وہ (محمدؐ) تمہارا سردار ہوگا۔ یہ نور جو میں اس کی پیشانی میں دیکھتا ہوں ایسے شخص کا نور ہے جسے لوگوں کی سرداری کے لیے پیدا کیا ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میرا یہ فرزند بہت بڑے ملک کا مالک ہوگا اور خدائے تعالیٰ کا اس کے ساتھ ایک ایسا راز ہے جو کسی کے ساتھ نہیں۔''

(معارج النبوت، رکن دوم، ص: ۱۴۱)

آپ کا نام نامی واسمِ الہامی

کوئی مورخ یا سیرت نگار یہ نہیں بتا سکا کہ حضرت عبدالمطلب کا اصل نام کیا تھا؟ یعنی وہ نام جو آپ کی والدہ یا والد یا انتہائی قریبی رشتہ دار نے پیدائش کے وقت رکھا تھا۔ شیبہ آپ کا اصل نام نہیں ہے۔ یہ اہل یثرب (مدینہ) نے آپ کے بال سفید ہونے کے سبب مشہور کر دیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ یہ نام مکہ میں شہرت نہ پا سکا۔ عبدالمطلب نام کی شہرت بنی امیہ اور ان کے حلیفوں نے دیدی تھی۔ ان دونوں ناموں کے متعلق روایتیں بیان ہو چکی ہیں۔ ان میں ایک نام بھی اصل نہیں ہے۔ وہ صفت کی بنیاد پر شہرت پا گئے ہیں۔ جس وقت آپ کو شیبۃ الحمد کہا گیا، اس وقت آپ واقعی بوڑھے تھے بالوں کی سفیدی بھی اس کا ایک سبب تھی۔ لفظ ''الحمد'' تعریفاً لگایا گیا اس لئے یہ نام بھی اصل نہیں ہے۔ پھر آپ کو فیاض اور ''مطعم الطیر'' کہا گیا یہ بھی صفتی حرف ہیں۔ اصل نام نہیں ہیں۔ آپ کو مستجاب الدعوات بھی کہا گیا یہ بھی آپ کا لقب ہے اصل نہیں۔ بعض نے آپ کا پیدائشی نام عامر بیان کیا ہے۔ اس لئے بامر مجبوری آپ کا نام نامی وہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ جسے بنی امیہ نے بغض وعناد کی وجہ سے شہرت دی جو زبان زدِ عام ہوا اور جسے مورخین نے اپنی تحریروں میں استعمال کیا اور وہ ہے ''مطلب کا غلام۔''

یہاں دو باتوں کا وجود یقینی ولابدی ہے۔ ایک آپ کا پیدائشی نام جو آپ کی والدہ یا والد نے رکھا ہوگا۔ کیونکہ اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں ہے ہر ماں اور باپ اپنی اولاد سے محبت رکھتے ہیں اور نام رکھنا اس محبت اور خواہش کا ایک حصہ ہے۔ اسی لیے نام تو بچہ کی پیدائش سے پہلے ہی تجویز کر لیے جاتے ہیں، اسکے باوجود آپ کے کسی نام کا کوئی نشان تاریخ میں موجود نہیں۔

دوسرے یہ کہ انبیاء کے نام ان کی پیدائش سے قبل اگر وہ نبی کے خاندان سے ہوں تو اس وقت کے موجود نبی کو بذریعہ وحی یا القاء والہام کے ذریعہ بتایا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کے باپ یا ماں کو اس کا نام خواب میں بتا دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی نبی بالغ ہونے کے بعد نبوت کا حامل قرار دیا جائے تو اسے اس کا نام القاء والہام کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال یا تفصیل کی ضرورت نہیں قرآن اور بائبل ایسے واقعات کی طرف صریحاً اشارہ کرتے اور نام تجویز کرنے اور رکھنے کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے نام سے متعلق تاریخ اور روایت بیان کی جا چکی ہے چونکہ آپ کی والدہ غیر نبی خاندان سے تھیں انہیں خواب میں احمد نام بتایا گیا اور آپ کے دادا نبی تھے۔ انہیں ''محمدؐ'' نام وحی کیا گیا اور دونوں نام رکھے گئے کہ معنی کے اعتبار سے ایک ہیں۔ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کے نام اسی طرح تجویز کئے گئے تھے۔ بائبل اس کی گواہ ہے اس لئے آپ کو آپ کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ حضرت عبدالمطلب کا نام بھی بوقتِ پیدائش خواب میں بتایا گیا یا بعد میں آپ کو آپ کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کی طرح وحی کیا گیا۔ لیکن اس نام کی کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچنے دی گئی۔ کیونکہ یقیناً اس نام سے آپ کا نبی ہونا ثابت ہوتا تھا اور بنی امیہ اور ان کے حلیف یہ ہرگز نہ چاہتے تھے۔ بعد کے راویوں نے اس وقت اقتدار پر قابض بنوامیہ کے دور میں ان ہی کے مشہور کردہ ناموں کا ذکر کیا اور اصل نام کی ہمیں کوئی اطلاع نہ دی۔ اسی

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

سے متاثر ابتدائی مورخین و محققین نے اس جانب توجہ کی زحمت گوارا نہ کی۔

تمام مورخ سیرت نگار اور راوی اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ زمزم کی نشاندہی سے متعلق پہلے سچے خواب اور اسی سے متعلق دیگر تنازعات میں غیب سے کی گئی امداد کی وجہ سے آپ پر القائی والہامی کیفیات طاری ہونے لگی تھیں، آپ ان سے بے انتہا متاثر تھے اور ان کا ذکر آپ قریش سے کرتے رہتے تھے اور ان ہی آثار کو اللہ کی نشانیاں قرار دیتے تھے۔ لیکن واقعہ تکمیل نذر کے موقع پر جو حیرت انگیز باتیں آپ کے مشاہدہ اور تجربہ میں آئیں اور اچانک معجزاتی طور پر بیٹے کا قربان ہونے سے بچ جانا عمل میں آیا تو آپ کے قلب پر ایسے روحانی عرفانی اور قدوسی والہیاتی جذبات نے احاطہ کیا کہ آپ پر الہامی والقائی کیفیت طاری ہوئی اور آپ کی توجہ آپ کے اسی بیٹے کے نام کی طرف مبذول ہوئی جس کا پیدائشی نام عبدالدار تھا۔ آپ نے اس نام کو تبدیل کر کے اس کا نام عبداللہ رکھا یہی نام تاریخ میں مشہور ہوا۔ پھر ان بیٹوں کے نام بھی تبدیل کر دیئے جن کے ناموں کی نسبت بتوں سے تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے عبدالعزیٰ کا نام بدل کر عبدالکعبہ [1] رکھا۔ لیکن بنوامیہ نے اسے اس کے بدلے نام عبدالعزیٰ سے ہی شہرت دی اور پھر عبدالملک بن مروان کے زمانہ (۶۵ ھ) سے اسے ''ابولہب'' [2] مشہور کیا اور سورۂ تبت کا مصداق ٹھہرایا اور قرآن کے عائد کردہ ان تمام الزامات سے اپنی ایک شخصیت کو محفوظ کر لیا۔ اپنی زندگی میں عبدالعزیٰ ابوعتبہ کے نام سے مشہور تھا۔

آپ نے اپنے بیٹے عبدمناف یعنی ابوطالب کا نام، حضرت موسیٰ کے والد کے نام پر عمران رکھا۔ اس کی تصدیق غیاث اللغات سے بھی ہوتی ہے۔ لکھا ہے ''عمران، بالکسر آبادی، ونام پدر موسیٰ علیہ السلام، ونام پدر حضرت مریم ونام ابوطالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وسلم، ازمنتخب۔''

(غیاث اللغات، ص: ۳۵۱)

اسی موقع پر بذریعہ وحی آپ کا نام ''عامر'' تجویز کیا گیا اور پھر آپ نے اپنا تعارف ''عامر'' کے نام سے کرایا۔ اس نام کے تجویز کرنے کی وجہ آپ کی وہ مقبول دعا تھی جو آپ نے اپنے خدا سے اولاد کے بارے میں کی تھی اور پھر آپ کو آپ کے خدا نے دس لڑکے اور چھ بیٹیاں عطا کی تھی اور اسی دعا کی مقبولیت پر عبداللہ کو قربان کیا جانا تھا۔

عامر کے معنی ہیں آباد کیا گیا یا آباد کنندہ، گویا اس طرح آپ کے غیر آباد گھر کو اولاد سے آباد کیا گیا تھا۔ لفظ عمران میں بھی یہی معنوی نسبت موجود ہے۔ ہم نے پہلے بتایا ہے کہ رسول یا نبی کا نام بذریعہ وحی یا خواب کے ذریعہ بتایا جاتا ہے۔ اس کی تصدیق آسمانی والہامی کتب سے ہوتی ہے اور نبی کو جب نبوت کے درجہ پر فائز کیا جائے اس کو بتا دیا جاتا ہے کہ اب تمہارا نام کیا ہوگا۔

---

۱ بعض کا کہنا ہے کہ عبدالکعبہ نام جناب ابوطالب کا تجویز کیا تھا۔ مگر یہ غلط ہے (یہ نام اس وقت کے مطابق ان کی ماؤں نے رکھے تھے۔ مگر بعد میں ایسے نام عبدالمطلب نے تبدیل کر دیئے اور بعد میں پیدا ہونے والے بچوں کے نام ایسے نہیں رکھے)

۲ تفصیلی معلومات کیلئے ہماری کتاب ''ابولہب'' کا مطالعہ کیجئے۔ بازار میں دستیاب ہے یا ہم سے طلب فرمائیں۔

حضرت ابراہیم کا پیدائشی نام ''ابرام'' تھا۔ لیکن جب آپ کو نبوت پوری طرح تفویض کر دی گئی تو آپ کا نام بدل کر ''ابرہام'' رکھا گیا۔ یہی ''ابرہام'' معرب ہو کر ابراہیم ہوا۔

''اور خدا نے اس سے ہم کلام ہو کر فرمایا کہ ''دیکھ میرا عہد تیرے ساتھ ہے اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا اور تیرا نام پھر ''ابرام'' نہیں کہلائے گا بلکہ تیرا نام ''ابرہام'' ہوگا۔ کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا ہے۔''

(پیدائش باب ۱۷، نشان ۴ تا ۶)

بالکل اسی طرح جب حضرت عبدالمطلب کی دعا قبول ہوئی اور آپ کو اولاد دے دی گئی اور آپ نے اس دعا کی مقبولیت پر عبداللہ کی قربانی پیش کی تو کہا گیا۔ ''میں نے تجھے کثیر اولاد کا باپ بنایا آئندہ سے تیرا نام ''عامر'' ہوگا۔''

''اور خداوند کے فرشتہ نے اس (ہاجرہ) سے کہا۔ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔

(پیدائش باب ۱۶، نشان ۱۱ تا ۱۲)

''تب خدا نے فرمایا کہ ''بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اسحاق رکھنا''۔

(پیدائش باب، نشان ۱۹)

''تب اس (فرشتہ) نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا یعقوب اس نے کہا کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا۔''

(پیدائش باب ۳۲، نشان ۲۷ تا ۲۸)

غرض بائبل میں تمام نبیوں کے نام بذریعہ، الہام، القاء اور خواب کے ذریعہ رکھے جانے کا ذکر موجود ہے اس کی تائید قرآن نے بھی کی ہے۔ حضرت یحییٰ (یوحنا) اور حضرت عیسیٰ کے نام رکھے جانے کا ذکر بائبل کے حوالہ سے ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ قرآن سورۂ آلِ عمران کی ۳۹ ویں آیت میں یوحنا (حضرت یحییٰ) کے نام کے متعلق کہتا ہے۔ ''ان اللہ یبشرک بیحی'' (اللہ تمہیں یحییٰ کے پیدا ہونے کی خوشخبری دیتا ہے) یعنی تمہارے بیٹا ہوگا اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اور اسی سورہ کی آیت ۴۵ میں حضرت مریم کو بیٹے کی پیدائش کی اطلاع دیتے ہوئے نام بھی بتایا گیا ہے۔

''اسمہ المسیح عیسیٰ بن مریم'' اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ اور جب قرآن نے اسی سورہ کی ۳۳ اور ۳۴ ویں آیات میں یہ کہا کہ ''ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآلِ ابراھیم و آلِ عمران علی العالمین ٥ ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم'' ٥ یعنی بیشک اللہ نے آدم ونوح اور خاندانِ ابراہیم اور خاندانِ عمران کو سارے جہان پر برگزیدہ کیا ہے۔ (یہ) ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ اور اللہ سننے اور خوب جاننے والا ہے۔'' تو مفسرین نے ان آیات کی وضاحت میں ''آل ابراہیمؑ کے تحت اسمٰعیلؑ اور خاندانِ اسمٰعیل

Presented by Ziaraat.net

Gabeel-e-Sakina (SA)

کو بھی شامل کیا جبکہ ایک طرح آلِ عمران بھی آلِ ابراہیمؑ میں شامل ہوتے ہیں۔ یوں مفسرین نے آلِ ابراہیم سے آلِ عمران کو جدا کیا اور آلِ عمران کی وضاحت میں کہا۔ ''عمران نام کی تاریخی شخصیتیں دو گزری ہیں ایک موسیٰ کے والد عمران بن یصہر دوسرے ان کے کئی صدی بعد حضرت مریم کے والد عمران بن ماتان۔ (تفسیر ماجدی) ان لوگوں نے آلِ عمران میں ان دونوں کے خاندانوں کو شامل کیا ہے اور جدید و قدیم مفسرین نے بنوامیہ کے پروپیگنڈہ کے زیر اثر تیسری عمران نامی شخصیت کے ذکر سے دانستہ اغماض برتا ہے۔ جبکہ عمران بن عامر کا خاندان خاتم الانبیاء کا خاندان ہے اور اسے بنی اسرائیل سے نسبت ہے۔ اس لئے ہم واضح الفاظ میں یہ کہنا پسند کریں گے کہ چونکہ آلِ ابراہیم میں عمران بن یصہر اور عمران بن ماتان دونوں کے خاندان شامل ہیں اور یہ بنی اسرائیل میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے بعد ان کی اولاد میں دو علیحدہ قبیلے وجود میں آگئے تھے۔ ایک بنی اسرائیل دوسرے بنی اسمٰعیل۔ اس لئے قرآن نے آلِ ابراہیم کہہ کر تمام بنی اسرائیل مراد لیے ہیں اور آلِ عمران کہہ کر بنی اسرائیل کا ایک خاندان مراد لیا ہے۔ کیونکہ آلِ اسمٰعیل میں تمام اسماعیلی بت پرست ہو گئے تھے۔ بنی ہاشم میں صرف حضرت عبدالمطلب کی اولاد وحدانیت پرست تھی اور یہ خاندان دین ابراہیمی پر قائم تھا۔ اس لئے قرآن نے آلِ عمران کہہ کر صرف عمران بن عامر (عبدالمطلب) کا پورا خاندان مراد لیا ہے۔ اور اسے دیگر تمام بنی اسماعیل پر ترجیح و فضیلت دی ہے۔

طور سینین، یاسین، الیاسین

قرآن مجید میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں۔ ان میں اٹھائیس سورتیں ایسی ہیں جن کا آغاز صرف چند حروف کے مجموعہ سے ہوتا ہے۔ یعنی یہ حروف لفظ میں تبدیل نہیں ہوتے اور لفظ کی صورت میں لکھے جانے کے باوجود اپنی وحدت برقرار رکھتے ہیں۔ تحریری طور پر لفظ ہونے کے باوجود قرات میں الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ کی ابتدا ''الٓمٓ'' سے ہوتی ہے۔ دیکھنے میں تحریراً یہ لفظ ہے لیکن اس میں حرکات کا عمل دخل نہیں ہے۔ پڑھنے میں اسے ''اَلَمْ'' نہیں پڑھا جائے گا بلکہ تینوں حروف علیحدہ کر کے الف لام میم پڑھے جائیں گے۔ اسی لئے ایسے الفاظ کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ حروف مقطعات کیا ہیں؟ اور ان کے معنی و مطالب معلوم کیوں نہیں؟ کسی بھی مفسر نے ان کی وضاحت معقول طریقہ پر نہیں کی ہے۔ ہر ایک نے قیاس پر مبنی طرح طرح کی تفسیریں کی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی تفسیر ایسی نہیں جسے عقل انسانی تسلیم کر لے۔ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی ایک صحابی نے بھی آنحضرتؐ سے اس بارے میں دریافت نہ کیا کہ ان کا مطلب کیا ہے؟ (یہ لمحہ فکریہ ہے)

بالکل اسی طرح ہمارے نامور علماء اہل زبان مفسر اور عربی داں مترجم قرآن حکیم کی طرز فصاحت بلاغت اور خطابت سے نا آشنا رہے ہیں۔ قرآن خوانی تو معلوم ہے لیکن قرآن فہمی معدوم ہے۔ تاریخ ہو، سیرت ہو یا قرآن مجید کی تفسیر ہر ایک میں عرب قبائلی تعصب علانیہ یا خفیہ پایا جاتا ہے۔ حروف مقطعات کا

مفہوم معلوم نہ ہونا اور قرآنی استعارات و کنایات کا واضح نہ ہونا یا کسی آیت کا مصداق غلط بیان کرنا تعصب ہی کا وجود فراہم کرتے ہیں۔ حاکم شام معاویہ بن ابوسفیان کے عہد حکومت میں موضوع احادیث و روایات کے پھیلنے اور اس دور میں ''تاریخ الماضیین'' ترتیب دینے پھر عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں قرآن کی تفسیر اس کے حکم سے تیار و مرتب کرنے کے سبب بعد کے مورخ، سیرت نگار اور مفسر پہلے سے موجود ان روایات اور تحریرات سے متاثر رہے۔ انہوں نے تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس کا سبب اس طویل یعنی نوے سالہ دور میں ان حاکموں کا خوف بھی تھا۔ جو بنی ہاشم اور آلِ عمران کے فضائل کی تشہیر نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا ایسے تمام تاریخی واقعات اور قرآن میں بیان کردہ فضائل کو پوشیدہ رکھا گیا یا قیاس و توجہی سے مفہوم بدل دیا گیا۔ ترکی کے مفتی اعظم آقائے بہلول بہجت، اپنی کتاب ''تشریح و محاکمہ در تاریخ آلِ محمدؐ'' میں لکھتے ہیں:

> ''ہمیں دلخراش تاریخی واقعات کو دہرانا منظور نہیں ہے۔ بلکہ یہ ثابت کرنا مطلوب ہے کہ اس (بنوامیہ کے) زمانہ میں آلِ محمدؐ کے فضائل بیان کرنا یا ان کے حالات کا معمولی ذکر بھی مشکل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بنوامیہ کے دور میں اہلبیت کے حق اور حقیقت کا ذکر ہی نہ تھا بلکہ ان پر مکر و فریب کے پردے ڈالے جا رہے تھے۔'' (صفحہ: ۷۲)

قرآنی مفاہیم میں بھی اسی طرح تغیر و تبدل نظر آتا ہے۔ اصل مفاہیم یا آیات کے مصداق کو پس پردہ رکھ کر قیاس سے کام لیا گیا ہے۔ کہیں حرکات کی تبدیلی سے معنی بدلے ہیں اور کہیں انتہائی دیدہ دلیری سے قواعد زبان میں ردوبدل سے مفہوم تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ اس ضمن میں ہم آیت وضو کو پیش کر سکتے ہیں ایسے اختلافات اور بحثیں معروف کتابوں میں موجود ہیں۔ ان ہی لوگوں نے بعض مقامات پر اسرائیلیات سے مدد لی ہے اور قرآن کے اصل مفاہیم کو پوشیدہ رکھا ہے۔ آیہ شجرہ بھی اسی ذیل میں آتی ہے۔ ان آیات کے غلط مفاہیم پر اصرار کی بحث کیلئے محترم رحمت اللہ طارق کی کتاب ''منسوخ القرآن'' کا صفحہ ۴ تا ۶ مطالعہ کیجئے۔

ہم نے زیر تحریر باب میں تین الفاظ کو عنوان بنایا ہے۔ یہ تینوں الفاظ قرآن میں بطور اسم اور اسم ثنیٰ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے معنی و مفہوم کی تفسیر میں بھی مفسرین نے حقائق کو چھپایا ہے یا وہ خود حقائق تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ آخر خود مسلمان علماء اپنی اسلامی اور الہامی کتاب کے سمجھنے سے کیوں قاصر رہے ہیں؟ ہم اس سے پہلے کہ ان الفاظ کے معنی و مفہوم کی تشریح و تفسیر کے لیے ان کا تجزیہ کریں ان سے متعلق واقعی اور تاریخی پس منظر بیان کرنا زیادہ مناسب خیال کرتے ہیں تا کہ قارئین کو ہمارا موقف سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

بائبل کی پیش کردہ تاریخی و واقعاتی تفصیل کے مطابق حضرت موسیٰ نے بحر قلزم پار کرنے کے بعد جس بیابان میں قیام کیا تھا اس بیابان کا نام ''سین'' تھا۔ اس بیابان سین کے ایک پہاڑ کے دامن میں حضرت موسیٰ نے خیمے لگا کر قیام کیا۔ بنی اسرائیل ایک سال دو ماہ کے قریب دشتِ سین میں رہے۔ اسی پہاڑ پر حضرت موسیٰ کو تجلی ہوئی اور شریعت کے دس بنیادی احکام پتھر کی سلوں پر لکھے ہوئے آپ کو دیئے گئے۔ اسی پہاڑ پر

Presented by Ziaraat.net

آپ نے چالیس روز چلہ کشی کی تھی۔ اس نسبت سے اس پہاڑ کو خصوصیت اور تقدس حاصل ہوا اور اس پہاڑ کو ''طور سینا'' کہا گیا۔ اور اس کے گردو پیش بیابان کو ''وادی سینا'' کہا جانے لگا۔ عبرانی زبان میں طور کے لغوی معنی پہاڑ کے ہوتے ہیں۔ ''طور سینا'' یعنی وادی سین کا وہ مخصوص اور مقدس پہاڑ جس پر موسیٰ کو احکام شریعت ملے اور جس سے آپ کی رسالت کا آغاز ہوا یا جہاں خدا نے آپ سے روبرو باتیں کیں ''طور سینا'' اصل میں ''طور سین'' (وادی سین کا پہاڑ) ہے۔ اس میں تخصیص کیلئے الف زائد ہے۔ اور اس الف کے اضافہ سے وادی سین کا مخصوص پہاڑ مراد ہے۔

لیکن جب بنی اسرائیل ایک پیشگوئی کے مطابق پورے چالیس سال وادی تیہہ میں بھٹکتے رہنے کے بعد حضرت موسیٰ کی رہنمائی میں دریائے یُردن (اردن) کے مغربی کنارے پر پہنچے تو موآب کے میدانوں میں قیام کیا۔ اسی میدان کے ایک پہاڑ ''نبُو'' کی چوٹی پر جسے پسگہ کی چوٹی کہا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ نے قیام کیا اور اسی پہاڑ کی چوٹی پر اللہ نے حضرت موسیٰ سے بات کی جس طرح وادی سین کے پہاڑ (طور سینا) پر کی تھی۔ یہیں آپ کو آپ کی وفات کی خبر دیدی گئی تھی۔ اسی پہاڑ پر بحکم خدا آپ نے بنی اسرائیل کو وہ تمام احکام یاد دلائے اور ان پر عمل کرتے رہنے کی تاکید کی جو طور سینا پر دیئے گئے تھے۔ یہیں شریعت موسوی کی تجدید ہوئی اور وہ احکام جو طور سینا پر لوحوں کے ذریعہ دیئے گئے تھے۔ ایک پتھر پر کندہ کر کے وہاں نصب کئے گئے۔ یہیں حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو طویل ترین خطبہ دیا اور اپنی وفات سے پہلے یوشع بن نون کو اپنا نائب نبی بحکم خدا مقرر کر کے بنی اسرائیل سے انکی اطاعت کا عہد لیا۔ ۱۲۰ سال کی عمر میں حضرت موسیٰ نے اسی پہاڑ پر وفات پائی۔

طور سینین

گویا وادی سین میں جس شریعت کا آغاز ہوا تھا وادی موآب میں اس کا اختتام ہوا اور جس شریعت کی لوحیں حضرت موسیٰ نے کوہ سینا پر حاصل کی تھیں اسی شریعت کے قوانین ایک لوح پر کندہ کرا کے کوہ موآب پر نصب کرائے اور جس رسالت کی ابتدا طور سینا سے ہوئی تھی اس رسالت کی انتہا طور پسگہ پر ہوئی، اس لئے قرآن نے ان دونوں پہاڑوں کو ہم پلہ قرار دیتے ہوئے کوہ پسگہ کو کوہ سینا کا مثنیٰ قرار دیا ہے۔

عربی زبان میں واحد اسم کے آخر میں الف اور نون کے اضافہ سے تثنیہ بن جاتا ہے۔ جیسے قلم سے قلمان اور رجل سے رجلان۔ یہ صورت رفعی حالت میں ہے۔ نصبی اور جری حالت میں 'ی' اور 'ن' کا اضافہ کرتے ہیں تو تثنیہ بن جاتا ہے۔ جیسے قلم سے قلمین اور رجل سے رجلین۔ یہاں 'ی' پر زبر ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہاں زیر ہو یعنی واحد پر زیر کے ساتھ 'ی' اور 'ن' کا اضافہ کیا جائے تو مثنیٰ کے معنی ہوں گے۔ اسم واحد پر زیر کے ساتھ 'ی' اور 'ن' کے اضافہ سے جمع بھی بنتی ہے لیکن اس میں اسم کا فاعل ہونا شرط ہے۔ جیسے حاضر سے حاضرین لیکن اگر واحد اسم فاعل نہ ہو یا جہاں جمع کا احتمال وامکان نہ ہو وہاں واحد اسم پر زیر کے ساتھ 'ی' اور 'ن' کے اضافہ سے 'مثنیٰ' مثل و مانند کے معنی ہوں گے۔ جیسے سین سے سینین، یاس سے یاسین اور الیاس سے

الیاسین (وغیرہ) یہ تینوں الفاظ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اور یہی معنی لئے گئے ہیں۔

قرآن نے سورہ المومنون کی بیسویں آیت میں کہا: "وشجرة تخرج من طور سيناء" اور ایک درخت طور سینا پر اُگتا ہے''۔ یہاں طور سینا سے وادی سین کا وہی مخصوص پہاڑ مراد ہے جس پر حضرت موسیٰ کو تجلی ہوئی اور شریعت کے احکام ملے۔ لیکن سورہ ''التین'' کی ۱ تا ۳ آیات میں قران نے کہا۔ ''والتين والزيتون و طور سينين وهذ البلد امين." یہاں طور سینین سے مراد وادی سینا کا طور نہیں بلکہ اس کا مثنیٰ طور پسگہ ہے جبکہ تمام مفسرین نے طور سینا مراد لیا ہے۔ اب ان آیات کے معنی یہ ہوں گے۔ ''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سینا کے مثل و مانند پسگہ کے پہاڑ کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی۔

یاسین

قرآن مجید کی ایک سورت کا نام ''یٰسین'' ہے اور اس سورت کی ابتدا بھی لفظ ''یاسین'' سے ہوتی ہے اس کے باوجود اس لفظ کے معنی ومفہوم کی تفصیل کہیں نہیں ملتی۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی ابن کثیر اور دیگر صحابہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''روایتوں میں ہے کہ یہ مخفف ہے 'یا انسان' کا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ''یاسین'' یا ''انسان'' کا مخفف کس قرینہ اور قاعدہ سے ہوسکتا ہے۔ اگر اس میں ''یا'' حرف ندا سمجھ لیا جائے جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے تو حرف ''سین'' سے انسان کیسے مراد ہوا؟ اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو پوری آیت کے معنی ہی غلط ہو جاتے ہیں قرآن میں ہے۔

''یٰسٓ ۝ والقرآن الحكيم ۝ انک لمن المرسلين ۝ علىٰ صراط مّستقيم'' ۝ (یٰسین آیت: ۱ تا ۴) مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں ''یاسین'' قسم ہے پر حکمت قرآن کی کہ آپ (اے رسولؐ) پیغمبروں میں سے ہیں اور سیدھے راستہ پر ہیں۔'' اب اگر ''یاسین'' سے مراد یا انسان ہے تو خطاب انسان سے ہوا جبکہ اس میں آنحضرتؐ کو مخاطب کیا گیا ہے جیسا کہ ''اِنکَ'' سے ظاہر ہے۔ پہلی صورت میں یہ خطاب نوع انسان سے ہوگا اور پوری نوع انسانی رسول ٹھہرے گی اور معنی یوں ہوں گے۔ ''اے انسان! قرآن حکیم کی قسم کہ تو بیشک پیغمبروں میں سے ہے اور صراط مستقیم پر قائم ہے۔'' حالانکہ یہ معنی بنیادی طور پر غلط ہوتے ہیں نہ تو انسان صراطِ مستقیم پر قائم ہے اور نہ ہی ہر انسان پیغمبر ہے۔ کوئی ایک انسان ہی باقی انسانوں کے لیے پیغمبر ہوتا ہے۔

ہم نے پہلے وضاحت کی ہے کہ ''الیاس'' عبرانی زبان کے ''ایلیاہ'' کا معرّب ہے۔ ایلیاہ کی آخری ''ہ'' حرف سین سے تبدیل ہوتی ہے۔ اور ''ایلیاہ'' مرکب ہے 'ایل' اور 'یاہ' کا اسی طرح الیاس مرکب ہے 'ایل' اور 'یاس' سے۔ عبرانی میں ''ایل'' اللہ کیلئے آتا ہے۔ ''یاہ'' کے معنی فرمانبردار بندہ کے ہیں۔ ''یاہ'' عربی میں ''یاس'' ہوا تو اس ''یاس'' کے معنی بھی وہی فرمانبردار بندہ کے ہوئے۔ ''ایلیاہ'' اور ''الیاس'' کے معنی ہیں ''اللہ کا فرمانبردار بندہ'' اب اگر اس مرکب لفظ ''الیاس'' سے پہلا مفرد لفظ ال حذف کر دیا جائے اور ''یاس'' کہا

Presented by Ziaraat.net

جائے تو اس کا مطلب ''الیاس'' ہی لیا جائے گا یعنی وہی شخصیت مراد ہوگی جس کا یہ نام ہے۔ یہاں قرآن نے انتہائی فصاحت وبلاغت سے کام لیا ہے اور لفظ ''یاس'' میں زیر کے ساتھ 'ی' اور 'ن' کے اضافہ سے ''یاسین'' کہا ہے۔ جس طرح طورسین کو طورسینین کہہ کر اس کا مثنیٰ مراد لیا ہے۔ اسی طرح یہاں ''یاسین'' کہہ کر ''الیاس'' کا مثنیٰ مراد لیا ہے۔ لہٰذا ''یاسین'' میں لفظ ''یا'' اصل لفظ کا حتمی جز ہے نہ یہ حرف ندا ہے اور نہ اسے جدا کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہاں ''سین'' سے انسان مراد لیا جاسکتا ہے۔ لفظ ''یاس'' میں زیر کے ساتھ ''ی'' اور ''ن'' کے اضافہ سے یہ ایک مکمل، جامع اور بامعنی لفظ ہے اور قرآن کی درج بالا عبارت کے معنی اب یہ ہوتے ہیں۔ ''قسم ہے الیاس ثانی اور قرآن حکیم کی کہ آپ (اے محمدؐ!) رسول ہیں اور صراط مستقیم پر قائم ہیں۔'' اور الیاس ثانی حضرت عبدالمطلب ہیں۔

الیاسین

قرآن حکیم نے لفظ ''الیاس'' دو مقام پر اور لفظ ''الیاسین'' ایک مقام پر استعمال کیا ہے اور ان سے متعلق شخصیات کو ایک دوسرے کا مثنیٰ ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ سورہ ''الانعام'' کی ۸۵ ویں آیت میں کہا ہے۔ ''وذکریا ویحیٰی، وعیسیٰ، والیاس، کل من الصالحین''۔ ذکریا، یحیٰی، عیسیٰ اور الیاس صالحین سے تھے۔'' اور سورۃ ''الصّفات'' کی آیت: ۱۲۳ میں کہا۔'' وانّ الیاس لمن المرسلین ''اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔'' اسی سورہ کی اگلی ۱۲۹ تا ۱۳۲ آیات میں کہا۔'' وترکنا علیہ فی الآخرین. سلام علیٰ الیاسین. اِنا کذالک تجزی المحسنین. انہ من عبادنا المومنین. '' ترجمہ: اور ہم نے اس (الیاس) کا ذکر آئندہ لوگوں میں جاری رکھا۔ سلام ہو الیاس ثانی پر۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بیشک وہ (الیاس ثانی) ہمارے مومن بندوں سے تھا۔''

یہاں قرآن حکیم نے بڑے واضح اور صاف الفاظ میں بتایا ہے کہ حضرت الیاسؑ اپنے وقت کے پیغمبر اور صالح نبی تھے۔ ہم نے ان کا ذکر ان کے مثل و مانند آنے والے (الیاسین) نبی کے ذریعہ آنے والے لوگوں میں باقی رکھا اور سلام ہو الیاسین یعنی ان کے مثنیٰ نبی پر وہ بھی ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔'' اور یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ ''الیاسین'' یعنی حضرت الیاسؑ کے مثنیٰ حضرت عبدالمطلب ہیں۔

یہاں مولانا عبدالماجد دریابادی اور دیگر مفسرین نے لفظ ''الیاسین'' کو لفظ ''الیاس'' ہی کا دوسرا تلفظ قرار دیا ہے۔ یعنی وہ الیاسین کو الیاس کا مثنیٰ تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ وضاحت، تفسیر یا توجیہہ ہر اعتبار سے غلط اور بے معنی ہے۔

ایک لفظ کا اسی معنی میں دوسرا تلفظ ممکن ہی نہیں ہے۔ عربی ہی کیا دنیا کی تمام زبانوں میں ایک لفظ کا تلفظ بدلتے ہی معنی بدل جاتے ہیں اور وہ ایک علیحدہ دوسرا لفظ بن جاتا ہے۔ ہمارے منہ سے نکلنے والی ہر مفرد آواز حرف ہے اور آوازوں یعنی حروف کا مجموعہ لفظ ہے۔ حرکات یعنی زیر، زبر اور پیش اسے تلفظ میں تبدیل

کرتے ہیں۔ اگر لفظ پر حرکات کا عمل دخل نہ ہو تو وہ حروفِ مقطعات میں شمار ہوگا۔ اس کا کوئی تلفظ نہ ہوگا اور جب تلفظ نہ ہوگا تو اس کے معنی بھی نہ ہوں گے۔ جیسے ایک عربی لفظ ہے بطر، اس کے معنی ہیں شگافتن زخم لیکن اس کے دوسرے تلفظ بطر کے معنی ہوتے ہیں دہشت وحیرانی تلفظ تبدیل ہوتے ہی معنی بدل گئے۔ اسی طرح دوحرفی لفظ گل یا پل ہے یہ گ + ل اور پ + ل کا مجموعہ یعنی لفظ ہیں۔ تین حرکتوں سے ان میں سے ہر ایک کے تین تلفظ ہوں گے اور ہر ایک کا تلفظ اپنے الگ معنی رکھے گا۔ یہاں ایک دوسرے کا تلفظ نہیں ہوگا۔ لہٰذا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ ''الیاسین'' الیاس ہی کا دوسرا تلفظ ہے۔ الیاس اور الیاسین کے ایک ہی معنی نہیں ہو سکتے تلفظ مختلف ہوں گے تو معنی بھی الگ ہوں گے۔ اور الیاسین تو صرف حرکت ہی کی تبدیلی نہیں بلکہ اس میں حرکت کے ساتھ حروف کا اضافہ بھی ہے۔ پھر وہ دونوں مختلف تلفظ ایک ہی معنی اور تلفظ کیسے قرار دئے جاسکتے ہیں؟ ایک لفظ ہے ''بَعض'' اس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا ٹکڑا یا حصہ، لیکن اگر اس پر زبر کے ساتھ ''ے'' کا اضافہ کردیا جائے تو تلفظ بدل جائے گا اور ''بعضے'' کے معنی وحدت کے لئے جائیں گے۔ یہاں بعضے، بعض کا دوسرا تلفظ نہیں ہوسکتا۔

اب ہم قطعی طور پر فیصلہ کن انداز میں نہیں کہہ سکتے کہ علمائے تفسیر ان حقائق تک نہیں پہنچ سکے یا انہوں نے بنی امیہ کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر یا ان کے پیروکاروں کے خوف سے ان حقائق کو عمداً آنے والے مسلمانوں سے پوشیدہ رکھنے کی ناکام سعی کی ہے۔

جدید نظریات، اعتقادات اور مجہولیات کے دائرہ سے باہر لانے اور حقائق وصداقت کی طرف پیش قدمی کا بہترین ذریعہ رہے ہیں۔ لیکن ایسے نظریات کی تردید تعصبات وتوہمات کے پروردہ علماء ہمیشہ سے کرتے آرہے ہیں۔ اس طریقہ کار کا سلسلہ ماضی میں دس ہزار قبل مسیح تک پہنچتا ہے اور یہی سبب ہے کہ انسان توہمات وتعصبات کی دنیا سے ابھی تک باہر نہ آسکا اور یہی وجہ ہے کہ انسان آدمیت کے درجہ میں داخل نہ ہوسکا۔

ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ بقول ابن خلدون پورے عرب کی عصبیت بنوامیہ میں جمع ہوگئی تھی اور اموی دور نوے سال کی طویل مدت پر محیط رہا اسی دور میں ایسی روایات کو رواج دیا گیا جو عصبیت کا شاہکار تھیں، اس وقت کے عوام ان روایات کے زیر اثر حقائق سے نا آشنا رہے۔ اس وقت حدیث کیلئے یہ کہنا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا اور روایت کیلئے یہ کہنا کہ مجھ سے فلاں ابن فلاں نے بیان کیا صداقت کی دلیل سمجھا جاتا تھا اور راوی کو اس پر صداقت کا گواہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس طرح وہ حقائق اوصاف اور فضیلتیں پوشیدہ ہوتی چلی گئیں جو رسولؐ اللہ کے خاندان سے وابستہ تھیں یہ طریقہ کار آج بھی جاری ہے۔ چنانچہ ماضی میں جب بھی کسی مفکر یا محقق نے نیا نظریہ پیش کیا تو تعصب وتوہم کے پروردہ لوگوں نے اس کے حقائق اور اس کی توجیہات پر غور کرنے کے بجائے اس کی بلا دلیل مخالفت کی۔ اعتراض کرنے والوں کا معیار قبولیت صرف یہ رہا کہ کوئی نیا نظریہ یا تجربہ ان کے راسخ عقیدہ کی تردید نہ کرتا ہو اور بس یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے حسین

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

حلاج کو سولی پر چڑھایا سقراط کو زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کیا۔ چار صدی پہلے کے اطالوی سائنسدان گیلیلیو کو مستقل نظر بندی پر مجبور کیا اور بعد میں ان ہی لوگوں کے نظریات کا قائل ہو کر کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ آج بھی ان نظریات کو جو ایسے لوگوں کی فہم سے بالا ہوتے ہیں یہ لوگ جبراً نہ سہی مگر روایاتی تنقید کی قوت سے گمنامی کے پردوں میں پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں:

تربیتِ رسالت آغوشِ نبوت

تمام انبیاء میں اکثر نبی ایسے ملتے ہیں جن کی امور رسالت میں پرورش و تربیت کسی نبی نے کی ہے۔ رسالت کے امور میں خاتم الانبیاء آنحضرتؐ کی ابتدائی تربیت ایک نبی ہی نے کی تھی۔ منزل رسالت تک پہنچنے اور مرحلہ ہائے نبوت طے کرنے کے طریقے حضرت عبدالمطلب ہی نے اپنے پوتے اور مستقبل کے رسول کو سکھائے تھے۔

یہ سمجھ لینا بالکل غلط ہے کہ حضرت عبدالمطلب اپنے پوتے محمدؐ کے متعلق یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ آئندہ اللہ کے رسول بننے والے ہیں بعد میں بنی امیہ اور ان کے حلیفوں نے یہ تاثر دیا اور اپنی تحریروں میں یہی مفہوم ظاہر کیا ہے۔ لیکن حضرت عبدالمطلب کی پوری زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ آپ نہ صرف اپنے پوتے کے رسول بننے سے واقف تھے بلکہ اور بہت سے پوشیدہ امور سے باخبر تھے۔ تمام سیرت نگار یہ بات متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ آپ کے دادا باوجود بچہ ہونے کے آپ کا احترام کرتے تھے۔ معارج النبوت کے مولف اور محمد رسول اللہؐ کے مولف نے یہی بات لکھی ہے۔ آخر دادا کا جو ۷۵ر اور ۸۰ر سال کے درمیان عمر رکھتا ہو، اپنے پوتے کا جو صرف ۸ر سال سے کم عمر کا ہو احترام کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

ظاہر ہے یہ احترام عمر کے اعتبار سے نہیں بلکہ فضیلت رسالت کے اعتبار سے تھا۔ جیسا کہ حضرت عباسؓ، حضور کے چچا سے ایک بار سوال کیا گیا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ؟ تو آپ نے جواب میں کہا تھا۔ ''عمر میں، میں بڑا ہوں مگر فضیلت و مرتبہ میں محمدؐ۔'' اسی طرح فرشتوں نے آدم کو آدمی ہونے کی حیثیت سے نہیں، فضیلتِ علم کی بنا پر سجدہ کیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب آپؐ کے اس مرتبہ سے باخبر تھے، تب ہی تو آپ کسی بھی حال میں ہوں، خواہ سوتے یا آرام کرتے ہوں۔ خواہ کسی وفد سے اہم امور میں محوِ گفتگو ہوں یا قریش کے معاملات کے تصفیہ میں مصروف آپ اپنے اس پوتے کی آمد اور مداخلت سے کبھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے تھے۔ بلکہ ضروری امور چھوڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے کسی بیٹے کو کچھ کہنے اور کرنے کی وہ مجال نہ تھی جو آپ کے اس پوتے کو تھی۔ ہر سیرت نگار نے اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ آپ جب قریش کی محفلوں میں جاتے تو آپؐ کو ساتھ لے جاتے تھے اور قریش کے سامنے برملا کہتے۔ ''میرا یہ فرزند عرب کا عظیم شخص ہوگا۔'' اس کی شان ابھی سے وہ ہے جو کسی اور عرب کی نہ دیکھی گئی اور نہ آئندہ دیکھنے میں آئے گی'' آخر یہ کس عظمت کا ذکر کیا جاتا تھا؟ اور یہ کونسی فضیلت کا احساس دلایا جا رہا تھا قریش کو؟ ہاں یہ ضرور

ہے کہ آپ نے کبھی کھلے الفاظ میں یہ نہیں کہا کہ میرا یہ فرزند مستقبل کا رسول ہے۔ روحانیت میں یہ تمہاری رہنمائی کرے گا اور ایک روز یہ نبی ہوگا ایک نیا دین لائے گا، اللہ کا پیغام اس کی مخلوق کو پہنچائے گا، اور قریش کے بتوں کو پاش پاش کر کے نیست و نابود کر دے گا، اور یہ اس لئے کہ مصلحت وقت اس کی مقتضی نہ تھی۔ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ قریش میں بنی امیہ اور ان کے ساتھی قبیلے دشمنی پر کمربستہ ہیں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ لوگ اس بچہ کی جان کے درپے ہو جائیں گے کیونکہ وہ یہ فضیلت نبی ہاشم کے ایک بچہ میں برداشت نہ کر سکیں گے۔ جہاں آپ کو بذریعہ وحی پوتے کی رسالت سے آگاہ کر دیا گیا تھا، وہاں اس امر کو پوشیدہ رکھنے اور اس کی حفاظت کا القاء بھی کیا گیا۔ پھر آپ نے قیافہ شناسوں کی باتیں سنی تھیں اور آپؐ کی ولادت کے وقت محیر العقول امور مشاہدہ کئے تھے۔ یہود و نصاریٰ کی پیشگوئیاں آپ کے گوش گزار ہو چکی تھیں۔ بادشاہِ یمن، سیف بن یزن سے خفیہ ملاقات ہو چکی تھی، کونسی بات تھی جو آپ کو اس امر کی مخالفت پر مجبور کر سکتی ہے کہ آپ اس شدنی سے واقف نہ تھے۔ اسی لئے آپ نے اپنی وفات کے وقت اس بات کو اپنے بیٹوں سے بھی پوشیدہ رکھا۔ صرف ایک بیٹے ابوطالب (عمران) کو پوشیدہ طور پر اس راز سے آگاہ کیا تھا اور نصیحت کی تھی کہ اس فرزند کی پوری حفاظت کرنا اور اس بات کو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

علمائے اسلام کا عقیدہ

منصب رسالت کی تربیت کیلئے ہم کوئی نیا خیال پیش نہیں کر رہے ہیں۔ رسول اللہؐ کی تربیت کے بارے میں تمام علماء متفق الرائے ہیں۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس تربیت میں بنی امیہ کی روایات کے زیر اثر آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا کوئی حصہ نہیں گردانتے اگر حضرت عبدالمطلب کی وفات رسالت سے اس قدر پہلے نہ ہو جاتی تو شاید اسے قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ وہ نہیں چاہتے کہ امورِ رسالت میں رسولؐ کے کسی بزرگ یا رشتہ دار کا تعاون ثابت ہو۔ وہ ان سب کو مسلمانوں کی نظر میں دشمن رسولؐ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے بعد میں رسولؐ کے ہر چچا کی خدمات کو پس پشت ڈال کر انہیں اسلام سے لاتعلق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اگر کسی خدمت کا ذکر کیا بھی تو اس کی وجہ عصبیت قرار دی۔ سوال یہ ہے کہ رسول اللہؐ کی آٹھ سال تک تربیت کا حساب کس کے کھاتے میں ڈالا جائے گا؟ جب کہ نہ آپ کا باپ زندہ تھا اور نہ ماں۔ یہ سیرت نگار صرف اتنا لکھتے ہیں کہ آپؐ کی پرورش آپؐ کے دادا نے کی یعنی کھلایا پلایا اور بس۔ تربیت کا کوئی علاقہ وہ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتے جبکہ ابتدائے عمر ہی کی تربیت بنیادی اور دیرپا ہوتی ہے۔ وہ روحانی تربیت کے تعلق کا اظہار پسند نہیں کرتے۔ وہ اس کا علاقہ فرشتوں سے ملاتے ہیں جو ایک دور از کار فہم بات ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے مگر دادا نبی کے ہوتے ہوئے فرشتہ کی کوئی ضرورت نہیں ہاں! آپ کی وفات کے بعد اس امر کو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور دادا کی یہ تربیت بھی تو وحی کی نسبت سے ہوگی۔ وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ غارِ حرا میں جا کر تنہائی میں غور و خوض کیا کرتے تھے۔ مگر اس کا ذکر چھوڑ جاتے ہیں یہ راہ کس

Presented by Ziaraat.net

نے بتائی تھی۔ یہ علماء یہ تو لکھتے ہیں کہ نبیؐ غارِ حرا میں تحنث وتعبد کیا کرتے تھے مگر اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھتے کہ یہ طریقہ کس کا سکھایا ہوا تھا۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ آپؐ پورا رمضان کا مہینہ عبادت میں گزارتے تھے۔ مگر طریقہ عبادت بتانے سے معذور ہیں اور اس ماہ کی تخصیص کی وضاحت سے مجبور نظر آتے ہیں۔ وہ دادا اور پوتے کے تحنث وتعبد، مقام عبادت ماہ رمضان کی تخصیص وغیرہ کی مماثلت پر غور نہیں کرتے۔

علماء اس بات کے تو قائل ہیں کہ چاہے نبی مشرک گھرانہ میں پیدا ہو مگر اس کی تربیت مومن کی آغوش ہی میں ہوتی ہے اور اللہ خود اس کا انتظام فرما دیتا ہے ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مگر جس گھرانہ میں نبی دادا موجود ہو وہاں کسی دوسرے انتظام کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ آنحضرتؐ کی آٹھ سال کی عمر تک آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے باقاعدہ روحانی تربیت دی۔ البتہ آپ کے بعد یہ تربیت فرشتوں کے سپرد کر دی گئی ہو گی۔

مولانا مودودی رسول ونبی کی بچپن سے تربیت کے خصوصی انتظام پر خیال ظاہر کرتے ہیں۔

''انبیاء علیہم السلام کے جو حالات قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ان کو دیکھنے سے مجھ کو نبوت کی حقیقت یہ نہیں معلوم ہوتی کہ اللہ تعالیٰ یکا یک راہ چلتے کسی کو پکڑ کر اپنی کتاب پہنچانے کیلئے مامور کر دیتا ہو یا کسی شخص کو اس طور پر اپنی پیغمبری کیلئے مقرر کرتا ہو کہ وہ ایک جز وقتی مزدور ہے۔ بلکہ پیدائش کے وقت سے خاص اپنی نگرانی میں اس کی پرورش وتربیت کرائی ہے اور ایسے حالات میں اس کی پرورش کی ہے جن میں اس کی استعدادِ نبوت قوت سے ترقی کر کے فعلیت کی طرف بڑھتی رہی ہے۔''

(سیرت سرور عالم حصہ اول، ص:۲۶۳)

کیا مولانا کے اس نتیجہ خیز خیال سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ اللہ نے اپنے رسول کی ابتدائی تربیت کا کام آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب سے بذریعہ وحی لیا کہ وہ نبی بھی تھے، اور آپ کے بعد اس کام پر فرشتوں کو مامور کیا۔ جیسا کہ متعدد مورخین نے لکھا ہے۔

طبری نے ''تاریخ الامم والملوک'' حصہ دوئم، ص:۲۵۱، سیوطی نے ''الاتقان'' حصہ اول، ص:۴۵، اور ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ'' حصہ سوئم ص:۴، میں ''الشعبی'' کی ایک روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اسرافیل کو آپ کی تربیت پر مامور کیا گیا پھر جبرائیل کو۔ بعض کا کہنا ہے کہ جبرائیل ہی شروع سے آپ کی تربیت پر مامور رہے۔ حتیٰ کہ وحی کا آغاز ہوا۔ حافظ ابن کثیر اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ روایت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسرافیل آپؐ کی عمر کے چالیس برس کے بعد تین برس آپؐ کے ساتھ رہے ہوں پھر جبرائیل آپؐ کے پاس آئے ہوں۔''

پھر شیخ شہاب الدین ''ابوشامہ'' کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

''اول امر رویا ہو۔ پھر آپؐ کو اسرافیل کے سپرد اس مدت تک کر دیا ہو جس میں آپؐ

غار حرا میں خلوت گزیں رہے ہوں۔'' (قرآن مجید کا نزول اور وحی)

رسول اللہؐ کی شیر خواری کے زمانہ ہی سے اس قسم کی روایات ملتی ہیں۔ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں بھی آپؐ کی تربیت سے متعلق فرشتوں کا واسطہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان ہی روایات سے متاثر ہو کر معارج النبوت کا مولف لکھتا ہے۔ ''جب آنحضرتؐ کی عمر سات سال ہوئی تو اسرافیل کو آپ کی خدمت پر مقرر فرمایا گیا۔ وہ تین سال رہے۔ جب عمر پندرہ سال ہوئی تو جبرائیل خدمت میں رہے۔ انیس سال تک جبرائیل خدمت کرتے رہے یہاں تک کہ چالیس سال کے ہوئے تو جبرائیل وحی لائے۔''

ابن جریر طبری نے واقدی کے حوالہ سے جو روایت بیان کی وہ یہ ہے۔

''الشعبی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ: اسرافیل کو تین سال رسول اللہؐ کی نبوت کے ساتھ رکھا گیا۔ آپؐ ان کی حرکت تو محسوس کرتے تھے لیکن انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے پھر اس کے بعد جبرائیل آپؐ کے ساتھی بنے۔''

یہ ہے وہ روایت جس کی بنیاد پر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ کی رسالت ونبوت میں تربیت اسرافیل اور جبرائیل نے کی۔ ان تمام روایات کی بنیاد اعتقاد ہے اور باوجود اس امر کے کہ شعبی سے مروی اس قسم کی تمام روایتیں رد کر دی گئی ہیں، اس بنیاد پر کہ ایک تو یہ روایتیں حضرت عائشہؓ کی روایت سے مطابقت نہیں کرتیں۔ دوسرے یہ کہ شعبی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔ ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسالت کی جانب پیش قدمی میں آپؐ کی فطری وجبلی قوتیں معاون تھیں۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ واقدی کہتے ہیں کہ الشعبی کی یہ بات میں نے محمد صالح بن دینار سے بیان کی تو انہوں نے کہا۔

''قسم ہے اللہ کی اے میرے بھتیجے! میں نے عبداللہ بن ابوبکر بن حزم اور عاصم بن عمر بن قتادہ کو یہ کہتے سنا کہ: نہ ہم نے سنا اور نہ ہم جانتے ہیں۔ الا یہ کہ وہ جبرائیل ہی تھے جو آپ کے ساتھی بنائے گئے تھے۔'' (قرآن مجید کا نزول اور وحی)

حافظ ابن کثیر نے شعبی کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ واقدی نے اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے شعبی کے اس قول سے انکار کر دیا ہے۔

مسلمات میں سے یہی قول متواتر ہے کہ وحی جلی فرشتہ ہی لاتا ہے اور جبرائیل آپؐ پر وحی لایا کرتے تھے۔ تربیت کا ذکر اس روایت کے سوا اور کہیں نہیں ملتا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ علمائے سیرت رسول و نبی کی رسالت ونبوت میں تربیت خاص کے قائل ہیں، یہ اور بات ہے کہ وہ اس تربیت کو فرشتوں سے منسوب کرتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ رسول اللہؐ کی تربیت میں ان کے بزرگوں کا تعلق ثابت نہ ہو۔ ایک طرف وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول بھی ایک انسان ہے اور رسول سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں ہم نہیں سمجھ سکے کہ جس شخص کی تربیت رسالت کے سلسلہ میں فرشتے کریں اور وہ اللہ کا رسول بھی ہو پھر وہ غلطیاں بھی عام انسانوں کی طرح کرے۔ لہٰذا یہ کہنا مناسب نہیں کہ رسول کی تربیت فرشتے کرتے ہیں۔ مولانا مود[illegible] ارے

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

میں لکھتے ہیں کہ:

''اللہ نے جب کسی قوم میں نبی بھیجنا چاہا ہے تو خاص طور پر ایک شخص کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ نبوت کی خدمت انجام دے۔ پیدائش کے وقت سے خاص اپنی نگرانی میں اس کی پرورش و تربیت کرائی ہے اور ایسے حالات میں اس کی پرورش کرائی ہے کہ جن میں اس استعدادِ نبوت قوت سے ترقی کر کے فعلیت کی طرف بڑھتی رہی ہے۔''

(سیرتِ سرورِ عالم حصہ اول ص:۲۶۳)

تربیتِ رسالت

تربیت کے معنی تعلیم کے لفظ سے مختلف ہیں۔ تعلیم میں قول کو لیکن تربیت میں فعل کو زیادہ دخل ہے۔ عمل کر کے دکھانا یا اپنے عمل میں دوسرے کو شریک کرنا تربیت ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور بقول ''برنباس'' ایک لاکھ چوالیس ہزار انبیاء و رسل میں سے ہمیں ایک بھی رسول یا نبی ایسا نظر نہیں آتا جس کی تربیت فرشتہ نے کی ہو۔ یا اللہ نے اس مقصد کیلئے فرشتے مقرر کئے ہوں بلکہ ہر نبی کی تربیت اس کے والدین یا رشتہ داروں ہی نے کی ہے۔ خواہ وہ نبی ہو یا نہ ہو قرآن و حدیث سے اور بائبل سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دو بیٹوں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تربیت کی۔ آپ چونکہ نبی تھے اس لئے ہونے والے نبی بیٹوں کو آپ نے اپنے عمل میں شریک کیا۔ جیسا آپ کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تو آپ نے اس پر آنکھ بند کر کے عمل نہیں کیا بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ کو بلا کر جبکہ حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر صرف تیرہ سال تھی مشورہ کیا اور پھر اس عمل میں انہیں برابر کا شریک کیا۔ آپ کو خانہ کعبہ بنانے کا حکم ہوا۔ جس میں حضرت اسمٰعیل کو شریک کرنے کی شرط نہیں تھی مگر آپ نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو اس عمل میں شریک کیا اور پھر آپ نے تعمیر کعبہ کے بعد اس کا پہلا طواف کیا تو بیٹے کو بھی ساتھ لے لیا اور اس طرح اپنے عمل میں شریک کر کے یا اس کے سامنے اپنا عمل پیش کر کے نبوت کی تربیت کی۔

حضرت اسحاقؑ نے اپنے ہونے والے نبی بیٹے حضرت یعقوب کی تربیت کی اور انہوں نے اپنے بیٹے یوسفؑ کی تربیت کی۔ حضرت موسیٰؑ کی تربیت ان کے سسر حضرت شعیب نے کی اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے بعد ہونے والے نبی حضرت یوشع بن نون (یشوع) کی تربیت کی۔ حضرت داؤدؑ نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان کی تربیت کی۔ حضرت زکریا نے اپنے بیٹے حضرت یحییٰ (یوحنا) کی تربیت کی اور اسی ماحول میں حضرت عیسیٰؑ نے تربیت پائی کیونکہ زکریا آپ کے خالو اور یحییٰ (یوحنا) آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کی تربیت کیلئے فرشتے آئیں اور ان کی تربیت ان کے دادا حضرت عبدالمطلب اپنے وقت کے نبی ہوتے ہوئے اپنے ہونے والے نبی پوتے کی تربیت نہ کریں۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ کی ابتدائی تربیت، رسالت کے ضمن میں حضرت عبدالمطلب ہی

نے فرمائی تھی۔ پھر آپ کے چچا جناب ابوطالب (عمران) نے حضرت عبدالمطلب کی تمام اولاد دین حنیف کی پیرو تھی۔ وہ بت پرستی سے دور تھے۔ نہ بتوں پر ذبیحہ کرتے نہ بتوں کا ذبیحہ کھاتے تھے۔

محمد رسول اللہؐ کی تربیتِ رسالت

حضرت عبدالمطلب نے اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کی طرح اپنے ہونے والے نبی و رسول پوتے کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھا۔ اپنا ہر عمل آپؐ کے سامنے پیش کیا اور پھر جب آپؐ ساتویں سال میں داخل ہوئے تو اپنے عمل میں شریک کر لیا۔

یوں تو آپؐ کے دادا تحنث کیلئے غار حرا میں جایا ہی کرتے تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب آنحضرتؐ شیر خوار تھے۔ لیکن جب حضرت عبدالمطلب یمن کے سفر سے واپس آئے۔ علاماتِ نبوت مشاہدہ کرنے کے بعد شاہ سیف بن ذی یزن کی گفتگو اور اسکے بعد بذریعہ وحی آپ کو پوتے کی رسالت کا یقین کامل ہو گیا تو آپ آنحضرتؐ کو بھی اپنے ساتھ نیجانے لگے اور زیادہ سے زیادہ وقت تحنث میں صرف کرنے لگے۔

ہم نے پہلے لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب اپنے پوتے کی نبوت کا یقین ہو جانے کے بعد آپ کی حفاظت اور تربیت پر زیادہ توجہ دینے لگے تھے۔ یہی علمائے سیرت نے بیان کیا ہے۔ جب آپ اپنے پوتے کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اپنے ساتھ سلاتے تھے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ اپنے پوتے کو غار حرا میں مسلسل ایک ایک ماہ تک تحنث کے دوران تنہا چھوڑ دیں۔ اس لئے یہ امر یقینی ہے کہ حضرت عبدالمطلب آنحضرتؐ کو غار حرا میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ تحنث و تعبد میں شریک رکھتے تھے۔ قربانی کرنے، بھوکوں کو کھانا کھلانے اور پرندوں کو خوراک پہنچانے میں آنحضرتؐ برابر شریک رہتے تھے اور اس طرح آپؐ نے اپنے دادا سے روحانیت کی منازل طے کرنے اور درجہ رسالت تک پہنچنے کی تربیت حاصل کی تھی۔ اس کی ہدایات بذریعہ وحی یقیناً حضرت عبدالمطلب کو حاصل ہوتی ہوں گی۔ مکمل دو سال یعنی حضرت عبدالمطلب کی وفات تک یہ سلسلہ تربیت جاری رہا۔ اس کی سند اور تائید ہمیں اس مماثلت، یک جہتی اور عملی یکسانیت سے ملتی ہے جو حضرت عبدالمطلب اور آنحضرتؐ کے تحنث و تعبد میں پائی جاتی ہے۔

معتبر مورخین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ''یمن کے سفر سے واپسی کے بعد حضرت عبدالمطلب کو تنہائی کی طرف زیادہ رغبت ہو گئی تھی۔ آپ نے غارِ حرا میں عبادت کیلئے زیادہ وقت دینا شروع کر دیا تھا۔ ماہِ رمضان کے پورے مہینے آپ عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ بالکل یہی صورت تیس (۳۰) سال بعد آنحضرتؐ نے اختیار کی۔ پہلے آپ کو تنہائی کی طرف رغبت ہوئی۔ آپ نے بھی غارِ حرا ہی کو اپنی عبادت گاہ بنایا۔ آپؐ نے بھی تحنث سے ابتدا کی کئی کئی دن کا کھانا اپنے ساتھ لے جاتے۔ کبھی حضرت خدیجہ کھانا پہنچاتیں، اکثر ایک ایک ماہ تحنث و تعبد میں مشغول رہتے اور یہ مہینہ رمضان کا ہوتا تھا۔ اسی ماہ میں تحنث کے دوران آپ پر پہلی وحی کا نزول ہوا تھا۔

Presented by Ziaraat.net

"آنحضرتؐ کو لوگوں سے علیحدگی پسندِ خاطر ہوئی۔ چنانچہ آپ نے غار حرا میں خلوت اختیار فرمائی۔" (معارج النبوت، رکن سوئم، ص:۲۰۴)

"جب نزول وحی کا زمانہ قریب ہوگیا تو آنحضرتؐ تنہائی پسند ہوگئے۔ چنانچہ آپؐ غار حرا میں جا کر تنہا تشریف رکھتے اور راتوں کو وہاں مصروف عبادت رہتے۔"

(محمد رسول اللہؐ ص:۱۰۶)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "پھر آپ تنہائی پسند ہوگئے اور کئی کئی شب و روز غارِ حرا میں رہ کر عبادت کرنے لگے۔ آپ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جا کر وہاں چند روز گزارتے پھر آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور وہ مزید چند روز کیلئے سامان آپ کیلئے مہیا کر دیتیں۔" (سیرتِ سرورِ عالم حصہ اول ص:۱۳۲)

ابن ہشام اور طبری کی روایت کے مطابق ابن اسحاق اور عبداللہ بن زبیر نے عبیداللہ بن عمیر اللیثی سے نقل کیا ہے کہ۔

"آپؐ ہر سال ایک مہینہ غار حرا میں گزارتے تھے۔ چند روز کا سامان خوراک لے کر جاتے پھر واپس آکر کعبہ کے سات طواف کرتے اور اس کے بعد گھر سے مزید چند روز کا سامان لے جاتے تھے۔ نیز ان کا بیان ہے کہ اس اعتکاف اور تحنث کے زمانہ میں آپؐ مساکین کو کثرت سے کھانا کھلاتے تھے۔"

(حاشیہ سیرت سرور عالم، حصہ اول، ص:۱۳۲)

"ابن اسحاق نے کہا۔ وہب بن کیسان نے بیان کیا کہ عبیدہ نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہؐ اس (رمضان) مہینے ہر سال یکسو ہو کر عبادت کرتے اور جو مسکین آتا اسے کھانا کھلاتے۔" (سیرت ابن ہشام، حصہ اول، ص:۲۶۱)

"ابوالفدا" لکھتا ہے۔ "چونکہ جناب سرور کائنات خدائے تعالیٰ کو بہت دوست رکھتے تھے اور خدائے تعالیٰ ان کو چاہتا تھا اس لئے درمیان جبل حراء کے ہر سال میں ایک مہینہ مراقبہ اور خلوت فرماتے تھے۔" (تاریخ ابوالفدا "اردو" ص:۲۷)

"وہ (عبدالمطلب) پہلے شخص تھے جو غار حرا میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ رمضان کے مہینے میں حرا پہاڑ پر چڑھتے اور وہاں مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔"

(محمد رسول اللہؐ ص:۱۹)

محدثین مورخین اور سیرت نگاروں کے ان مذکورہ بیانات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ آنحضرتؐ نے اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کی وفات کے پورے تیس (۳۰) سال بعد جب آپؐ کو تنہائی کی طرف رغبت ہوئی تو وہی طریقہ اختیار کیا جو آپؐ کے دادا نے آپ کو تربیت و تعلیم کیا تھا۔ اس میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔

وہی غار حرا، وہی ایک ایک ماہ، وہی ماہ رمضان اور اسی طرح تحنث و تعبد اور اسی طرح اس دوران مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ یہ تمام حقائق ثابت کرتے ہیں کہ آپؐ کی ابتدائی تربیت، رسالت کے ذیل میں آپؐ کے دادا ہی نے کی تھی اور وہ خود اپنے وقت کے نبی تھے۔ آپ کے نبی ہونے کا یقین اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش میں دین حنیف حضرت عبدالمطلب ہی نے رائج کیا تھا اور رسول اللہؐ کو آپ ہی نے دین حنیف کی طرف متوجہ کیا تھا اور اس کی آپؐ کو عملاً تربیت دی تھی۔ "ووجدک ضالاً فھدا" کہہ کر قرآن نے اسی طرف اشارہ کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں اس وقت کے مطابق مذہبی و معاشرتی ضوابط کے علاوہ وہی اصلاحات دوبارہ جاری کیں جو حضرت عبدالمطلب اپنے دور میں کر چکے تھے اور آپ کی وفات کے بعد بنی امیہ نے انہیں ختم کر کے پھر سے بت پرستی کی رسوم اور غیر اخلاقی امور کو رواج دیدیا تھا۔

مثلاً حضرت عبدالمطلب نے اصنام پرستی، بتوں کی قسم کھانا، بتوں پر ذبیحہ کرنا اور اسے کھانا نذر کی تکمیل نہ کرنا، محرم سے عقد کرنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، عریاں ہو کر طواف کرنا، حرام مہینوں کا احترام نہ کرنا، قصاص و دیت کا ادا نہ کرنا اور زنا کے مترادف چھ طریقوں کو جائز قرار دینا وغیرہ جیسے امور کو حضرت عبدالمطلب نے قطعی طور پر ختم کر دیا تھا۔ مگر جب بنی امیہ نے آپ کی وفات کے بعد صرف بتیس (۳۲) سال کے عرصہ میں ان چیزوں کو پھر سے قریش میں رواج دے دیا تو آنحضرتؐ نے اپنے وقت میں ان تمام چیزوں کو پھر سے ختم کر دیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب جمعہ کو خطبہ فرماتے تھے آپؐ نے بھی خطبہ جمعہ اور جماعت کو ضروری قرار دیا۔ آپؐ بھی حضرت عبدالمطلب کی طرح ہر روز نماز فجر کے بعد مسجد میں اسی طرح بیٹھتے تھے جس طرح عبدالمطلب دیوار کعبہ کے سایہ میں بیٹھتے اور ہر قسم کی گفتگو کرتے اور سنتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے حرم کعبہ کو جائے امن قرار دیا تھا۔ آپ کے بعد یہ صورت بنی امیہ نے ختم کر دی۔ ذی الحجہ ۱۰ھ میں آپ نے یہ کہہ کر اسے پھر بحال کر دیا کہ "تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینے اور اس شہر میں محترم ہے۔"

بنی امیہ کا بنی ہاشم کے خلاف اقدام

ماہرین نے نوزائیدہ بچہ کے ذہن کو ایک صاف سلیٹ سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح ایک صاف سلیٹ یا تختی پر وہی نقش ابھرتا ہے جو اس پر قائم کیا جائے۔ اسی طرح نوزائیدہ بچہ کے ذہن پر وہی نقوش قائم ہوتے ہیں جو اس کے حواس ظاہری سے اس تک پہنچتے ہیں۔ اس کے ذہن کی تختی پر وہی کچھ رقم ہوتا ہے جو وہ دیکھتا، سنتا، سونگھتا، چکھتا اور چھوتا ہے۔ ان میں بصارت اور سماعت کو زیادہ دخل ہے۔ یہ تمام اثرات اس کے گردوپیش ہی ہوتے ہیں جو اس پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اب کوئی انسان کتنا ہی عاقل و عالم، باریک بین اور تجربہ کار ہو لیکن خاندانی اثرات، قومی روایات، معاشرتی رسم و رواج اور ماحول کے حالات اس پر اثر

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

انداز ہوتے رہتے ہیں اور وہ بہر طور ان سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے تمام اعتقادات ارادے اور خیالات ان ہی اسباب کے لازمی نتائج ہوتے ہیں۔ لیکن انسانوں کی اس کثیر تعداد میں ایک ایسا جوہر کامل بھی ہوتا ہے جو اپنے ماحول سے بہت زیادہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ غلط روایات واثرات سے پُر ایسے ماحول کو درہم برہم کر کے ایک نیا عالم وجود میں لے آتا ہے۔ یہی شخص مجدد، مصلح اور بعض دفعہ یغامبر ہونے کے بعد نبی و رسول بھی ہوتا ہے۔

بقول ''مورخ یعقوبی'' قریش کہا کرتے تھے کہ عبدالمطلب ابراہیم ثانی ہیں۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کے مجدد وموحد ہونے کی ابتداء بھی کچھ ایسی ہی ہے جیسے کہ حضرت ابراہیم کی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے آنکھ کھولی تو بتوں کی پرستش اپنے گھر میں پائی۔ پھر آپ بالغ ہوکر جب بابل آئے تو وہاں دوسرے بت اور ان کے علیحدہ نام پائے۔ یہیں سے آپ کو شک گزرا کہ اتنے خدا کیوں کر اور کیسے ہو سکتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب کا حال بھی ایسا ہی تھا۔ جب آپ مدینہ میں پیدا ہوئے تو بت پرستی دیکھی۔ مگر جب بالغ ہوکر مکہ آئے تو یہاں دوسرے بت دیکھے جن کے نام مدینہ کے بتوں سے مختلف تھے۔ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ یہی وہ وقت تھا جب آپ کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی اور شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔ چونکہ قریش کا الہٰ موجود تھا اس لئے آپ نے صرف الہٰ کو اپنا خدا مانا اور تمام بتوں کو مردود قرار دیدیا۔ ابتدا میں آپ نے اس بت پرستانہ ماحول کا پوری طرح جائزہ لیا۔ بتدریج معاشرتی اصلاحات کیں۔ پھر مذہبی اصلاحات اور پھر آپ نے ایک تحریک جاری کی کہ تمام عرب کی عبادت گاہیں قریش کی عبادت گاہ یعنی کعبہ سے الحاق کریں کہ یہ قدیم ترین اور ایک عظیم ترین خدا کی عبادت گاہ ہے۔ یہی بات تھی جو ابرہہ کو ناگوار گزری تھی اور اس نے اس مرکز کو تباہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے تدبر اور یقین واعتماد سے کامیابی حاصل کی اور تمام قریش کو ایک خدائے واحد کا پرستار بنا دیا تھا۔ لیکن بنی امیہ اور ان کے حلیف بت پرستی پر قائم رہے اور آپؑ کے انتقال کے بعد پھر وہ قریش کو اسی بت پرستی پر لوٹا لائے۔

بنوامیہ کا ابتدائی مخالفانہ اقدام

حضرت عبدالمطلب نے جو یک جہتی پیدا کر کے مکہ کو مرکز اور جائے امن بنا دیا تھا آپ کی وفات کے فوراً بعد بنی امیہ نے آپ کے وہ تمام نشانات مٹائے اور قریش کو پھر بت پرستی پر مائل کرنے کا اقدام کیا اور آٹھ یا دس سال کے عرصہ میں پھر وہی صورت حالات پیدا کردی تھی جو حضرت عبدالمطلب سے پہلے تک تھی۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت آنحضرتؐ کی پرورش وتربیت اور حفاظت کی ذمہ داری اپنے بڑے بیٹے جناب ابوطالب (عمران) کے سپرد کی تھی اور آپ کو ان تمام رازہائے سربستہ سے آگاہ کردیا تھا جو ان کے پوتے کے مستقبل سے وابستہ تھے۔ ان ہی اسباب کی بنا پر جناب ابوطالب دوسال تک تجارتی

سفر پر روانہ نہ ہو سکے جب آپ نے اپنے والد کی وفات کے تیسرے سال تجارتی سفر پر شام جانے کا ارادہ کیا تو آنحضرتؐ نے بھی آپ کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ جناب ابوطالب اپنے اس عزیز ترین بھتیجے کی اس خواہش کو رد نہ کر سکے اور آپؐ کو اپنے ساتھ سفر میں شریک کرلیا اس وقت آپؐ کی عمر گیارہ سال تھی اور سن ۵۸۲ء تھا۔

جب جناب ابوطالب سفر کے دوران بصریٰ پہنچے تو آپ کی ملاقات وہاں کے عیسائی پادری بحیرہ نامی سے ہوئی۔ بحیرہ نے آنحضرتؐ کو بغور دیکھا اور پوچھا یہ لڑکا آپ کا کون ہے؟ جناب ابوطالب نے کہا۔ ''یہ لڑکا میرا بیٹا ہے اور جب آپ نے بحیرہ کو تذبذب میں پایا تو وضاحت کی کہ دراصل یہ میرا بھتیجا ہے مگر یتیم ہے۔ تب بحیرہ نے جو کچھ آنحضرتؐ کی پیشانی دیکھ کر اندازہ کیا تھا، اس سے جناب ابوطالب کو آگاہ کیا اور کہا۔ ''میں اس لڑکے کی پیشانی میں نبوت کا نور دیکھتا ہوں۔'' آپ شام جارہے ہیں وہاں یہود نے اگر اس نشانی کو پہچان لیا تو آپ کے اس بھتیجا کی جان کو خطرہ ہے۔ جناب ابوطالب نے بحیرہ راہب کی یہ بات سنی تو آپ کو اپنے والد کی وہ نصیحت یاد آگئی، جو انہوں نے اپنی وفات کے وقت آپ کو کی تھی اور آنحضرتؐ کی حفاظت کو اولیت دی تھی۔ اس لئے آپ نے بحیرہ کی بات کا یقین کرلیا اور شام کا سفر ملتوی کردیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنا مال تجارت وہیں فروخت کر ڈالا اور بعض کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنا مال شریک سفر تاجر کے سپرد کردیا اور خود آنحضرتؐ کو ساتھ لے کر واپس لوٹ آئے۔

بنی ہاشم کا ذریعہ معاش صرف تجارت تھا۔ جناب ابوطالب کیلئے اب یہ دشواری پیش آگئی تھی کہ اگر وہ سفر میں آپؐ کو ساتھ لے جائیں تو آپؐ کی جان کو خطرہ لاحق تھا۔ کافی غور وخوض کے بعد آپ نے اپنے بھتیجے کی حفاظت کو مقدم رکھا اور تجارت ترک کر کے غربت اور تنگدستی کو قبول کرلیا۔ آپ مکہ ہی میں عطر فروشی کرتے اس سے گھر کے اخراجات پورے نہ ہوتے اور آپ پریشان حالی میں زندگی گزارتے رہے۔

یہی وہ موقع تھا جس سے بنی امیہ نے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے عبدالمطلب کی وفات کے فوراً بعد جب حضرت عبدالمطلب کعبہ کے متولی ہوئے تھے۔ تب بھی حرب بن امیہ نے مفاخرہ کا سوال اٹھایا تھا۔ مگر قریش نے جو حضرت عبدالمطلب سے کافی متاثر تھے، اس کے اس مطالبہ کو رد کردیا تھا۔ لیکن اس موقع سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور دارالندوہ کے ممبران سے یہ مطالبہ کیا کہ عبدالمطلب کا بیٹا غریب اور تنگدست ہے وہ رفادہ کے فرائض ادا نہیں کرسکتا، اس لئے یہ منصب ہم میں سے کسی ایک کے سپرد کیا جائے۔ دارالندوہ کے ممبر ایسا نہیں چاہتے تھے لیکن بنی امیہ کا مطالبہ اپنی جگہ حقیقت پر مبنی تھا۔ ایسے وقت میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کے سسرالی قبیلے بنی اسد نے مدد کی اور کہا اگر ایسا ہے تو یہ منصب عباس بن عبدالمطلب کے سپرد کردیا جائے۔ اس پر بنی امیہ نے دلیل دی اور کہا کہ چونکہ عباس عمر کے اس درجہ تک نہیں پہنچے جو ان مناصب کیلئے مقرر ہے، اس لئے کوئی بھی عہدہ انہیں نہیں دیا جاسکتا۔ یہ دلیل بھی بنی امیہ کے حق میں تھی اور درست تھی۔ لیکن بنی اسد نے اس کا ازالہ یوں کیا کہ عہدہ عباس ہی کے پاس رہے۔ ہاں رفادہ کا

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

انتظام ابوطالب کیا کریں۔ دارالندوہ کے ممبران نے اس تجویز کو قبول کرلیا۔ اور بنی امیہ اس بار بھی ناکامی سے ہمکنار ہوئے۔ اب رفادہ کے اخراجات حضرت عباس برداشت کرتے اور اس کا انتظام جناب ابوطالب فرماتے تھے۔ حسب ضرورت ابولہب بھی مالی امداد کرتا تھا۔

اپنی اس دوسری مرتبہ ناکامی سے حرب بن امیہ بہت غضبناک ہوا اور اپنے ساتھیوں سمیت بنی ہاشم کی کھلم کھلا مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔ یہ لوگ ان قوانین اور ضابطوں کی خلاف ورزی کرنے لگے جو حضرت عبدالمطلب نے قریش میں قائم کئے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے صرف تین سال کے اندر مکہ کے سیاسی حالات بہت خراب ہو چکے تھے۔ مکہ کے بازاروں میں آئے دن فتنہ وفساد برپا رہتا۔ لوٹ مار کا سلسلہ پھر اسی طرح شروع ہوگیا جیسا کہ حضرت عبدالمطلب کے ابتدائی دور میں حرب اور اس کے بدقماش ساتھی کرتے رہتے تھے۔ ایک تو یہ کہ بنی امیہ شروع ہی سے لوٹ مار کے عادی تھے کیونکہ امیہ سزا کے طور پر دس سال مکہ سے باہر شام کے علاقوں میں آوارہ پھرتا رہا تھا۔ جب مکہ آیا تو جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہ تھی۔ ادھر وہ ہاشم کے مقابلہ پر مالدار بننا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے رہزنی کو جاری رکھا۔ پھر اس کے بیٹے حرب نے بھی حضرت عبدالمطلب کے ابتدائی زمانہ میں لوٹ مار کو اپنا وسیلہ بنایا۔ اس نے اوباش قسم کے لوگوں کا ایک ٹولہ بنا رکھا تھا۔ چنانچہ اذینہ نامی یہودی کا قتل اور اس کے مال لوٹنے کا واقعہ تاریخ میں موجود ہے۔ پھر حرب ہی نے اپنے ساتھیوں کے ذریعہ خانہ کعبہ کا خزانہ چرایا تھا۔ دوسرے یہ کہ اب وہ اس طرح بنی ہاشم کی برادری کو ختم کرنا چاہتے تھے اور حضرت عبدالمطلب کی ان نشانیوں کو نیست ونابود کرنا چاہتے تھے جن کے سبب لوگ ان کا اور ان کی اولاد کا احترام کرتے تھے۔

چنانچہ ان لوگوں نے حرام مہینوں کا احترام ختم کردیا۔ مکہ کے گلی کوچوں میں پھر باہمی جنگ وجدل اسی طرح ہونے لگی۔ اسی زمانہ میں کندہ اور حضرموت کے قبائل ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوئے۔ ان ہی دنوں اوس وخزرج میں جنگ ہوئی جبکہ حضرت عبدالمطلب کے ساٹھ سالہ دور سرداری میں کوئی جنگ نہ ہوئی اور قریش خوشحال اور پرامن زندگی گزارتے رہے۔

بنوامیہ کی اس مسلسل غارتگری، لوٹ مار اور قتل وغارت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابھی تین ہی سال گزرے تھے کہ ۵۸۵ء میں حرب فجار ہوئی۔ جس میں قریش خود ایک فریق تھے۔ یہ جنگ حرم کعبہ کی حدود میں ہوتی رہی کیونکہ بنی امیہ نے کعبہ کے احترام کو ختم کردیا تھا۔ اس جنگ میں آنحضرتؐ کو بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ مجبوراً حصہ لینا پڑا۔ اس وقت آپؐ کی عمر پندرہ (۱۵) سال تھی۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب جنگ وجدل، باہمی اختلاف اور قتل وغارتگری کے قائل نہ تھے اور نہ ان کے زمانہ میں کوئی جنگ اور جنگجویانہ اختلاف ہوا۔ اس لئے آپ نے اپنے زمانہ میں جنگی قوانین اور جنگ سے متعلق دارالندوہ میں عہدے قائم نہیں کئے تھے۔ جنگ فجار کے بعد بنی امیہ کو پھر ایسا موقع ہاتھ آیا اور انہوں نے دارالندوہ کے ممبران پر زور دیا کہ جنگ کے قوانین ومناصب قائم کئے جائیں۔ چونکہ جنگ فجار

ہو چکی تھی اور اس جنگ میں قریش کو مالی وجانی نقصان اٹھانا پڑا تھا، اس لئے دارالندوہ میں مزید عہدوں کے اضافہ پر مجبوراً غور کرنا پڑا اور یہی وہ موقع تھا جب بنی امیہ، بنی مخزوم، بنی سہم، بنی ربیعہ، بنی عدی اور بنی تیم نے متحد ہوکر نہ صرف دارالندوہ میں بنی ہاشم کے مقابلہ میں زیادہ عہدے حاصل کرلئے بلکہ رفادہ کا منصب بھی چھین کر اپنے قبضہ میں کرلیا۔

بنوامیہ کی کامیاب تدبیر

اس سے پہلے کہ ہم دارالندوہ کے نئے عہدوں کی ترتیب وتقسیم کا ذکر کریں اس موقع پر بنوامیہ کی کامیابی کے پس منظر کا بیان ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ گروہ حضرت عبدالمطلب کے دورِ سرداری میں اپنے ہر حربہ میں ناکام رہا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کے آخری زمانہ میں اس گروہ نے اپنی ناکامی کے اسباب پر غور کیا مگر وہ اس ناکامی کی بنیادی وجہ تک نہ پہنچ سکے۔

عرب قبائل کیلئے باہمی دفاعی معاہدوں کے بغیر زندگی گزارنا آسان نہیں تھا لیکن کوئی قبیلہ اپنی حیثیت اور قوت سے کم حیثیت اور کم قوت کے قبیلے سے معاہدہ نہیں کرتا تھا۔ اس میں وہ اپنی توہین ہی نہیں نقصان کو بھی پیش نظر رکھتا تھا۔ اس لئے افرادی قوت میں کم اور تنگدست قبیلے اس تحفظ سے محروم رہتے تھے اور بڑے قبیلوں کی غلامی میں زندگی گزارتے تھے اور طاقتور قبیلوں سے تحفظ کی درخواست کرتے رہتے تھے۔

تاریخی اعتبار سے اس ضمن میں دو قبیلوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے ایک قبیلہ بنی تیم ہے جس کے افراد لوٹ مار کرتے تھے اور کچھ افراد اسی مقصد کیلئے حرب بن امیہ سے ملے ہوئے تھے۔ اذینہ نامی یہودی کے قتل اور کعبہ کی چوری میں جس صخر نامی شخص کا نام آتا ہے وہ اسی قبیلے سے تھا۔ دوسرا قبیلہ بنی عدی ہے، یہ بھی بے حیثیت اور کمزور قبیلہ تھا۔ اس کے افراد قریش کے خاندانوں کی بھیڑ بکریاں چرا کر گزارا کرتے تھے۔ اسی قبیلہ کا ایک فرد نفیل نامی قبیلہ سہم کے سردار عاص بن وائل کی بھیڑیں چراتا تھا اور فارغ وقت میں بھی اس کی دیگر خدمات انجام دیتا تھا۔ نفیل نے کئی مرتبہ عاص بن وائل سے اپنے قبیلے کے تحفظ کی درخواست کی تھی لیکن چونکہ قبیلہ سہم مالدار اور طاقتور قبیلہ تھا، اس کے دوسرے ہم رتبہ قبائل سے معاہدے تھے اس لئے وہ ہر بار ٹال دیتا تھا۔ لیکن جب اس گروہ نے حضرت عبدالمطلب کے مقابلہ میں ان کے آخری دور میں اپنی ناکامی کے اسباب پر غور کیا تو اس وقت عاص بن وائل کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہماری ناکامی کا بڑا سبب قریش کے چھوٹے قبیلوں سے عدم تعاون ہے۔ جبکہ بنی ہاشم ہر قبیلہ کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے نفیل بن عبدالعزیٰ سے معاہدہ کرلیا یوں بنی عدی کو تحفظ مل گیا، اور اب اس قبیلے کے لوگ گڈریئے ہوتے ہوئے سربلندی کا اظہار کرنے لگے۔ نفیل نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اسی بنیاد پر اپنے بیٹے خطاب کا رشتہ قریش کے ایک باحیثیت قبیلہ بنی مخزوم کے خاندانی سردار ہشام بن مغیرہ کی لڑکی خثعمیہ کیلئے بھیجا۔ ہشام نے اسے اپنی توہین سمجھا اور نفیل کو بے عزت کرکے واپس کردیا۔ نفیل نے یہ بات عاص بن وائل سے کہی

Presented by Ziaraat.net

اور سفارش کی درخواست کی۔ عاص بن وائل نے ہشام کو سمجھایا اور اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اگر ہم دوسرے قبیلوں سے اخلاقی تعلقات، مالی امداد یا شادی بیاہ کے ذریعہ مراسم نہ رکھیں گے تو بنی ہاشم پر غلبہ حاصل نہ کر سکیں گے اور پھر یہ بھی تو ہمارے ہی قبیلے قریش کا ایک حصہ ہیں کوئی غیر قبیلہ تو نہیں ہیں، یہ بات ہشام نے مان لی اور خطاب کا رشتہ قبول کر لیا۔

یہاں تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ جب اس رشتہ کی خبر ہشام کے بھائی ولید بن مغیرہ کو ملی تو وہ طیش میں بھرا ہشام کے پاس آیا اور اس سے پوچھا۔ ''کیا یہ بات سچ ہے کہ تو نے اپنی لڑکی کا رشتہ بنی عدی جیسے غریب اور کم رتبہ قبیلہ میں کر دیا ہے؟'' ہشام نے اقرار کیا اور وہی بات کہی جو عاص بن وائل نے اسے سمجھائی تھی۔ اس پر ولید غصہ میں یہ کہہ کر چلا گیا کہ ''تو کیا ہم اپنی لڑکیاں گڈریوں کو دیتے رہیں گے؟''

لفظ خطاب بھی اس تاریخی واقعہ کی شہادت دیتا ہے۔ ہم نہیں بتا سکتے اور نہ ہی مورخین بتا سکتے ہیں کہ نفیل کے بیٹے خطاب کا پیدائشی نام کیا تھا۔ چونکہ اس نے اپنے سے کہیں بڑے قبیلہ کی لڑکی سے شادی کی اور خطبہ نکاح پڑھا اس لئے بنی عدی کے لوگ اپنے فخر کیلئے اسے خطاب کہنے لگے تھے۔ یہی نام شہرت پا گیا۔ ایسے بے شمار غلط واقعات ہیں جو شہرت پا کر مورخین تک پہنچے اور اس کے حقائق ان سے ہمیشہ پوشیدہ رہے۔

حرب فجار کے بعد جب فوجداری قوانین اور مناصب کی ضرورت پیش آئی تو اس موقع سے بنی امیہ نے پورا فائدہ اٹھایا۔ یہ دونوں قبیلے اس موقع پر ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ مورخ جاحظ نے بھی یہی لکھا ہے کہ قریش کے دو قبیلے بنی تیم اور بنی عدی جو بنی ہاشم کے ساتھ تھے۔ اس موقع پر وہ بنی امیہ کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔ ان ہی دنوں حرب بن امیہ اس دنیا سے رخصت ہوا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے ابوسفیان اموی نے لی۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً ۲۷ سال تھی۔ ہم یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ ان لوگوں نے ان دونوں قبیلے کے افراد کو اس کے بعد اپنے حق میں بری طرح استعمال کیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ابوجہل نے پھر ابوسفیان نے ان ہی کے ذریعہ اپنے مقاصد پورے کئے اور خلافت کے ساتھ ساتھ اسلام اور قرآن پر بھی قابض ہو گئے۔

نئے عہدوں کا اضافہ

قصیٰ بن کلاب نے دارالندوہ کے پانچ ادارے قائم کئے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے ان میں مزید سات اداروں کا اضافہ کیا، اس وقت کل بارہ عہدے تھے جن کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ حرب فجار کے بعد ان عہدوں میں مزید اضافہ کیا گیا اور پہلے سے موجود عہدیداروں میں ردوبدل کیا گیا۔ حالانکہ وہ عہدے جو حضرت عبدالمطلب نے تفویض کئے تھے، وہ ان قبیلوں میں موروثی قرار دیئے جا چکے تھے۔

تمام مولفین کا متفقہ بیان ہے کہ اس وقت مکہ میں دس قبائل کے سردار عہدیدار تھے، اور ان کے پاس دس سے زیادہ عہدے تھے یعنی کسی ایک عہدیدار کے پاس ایک سے زائد فرائض بھی تھے۔ ابن عبدربہ نے دس

سرداروں کے پاس سترہ عہدے لکھے ہیں۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے تیئیس (۲۳) عہدے گنائے ہیں۔ یقیناً یہ عہدے حرب فجار کے خاتمہ پر بڑھائے جانے والے عہدوں کے بعد وقتاً فوقتاً حسب ضرورت اضافہ کئے گئے ہوں گے۔

بہرحال اس وقت عہدوں اور فرائض کی تقسیم کے موقع پر بنی ہاشم کو کوئی عہدہ نہ دیا گیا صرف ایک سقایہ کے اور وہ بھی اس لئے کہ چاہ زم زم اگرچہ دفن کر دیا تھا مگر وہ حضرت عبدالمطلب کی ملکیت تسلیم کر لیا گیا تھا۔ باقی تمام عہدوں پر ان ہی قبیلوں نے قبضہ کر لیا۔ کہا گیا ہے کہ بعد میں حضرت عباس کو سقایہ کے ساتھ عمارت البیت کا عہدہ بھی دیدیا گیا تھا۔ ابن عبدربہ نے وضاحت کی ہے کہ عمارت البیت کا مطلب یہ تھا کہ اس عہدہ پر فائز شخص کعبہ کے گرد گھوم پھر کر یہ معلوم کرتا رہے کہ کوئی شخص کعبہ کی بے حرمتی تو نہیں کر رہا۔ عقاب یا لوا کے عہدہ کا اضافہ کیا گیا اور یہ عہدہ بنی امیہ میں ابوسفیان کو ملا۔ یہ عہدہ دور حالتِ امن میں قبیلے کے جھنڈے کا نگہبان ہوتا اور بوقت ضرورت فوجی اجتماع کیلئے جھنڈے لہراتا اور جنگ کے موقع پر یہ فوجی جھنڈا جس کو چاہتا اس کے سپرد کرتا۔ جنگ احد میں ابوسفیان ہی نے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کو قریش کے لشکر کے دائیں اور بائیں بازو کی قیادت کے جھنڈے سپرد کئے تھے۔ رفادہ کا عہدہ بنی ہاشم سے بنی نوفل میں منتقل کر دیا تھا۔ جبکہ بلاذری کے مطابق یہ عہدے ابوطالب کو وراثت میں ملے تھے۔ یہ عہدیدار حاجیوں کے کھانے کا بندوبست کرتا تھا۔ بنی نوفل بنی امیہ کے حامی تھے۔ اشناق (دیت) یہ عہدہ حضرت عبدالمطلب نے بنی تیم کو دیا تھا یہ ان ہی کے پاس رہا۔ یہ عہدیدار دیت کا تعین کرتا اور دیت دلاتا۔ قبہ اور اعنہ یہ دو عہدے بنی مخزوم کو ملے، قبہ کے معنی شامیانہ اور اعنہ کا مطلب گھوڑے کی لگام پکڑنے کے کئے گئے ہیں۔ اس لئے اس کی وضاحت میں شامیانہ لگا کر چندہ کرنا اور فوج کی افسری کرنا بتایا ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے ''لامنس'' کے حوالہ سے قبہ کا مطلب وہ شامیانہ بتایا ہے جو جنگ یا عید کے موقع پر منقولہ بتوں پر سایہ کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا تھا اور اعنہ سے مراد وہ امتیاز لیا ہے کہ کسی بت کو گھوڑے پر رکھ کر جلوس کی شکل میں لے جائیں اور اس گھوڑے کی لگام تھامے رہیں۔ جنگ احد کے موقع پر ابوسفیان بن حرب اسی طرح ہُبل بت کو ایک اونٹ پر باندھ کر لایا تھا اور اس اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے ''ہبل'' کے نعرے لگا رہا تھا۔ یہ دونوں عہدے بنی مخزوم ہی کے ایک فرد کے پاس تھے سفارہ اور منافرہ۔ یہ دونوں عہدے بنی عدی کے حوالے کئے گئے۔ سفارہ کا مطلب سفارت کے فرائض کی انجام دہی اور منافرہ کا مطلب فضیلت کے دعویٰ کی جواب دہی تھا۔ حکومہ اور اموال محجرہ یہ دونوں عہدے حضرت عبدالمطلب نے بنی ہاشم کے سپرد کئے تھے۔ یہ ان ہی کے پاس رہے۔ حکومہ کا مطلب حکم کے فرائض ادا کرنا، اموال محجرہ سے مراد نذرانہ کے طور پر آئے ہوئے مال کی حفاظت کرنا۔ سدانہ، حجابہ اور ندوہ یہ عہدے بنی عبدالدار کو ملے۔ سدانہ کا مطلب کعبہ کی رکھوالی، حجابہ کا مطلب کعبہ کی دربانی اور ندوہ کا مطلب اجلاس کا انتظام کرنا تھا۔ شورہ یہ عہدہ بنی اسد کو دیا گیا۔ اور السیاروازلام کے دو عہدے بنی جمح کے قبیلے کے سپرد کئے گئے تھے مگر اس موقع پر اس عہدہ پر ابوسفیان کے بھائی صفوان بن حرب نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس عہدیدار کا

Presented by Ziaraat.net

فرض استخارہ کی خدمات انجام دینا اور استخارہ کے تیروں کی حفاظت کرنا تھا۔ ان کے علاوہ حسب ضرورت عہدوں میں اضافہ کیا جاتا رہا اور ان پر ان ہی لوگوں نے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔

مخالف گروہ کی غلط بیانیاں

آنحضرتؐ کے زمانہ میں فتح مکہ کے وقت تک جن لوگوں کو ان عہدوں پر متمکن بتایا گیا، ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت خالد بن ولید کا نام بھی لیا گیا ہے۔ تقریباً تمام مورخین نے یہی لکھا ہے کہ اس وقت اشناق کے عہدے پر حضرت ابوبکر بن قحافہ، سفارہ و منافرہ کے عہدے پر حضرت عمر بن خطاب اور قبہ و اعنہ کے عہدوں پر خالد بن ولید فائز تھے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ تاریخی حقائق ہوتے ہوئے مولفین نے ایسا کیوں بیان کیا ہے جبکہ وہ خود ہی ان حقائق کی تائید کر چکے ہیں۔ عرب جاہلیہ کی تاریخ واضح الفاظ میں بتاتی ہے کہ عرب چالیس سال سے کم عمر آدمی کو بالغ الذہن نہیں گردانتے تھے۔ ایسا شخص نہ شوریٰ کا ممبر ہو سکتا تھا اور نہ اسے کوئی فریضہ سونپا جاتا تھا۔ دارالندوہ کے ممبران کے لئے بھی یہ شرط موجود تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

"مکہ کے دارالندوہ میں صرف معمر اشخاص شریک ہو سکتے تھے۔ ارزقی (اخبار مکہ) اور ابن درید، (کتاب الاشتقاق) نے وضاحت سے بتایا ہے کہ دارالندوہ کے اجلاس میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے تھے جن کی عمر کم سے کم چالیس (۴۰) سال ہو۔ صرف قصیٰ کے بیٹوں کو یہ رعایت حاصل تھی کہ وہ عمر کی اس شرط سے مستثنیٰ تھے۔ بعد میں کچھ نرمی کی جانے لگی۔ ابوجہل کو تیس (۳۰) سال اور حکیم بن حزام کو (ان کی ذہانت کی بنا پر) اس سے بھی کم عمر میں یہ عزت مل گئی تھی۔"

(عہد نبوی میں نظام حکمرانی)

پوری تاریخ میں صرف یہ دو نام ملتے ہیں جنہیں یہ رعایت ان کی ذہانت اور صلاحیت کی بنا پر دی گئی تھی اور وہ بھی اس وقت جب بنی ہاشم کا پلہ کمزور ہو گیا تھا۔ حرب فجار کے بعد ہونے والی ان منصبی تبدیلیوں کے وقت حضرت ابوبکر کی عمر تقریباً بارہ سال، حضرت عمر کی عمر تقریباً تین سال اور خالد بن ولید کی عمر بھی اسی کے لگ بھگ تھی۔ جب یہ حضرات اسلام لائے تو بالترتیب ان کی عمریں (۳۷) سال، (۲۷) سال کے قریب تھیں اور اسلام لے آنے کے بعد دارالندوہ میں کسی مسلمان کو عہدہ ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہنا کہ فتح مکہ کے موقع پر مذکورہ عہدے ان حضرات کے پاس تھے جبکہ یہ حضرات مدینہ ہجرت کر چکے تھے۔ کس طرح صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اب ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ ابن عبدربہ نے "العقد الفرید" میں یہ کیسے لکھ دیا کہ

"جب کبھی کوئی جنگ چھڑتی تو قریش حضرت عمر کو اپنا سفیر مختار بنا کر بھیجتے اور جب کبھی کوئی بیرونی قبیلہ، قریش کی اولیت کو چیلنج کرتا تو اس وقت بھی حضرت عمر ہی کو بطور

"منافر" بھیجا جاتا کہ قریش کی طرف سے جواب دیا جائے اور اس جواب دہی میں جو کچھ کہا جاتا اس کو قریش مان لیتے۔ صلح حدیبیہ کے وقت آنحضرتؐ کا ان سے مکہ جانے کی فرمائش کرنا بے سبب نہ تھا۔" عقد الفرید ص: ۲/۴۵، بواسطہ ڈاکٹر حمید اللہ)

اس موقع پر تاریخ یہ بھی بتا رہی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے آپ سے مکہ جانے کی فرمائش کی تھی تو آپ نے جانے سے انکار کیا تھا، ہمارا خیال ہے کہ اگر آپ سفارت کے عہدہ پر قائم رہے ہوتے اور آپ کو اس کا تجربہ ہوتا تو حضورؐ کے حکم کو پورا کرنے سے معذرت نہ کرتے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ یہ عہدے ان ہی قبیلوں کے دیگر لوگوں کو دیئے گئے ہوں مگر یہ غلط ہے کہ یہ عہدے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت خالد کے پاس تھے۔

اس ذیل میں عصر حاضر کے معتبر محقق ڈاکٹر حمید اللہ ہی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں انہوں نے مولفین کے اس بیان کی مدلل طریق پر تردید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اسلام آنے کے بعد جب زمانہ جاہلیت کی بہت سی رسمیں مٹ گئیں اور چند صدی بعد جو مولف پیدا ہوئے انہیں ان چیزوں کا کوئی علم نہ ہو سکا تو ذہانت سے کام لیکر انہوں نے اکثر قدیم اصطلاحات کا منشاء ان کے لغوی معنوں کو سامنے رکھ کر واضح کرنے کی کوشش کی اور چونکہ انہیں ان اصطلاحات کا پس منظر معلوم نہ تھا۔ اسلئے بعض وقت وہ غلطی بھی کرتے رہے۔ بہر حال ہمارے مولف بیان کرتے ہیں کہ اعنہ کا عہدہ زمانہ جاہلیت میں خالد بن ولید کو وراثت میں ملا تھا، یہ استنباط غالباً اس واقعہ کی بنا پر ہے کہ احد کی لڑائی میں خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل نے مکہ والوں کے رسالے کی قیادت کی تھی۔" (عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۵۶)

ہمارے خیال میں بالکل اسی طرح یہ استنباط بھی کہ حضرت عمر سفارت کے عہدے پر فائز تھے غالباً اس واقعہ کی بنا پر ہے کہ آنحضرتؐ نے صلح حدیبیہ کے وقت ان کو مکہ جا کر قریش سے گفتگو کرنے کیلئے کہا تھا۔ اسی بناء پر ابن عبدربہ نے حضرت عمر کو سفارت پر فائز بتایا ہے اور اسی وجہ کو بنیاد قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ "صلح حدیبیہ کے وقت آنحضرتؐ کا ان سے مکہ جانے کی فرمائش کرنا بے سبب نہ تھا۔" (عقد الفرید، ص: ۴۵، ج:۲) یعنی وہ اسی واقعہ کو اس کی بنیاد قرار دے رہے ہیں۔

یہاں اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے ہمارا مقصد اس کے سوا اور کچھ ہرگز نہیں ہے کہ تاریخ درست ہو اور اگلی نسل کو صحیح واقعات پہنچائے جانے چاہئیں۔ غلط واقعات و اخبار پر مبنی تحریریں نہ تاریخ کہی جا سکتی ہیں اور نہ ہی وہ تاریخ کا حصہ ہو سکتی ہیں۔ اسلام سچا ہے تو اسلامی تاریخ بھی سچی ہونی چاہیے۔ اگر کوئی مولف یا سیرت نگار عقیدت و عصبیت کی بنیاد پر کوئی غلط بات کسی شخص سے منسوب یا کوئی غلط استنباط کرتا ہے تو کسی بھی زمانہ میں اس کی اصلاح ہونی چاہیے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی بھی شخصیت سے غلط اوصاف کا منسوب کرنا مفید ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس کی شخصیت مجروح ہوتی ہے اور جب اس جھوٹ کا پول کھلتا ہے تو اس

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

شخصیت کے حقیقی اوصاف بھی شک وشبہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور مخالف گروہوں کو اعتراض کا موقع میسر آ جاتا ہے۔ اسلامی شخصیات سے متعلق ایسی بے شمار روایتیں اور حکایتیں ملتی ہیں جنہیں ہم دیو مالائی کہانیوں کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے یہ درست ہے کہ دیو مالا کا وجود قدیم سے ہے اور یہ ایک خاص مذہبی مقصد کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ہے مگر اس کو تاریخ میں سمونا درست نہیں۔ دیو مالا کو دیوتاؤں کی گردن تک ہی محدود ہونا چاہیے۔

قریش میں بت پرستی کی بازگشت

بنو امیہ اور ان کے حواریوں نے نئے قوانین اور ان کے ضوابط کی وضعیت کے موقع پر متحد ہو کر پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے فریب کارانہ طریقوں سے دارالندوہ میں اکثریت حاصل کر لی اور بنی ہاشم کو ان تمام اختیارات سے محروم کر دیا جن کی وجہ سے انہوں نے قریش میں وحدانیت قائم کی تھی اور بت پرستی جیسے فعل سے نجات دلائی تھی۔ اس مقام پر سید امیر علی لکھتے ہیں۔ ’’آخر زائرین کو کھانا کھلانے کا منصب بنو امیہ نے چھین لیا جو آلِ ہاشم کو رشک وحسد کی نظر سے دیکھتے تھے۔ رفادہ کا منصب جو ابو طالب کے پاس تھا وہ بھی انہوں نے ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں نہ رہنے دیا اور اپنے اثر ورسوخ اور طاقت کی بنیاد پر حارث بن عمر بن نفیل کو دلا دیا۔‘‘

جب بنی امیہ کو یہ طاقت اور سہولتیں حاصل ہو گئیں کہ وہ جو چاہیں کریں تو انہوں نے سب سے پہلے اپنے آزمودہ پیشہ کا ازسرنو آغاز کیا اور مکہ کی حدود میں دوبارہ لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حرام مہینوں کے احترام کو جو حضرت عبدالمطلب نے رواج دیا تھا ختم کر دیا۔ اس وقت جب بنی ہاشم کمزور ہو گئے تو بنی امیہ نے بنی ہاشم کے مقابلہ پر مال ودولت کا مقابلہ کرنا چاہا۔ حرب نے لوٹ مار سے مال پیدا کر کے تجارت شروع کی تھی اور اس میں بنی مخزوم سے بھی مالی مدد لی تھی۔ لیکن اس قبیلہ نے غارتگری کو ترک نہیں کیا تھا، اور اب جب انہیں اختیارات حاصل ہو گئے تو مکہ میں آنے والے مسافروں اور تاجروں کو دوبارہ لوٹنے لگے۔ ان میں بنی امیہ، بنی مخزوم، بنی سہم اور بنی تیم کے لوگ شامل تھے۔ وہ ایسا بھی کرتے کہ کسی بیرونی تاجر سے مال خریدتے اور پھر رقم دینے سے انکار کر دیتے تھے۔ مکہ میں مقیم، غیر قریش مالدار تاجروں اور یہودیوں سے بلاوجہ تکرار کرتے اور پھر اسے فساد کی وجہ بتا کر قتل کر دیتے اور اس کا مال لوٹ لیتے۔ ایک بار حذیفہ بن غانم نامی شخص باہر سے مکہ آیا اور قرض کے سلسلہ میں اسے پکڑ لیا اور قید کر دیا۔ کہا کہ جب تک رقم نہ دے گا نہیں چھوڑیں گے، اس وقت اس کے پاس رقم نہیں تھی۔ اس نے بعد میں دینے کا وعدہ کیا اور گواہ بھی ٹھہرائے مگر یہ لوگ نہ مانے اس وقت بنی ہاشم میں سے چند لوگوں نے یہ مسئلہ ختم کرانے کی کوشش کی مگر یہ لوگ اُن کی بات ماننے پر تیار نہ ہوئے تو حضرت عبدالمطلب کے بیٹے عبدالکعبہ (عبدالعزیٰ) نے حذیفہ کو رقم دی اور اس کی جان چھڑائی۔

بنی امیہ کی ان حرکات سے قریش مکہ اور کعبہ کا احترام متاثر ہونے لگا۔ حضرت عبدالمطلب کے قائم کردہ ضابطوں کی شہرت ماند پڑنے لگی تو بنی ہاشم، بنی مطلب اور خاندانِ بنی زہرہ نے متحد ہو کر معاہدہ کیا کہ مکہ میں تمام افراد کو خواہ وہ قریش ہوں یا اجنبی انہیں مکہ کی حدود میں بہرحال تحفظ دیا جائے گا۔ کیونکہ اب دن کی

روشنی اور بھرے بازاروں میں لوگ لوٹے جانے لگے تھے اور وہ انتظام اب باقی نہ رہا تھا جو حضرت عبدالمطلب کے زمانہ تک موجود تھا۔ ان لوگوں نے جن میں آنحضرتؐ اور آپ کے چچا شامل تھے اور ان کے ساتھ مکہ کے چند دیگر حضرات نے عبداللہ بن جدعان کے مکان میں میٹنگ کی اور ایک ایسی انجمن بنانے کا فیصلہ کیا جو ان خرابیوں کا ازالہ کرے جو بنی امیہ نے پیدا کر دی تھیں اور مکہ کے باشندوں کے ساتھ اجنبی لوگوں کے حقوق ان کو دلائے اس انجمن کا نام ’’انجمن حلف الفضول‘‘ رکھا گیا۔ یہ انجمن ۵۹۰ء کے لگ بھگ قائم ہوئی۔ آنحضرتؐ اور آپ کے چچاؤں کے ساتھ چار ارکان فضل، فضالہ، مفضل اور فضیل تھے۔ اس انجمن کی وجہ سے کمزوروں، مظلوموں اور اجنبیوں کو امن کی ضمانت مل گئی۔ حتیٰ کہ شدید ترین بیرونی مداخلت کے قدم بھی اس انجمن نے مکہ میں نہ جمنے دیئے۔ سید امیر علی ’’روح اسلام‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’پہلے ہی سال اس (انجمن) کا اتنا رعب ودبدبہ قائم ہو گیا کہ اس کی طرف سے کسی معاملہ میں مداخلت کا اشارہ ہی زبردستوں کی بے آئینی کو روکنے کیلئے کافی ہوتا۔ اس انجمن کے قیام کے چند سال بعد یعنی ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں عثمان بن حویرث نے بازنطینی دولت کے بل بوتے پر حجاز کو رومی سلطنت کا ایک صوبہ بنانے کوشش کی۔ آنحضرتؐ نے مداخلت کی انجمن حرکت میں آ گئی اور یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔ عثمان نے بھاگ کر شام میں پناہ لی۔ جہاں اسے ہلاک کر دیا گیا۔‘‘

(روح اسلام سید امیر علی)

اس انجمن کا نام بنی جرہم کی بنائی ہوئی ایک پرانی انجمن کے نام پر ’’حلف الفضول‘‘ رکھا گیا تھا۔ اس لئے کہ اس کے چار ارکان کے ناموں میں ’’فضل‘‘ کا مادہ موجود تھا، اور بنی جرہم کی انجمن کے ارکان میں بھی یہی صفت پائی جاتی تھی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے۔

’’بنی جرہم اور بنی قطورہ کے چند آدمیوں کو (جن کے نام میں فضل کا لفظ تھا) فضول کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان میں ایک ’’الفضیل بن حارث الجرہمی‘‘ دوسرے الفضیل بن وداعہ القطوری، تیسرے المفضل بن فضالہ الجرہمی، یہ سب جمع ہوئے اور آپس میں قسم کھائی کہ مکہ میں کسی ظالم کو باقی نہ رکھیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو عظمت دی ہے اور یہ اس کا حق ہے۔

انّ الفضول تحالفوا وتعاقدوا انّ لایقرّ ببطن مکه ظالم. امرٌ علیه

تعاهدوا وتواثقوا فالجار والمعبر فیهم سالم .

ترجمہ: فضل نام کے آدمیوں نے قسم کھائی اور عہد کیا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ ٹھہرنا چاہیے۔ یعنی یہ لوگ کسی ظالم کو نہ ٹھہرنے دیں گے، جس سے پڑوسی اور پڑوسی کو پناہ دینے والا دونوں محفوظ رہیں۔

(ابن اسحاق۔ ابن اثیر کامل حصہ دوئم، ص:۴۹)

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

جن دنوں بنی امیہ اوران کے ساتھی مکہ میں یہ ہنگامہ آرائیاں کرر ہے تھے۔ان دنوں قریش کے ایک شریف النفس بزرگ عبداللہ بن جدعان بھی ان کی ان حرکتوں سے سخت نالاں اور پریشان تھے۔ان ہی کے مکان پر بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد، بنی زہرہ جمع ہوئے اورانہوں نے دوبارہ قسم کے ساتھ معاہدہ کیااوراس معاہدہ پر قائم اس انجمن کا نام ''حلف الفضول'' رکھا۔اس معاہدہ میں آنحضرتؐ نے بھی جب آپ کی عمر بیس (۲۰) سال تھی اپنے چچاؤں کے ساتھ شرکت کی۔آپؐ اپنے زمانہ نبوت میں اکثر اس واقعہ کاذکرکرتے تھے۔ ابن اثیر لکھتا ہے۔

''منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد آپؐ نے فرمایا میں اپنے چچاؤں کے ساتھ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف الفضول کے موقع پر موجود تھااوراگراب بھی مجھے اس معاہدہ کے خلاف سرخ اونٹ ملیں تو اس دولت کو''حلف الفضول'' کے مقابلہ میں پسند نہیں کروں گا۔'' (ابن اثیر کامل حصہ دوئم، ص: ۵۰)

بنی ہاشم کی تحریک پر قائم کردہ اس انجمن کے سبب بنوامیہ کی غارتگری مکہ کے اندر ختم ہوگئی۔وہ اس قوت کے سامنے بے بس ہوچکے تھے۔لیکن انہوں نے یہ سلسلہ مکہ کے باہر جاری رکھا۔حرام مہینوں کا احترام ختم کرادیا۔وہ تنہا مسافرکولوٹ لیتے اورتجارتی قافلوں پرمل کرحملہ کرتے انہیں لوٹتے اور قتل کرتے۔یہ سلسلہ رسول اللہؐ کے زمانہ نبوت تک جاری رہا۔فتح مکہ کے بعد بھی مدینہ سے مکہ تک کا سفر خطرات سے خالی نہ تھا۔ اس زمانہ میں بھی یہ لوگ ڈاکے ڈالتے تھے، چوریاں کرتے تھے اوراب کوئی حضرت عبدالمطلب کے وضع کردہ قانون کو بروئے کارلانے پر قادر نہ تھا نہ چوری کی سزا چور کو دی جاسکتی تھی۔یہ لوگ قریش ہی کے گلوں سے ان کی بھیڑ بکریاں اوراونٹ چرالیتے تھےاورذبح کرکے کھاجاتے تھے۔۶ھ تک شام کے قافلوں پر حملے کئے جاتے رہے کوئی قافلہ محافظ کے بغیر سفر نہ کرسکتا تھا۔بنی امیہ مدینہ کے گردونواح میں چھاپے مارتے تھے اوراہل مدینہ کے اونٹ مکہ بھگالاتے تھے۔تاریخ شاہد ہے کہ ابوسفیان بن حرب اموی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ کی چراگاہ پر ۳ھ کے دوران چھاپہ مارا تھااورآنحضرتؐ کے کچھ اونٹ چراکرفرار ہوگیا تھا۔اسی دوران ایک شخص کوقتل بھی کیا تھا اوراہل مدینہ کے باغات کوشدید نقصان پہنچایا تھا۔ایسے مواقع پر جب آنحضرتؐ ایسی خبریں سنتے اورلوگوں کوامن وسکون کی بشارت دیتے ہوئے فرماتے کہ''ایک دن آئے گا جب صنعاء سے ایک عورت تنہا سفر کرسکے گی۔'' تولوگ حیرت سے ایک دوسرے کودیکھتے اورتعجب کرتے تھے کہ آخر یہ کیسے ممکن ہوگا؟

دیگر اخلاقی اور مذہبی رسوم کا خاتمہ

بنی امیہ اوران کے ساتھیوں نے لوٹ مار کا سلسلہ مکہ سے پھر جاری رکھا اور جب انہوں نے دارالندوہ پرکثرت رائے کے سبب قبضہ کرلیاتو دیگر اخلاقی ومذہبی ان رسوم کوختم کرنے اورحضرت عبدالمطلب

کے قائم کردہ اصول وضوابط کوجڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی جانب قدم بڑھایا جوانہوں نے قریش کوایک مہذب قوم بنانے کیلئے قائم کئے تھے۔یہ لوگ حضرت عبدالمطلب کے ان تمام کارناموں کومٹادیناچاہتے تھے جن کے سبب ابھی تک ان کا احترام اور بنی ہاشم کا وقار بیرونی لوگوں میں قائم تھا۔چنانچہ ان لوگوں نے آہستہ آہستہ یکے بعد دیگر رسومات میں تبدیلیاں کیں اوروہی صورتحال پیداکردی جوکبھی بنی جرہم وخزاعہ کے دور میں تھی۔

مثلہ کرنا

عرب انتقام لینے میں اس حدتک آگے جاچکے تھے کہ دشمن کوقتل کرنے کے بعدبھی ان کی آتش انتقام سرد نہیں ہوتی تھی، وہ اس کی لاش سے بھی پے درپے بدلہ لیتے تھے۔سربریدہ لاش کوکسی درخت یا عمارت پر لٹکادیاجاتا اور بریدہ سرکوگلی کوچوں میں پھرایا جاتا۔اس طرح وہ دشمن پراپنی فتح اور بہادریوں کاپرچار کرتے۔ لاش کے ناک، کان اوراعضائے جنسی کاٹ دیتے۔حضرت عبدالمطلب کے دور میں اسے شدید ترین ظلم قرار دے کرختم کردیا گیا تھامگر بنی امیہ نے اسے پھر رواج دیا۔وہ لاشوں پر گھوڑے دوڑاکرسموں سے لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتے تب ان کے انتقام کی پیاس بجھتی تھی۔چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ احدکی جنگ میں حضرت حمزہؑ کودھوکہ سے شہید کرنے کے بعد ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان کے ناک، کان کاٹے ان کا ہار بنا کر پہنا اورسینہ چیرکرکلیجہ نکالا پھراسے چبایااورنگل نہ سکی تو تھوک دیا۔علامہ شبلی سیرت النبی میں لکھتے ہیں:

''خاندان قریش (بنی امیہ) نے انتقام خون کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔انکے ناک کان کاٹے۔ہندہ نے ان سے پھولوں کاہار بنایااوراپنے گلے میں ڈالا۔حضرت حمزہ کی لاش پرآئی ان کا پیٹ چاک کرکے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔لیکن گلے سے نہ اترسکا۔اگل دینا پڑا۔تاریخوں میں ہند کالقب ''جگر خوارہ'' جولکھا جاتا ہے۔اسی بناپرلکھا جاتا ہے۔ہندفتح مکہ میں ایمان لائی۔لیکن جس طرح وہ ایمان لائی عبرت خیز ہے۔'' (سیرت النبی، ص: ۲۸۰)

یہی ابوسفیان تھا جس نے جنگ احد کے بعد خبیب بن عدی اور زید بن الدشنہ کودھوکہ سے گرفتار کیا اورقریش کے ہاتھ انہیں فروخت کردیااوران کے قتل کا منظرمکہ کے تمام لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔اسی ابوسفیان کے بیٹے نے تمام بنی ہاشم سے بری طرح انتقام لیااوراسی کے پوتے یزید کے لشکر نے نواسہ رسولؐ اور ان کے اعزا کی لاشوں پرگھوڑے دوڑائے، ان کے سروں کی دمشق کے بازاروں میں نمائش کی۔یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلام پورے عرب میں پھیل چکا تھااورمثلہ کرنے کی ممانعت کردی گئی تھی۔

مُردارخوری

حضرت عبدالمطلب نے قریش میں پاک وناپاک کی اورحلال وحرام کی تمیز قائم کردی تھی۔مرداراور

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

بتوں پر ذبیحہ کھانے سے روک دیا تھا۔ بنی امیہ نے مردار خوری کو پھر رواج دیا اور جب ان کو اس سے منع کیا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ''تم جسے مارتے ہو اسے کھاتے ہو اور حلال کہتے ہو اور جسے اللہ مارتا ہے اسے حرام کہتے اور کھانے سے انکار کرتے ہو۔ اس بیہودہ دلیل سے انہوں نے قریش کو کافر کہا اور پھر مردار اور بتوں پر ذبیحہ کو حلال قرار دے کر انہیں مردار کھانے پر آمادہ کیا اور یہ عمل قریش میں پھر جاری ہو گیا۔

محرم سے نکاح

قریش جنسی معاملات میں اس درجہ پست ہو چکے تھے کہ وہ فعل جسے جاہل ترین قوموں نے بھی اختیار نہیں کیا تھا قریش نے اسے اپنے معاشرہ میں جائز قرار دے رکھا تھا۔ قریبی خونی رشتوں سے جنسی اختلاط کو غالباً وحشی قبائل کے سوا کسی قوم نے جائز نہیں گردانا، اس سے جو نفسیاتی، جسمانی اور نسلی الجھنیں اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، ان پر موجودہ فزیکل سائنس نے پوری طرح تحقیق کے بعد وضاحت کر دی ہے۔ مگر ہزاروں سال پہلے بھی اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بنی امیہ کے افراد سوتیلی ماں سے شادی کر لیتے تھے مگر باپ کے مرنے کے بعد۔ لیکن تاریخ میں ایسا واقعہ بھی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باپ کی زندگی میں بھی ایسا کرتے تھے۔ امیہ بن عبدالشمس جو بنی امیہ کا جد اعلیٰ ہے یعنی ابوسفیان کا دادا اور حرب کا باپ اس کی زندگی ہی میں اس کے بیٹے ابوعمر نامی نے اس کی ایک بیوی سے باپ کی زندگی ہی میں شادی کر لی تھی اور امیہ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اسی عورت سے ''ابومعیط'' پیدا ہوا تھا۔ جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں ان کا بدترین دشمن تھا۔

(رسائل جاحظ، ص: ۷۵ - ۶۷، اموی دور خلافت، ص:۱۲)

حضرت عبدالمطلب نے اس قبیح طریقہ کو ختم کر دیا تھا۔ مگر بنی امیہ نے اسے پھر جاری کیا اور نکاح کے وہ چھ طریقے جو آپ نے روک دیئے تھے پھر سے جاری کر دیئے۔

لڑکیوں کا قتل

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایسی سنگدلی کے بھی عادی تھے جس کی حیوان سے بھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بنی امیہ کے ہم خیال بعض مورخین نے اس کی وجہ ان کی غیرت کا تقاضا بتایا ہے وہ کسی کو اپنا داماد بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ اپنی ماں اور بہن سے جنسی تعلقات رکھنے میں عار نہ کرتے ہوں وہ اس قدر غیرت مند بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ لوٹ مار کے باوجود غربت اور تنگدستی کا شکار تھے۔ اس لئے کہ جب قرآن نے اس کی ممانعت کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ''رزق تو ہم دیتے ہیں۔'' اس سے ثابت ہوا کہ قتل اولاد کا سبب غربت تھی۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے زمانہ سرداری میں قریش سے اس قبیح رواج کو ختم کرایا اور انہیں اولاد کی پرورش اور برکت کا احساس دلایا۔ پھر اس کی قطعی ممانعت کر دی لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کے مخالف

قبیلوں نے اسے پھر سے رواج دیدیا تھا۔ جس کی ممانعت بعد میں آپ کے پوتے رسول اللہؐ نے دور نبوت میں کی اور قرآنی حکم نازل ہوا۔ آپ بیعت کے وقت اکثر اولاد کو زندہ نہ دفن کرنے کا اقرار کراتے تھے۔

شراب نوشی

قریش شراب کے رسیا تھے خود کشید کرتے اور پیتے تھے۔ مہمانوں کی تواضع شراب سے کرتے، یہودی جو قریش کے درمیان بود و باش رکھتے تھے۔ ان کا کاروبار شراب فروشی تھا۔ شراب خانے رات گئے تک کھلے رہتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے پیدائش ہی سے شراب کو منہ نہیں لگایا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ''عبدالمطلب سب سے زیادہ ان برائیوں سے دور تھے جو مردوں کو بگاڑنے والی (یعنی شراب و زنا) ہوتی ہیں۔'' مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے کبھی شراب نہیں پی اور نہ زنا کیا۔ یہ علامات نبیوں میں ملتی ہیں۔ بائبل میں بعض نبیوں کیلئے ان کے والدین کو اس ہدایت کا ذکر ملتا ہے کہ ''پیدائش کے بعد اسے شراب نہ پلانا اور حمل کے دوران ماں بھی شراب نہ پیئے۔''

حضرت عبدالمطلب نے قریش کو شراب سے پرہیز کی فرمائش کی، ایک حد تک قریش نے اسے ترک کر دیا۔ اکثر اموی چوری چھپے پیتے رہے اور آپ کی وفات کے بعد بنی امیہ اور بنی مخزوم نے اسے پھر کھلم کھلا رواج دیدیا تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنے دور نبوت میں اسے حرام قرار دیا قرآنی حکم بھی آیا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد بنی امیہ نہ صرف شراب نوشی کرتے رہے بلکہ ابوسفیان کے بیٹے حاکم شام معاویہ نے ''شراب شام'' کے نام سے ایک ''نشہ آور'' شے کو عام کر دیا تھا۔ یہ شراب شام ہی کے علاقہ میں کشید کی جاتی تھی۔

زنا کاری

عربوں میں زنا کا علی الاعلان رواج تھا۔ قریش میں چھ ایسے طریقے رائج تھے جو زنا کے مترادف تھے۔ انسانی نفسیات کے مطابق عقل تسلیم کرتی ہے کہ انسان خود زنا پر مائل ہوتا ہے لیکن یہی فعل وہ اپنی بیوی اور بیٹی یا بہن کے حق میں برداشت نہیں کرتا۔ چنانچہ عربوں میں اسی زنا پر قتل کی وارداتیں بھی ہو جاتی تھیں اور پھر یہ ایک طویل سلسلہ قتل میں تبدیل ہو جاتی تھیں۔ چونکہ یہ ان کی مشترک ضرورت تھی اس لئے انہوں نے ایسے طریقے رائج کر لئے تھے جو تھے تو زنا ہی کے مترادف مگر انہوں نے جائز قرار دے لئے تھے، اور انہیں مشترک نکاح کا نام دے رکھا تھا۔ یہ نکاح آٹھ قسم کے تھے جن میں سے چھ طریقوں کو حضرت عبدالمطلب نے زنا قرار دے کر ممانعت کر دی تھی۔ دو طریقوں کو باقی رکھا ان ہی دو کو بعد میں آنحضرتؐ نے بھی جائز قرار دے کر باقی کو حرام کر دیا۔ یہ دو طریقے نکاح اور مُتعہ تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے کبھی زنا نہیں کیا نہ اسے پسند کیا۔ جیسا کہ ابن سعد کا قول پہلے نقل کیا گیا ہے۔ محمد رضا کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے زنا پر سزا بھی مقرر کی تھی۔ لیکن آپ کی وفات کے بارہ سال

Presented by Ziaraat.net

کے اندر بنی امیہ نے مشترک نکاح کو دوبارہ رواج دیدیا تھا۔ ہر گلی کوچہ میں طوائفیں ہوتیں اور نشان کے طور پر گھروں پر جھنڈا لگاتیں انہیں جھنڈی والی کہا جاتا یا ایک عورت دس تک خاوند رکھتی اور بچہ ہونے کے بعد کسی ایک کو اس کا باپ قرار دیتی۔ اس کی مثالیں آنحضرتؐ کی بعثت کے زمانہ سے قبل تاریخ میں پائی جاتی ہیں اور عمر بن عاص بن وائل سہمی کا واقعہ تاریخ میں موجود ہے۔

رسم درع پوشی

قصیٰ بن کلاب کے زمانہ میں دارالندوہ کا قیام معاشی، معاشرتی اور باہمی نزاع سے متعلق مشاورت کیلئے کیا گیا تھا اور یہی امور باہمی مشورے سے طے کئے جاتے تھے۔ جنگی مسائل کا حل بھی اسی مقام پر مل جل کر تلاش کیا جاتا تھا لیکن جنس یا عریانیت سے متعلق کسی مسئلہ کا دارالندوہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد شادی بیاہ کی رسوم بھی دارالندوہ میں ادا کی جانے لگیں اور جب بنی امیہ نے دارالندوہ میں اپنا رسوخ بڑھالیا تو عیاشی کی ایک نئی رسم کو جنم دیا اور یہ رسم بھی دارالندوہ میں ادا کی جانے لگی۔ ابن ہشام نے اسے لڑکی کے بلوغ کا اظہار کہا ہے۔ یعنی جب کوئی لڑکی سنِ بلوغ کو پہنچتی تو اس کے حُسن اور بلوغت کے آثار کی پوری طرح نمائش کی جاتی۔ اسے نیم عریاں حالت میں اس طرح مجمع عام میں لایا جاتا کہ اس کے چہرے کے ساتھ پستان، رانیں اور کولہے نمایاں ہوتے۔ پھر اسے مجمع عام میں ایک نئی دلکش اور پنڈلیوں تک لمبی قمیص پہنائی جاتی۔ اس قمیص کو ''دُرع'' کہتے تھے۔ پھر یہ لڑکی کھلے منہ اسی حالت میں اپنے گھر واپس جاتی اور گھر پہنچنے پر پابندیاں عائد کردی جاتیں۔ یوں اس لڑکی کے پرستار پیدا ہوجاتے اور اس کے خواہشمند اس کے گھر کے چکر کاٹنے لگتے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس رسم کا مقصد لوگوں کو لڑکی کے بالغ ہونے سے آگاہی فراہم کرنا قرار دیا ہے۔ مگر بہرحال یہ ایک عیش کوشی کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ جسے بنی امیہ نے اپنی عیاشی کا ایک ذریعہ بنالیا تھا۔

قانونِ قصاص ودیت

اگرچہ تمام عرب اور قریش میں مقتول کا خوں بہا مقرر تھا۔ مگر اس عمل کا نفاذ نہ تھا۔ ایک مقتول کا خوں بہا صرف دس اونٹ مقرر تھا۔ جو مالدار عربوں کیلئے کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ مالدار شخص کسی بھی غریب آدمی کو قتل کر دیتا یا مالدار قبیلہ کمزور اور غریب قبیلہ پر چڑھ دوڑتا اور بآسانی خوں بہادے کر اپنے انتقام کی آگ بجھا لیتا۔ مگر غریب شخص یا غریب اور کمزور قبیلہ ایسا نہ کرسکتا اس کے فرد یا افراد کو قتل ہونا پڑتا۔ ایک طرف یہ بے انصافی تھی دوسری طرف بسا اوقات طاقتور کمزور کو خوں بہا بھی ادا نہ کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عربوں میں حلف کا رواج تھا یعنی کمزور قبیلہ طاقتور قبیلے سے جنگی معاہدہ کرتا تھا اور طاقتور قبیلے بھی اپنے سے طاقتور کیلئے معاہدہ پر مجبور ہوتے تھے۔ اسی لئے بنی عدی کے نفیل بن عبدالعزیٰ نے بنی سہم کے عاص بن وائل سے حلف کا معاہدہ کیا تھا۔

حضرت عبدالمطلب اس قانون کو بدلنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی نذر کی تکمیل کے موقع پر آپ کے

بیٹے عبداللہ کا خوں بہا اللہ کی جانب سے سو (۱۰۰) اونٹ ٹھہرایا گیا تو آپ کو انسانی جان کی صحیح قیمت کا اندازہ ہوا اور یہ بات بھی القاء ہوئی کہ اللہ خوں بہا سو (۱۰۰) اونٹ مقرر کرتا ہے تمام قریش نے سو (۹۰۰) اونٹوں پر قرعہ نکلتے دیکھا تھا اور اسے تسلیم بھی کیا تھا۔ اس وقت آپ نے قریش کو دیت اور خوں بہا کی طرف توجہ دلائی اور مقتول کی دیت آپ نے حکماً ایک سو اونٹ مقرر کی۔ اسے تمام قریش نے تسلیم کیا۔ جب حرب بن امیہ نے ایک یہودی کو قتل کرایا تھا تو حضرت عبدالمطلب نے یہودی کے ورثاء کو سو اونٹ دیت میں دلائے تھے۔ لیکن بنی امیہ نے اقتدار میں آنے کے بعد اس قانون کو ختم کردیا۔ وہ لوٹ مار کے عادی تھے۔ کسی کو خوں بہا بھی نہ دیتے اور مکہ میں خونریزی کرتے۔ آنحضرتؐ کے دور میں بھی ان کا یہ طریقہ جاری رہا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے آخری خطبہ میں اس طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی اور اپنے ایک عزیز کا خوں بہا معاف کرنے کا اعلان کیا۔

حرام مہینوں کے احترام کا خاتمہ

حج کے زمانہ میں مکہ کی جانب سفر کرنے والے قبیلوں پر دشمن قبیلے اچانک حملہ کرکے انتقام لیتے تھے۔ اسلئے چار مہینوں کو جنگ کیلئے حرام قرار دیدیا گیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے مہینوں کے احترام پر زور دیا کیونکہ حج کے دوران اور طواف کرتے ہوئے بھی یہ ایک دوسرے پر حملہ کردیتے تھے جس سے کعبہ کی عظمت اور وقار کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ آپ نے باقاعدہ کعبہ کے متولی اور قریش کے سردار کی حیثیت سے اعلان کردیا تھا کہ آئندہ شوال تا محرم ان چار مہینوں کا احترام کیا جائے گا۔ کوئی اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور ان مہینوں کے دوران حرم کعبہ اور مکہ کی حدود میں شکار اور جنگ وجدل یا فتنہ وفساد قطعی طور پر ممنوع ہے۔ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں اس پر پوری طرح عمل ہوتا رہا۔ مگر آپ کی وفات کے بعد بنی امیہ نے ان مہینوں کا احترام ختم کردیا وہ بیرونی حاجیوں پر اپنی بڑائی جتاتے اور ان سے حج کی رسوم اور طواف کے دوران تو تکار کرتے۔ بہت جلد اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ حج وکعبہ کا احترام ختم ہوگیا اور کعبہ کے گرد حج کی جگہ کسی میلے اور بازار کا منظر نظر آنے لگا۔ لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے اور کعبہ کا احترام نہ کرتے۔ ان اخلاقی برائیوں کو دوبارہ رواج دینے کے بعد انہوں نے حضرت عبدالمطلب کی قائم کردہ معاشی ومعاشرتی اصلاحات کو بھی ختم کرنے کی طرف قدم بڑھایا۔ سود خوری کو دوبارہ جاری کیا امانت میں خیانت کا ارتکاب کرنے لگے۔ رواداری بالکل ختم ہوگئی۔ صلح کل کا کوئی اثر باقی نہ رہا اور حج کی رسوم میں پھر سے بت پرستی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

مذہبی اصلاحات کو ختم کرنے کیلئے انہوں نے سب سے پہلے قریش کو آہستہ آہستہ بتوں کے احترام اور ان پر چڑھاوے کی طرف مائل کیا۔ وہ قریش سے کہتے یہ (بنی ہاشم) ہم کو ہمارے آباء واجداد کے خداؤں سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں اور اپنے خدا کا اطاعت گزار بنانا چاہتے ہیں مگر ہم ایسا کبھی نہ ہونے دیں گے۔ یہی بات انہوں نے اس وقت کہی تھی جب حضرت عبدالمطلب نے بت پرستی کو ختم کرنا چاہا تھا اور اسی بات کا اعادہ ان

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

لوگوں نے اس وقت کیا جب رسول اللہؐ نے بتوں کی تنقیص کی تھی۔ ان لوگوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ تمام نشانیاں مٹادیں جو وحدت پرستی سے متعلق تھیں۔ اس وقت صرف بنی ہاشم ہی تھے جنہوں نے ان کی اس بات سے کھل کر انکار کیا یا وہ لوگ تھے جو دین حنیف اختیار کر چکے تھے۔ انہوں نے کھل کر بغاوت کی اور ان رسوم میں شرکت سے انکار کر دیا۔

نذر کی تکمیل سے گریز

حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کی قربانی پر اصرار کر کے نذر کی تکمیل کی اہمیت پر قریش کو متوجہ کیا تھا اور وہ نذر کی تکمیل کرنے لگے تھے۔ اس سے پہلے وہ نذر مان کر اس کے پورا کرنے سے گریز کرتے تھے۔ یہودیوں کے فقیہ اور فریسی ان کو یہ باور کراتے تھے کہ اگر وہ مقدس کی قسم کھالیں اور اسے پورا نہ کر سکیں تو ان پر کوئی عذاب یا باز پرس نہیں ہے۔ لیکن اگر مقدس پر چڑھائے گئے سونے یا نذر کی قسم کھالیں تو وہ اس کے پورا کرنے کے پابند ہیں۔ لہٰذا قسم کے کفارہ کے طور پر وہ سونا یا نذر کا جانور دیں گے۔ اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ بنوامیہ پر یہود کی تاویل کا اثر تھا یا یہ ان کی اپنی اخلاقی پستی تھی کہ انہوں نے بھی یہ وطیرہ اختیار کر لیا تھا کہ جب کوئی نذر مانتے یا قسم کھاتے تو مقصد پورا ہو جانے کے بعد نذر کے پورا کرنے سے پہلو تہی کرتے اور مختلف قسم کے بہانے تراشتے البتہ بتوں پر مانی ہوئی نذر اور قسم کے پابند ہوتے۔

عریانی کی حالت میں طواف

عرب جب حج کیلئے آتے تو اکثر مرد عورت مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرتے۔ یہ قبیح رسم مدت سے چلی آرہی تھی۔ اس کی وجہ پہلے صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس سے نہ صرف بے حیائی میں اضافہ ہوتا تھا۔ بلکہ جنسی جذبات کے مشتعل ہونے سے حرمت کعبہ پر بھی زد پڑتی تھی۔ نیز عبادت کا مفہوم و مقصد بھی فوت ہو جاتا تھا۔ حرم کعبہ میں زنا کا واقعہ اساف و نائلہ کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے۔ برہنہ طواف کرنے کی یہ وہی صورت تھی جسے حمس کے نام سے ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق نے معتبر ذرائع سے اس بارے میں معلومات فراہم کی ہیں کہ بنی امیہ نے حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد اس رسم حمس میں مزید بدعتوں کا اضافہ کیا۔ مثلاً وہ کہتے کہ حمس جب احرام باندھے ہو تو اسے اپنی غذا میں پنیر یا پنیر سے بنایا ہوا گھی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اس حالت میں انہیں کمبل کے خیموں میں نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ وہ صرف چمڑے کے خیموں میں رہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے اور بہت سی رسموں کا اضافہ کیا اور بہت سے شعائر ابراہیمی کو ترک کر دیا اور لوگوں کو دوبارہ برہنہ طواف پر مجبور کر دیا۔ مثلاً وہ حاجیوں سے کہتے:

> ''حرم کے باہر والوں کو نہ چاہیے کہ وہ حج و عمرہ کیلئے حرم میں آئیں تو ساتھ لایا ہوا باہر کا کھانا حرم میں کھائیں۔ جب وہ زمین اور بیت اللہ کا پہلا طواف کریں تو حمس کے

> کپڑے کے سوا دوسرے کپڑوں میں طواف نہ کریں۔ اگر حمس کے کپڑوں سے انہیں کوئی کپڑا نہ ملے تو ننگے بیت اللہ کا طواف کریں۔ اگر ان کے کسی ذی عزت مرد یا عورت کو حمس کا کپڑا نہ ملے اور وہ اپنی عزت کا خیال کر کے اپنے انہی کپڑوں میں طواف کرے تو اسے چاہیے کہ انہیں طواف کے بعد اتار پھینکے پھر ان کپڑوں سے کوئی بھی شخص استفادہ نہ کرے اور نہ انہیں چھوئے۔ عرب ان کپڑوں کو ''لقی'' کہتے تھے۔ انہوں (بنی امیہ) نے یہ تمام باتیں عربوں سے (بزور) منوائیں۔''
>
> (سیرت ابن ہشام حصہ اول ص: ۲۲۵-۲۲۴)

یوں حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد برہنہ طواف کی رسم جاری ہوگئی اور آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد تک جاری رہی قرآنی حکم آنے کے بعد آپؐ نے اسے ہمیشہ کیلئے ختم کیا۔

ایک عورت کا یہ شعر جو اس نے عریاں حالت میں طواف کے دوران کہا۔ بنوامیہ کی ان تمام باتوں پر دلیل ہے

اَلیَومَ یبدُو بعضہ او کلّہ ۔۔۔ وَمَا بدَا مِنہُ فَلا اُحِلّہ

''ترجمہ: آج اس چیز کا تھوڑا یا پورا حصہ عریاں ہو جائے گا لیکن اس کا جو حصہ بھی عریاں ہو میں اسے حلال کسی کیلئے بھی نہ کروں گی۔''

رسم حمس کا دوبارہ اجرا

حضرت عبدالمطلب نے اپنے زمانہ میں حمس کی اس رسم کو ختم کر دیا تھا جو بنی خزاعہ نے اپنے زمانہ تولیت میں جاری کی تھی۔ اس لئے وہ عرب میں ''احمس'' کے نام سے مشہور تھے۔ تولیت کعبہ اور اپنی امارت کے اعزاز کے اعتبار سے انہوں نے دیگر اقوام عرب میں اپنا امتیاز قائم کرنے کیلئے چند خصوصیات اختیار کر لی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہ عام عربوں کی طرح عرفات میں قیام نہ کرتے بلکہ مزدلفہ میں ٹھہرے رہتے۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد بنی امیہ اور ان کے ساتھیوں نے یہ اعزاز حاصل کرنے کیلئے اسے پھر جاری کر دیا۔ وہ خود کو احمس یعنی دینی امور کا پابند کہتے اور عرفات میں قیام نہ کرتے بلکہ مزدلفہ میں جو حدود حرم میں تھا ٹھہرے رہتے جبکہ بنی ہاشم عرفات میں بھی قیام کرتے اس سے متعلق ایک معتبر روایت بیان کی جا چکی ہے۔

تلبیہ میں اضافہ

تلبیہ حضرت اسمٰعیلؑ کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ اس کی دلیل لفظ ''اللّٰھم'' ہے نیز ''لبیک'' کا لفظ بھی اس کا شاہد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا ''لبیک'' یعنی ''میں حاضر ہوں'' کہنا توریت سے ثابت ہے۔ خزاعہ نے اپنے زمانہ میں کعبہ کے گرد بتوں کے آجانے سے تلبیہ میں اضافہ کر لیا تھا۔ اس طرح اللہ کے ساتھ بُت بھی

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

تلبیہ میں شریک کر لئے گئے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے زمانہ میں تلبیہ سے یہ زائد الفاظ خارج کر دیئے تھے۔ مگر آپ کی وفات کے بعد بنی امیہ بنی ثقیف سے گٹھ جوڑ کی بنا پر لات اور عزیٰ کو بھی ماننے لگے تھے اور ان کی قسمیں بھی کھاتے تھے اور لات کے معبد کو کعبہ کے برابر کہتے تھے، بنی ثقیف کی تائید کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد انہوں نے تلبیہ میں وہ الفاظ پھر اضافہ کر دئے تھے جو بنی خزاعہ کے زمانہ میں استعمال کئے جاتے تھے وہ الفاظ یہ تھے۔" واللات والعزیٰ ومناة الثالثه الاخریٰ ان هن الفرائیق العلیٰ وان شفاعتهن لترجیٰ." (یعنی لات، عزیٰ اور تیسرا منات یہ بڑے برگزیدہ ہیں اور ان کی سفارش کی خدا کے یہاں امید ہے) منات مدینہ سے ساٹھ میل پر تھا یہ انصار کا بت تھا۔ قریش (بنی امیہ وغیرہ) ان تینوں بتوں کو مانتے تھے اور ان کی زیارت کو جاتے تھے۔ اب قریش طواف کرتے تو تلبیہ میں مذکورہ الفاظ کا اضافہ کر لیتے۔

(معجم البلدان "لفظ لات" وکتاب الاصنام الکلبی مطبوعہ دار الکتب المصریہ۔ بحوالہ سیرت النبی جلد چہارم)

علاوہ ازیں بنی امیہ کے زیر اثر قریش بحیرئ، سائبہ اور حام کے نام سے بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑتے تھے اور کعبہ کے سامنے جو قربانی وہ کرتے تھے، اس کا خون کعبہ کی دیواروں پر ملتے تھے، اور بتوں کے سامنے شگون کے تیر رکھتے تھے۔ اس وقت بنی ہاشم، احناف اور کچھ قریش ایسے بھی تھے جو لات وعزیٰ کو برا بھلا کہتے تھے۔ چنانچہ بنی امیہ نے اس وہم کو شہرت دی اور قریش میں روایت پھیلائی کہ "جو شخص لات وعزیٰ کو گالی دے گا اسے برص یا جذام ہو جائے گا۔"

(مسند دارمی)

غرض بنی امیہ اور ان کے حواریوں نے حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد بنی ہاشم کی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا۔ دار الندوہ پر قبضہ تو کیا ہی تھا۔ انہوں نے حضرت عبدالمطلب کی رائج کردہ تمام اصلاحات کو تہس نہس کر کے ان تمام نشانات کو مٹا ڈالا جو ان کی کارکردگی، ذہانت اور نبی ہونے کی دلیل تھے۔ آہستہ آہستہ پھر قریش میں وہ تمام خرابیاں اپنی جڑیں مضبوط کرنے لگیں جو ان میں حضرت عبدالمطلب سے پہلے پائی جاتی تھیں وہ اللہ کا تصور تو رکھتے تھے مگر بتوں کو اس کا شریک اور مددگار جانتے تھے اور بتوں کو اللہ پر ترجیح دیتے تھے۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتے اور انکے مجسموں کی پرستش کرتے۔ شراب کے ساتھ زنا سے رغبت کرنے لگے۔ لونڈیوں سے قحبہ گری کرانے لگے۔ جانوروں کو بتوں سے مخصوص کر کے چھوڑنے لگے۔ پھر شگون لینے کے عادی ہو گئے۔ یتیموں کا مال کھانے لگے اور بیواؤں کے حق غصب کرنے پر آمادہ رہتے۔ غرض کوئی ایسی برائی نہ تھی جو ان میں دوبارہ سرایت نہ کر گئی ہو اور یہ برائیاں ان میں اس قدر استحکام حاصل کر چکی تھیں کہ وہ تجارت کیلئے دیگر ہمسایہ مہذب ممالک میں جاتے مگر کوئی علم وتہذیب کی روشنی انہیں نہ ملتی۔ ان پر اوہام کا غلبہ ہو گیا تھا۔ ان کی عادات جہالت اور وحشت کا مسکن بن چکی تھیں۔ اخلاقیات سے وہ بالکل عاری ہو چکے تھے پاک وناپاک، جائز وناجائز اور شائستہ وناشائستہ کی تمیز سے وہ قطعاً ناآشنا ہو چکے تھے۔ ان کے طریقے وحشیانہ بن چکے تھے۔ جوا، شراب، زنا، چوری، رہزنی، قتل وغارتگری ان کے معمولات بن چکے تھے۔

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے لگے اور باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماؤں سے نکاح کرنے کے عادی ہو گئے۔

بنوامیہ کی ناکامی اور اسلام کا غلبہ

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے فوراً بعد بنی امیہ اور ان کے حلیفوں نے آپ کی جاری کردہ اصلاحات کو یکسر ختم کرنے کیلئے قدم اٹھایا۔ انہوں نے مختلف منصوبے ترتیب دیئے اور ان پر عمل کیا اور آہستہ آہستہ وہ تمام اصلاحات ختم کر کے جو حضرت عبدالمطلب نے قریش میں قائم وجاری کی تھیں۔ دار الندوہ کے اختیارات کثرت رائے اور مناصب کے بل بوتے پر اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ یوں بت پرستی اور اس کی رسومات پھر قریش میں پھیلتی چلی گئیں۔ وحدت پرستی پر بت پرستی پھر غالب آ گئی۔ کعبہ کی وہ عزت وحرمت باقی نہ رہی جو حضرت عبدالمطلب نے کعبہ کے سبب مکہ کو "ام القریٰ" منوا کر قائم کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک بار یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ مرکزیت کس قریہ کو حاصل ہو؟ عرب کی ہر بستی میں ان کے بتوں کے معبد اور بت خانے قائم تھے۔ اس موقع پر ہر ایک نے یہ کوشش کی کہ یہ سعادت وافضلیت اس کی بستی کو مل جائے۔ اس موقع پر حضرت عبدالمطلب نے ایک تحریک جاری کی اور "ام القریٰ" مکہ ہی کو قرار دلایا۔ مگر اب بنی امیہ نے حج کی مذہبی حیثیت کو ختم کر دیا تھا۔ اس کی حیثیت ایک میلے اور مینا بازار کی سی ہو گئی تھی۔ جس میں طواف کے دوران فسق وفجور کے مناظر دیکھنے میں آتے اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔

بنی امیہ نے بنی ہاشم پر برتری حاصل کرنے کیلئے پہلا حملہ اس وقت کیا جب جناب ابوطالب تجارتی سفر ترک کرنے کی وجہ سے عسرت وتنگدستی کا شکار ہوئے۔ لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی دوسرا حملہ حرب فجار کے بعد اس وقت کیا جب نئے قوانین ومناصب وضع کئے گئے۔ اس میں انہیں بنی تیم اور بنی عدی سے خفیہ معاہدہ کے سبب کامیابی مل گئی، اور وہ اپنی من مانی کرنے لگے جو بنی ہاشم اور بالخصوص آنحضرتؐ کے لئے سوہانِ روح بن گئی تھی مگر یہ لوگ مجبور بے بس اور خاموش تھے۔ لیکن مناسب وقت کے منتظر بھی تھے۔

عرب اور قریش میں حضرت عبدالمطلب کی سرداری کے دوران ایسے لوگوں کی خاصی بڑی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو بت پرستی سے نفرت کرتے تھے اور حق کی تلاش میں رہتے تھے۔ بعض حنفی ہو گئے تھے۔ حافظ ابن حجر نے ایسے متعدد صحابہ کا ذکر کیا ہے جو یمن وغیرہ سے مکہ آتے خفیہ طور پر اسلام قبول کر کے واپس چلے جاتے کیونکہ بنی امیہ کی بت پرستی قریش پر غلبہ حاصل کر چکی تھی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ لوگ پہلے بتوں سے نفرت کرتے پھر حنیف ہو کر حضرت عبدالمطلب کی پیروی میں اللہ کیلئے قربانی کرتے اور پھر نماز پڑھنے لگتے تھے۔ یمن کے لوگوں کا مکہ آنا یا رسول اللہؐ کے دور میں جلد اسلام قبول کر لینے کا سبب حضرت عبدالمطلب سے ان کی واقفیت ہی تھا۔ اسی لئے آنحضرتؐ اکثر اپنے تعارف کیلئے عبدالمطلب کا حوالہ دیتے تھے۔ کیونکہ لوگ حضرت عبدالمطلب کو ایک حنیف کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر قریش نے آنحضرتؐ سے کہا تھا۔ "آپ ہمارے ساتھ اچھا ہی سلوک کریں گے کہ آپ کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔" یہاں

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

قریش نے ''کریم بھائی'' حضرت عبدالمطلب کو کہا ہے۔ اسی طرح آپ نے جنگ حنین کے موقع پر فرار ہونے والوں کو واپس بلانے کیلئے کہا تھا۔ ''انا ابن عبدالمطلب'' لوگ حضرت عبدالمطلب کو ایک حنیف کی حیثیت سے پہنچانتے تھے۔ عربوں میں کسی کو اچھا سمجھنے کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ اس قدر معلوم کرنا کافی ہوتا تھا کہ اس کا باپ یا دادا کیسا آدمی تھا۔ بعض عرب قبیلے حضور کو ''یا ابن عبدالمطلب'' کہہ کر پکارتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت عبدالمطلب شہرتِ تام رکھتے تھے اور عرب آپ کا احترام کرتے تھے۔

ان تمام باتوں کی موجودگی میں بنی ہاشم، بنی امیہ کے ہاتھوں مجبور تھے۔ آنحضرتؐ کی عمر ۲۵ سال ہو چکی تھی۔ بیس ۲۰ سال کی عمر میں آپ پر نبوت کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے اور آپ ان نشانیوں کا ذکر اپنے چچا سے کیا کرتے تھے۔ جناب ابوطالبؑ اپنے باپ کی وصیت اور بحیرہ راہب کی پیشگوئی کے سبب ان نشانیوں کا مطلب خوب جانتے تھے اور بڑے صبر وضبط کے ساتھ آپ کی بعثت کے منتظر تھے تاکہ بنی امیہ کی پیدا کردہ ان قباحتوں کو دور کیا جائے آنحضرتؐ خود بھی ان برائیوں کو قریش میں پھیلتا ہوا دیکھ کر کبیدہ خاطر رہتے تھے۔ آپ نے بعثت سے بہت پہلے اس جانب توجہ دی اور بالکل اپنے دادا کی طرح غیر محسوس طور پر قریش میں اپنی کارکردگی کو منوالیا، اور وہ آپؐ کو صادق وامین کہنے لگے اور جب آپؐ کی عمر کے پینتیسویں ۳۵ سال میں قریش نے کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا اور سنگِ اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا موقع آیا تو قریش قبائل میں جنگ تک نوبت پہنچ گئی۔ اس وقت آپؐ ہی نے اپنے حسن تدبیر سے اس مسئلہ کو حل کیا، اور باہمی خونریزی سے قبائل قریش کو بچالیا۔ ان اسباب کی بنا پر قریش آپ کی عزت وتکریم کرنے لگے تھے۔ یہ بات بنی امیہ کے افراد کو ناگوار گزرتی تھی۔ اس موقع پر سید امیر علی اپنی کتاب ''روح اسلام'' میں لکھتے ہیں۔

> ''آغاز نبوت سے قبل ہی بنی ہاشم کے گھرانے سے اٹھنے والے اور مستقبل کے پیغمبر نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جس سے بالخصوص بنی امیہ چونک اٹھے، اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ اگر اس شخص کیلئے کچھ نہ سوچا گیا تو وہ منصب اور رتبہ جو ہم حاصل کر چکے ہیں نیز وہ وقار جو ہم نے بنی ہاشم سے کم کر دیا ہے، دوبارہ ان کے خاندان میں منتقل نہ ہو جائے۔ پہلے تو بنی امیہ نے کچھ فکر نہ کی مگر حضور کچھ ایسے نامعلوم طریقہ سے قریش کے اہم معاملات اور سیاسی وجنگی امور میں داخل ہوتے چلے گئے کہ جب بنی امیہ کو ہوش آیا تو پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ یعنی وہ صادق و امین تک کا لقب قریش سے حاصل کر چکے تھے۔''
>
> (روح اسلام: ترجمہ ہادی حسن)

یہی وجہ تھی کہ جب آپؐ نے اپنی عمر کے چالیس سال پورے ہونے کے بعد اپنی نبوت کا اظہار کیا اور خفیہ طور پر تبلیغ اسلام کا آغاز ہوا تو نہ صرف قبائل قریش کے اور مکہ سے باہر کے لوگوں نے اسلام قبول کیا بلکہ دشمن ترین بنی مخزوم، بنی امیہ، بنی تیم اور بنی عدی کے لوگوں نے بھی چھپ کر آنحضرتؐ کی آواز پر لبیک کہا۔

دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر آپؐ نے اپنے نبی ہونے کا اظہار اپنے خاندان والوں سے کیا تو سب نے آپ کی نبوت کو تسلیم کیا، اور آپؐ کی ہر طرح مدد اور حفاظت کرنے کا اقرار کیا۔

جناب ابوطالب اسی دن کا انتظار کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ستر ۷۰ سال سے تجاوز کر چکی تھی مگر آپ نے اپنے بھتیجے کی ہمت افزائی کی اور کہا۔ ''تمہیں جس بات کا حکم ملا ہے اس پر علی الاعلان عمل کرو قسم ہے خدائے بزرگ وبرتر کی کہ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔'' چنانچہ آپ نے اپنی تبلیغ کا دائرہ پوری قوم قریش تک پھیلایا۔ یہ بات اموی گروہ کو بڑی ناگوار گزری اور اس نے سوچا اب جب کہ ہم بنی ہاشم کے وقار کو ختم کر چکے ہیں تو محمدؐ عبدالمطلب کے نقش قدم پر چل کر وہ تمام اقتدار پھر اپنے خاندان میں جمع کر دینا چاہتا ہے۔ انہوں نے سخت ترین مخالفت کی اور دیگر قریش کو ان کی مخالفت پر آمادہ کیا مگر وہ ابتدا ہی میں اتنے متاثر ہو چکے تھے اور ان پر حضرت عبدالمطلب کے مثبت اثرات قائم تھے کہ وہ کھل کر مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے۔ بنی امیہ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو ان میں مزید غیض وغضب کے آثار نمایاں ہوئے مگر جب آپ نے اپنے خدائے واحد کے مقابلہ میں ان کے بتوں کی کمزوریاں اور برائیاں اجاگر کیں تو بنی امیہ کو ایک حیلہ مل گیا اور انہوں نے قریش کو سمجھایا کہ ''محمدؐ ہمیں اور تمہیں اپنے خداؤں سے متنفر کرنا چاہتے ہیں ان کی خواہش ہے کہ ہم اپنے آباء کے خداؤں کو چھوڑ دیں اور ان کی جگہ ان کے خدا پر قربانیاں کریں۔ مگر ہم یہ کبھی نہ ہونے دیں گے۔'' اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ قریش کی کافی تعداد بنی امیہ کی ہمنوا ہوگئی لیکن پھر بھی کمزور قبیلے غیر جانبدار رہے۔

ان حالات میں آنحضرتؐ کی جان کو خطرات لاحق ہوگئے تو جناب ابوطالب نے اپنے بھتیجے کی امان کا اعلان کیا اور کہہ دیا کہ ''محمدؐ بن عبداللہ جو میرا بھتیجا اور بیٹا ہے میں نے اسے امان دی اگر اس کی جان کے کوئی درپے ہوا تو ہمارے اور اس کے درمیان تلوار ہوگی۔'' اس پر بنی امیہ نے اپنے قبیلوں کے اتحاد اور قوت کا اظہار کیا تو جناب ابوطالب نے بنی خزاعہ سے اس معاہدہ کی تجدید کی جو ان کے باپ حضرت عبدالمطلب اور بنی خزاعہ کے درمیان تھا اور اسی خیال سے ان کے والد نے مرتے وقت اس معاہدہ کی تجدید کی وصیت آپ کو کر دی تھی۔ خزاعہ مشہور زور آور اور نامور قبیلہ تھا، اور قریش کے مقابلہ میں بہت زیادہ افرادی قوت رکھتا تھا اس طرح بنی امیہ کے اس زعم کو جناب ابوطالب نے ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا اور یوں اپنے تدبّر سے پورے بنی امیہ اور ان کے ساتھیوں کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا اب آنحضرتؐ کو جان کا خطرہ ہرگز نہ تھا۔

اسی زمانہ میں جناب ابوطالب نے اپنے بھتیجے اور اللہ کے رسول کی شان میں ایک قصیدہ کہا جو آج بھی تاریخ میں شہرت رکھتا ہے۔ اس قصیدہ میں آپ نے رسول کی عظمتوں کو نمایاں اور ظاہر کیا اور بنی امیہ کے ساتھ قریش پر اظہار افسوس کرتے ہوئے انہیں ملامت کی کہ ان لوگوں نے محض خاندانی دشمنی کی وجہ سے قریش کی اس قدر عظیم ہستی کا خیر مقدم کرنے کے بجائے مخالفت پر کمربستہ رہے چونکہ عربوں میں شاعری کو بڑی اہمیت حاصل تھی اس لئے یہ قصیدہ تمام عربوں کی توجہ کا مرکز بنا۔ آپ نے اس قصیدہ ہی میں بنی امیہ پر یہ بھی واضح

Presented by Ziaraat.net

کردیا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کا ایک ایک بچہ بھی اپنی جان پر کھیل جائیگا مگر اس عظیم ہستی پر آنچ نہ آنے دیگا۔

اس قصیدے کے پراثر اشعار نے دونوں فریقوں پر اچھا تاثر قائم کیا ایک طرف بنی امیہ پیچھے ہٹے تو دوسری طرف بنی ہاشم اور بنی مطلب کے افراد آگے بڑھے اور آنحضرتؐ کی حفاظت کیلئے سینہ سپر ہوگئے۔ اب بنی امیہ کیلئے اسکے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ان مسلمانوں پر ظلم و ستم کریں جو قریش سے متعلق نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان غلاموں اور کنیزوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جو کوئی تحفظ نہ رکھتے تھے اور اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ اسلام کو ترک کرکے اپنے آباء کے مذہب پر لوٹ جائیں یہ منصوبہ ابوجہل یعنی عمر بن ہشام مخزومی کا تھا۔ اس نے عمار یاسر کی والدہ کو نیزہ مار کر اسی وجہ سے قتل کیا کہ یہ لوگ اسلام سے برگشتہ ہونے پر تیار نہ تھے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلی شہادت ہے۔ ابوجہل نے اپنے بھائی کو بھی قید کردیا تھا جو مسلمان ہو چکا تھا اور اسے اذیتیں دیتا تھا۔ اسی طرح ان مسلمانوں کے اعزا کو مجبور کیا گیا جو قریش کے قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور خفیہ مسلمان ہوگئے تھے کہ وہ ان کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کریں اس ظلم و ستم سے رسول اللہؐ بیحد پریشان تھے اور ان مسلمانوں کے اسلام سے برگشتہ ہوجانے کے خدشات ہونے لگے تھے۔ جناب ابوطالب نے اس پر سوچ بچار کیا اور پھر رسول اللہؐ کو مشورہ دیا کہ وہ ان مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرجانے کا حکم دیں۔ چنانچہ یہی ہوا اور یہ لوگ حبشہ جا کر محفوظ ہوگئے۔

جناب ابوطالب کی اس تدبیر سے بنی امیہ مزید غیض و غضب کا شکار ہوئے اور انہوں نے خفیہ طور سے ایک وفد جس میں عمر ابن عاص بن وائل سہمی اور عبداللہ بن ربیعہ شامل تھے۔ تحائف کے ساتھ شاہِ حبشہ کے پاس بھیجا کہ وہ ان مسلمانوں کو اس سے واپس لیں اور راستہ میں سب کو قتل کردیں۔ اس منصوبہ کی اطلاع عبدالعزیٰ (ابولہب) نے جناب ابوطالب کو دی تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت جعفر طیار کو اپنے ایک خفیہ خط کے ساتھ حبشہ بھیجا اور یہ ظاہر کیا کہ حضرت جعفر بھی اپنی بیوی کے ساتھ حبشہ ہجرت کررہے ہیں۔ حالانکہ ان کو اپنے باپ کی موجودگی میں ہجرت کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ شاہِ حبشہ نے خط کے ذریعہ جب یہ معلوم کرلیا کہ جعفر حضرت عبدالمطلب کے پوتے ہیں وہ حضرت عبدالمطلب کی شہرت سے واقف تھا اس لئے اس نے جو کچھ حضرت جعفر نے کہا اسے مانا اور عمر بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کے مطالبہ کو ٹھکرادیا۔ یوں بنی امیہ آپ کی تدبیر کے مقابلہ میں شکست کھاگئے۔

اس سے پہلے قریش کے بڑے سردار جن میں ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، اسود بن عبد یغوث، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب، عتبہ بن ابی معیط، عتبہ اور شیبہ وفد کی شکل میں ابوطالب کے پاس گئے تھے اور آپ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے بھتیجے محمدؐ سے تنگ آچکے ہیں۔ آپ انہیں ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنے سے روکیں۔ جناب ابوطالب نے ان لوگوں کو انتہائی سنجیدگی سے گفتگو کے بعد واپس کردیا۔ پھر ان لوگوں نے ایک خوبصورت جوان "عمارہ بن ولید" سے آنحضورؐ کا تبادلہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن اس تجویز کو بھی جناب ابوطالب نے دلائل سے رد کردیا اور یہ لوگ بے نیل حرام واپس آگئے۔ ان کی کوئی تدبیر جناب ابوطالب کے

تدبر کے سامنے کامیاب نہ ہوسکی۔

اب مخالف گروہ نے یہ تدبیر اختیار کی کہ وہ آنحضرتؐ کو تبلیغ سے روکتے انہوں نے اپنے گروہ کے چند اوباش قسم کے جوانوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا تھا کہ وہ آپ کو جہاں کہیں پائیں ان کی راہ میں رکاوٹ بن جایا کریں۔ چنانچہ جب آپ قریش کو تبلیغ کرتے اور قرآنی آیات انہیں سناتے تو یہ لوگ شور و غل کرتے آپ پر آوازیں کستے۔ ایک روز ابوجہل نے حضورؐ کو حرم میں نماز پڑھتے دیکھا تو اس نے آپ کو دھمکی دی اور کہا۔ وہ اس طریق عبادت سے باز رہیں، اگر میں نے پھر اس طرح عبادت کرتے دیکھا تو گردن کچل دوں گا۔ لیکن اس کی یہ دھونس دھمکیاں بھی کامیاب نہ ہوسکیں اس لئے کہ ایک بار اسی ابوجہل نے آنحضرتؐ سے راستہ میں اچانک ملاقات ہونے پر بدکلامی کی اور آپ کو بہت برے الفاظ میں برا بھلا کہا۔ اس کی اطلاع ایک عورت نے جو یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ (آپ کے چچا) کو دی اس سے پہلے بھی آپ نے ابوجہل کی ایسی حرکات اور حضور کو تبلیغ سے روکنے کے متعلق سن چکے تھے۔ لیکن چونکہ جناب ابوطالب کی ہدایت و تدبیر کے مطابق آنحضرتؐ کے اعزا نے اپنے مسلمان ہونے کو پوشیدہ رکھا تھا۔ اس لئے وہ کھل کر آنحضرتؐ کی حمایت سے گریز کرتے تھے۔ لیکن آپ کے تحفظ کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ حضرت حمزہ نے اس عورت کی زبانی اور پھر گھر پہنچ کر اپنی زوجہ کی زبانی بھی ابوجہل کی اس حرکت کے متعلق سنا تو آپ غیض و غضب کی حالت میں ابوجہل کی تلاش میں نکلے۔ وہ جلد ہی حرم کعبہ میں اپنے اوباش ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا مل گیا۔ حضرت حمزہ کے تیور دیکھ کر وہ گھبرایا اور حضرت حمزہ کے دریافت کرنے پر اس نے اپنی ان حرکات کا اقرار کیا۔ اس وقت آپ کے پاس تلوار نہ تھی کاندھے پر کمان تھی وہی کمان آپ نے پوری قوت سے ابوجہل کے سر پر ماری اس کے سر کی کھال پھٹ گئی اور خون بہنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کے ساتھی آگے بڑھے مگر ابوجہل نے انہیں روکا اور کہا غلطی میری ہی تھی، اس نے ایک خاص منصوبہ کے تحت اس فساد کو روک دیا تھا۔ یہی وہ موقع تھا جب حضرت حمزہ نے غصہ کی حالت میں ابوجہل پر اپنے مسلمان ہونے کا راز فاش کردیا اور کہا۔ سن لے میں بھی محمدؐ کے دین پر ہوں اور جو تو میرا بگاڑ سکتا ہے بگاڑ کر دیکھ یہ کہہ کر آپ واپس چلے گئے۔

اسی رات ابوجہل نے ان اوباشوں کو اپنے گھر جمع کیا اور آنحضرتؐ کو قتل کرنے پر آمادہ کرنے کیلئے ایک جذباتی تقریر کی اور کہا۔ "تم میں سے کون ہے جو محمدؐ کو قتل کردے؟ جو یہ کام کرے گا میں اسے چالیس سرخ اونٹ انعام دوں گا، اور اس کی جان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں گا۔" لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اس ذمہ داری کو قبول نہیں کیا۔ اس خفیہ میٹنگ میں حضرت عمر بن خطاب بھی موجود تھے۔ اس وقت ان کی عمر ستائیس سال بتائی جاتی ہے۔ ابوجہل ان کا سگا ماموں تھا اور جب حضرت حمزہ نے ابوجہل کو مارا تھا اس وقت وہ وہاں موجود تھے۔ ماموں کے سر سے خون بہتے انہوں نے دیکھا تھا۔ لہٰذا انتقام کا فریضہ ان کی طرف منتقل ہوگیا اور انہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کی ذمہ داری قبول کرلی۔ لیکن اگلی صبح جب وہ ننگی تلوار لئے دارارقم پہنچے جہاں آنحضرتؐ گوشہ نشین تھے تو وہاں حضرت حمزہ کو موجود پایا اور حضرت حمزہ نے انہیں اس حال میں دیکھ کر صاف

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

الفاظ میں یہ بھی کہہ دیا کہ۔ ''اگر تو نیک نیت سے آیا ہے تو خیر اور اگر کسی برے ارادے سے یہ تلوار لیکر آیا ہے تو میں اسی تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا۔'' اب ان کے پاس اسلام قبول کر کے جان بچانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور بخیریت واپس آ گئے۔ کہتے ہیں کہ وہاں موجود صحابہ نے آپ کے اسلام قبول کرنے پر اس جوش سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ قرب و جوار کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (جبکہ اس وقت نعرہ تکبیر کا کوئی وجود ہی نہ تھا)

ابوجہل کو اپنے اس منصوبہ کے اس بری طرح ناکام ہونے سے سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ کوئی معمولی بات تو نہ تھی کہ ابوجہل اپنے پروردہ بھانجے کو دشمن سے انتقام لینے بھیجے اور وہ دشمن کا دین اختیار کر کے اسی کے خلاف دشمن کے گروہ میں شامل ہو جائے اور اسے مزید ذلت و رسوائی کا سامنا کرنے پر مجبور کر دے اور ابوجہل جیسا دشمن خاموش رہ جائے یہ بات ممکن نہیں ہے۔ تاریخ یہاں خاموش ہے اور اس کے ردِعمل کا اظہار نہیں کرتی۔ اس موقع پر اموی مورخین اور سیرت نگاروں نے ابوجہل کے اقدام کو پس پردہ رکھا ہے۔ حالانکہ یہ وہ ابوجہل ہے جس نے اسلام قبول کرنے والوں پر بے انتہا ظلم و ستم کئے تھے اور بقول مورخ امیر علی اس نے ایک نمائندہ اجلاس طلب کر کے یہ طے کیا تھا کہ ہر ایک قبیلہ اپنے اس فرد کو قتل کر دے جو اسلام قبول کرے۔ یہ سن کر جناب ابوطالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو جمع کیا اور سب نے حضور کی حفاظت کا معاہدہ کیا تھا۔ لیکن تاریخ یہاں یہ بتانے سے معذور دکھائی دیتی ہے کہ ابوجہل نے حضرت عمر کے ساتھ اس اقدام پر کیا سلوک کیا؟

ابوجہل واقعاً جاہل اور بیوقوف نہ تھا۔ وہ ہر اعتبار سے اپنے ہمعصر ساتھیوں میں سب سے زیادہ ہوشیار تھا اور اسلام دشمنی میں سب سے آگے مخالف گروہ کی نمائندگی اسی نے کی اور اپنی مخالفت کے اظہار کی جرات بھی اسی نے کی تھی۔ اس نے علی الاعلان کہا تھا۔ ''ہمارا اور بنی ہاشم کا باہم مقابلہ تھا۔ انہوں نے کھانے کھلائے، ہم نے بھی کھلائے۔ انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں تو ہم نے بھی دیں۔ انہوں نے بخششیں کی تو ہم نے بھی کیں یہاں تک کہ ہم اور وہ عزت و وقار میں ہم پلہ ہو گئے تو اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس پر آسمان سے وحی اترتی ہے اپنے خدا کی قسم ہم ان کی اس بات کو ہرگز نہ مانیں گے اور پوری طرح مخالفت کرینگے۔''

حقیقت یہ ہے کہ ابوجہل نے اس غیر متوقع صورت حال سے بے انتہا مفید اور مستقبل میں کام آنے والا منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کا جو طریقہ کار وضع کیا وہ ایک تاریخی راز ہے اور جس کے افشاں کرنے کی ہم بھی مجال و قدرت نہیں رکھتے محققین اور قارئین کو چاہیے کہ وہ تاریخ کے ان پوشیدہ حقائق کو معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ ابوجہل کا یہ منصوبہ آنحضرتؐ کی وفات کے پندرہ سال بعد تک اپنا کام کرتا رہا اور اسی منصوبہ کے اثرات مزید ایک سو سال تک اسلامی تاریخ پر محیط رہے۔ بلکہ ہم تو یہ کہنے میں سچائی سمجھتے ہیں کہ وہ اثرات آج بھی مسلمانوں پر اثر انداز ہیں یہ اور اسلام کے پھیلنے اور موجود رہنے کے باوجود بنی امیہ بنی ہاشم کے مقابلہ میں کامیاب ہیں اور آج جو اسلام ہم دیکھتے ہیں وہ ننانوے سال کے عرصہ میں بنی

امیہ کا ساختہ و پرداختہ اسلام ہے۔ بعض مورخین جن میں مصر کے طٰہٰ حسین سرفہرست ہیں ان کا یہ کہنا سو فیصد درست ہے کہ ''اسلام اپنی اصل حالت میں صرف تئیس (۲۳) سال رہا۔'' اس کے بعد وہ عہد جاہلیت کی رسوم و رواج میں تبدیل کر دیا گیا۔

تمام تر مورخین نے اس روز صبح حضرت حمزہ کا دارارقم میں موجود ہونا بیان کیا ہے۔ جس روز حضرت عمر ننگی تلوار لئے وہاں آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے ارادے سے گئے تھے، اور انہوں نے حضرت حمزہ کے وہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں جو آپ نے ان کو ننگی تلوار لئے دیکھ کر ادا کئے تھے۔ لیکن کسی بھی مورخ نے ان وجوہات و اسباب کو بیان نہیں کیا جن کی بنا پر حضرت حمزہ وہاں موجود تھے۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ آنحضرتؐ کی حفاظت کیلئے ان کے ساتھ نہیں ہوا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض سیرت نگاروں نے حضرت حمزہ کے اس وقت موجود ہونے پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہے اور بعض نے اس سے انکار کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب جناب ابوطالب کو یہ اطلاع ملی تھی کہ ابوجہل کو حضرت حمزہ نے مارا ہے اور اپنے اسلام کو بھی ظاہر کر دیا ہے تو آپ نے حضرت حمزہ سے اس کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد یہ ہدایت کی تھی کہ ''اب جبکہ تم نے اپنا اسلام ظاہر کر ہی دیا ہے تو تمہارا فرض بنتا ہے کہ اب تم اپنے بھتیجے کی کھلم کھلا حفاظت کرو اور آج کی رات ہی مجھے ابوجہل کی طرف سے محمدؐ کی جان کیلئے خطرہ معلوم ہوتا ہے۔'' لہٰذا حضرت حمزہ اسی وقت دارارقم چلے گئے تھے اور اس کی کوئی اطلاع ان لوگوں کو نہ تھی اگر انہیں یہ معلوم ہوتا تو حضرت عمر وہاں جانے کی ہمت ہی نہ کرتے، اس کے بعد حضرت حمزہ ہر وقت رسول اللہؐ کے ساتھ رہتے اور خانہ کعبہ میں نماز کے وقت بھی آپ کے ساتھ ہوتے۔ یہ کہنا ہمارے خیال میں درست نہیں ہے کہ اس وقت حضرت عمر آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ شب ہجرت بھی حضرت حمزہ ہی آپ کے ساتھ تھے۔

مقاطعہ

یہ واقعہ نبوت کے پانچویں سال کے شروع کا ہے۔ یعنی ۶۱۵ء کے آخر کا۔ اب حضرت حمزہ ایسے مواقع پر آپ کے ساتھ ہوتے اور آپؐ قریش یا باہر سے آنے والوں کو تبلیغ کرتے۔ کوئی مخالف مداخلت کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ لوگ آنحضرتؐ سے ملاقات کیلئے بھی آتے اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے اور اسلام بھی قبول کر لیتے۔ اب یہ لوگ باہر سے آنے والوں کو آپ کی ملاقات سے روکتے۔ بحوالہ ابن کثیر اور بروایت حضرت ابن عباس ولید بن مغیرہ ایک بار آیات قرآنی سے متاثر ہو گیا تھا۔ مگر ابوجہل وغیرہ نے اسے غیرت دلائی اور اس اقدام سے روک دیا تھا۔ اس کے بعد وہ قرآن کو جادوئی کلام کہنے لگا۔ اسی طرح آپ نے عقبہ بن ابی معیط کو کہ یہ انتہائی مخالف تھا تبلیغ کی اور دلائل سے توحید کی وضاحت کی۔ آیات قرآنی بھی سنائیں عقبہ اسلام لے آیا۔ لیکن اسے اس کے دوست ابی بن خلف نے بہکایا اور وہ مرتد ہو کر شدید ترین مخالف ہو گیا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا۔ ''وہ حق سے بھاگا۔ حق ہی اسے قتل کرے گا۔'' چنانچہ جنگ بدر میں مارا گیا۔

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

دوسال اسی طرح گزرے بنی امیہ اس صورت حال سے بیحد پریشان تھے وہ اب آپؐ کی تبلیغ اور لوگوں کو ان سے ملنے اور بات کرنے سے نہیں روک سکتے تھے۔ حضرت حمزہ کے اسی طرح بحیثیت مسلمان ظاہر ہوجانے اور حضور کی حفاظت پر کمر بستگی سے دیگر سرداران قریش نے ابوجہل کو بہت سخت سست کہا تھا ان کا کہنا تھا کہ اگر ابوجہل محمدؐ سے بدکلامی نہ کرتا تو حمزہ اپنا دین چھپائے رہتے اور یہ تصادم نہ ہوتا۔ آخر کار ساتویں نبوت میں یعنی ۶۱۸ء میں ان لوگوں نے ایک میٹنگ میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے مقاطعہ کا حتمی فیصلہ کیا اور مقاطعہ کا اعلان لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا۔ احکام پر جبراً عمل کرانے کیلئے عرب قبائل کا یہ ایک دستور تھا۔ اس طرح مقاطعہ کئے جانے والے خاندان کے کسی فرد سے نہ کوئی بات کرتا تھا۔ نہ لین دین کرتا تھا اور نہ شادی بیاہ کرتا تھا۔ یوں اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا۔ ان کا یہ اقدام اگرچہ جناب ابوطالب کیلئے ایک سخت ترین مرحلہ تھا۔ دو بڑے قبائل کے افراد کی ضروریات کو پورا کرنا آسان نہ تھا مگر آپ نے ہمت نہ ہاری اور اپنے ذاتی تدبر سے انہیں شکست فاش سے دوچار کر دیا۔ آپ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے مکان چھوڑ کر شعب ابوطالب میں خیمہ زن ہوجائیں تاکہ ایک دوسرے کی ضرورت سے باخبر رہا جائے۔ دوسری جانب ابوعتبہ (ابولہب) نے اپنے سالے ابوسفیان سے کہہ کر خود کو اس مقاطعہ سے مستثنیٰ کرالیا، اور وہ ان لوگوں کے درمیان رہ کر ان کے ارادوں اور منصوبوں کی اطلاع خفیہ طور پر جناب ابوطالب کو پہنچاتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی کھانے پینے کی اشیاء بھی چوری چھپے شعب ابوطالب میں مہیا کرتا رہا یہ ضرور ہے کہ ان لوگوں کو بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن بنی امیہ کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کی نوبت ہرگز نہ آئی۔ تین سال اس حالت میں گزرے تھے کہ ابوعتبہ کی خفیہ تحریک سے ان لوگوں نے جن کی بہنیں اور بیٹیاں بنی ہاشم اور بنی مطلب میں بیاہی ہوئی تھیں اس مقاطعہ کی مخالفت کی اور اسے ختم کر دینے پر زور دیا۔ حتیٰ کہ ایک روز ان لوگوں نے اس معاہدہ کو توڑ دیا اور خود مسلح ہوکر شعب ابوطالب گئے اور ان لوگوں کو عزت و تکریم کیساتھ ان کے گھروں کو واپس لے آئے۔ بنی امیہ ایک بار پھر شکست و شرمندگی سے دوچار ہوئے اور کچھ نہ کر سکے۔

مقاطعہ کے خاتمہ کے اسی سال یعنی ۶۲۰ء میں جناب ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا۔ اب حالات پھر بنی امیہ کی جانب منتقل ہوگئے۔ جناب ابوطالب کے انتقال سے بنی خزاعہ کا معاہدہ ختم ہوگیا اور آنحضرتؐ کی امان بھی ختم ہوگئی۔ آپ کی جان کیلئے پھر خطرات پیدا ہوگئے، بنی ہاشم اب دفاع کی پوزیشن میں نہیں رہے تھے۔ ابوعتبہ (ابولہب) نے آپ کیلئے فوراً امان کا اعلان کیا۔ مگر بنی امیہ اور انکے حلیفوں نے اس امان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بنی ثقیف میں کچھ لوگ بالخصوص امیہ بن ابی الصلت وحدانیت اور حنیفیت کی طرف راغب تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ طائف گئے کہ شاید ان میں سے کوئی شخص آپ کو امان دینے پر تیار ہوجائے۔ مگر انکی اکثریت بنی امیہ کی حلیف تھی اور ان سے شادی بیاہ کے رشتے تھے۔ لہٰذا وہاں کسی نے آپ کی پذیرائی نہ کی اور ناکام واپس آنا پڑا تو آپ نے مطعم بن عدی سے امان طلب کی اس نے آپ کو امان دینے کا اعلان کیا اور خود مسلح ہوکر اپنے لڑکوں کو مسلح کر کے مکہ سے باہر آیا اور آپ کو اپنی حفاظت میں لیکر مکہ میں داخل

ہوا۔ بنی امیہ مطعم بن عدی کی امان کو رد کرنے کی جرات نہ کر سکے۔

بیعت عقبہ اولیٰ

اب آپ نے قرآنی حکم "اے رسول اب ان مشرکین سے روگردانی اختیار کرلو۔" کے مطابق آپ نے مشرکین قریش سے اعراض برتا اور اپنی تبلیغ کا رخ حاجیوں کی طرف موڑ دیا۔ اب آپ حج کے ایام میں باہر سے آنے والے حاجیوں کے خیموں میں اپنے چچا حضرت عباس کو ساتھ لیکر جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ اس میں آپ کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور پھر آپ نے اپنے چچا جناب ابوطالب کی وصیت پر عمل کیا۔ جناب ابوطالب نے اپنی وفات کے وقت آپ کو وصیت کی تھی کہ اگر میرے بعد بنی امیہ دشمنی سے باز نہ آئیں اور تمہاری جان کو خطرہ لاحق ہو تو اپنی اور اپنے دادا کی ننہال اہل یثرب (مدینہ) سے مدد طلب کرنا اور یثرب ہجرت کر جانا یہ لوگ وعدہ کے پکے، جنگجو اور عہد و پیمان میں سچے ہیں۔" آپ نے اپنے چچا کی وصیت پر عمل کیا اور پہلے ہی سال حج کے موقع پر آپ نے مدینہ سے آنے والوں سے ملاقات کی اور بیعت کیلئے مکہ کے قریب پھیلی عقبہ کی پہاڑیوں میں رات کے وقت ایک مقام کا تعین ہوا اور رات کی اس خاموشی میں بارہ آدمیوں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کو بیعت عقبہ اولیٰ کہا گیا۔ ان بارہ مسلمانوں کے ساتھ آنحضرتؐ نے مصعب بن عمیر کو بھیجا جو ان کو مدینے میں اسلام کی تعلیم دیتے رہے۔

اگلے سال ۶۲۲ء میں یثرب کی ایک بڑی جماعت حج کیلئے آئی۔ ان میں وہ بارہ لوگ بھی تھے جنہوں نے گزشتہ سال ان ہی ایام میں اسلام قبول کیا تھا۔ جب سب حج کے مراسم ادا کر چکے تو اسی رات وہ مسلمان خاموشی سے عقبہ کی ان پہاڑیوں میں جمع ہوئے۔ یہ اپنے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی لائے تھے جو اسلام قبول کرنا چاہتے تھے۔ جب آنحضرتؐ اپنے چچا حضرت عباس کے ساتھ وہاں پہنچے تو ابن اسحاق کے بیان کے مطابق حضرت عباس نے اہل یثرب سے بات کی اور کہا۔ "اگر آپ لوگ تیار ہوں تو حضورؐ آپ کے ساتھ یثرب میں رہنے کیلئے تیار ہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سے خطاب کیا اور کہا۔ میں تم لوگوں سے اس بات کا عہد چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے خاندان کا ایک فرد جانتے ہوئے میری حفاظت اسی طرح کرو گے جس طرح اپنی اولاد کی اس پوری جماعت نے وعدہ کیا۔ ہم آپ کی حفاظت اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اسی طرح کریں گے جس طرح اپنے گھر والوں کی کی جاتی ہے۔" یہ سن کر آنحضرتؐ نے اعلان فرمایا کہ۔ "اب میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جس سے تمہاری صلح اس سے میری صلح اور جس سے تم جنگ کرو گے میں بھی اس سے جنگ کروں گا۔" اس بار بیعت کرنے والوں کی کل تعداد ۷۳ مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل تھی۔ اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہا گیا ہے۔ پھر یہ جماعت ٹکڑیوں میں بٹ کر اپنے جائے قیام پر پہنچی جہاں ان کے ساتھی محو خواب تھے۔ انہیں اس معاہدہ کی کوئی خبر نہ تھی۔

اس بار اس خفیہ بیعت کی خبر قریش کو پہنچ گئی۔ ابوجہل ایک وفد لیکر اہل یثرب کے پاس گیا اور ان

Presented by Ziaraat.net

نے سردار پر الزام لگایا کہ اس نے باقاعدہ سازش کے تحت محمدؐ سے رابطہ کیا۔ سردار نے اس کی تردید کی اور قسم بھی کھائی۔ کیونکہ وہ خود یا دوسرے لوگ اس بات سے واقعاً واقف نہ تھے۔ جب یہ کاروان یثرب کی طرف روانہ ہوا تو ان لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور سعد بن عبادہ کو گرفتار کر کے مکہ لے آئے۔ راستہ میں ان کو زدوکوب بھی کیا وہ قبیلہ خزرج کے سردار بھی تھے اور ان کے تجارتی تعلقات مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن مطعم سے تھے۔

جب انہوں نے خود کو خطرہ میں دیکھا تو اعلان کیا کہ میں جبیر بن مطعم کی امان میں ہوں۔ یہ اطلاع جبیر کو ملی تو وہ آیا اور سعد بن عبادہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ یہ اطلاع کس نے دی جب کہ اس سے خود اہل یثرب بھی واقف نہ تھے، اور عقبہ کی وہ پہاڑیاں جہاں کوئی دن میں بھی نہ جاتا تھا رات کو کون وہاں موجود تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ایک شخص رات کو یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے قریش کو اطلاع دی مگر وہ شخص کون تھا؟ مورخ نام کیوں نہیں بتاتے اور وہ شخص رات کے سناٹے میں یہاں کیا کرنے آیا تھا؟ ہم یہاں ابوجہل کے اس منصوبہ کی طرف اشارہ کریں گے جو اس نے حضرت عمر کے مسلمان ہو جانے پر بنایا تھا اور ان کے اس عمل پر خاموش ہو گیا تھا۔ اسی منصوبہ کا مرکزی کردار اپنا کام کر رہا تھا اور اسی نے اس معاہدہ کی اطلاع دی تھی جو قریش کیلئے اہل یثرب سے اختلاف کا سبب بن سکتا تھا۔ ۶۲۰ء میں جب یثرب سے کچھ لوگ مکہ آئے تھے تو حضور کی تبلیغ سے سات آدمی متاثر ہوئے تھے۔ اس کی کوئی اطلاع قریش کو نہ تھی لیکن اس سے وہ مسلمان واقف تھے جو اس وقت مکہ میں موجود تھے۔ لیکن جب اگلے سال یہی سات آدمی اپنے ساتھ مزید پانچ آدمی لے کر آئے اور ان بارہ آدمیوں نے بیعت عقبہ اولیٰ کی تو اس کی خبر قریش کو مل گئی۔ لیکن اتنی دیر ہو چکی تھی کہ جب انہوں نے وفد بھیجا تو یہ یثربی قافلہ واپس جا چکا تھا۔ مگر تیسری مرتبہ یعنی بیعت عقبہ ثانی کی اطلاع قریش کو بروقت ملی اور انہوں نے یثرب کے قافلہ کے سالار سے جھگڑا بھی کیا اور سعد بن عبادہ کو گرفتار بھی کر لیا۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس دفعہ منصوبہ کا کردار پہلے سے سوچے سمجھے طریقوں پر عمل پیرا تھا اور وہ رات کو اس مقام کی نگرانی کر رہا تھا جہاں ان لوگوں کو مل بیٹھ کر معاہدہ کرنا تھا۔ یہی وہ شخص ہے مورخین جس کی نشاندہی بغیر نام لئے کرتے ہیں۔ اب یہ کام محققین کا ہے کہ وہ اسے تلاش کریں۔

مدینہ کی جانب ہجرت

اس معتبر معاہدہ کے بعد آنحضرتؐ نے مکہ میں مقیم مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جب بھی موقع ملے مکہ سے یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس کی اطلاع بھی قریش کو مل گئی اور انہوں نے کئی مسلمانوں کو ہجرت سے روکے رکھا۔ بہت سے موقع پا کر مدینہ پہنچ گئے اور اہل مدینہ نے حسب وعدہ ان کی پذیرائی اور حفاظت کی۔

اب مکہ میں صرف آنحضرتؐ، حضرت علیؑ، حضرت حمزہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ باقی تھے۔ آنحضرتؐ کو یثرب کے مسلمانوں نے اس وقت اپنے ساتھ مدینہ چلنے کے لئے کہا تھا، جب قریش کے وفد نے ان کے سردار سے جھگڑا کیا تھا اور خفیہ معاہدہ کا ان پر الزام عائد کیا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ نے اس وقت انہیں مطمئن کر کے رخصت کر دیا تھا اور خود اسی وقت تک مکہ میں رکنا چاہا تھا جب تک تمام مسلمان مدینہ نہ ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ اب آپؐ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا اور یہ خبر بھی قریش کو پہنچ گئی کہ حضور بھی کسی دن مدینہ ہجرت کر جائیں گے۔ قریش اب تک یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ حبشہ کی طرح مسلمانوں کو مدینہ بھیج کر تحفظ دینا چاہتے ہیں خود اپنا اور اپنے آباء کے مولد کو نہیں چھوڑیں گے۔ مگر جب انہیں یہ خبر ملی تو وہ فکرمند ہوئے اور انہوں نے ایک خاص اجلاس میں اس صورت حال پر بڑی مفصل بحث کی اور آپ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا۔

تمام تر امکانات کو سامنے رکھ کر اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر بحث کی گئی اور مختلف تجاویز و آراء پیش کی گئیں۔ ابوجہل کا اصرار تھا کہ محمدؐ کا اب خاتمہ کر دیا جائے تاکہ مکہ سے فرار ہونے والے مسلمان بھی خود بخود ختم ہو جائیں لیکن اس میں قتل کرنے والے کے قبیلے کے قتل کا خطرہ تھا۔ بنی ہاشم اور بنی مطلب اس قبیلے سے قصاص پر جنگ کرتے اس صورت میں ابوجہل کی یہ تجویز منظور نہیں کی جا رہی تھی۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ عین اسی موقع پر ایک اجنبی شخص نے اس خفیہ مجلس میں شرکت کی اجازت چاہی اس نے اپنا تعارف شیخ نجد کہہ کر کرایا اور پھر اس نے اس مشکل کو اپنی اس تجویز سے حل کیا کہ محمدؐ کو کوئی ایک شخص قتل نہ کرے بلکہ قریش کے ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص کاری ضرب لگائے تاکہ قتل کی ذمہ داری تمام قبیلوں پر عائد ہو اس طرح بنی ہاشم تمام قبیلوں سے انتقام لینے میں ناکام رہیں گے اور قضیہ دیت پر ختم ہو جائے گا۔ اس تجویز کو مان لیا گیا اور اسی پر عمل طے پا گیا۔

یہاں غور کے لائق اس اہم و خفیہ اور حساس مجلس میں اس اجنبی کا داخلہ اور تجویز ہے۔ آخر یہ کس طرح ممکن ہوا کہ قتل کی خفیہ سازش میں بلاتصدیق ایک اجنبی کو شرکت کی اجازت دی جائے۔ آخر اس اجنبی شخص کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایک مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں اور وہ اس کا حل لیکر پہنچ گیا۔ یہاں بعض مورخین نے شیخ نجد لکھا ہے اور بعض نے انسانی شکل میں شیطان کا آنا بیان کیا ہے۔ ظاہر ہے یہاں اس شخص کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم پھر اس منصوبہ کی طرف توجہ دلانا چاہیں گے جو ابوجہل نے بنایا تھا۔ اور اسے بنی امیہ کے کاسہ بردار مورخوں نے پوشیدہ رکھا ہے۔ دراصل یہ شخص بھیس بدل کر آیا تھا اور اس کو دو ہی شخص پہچان سکے تھے۔ ایک ابوجہل دوسرے عاص بن وائل باقی لوگ اس کو نہیں پہچان سکے تھے۔ ان ہی دونوں نے اسے اس مجلس میں شرکت کی اجازت دی تھی۔

حضورؐ کو اس سازش کی خبر بروقت پہنچ گئی اور آپ نے بحفاظت نکل جانے کا بندوبست کر لیا۔ یہاں کہا جاتا ہے کہ یہ خبر حضور کو فرشتے نے دی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ نے دی لیکن یہ

Presented by Ziaraat.net

دونوں باتیں غلط ہیں یہاں بھی اموی مورخین نے آنحضرتؐ کے اعزا کی خدمات کو پس پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ یہ آپ کا چچا ابوعتبہ (ابولہب) تھا جس نے ان ہی لوگوں سے یہ تفصیل معلوم کرنے کے بعد اپنی بہن رقیقہ کے ذریعہ یہ خبر حضورؐ تک پہنچائی اور یہ بھی یقین دلایا کہ وہ گھر میں داخل ہو کر حملہ نہیں کریں گے۔ حضورؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹایا اور اپنی چادر ان پر ڈال دی اس موقع پر حضورؐ کا یہ فرمانا کہ تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ ابوعتبہ نے اطمینان دلایا تھا۔ عبداللہ بن ابوبکر کی عمر اس وقت تقریباً ۲۵ سال تھی۔ اس لئے اس کا اس میٹنگ میں شامل ہونا یا اس سے باخبر ہونا ممکن نہیں ہے، اور پھر ایک مسلمان کے بیٹے کو اس میٹنگ میں کیسے شامل کیا جا سکتا ہے۔

آنحضرتؐ نے یہ خبر ملتے ہی اپنے چچا حضرت حمزہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت علیؑ کو اپنے پلنگ پر اپنی چادر اوڑھا کر لٹایا اور خود یہ دونوں رات کی تاریکی میں گھر سے نکل کر مکہ سے تین میل دور جنوب کی طرف غار ثور میں چھپ گئے۔ یہاں بھی مورخین نے بہت بعد میں شہرت یافتہ روایتوں کی بنیاد پر غلط بیانی سے کام لیا ہے اور ہجرت کی رات آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر کو بتایا ہے۔ حالانکہ حضرت ابوبکر شبِ ہجرت مکہ میں موجود ہی نہ تھے وہ اپنی چھوٹی لڑکی کو لینے بنی اسلم کے ڈیرہ پر گئے ہوئے تھے جو مکہ سے پچاس میل دور مقیم تھے اور ان کی یہ لڑکی اس قبیلے کی ایک دایہ کے پاس زیر پرورش تھی۔ آنحضرتؐ اور حضرت حمزہؓ کی ملاقات حضرت ابوبکرؓ سے راستے میں ہوئی اور وہ بھی ان کے ہمراہ وہیں سے مدینہ روانہ ہو گئے۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ مدینہ پہنچے اس لئے شاید یہ کہانی بعد میں تیار کی گئی کہ وہی آنحضرتؐ کو لے کر مدینہ گئے تھے اور آپ کے چچا کی ان خدمات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

غرض آنحضرتؐ مسلمان اور اسلام دیرینہ دشمنوں سے محفوظ ہو گئے۔ قریش نے آپؐ کی ہجرت مدینہ کے بعد ۶۲۴ء، ۶۲۵ء، ۶۲۷ء میں تین بار مدینہ پر چڑھائی کی اور ہر بار ناکامی سے دوچار ہوئے۔ آخر مارچ ۶۲۸ء میں آنحضرتؐ نے حدیبیہ میں قریش سے صلح کا معاہدہ کیا اور ستمبر ۶۲۸ء میں فتح خیبر کے بعد ۶۳۰ء میں مکہ فتح کر لیا۔ تمام قریش نے مجبوراً اسلام قبول کیا اور آپؐ نے ان سب کو معاف کر کے اپنے آزاد کردہ غلام قرار دیا۔ اس شہرت کے پھیلتے ہی ہر طرف سے عرب وفود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ یوں تمام عرب میں اسلام پھیل گیا اور بت پرستی ختم ہو گئی۔ بنی امیہ نے حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد چالیس سال کے عرصہ میں جن معاشرتی و مذہبی برائیوں کو قریش میں عام کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ اور ان کے قبیلے بنی ہاشم و بنی مطلب نے تئیس ۲۳ سال کی مدت میں ان کا خاتمہ کر کے پھر سے وحدت پرستی کو عام کر کے وہی اصلاحات و قوانین رائج کر دیئے تھے جو آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے قریش میں رواج دے رکھے تھے۔ قرآن نے بھی ان قوانین کی تائید کی اور ان کے اجراء کا حکم دیا۔ مکتبہ جامعہ فواد قاہرہ کے سابق مدیر شیخ محمد رضا مصری لکھتے ہیں:

"عبدالمطلب سے وہ حکیمانہ اقوال منقول ہیں جن کو بعد میں قرآن و حدیث میں بھی

بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً نذر کی تکمیل، محرم سے عقد کی ممانعت، شراب و زنا کی حرمت اور ان پر حد کا نفاذ، عریاں ہو کر طواف بیت اللہ کی ممانعت، حرام مہینوں کی عظمت (وغیرہ) وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مقتول کے قصاص میں سو (۱۰۰) اونٹوں کے خوں بہا کا طریقہ رائج کیا۔ پہلے یہ سلسلہ قریش میں جاری ہوا پھر یہ دوسرے عربوں میں رائج ہو گیا۔ بعد میں آنحضرتؐ نے بھی اسے شریعت میں برقرار رکھا۔"

(محمد رسول اللہ، ص: ۲۰، مطبوعہ تاج کمپنی)

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

بنوامیہ کا اسلام پر قبضہ

عرب قبیلوں اور ان کے خاندانوں کے درمیان اختلاف ہوتے تھے مگر نہ اتنے شدید اور نہ اس قدر دیرپا جتنے بنی امیہ نے اپنے چچا کی اولاد بنی ہاشم سے روا رکھے اور بنی امیہ کی دائمی وقائمی مخالفت بتدریج بڑھتی ہی گئی باوجود اس کے کہ بنی ہاشم کے ہر فرد نے ہر زمانہ میں اس اختلاف کو ختم کرنے کیلئے ان سے باہمی روابط بڑھانے اور صلہ رحمی قائم رکھنے کی برابر کوشش کی۔ لیکن مخالفت اور کینہ و دشمنی پورے دو سو سال بلکہ آج تک قائم و دائم ہے۔

ہاشم کی مخالفت امیہ کرتا رہا۔ حضرت عبدالمطلب کا مخالف و مقابل حرب بن امیہ رہا۔ رسول اللہؐ اور جناب ابوطالب کا مخالف ابوسفیان بن حرب رہا۔ حضرت علیؑ کی مخالفت معاویہ بن ابی سفیان نے کی اور حضرت حسین بن علیؑ کا دشمن یزید بن معاویہ رہا۔ یہ دشمنی ہر دور میں مسلسل جاری رہی اور آج تک جاری ہے۔ ان میں سے ہر فرد نے اپنے زمانہ اقتدار میں خاندانِ رسولؐ کے ہر اس فرد کو قتل کیا جس نے ان کے اس اقتدار کو ناجائز قرار دیا۔

یہی لوگ کہتے ہیں کہ شہادت حسینؑ بن علیؑ کے بعد یہ عداوت ختم ہوگئی مگر یہ بالکل غلط اور مفروض ہے بلکہ اس واقعہ فاجعہ کے بعد یہ عداوت ان کے اقتدار سے محروم ہونے کے بعد تلوار سے ہٹ کر قلم کے میدان میں آگئی ہے اور جنگ کے میدان سے قلم و قرطاس پر لڑی جارہی ہے۔ چنانچہ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ بنی امیہ کا فریب کارانہ اقتدار ایک صدی بعد جب ختم ہوا تو انہوں نے اس دور میں غلط روایات اور موضوع احادیث کا مواد اتنا کچھ جمع کر دیا تھا کہ یہ جنگ راوی سے مورخ اور زبانی روایت سے قلمی کتب میں سمٹ آئی اور بنی ہاشم و خاندان رسول کی کردار کشی کا آغاز ایک طویل سازش کے تحت کر دیا گیا۔

دنیا کے دانشوروں اور علمائے اسلام نے بھی تاریخ کو تحریری و قلمی فنون پر ترجیح دی ہے اور اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ابن خلدون، ابن اثیر، ابن خلکان، طبری اور یعقوبی وغیرہ نے یادگار تاریخیں قلم بند کی ہیں۔ اسی طرح اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، تاریخ دمشق (ابن عساکر) جو پچاس جلدوں پر اور تاریخ خطیب بغدادی جو اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل ہے اس فن میں قابل قدر کتابیں آج موجود ہیں۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان مفصل و مطول کتب تاریخ میں آلِ رسولؐ اہل بیت اور حضرت عبدالمطلب اور ان کی اولاد کی خدمات پر نہ کسی نے نظر ڈالی اور نہ اس کا بیان مناسب سمجھا۔ جو دراصل اسلام کی بنیاد تھے۔ مورخ کے اس فعل پر مفتی اعظم ترکی، آقائے بہلول بہجت اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''مورخ کا یہ کام نہیں کہ وہ بعد میں آنے والوں کو خرافات میں پھنسا دے اور متعلقہ واقعات ضروریہ کو نظر انداز کر دے۔ تاریخ اسلام میں ایسے واہی تباہی موضوعات

Presented by Ziaraat.net

کثرت سے ملتے ہیں۔ جن کا تعلق نہ اسلام سے ہے اور نہ ہی ان کی کوئی اصل ہے۔
اس کے مقابلہ میں معلوم وجوہ کی بنا پر ضروری اہم اور متعلقہ واقعات کو ترک کر دیا گیا
ہے۔''

(تشریح و محاکمہ)

اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ فتح مکہ کے بعد بنی امیہ اور ان کے حلیف قبیلوں کے دشمن اسلام ورسولؐ مکہ سے مدینہ آ گئے تھے۔ کچھ پہلے سے موجود تھے ان لوگوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کیلئے خفیہ تعلق قائم رکھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد یعنی تدفین سے پہلے نیابت پر قبضہ کرنے کیلئے فساد برپا کیا اور ابوسفیان بن حرب نے اپنی عسکری قوت جتا کر نیابت وخلافت میں بنی عبد مناف ہونے کے توسط سے اپنا حصہ منوایا اور اس سے متعلق عکرمہ بن ابوجہل کے ذریعہ خفیہ معاہدہ کیا اور اس معاہدہ کی بنا پر شام کے مفتوحہ علاقہ پر اس کا بیٹا یزید (بن ابوسفیان) متمکن ہوا جبکہ تمام صحابہ اس اقدام کے مخالف تھے۔ یزید بن ابوسفیان کے بعد اس کی جگہ معاویہ بن ابوسفیان کو ملی یہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ کا واقعہ ہے۔

حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں جن کا تعلق بنی امیہ ہی سے ہے۔ حاکم شام معاویہ بن ابوسفیان نے اپنی حکومت کو خوب مضبوط کیا۔ شامی قبائلی باشندوں کو مسلمانوں سے خلط ملط نہیں ہونے دیا اور اسے ایک الگ حکومت میں تبدیل کیا۔ عسکری قوت کو مستحکم کیا اور جب خلافت بنی ہاشم کے ایک فرد حضرت عبدالمطلب کے پوتے اور رسول اللہؐ کے چچازاد بھائی حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو ملی تو معاویہ بن ابوسفیان نے اسے ماننے سے انکار کیا اور آمادہ جنگ و پیکار ہوا۔ صفین کی خونریز جنگ ہوئی ابھی ساڑھے چار سال ہی گزرے تھے، خلیفہ چہارم حضرت علیؑ کو ایک فریب کارانہ سازش کے تحت نماز فجر کے دوران ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں شہید کرادیا اور خلافت اسلامیہ پر قبضہ کرلیا۔ اب سوائے اہل بیت رسولؐ کے تمام مسلمان معاویہ بن ابوسفیان کی بیعت کے اسیر ہو گئے۔ خلافت اسلامیہ اب خودمختار حکومت وسلطنت میں تبدیل ہو گئی۔ خلافتِ راشدہ کے ختم ہوتے ہی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے اور بنی امیہ کا قابل نفرت، ظالمانہ وغاصبانہ دور شروع ہو گیا۔ بددیانت اور ناعاقبت اندیش لوگ جمع ہونے لگے اور ان کی مکاریوں اور موضوع روایات کے پھیلانے سے حقائق چھپائے جانے لگے۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ وہ صحابہ جو ان حقائق سے آگاہ تھے خاموش دیکھتے رہے۔ ان میں حقائق کو بیان کرنے اور ان لوگوں کی تردید کرنے کی بھی جرات نہ رہی تھی، پیغمبر اسلامؐ نے جو امانت ان کے سپرد کی تھی وہ اس کے بچانے میں کوشش نہ کر سکے۔ یہ ضرور ہے کہ سب صحابہ ایسے نہ تھے لیکن اکثر نے تساہل برتا اور بعض تو بدعت وبطالت کی اعلانیہ پیروی کرنے لگے۔ حاکم شام معاویہ بن ابی سفیان نے موضوع احادیث وروایات کیلئے باقاعدہ ایک منصوبہ ترتیب دیا اور اپنے باپ ابوسفیان اور دادا حرب کی طرح ایسی موضوع روایات کو پھیلا کر رسا[illegible]یعہ کے خاندان اور بنی ہاشم کے تمام لوگوں کو بدنام کرنے کے ساتھ ساتھ کافر ومشرک تک مشہور کرایا۔ ا[illegible]ن وضاحت میں ترکی کے مفتی اعظم آقائے بہلول بہجت اپنی کتاب تشریح ومحاکمہ میں لکھتے ہیں:

''ابوہریرہ جیسے صحابی جنہوں نے پیغمبر اکرمؐ سے ہزاروں احادیث روایت کیں اپنی عزت وآبرو کی خاطر بنوامیہ کے تمام مظالم دیکھتے ہوئے خاموش بیٹھے رہے۔ معاویہ کی بیشمار بدعنوانیوں اور وحشیانہ حرکات میں سے صرف ایک واقعہ تاریخ کے صفحات پر دیکھ کر پڑھنے والوں کو آج بھی حیرت میں ڈال دیتا ہے جس کا تفصیلی ذکر ہمیں اپنے مطلب سے دور کر دے گا۔ مگر ان سب کو دیکھتے ہوئے ابوہریرہ نے معاویہ کی مدد کی اور اس ظالم...؟ کے دسترخوان پر شاہانہ لذیذ غذائیں کھاتے ہوئے اس کی طرف داری میں کہا کرتے تھے۔ علی کے پیچھے نماز کا اور معاویہ کے دسترخوان پر کھانے کا لطف آتا ہے۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ معاویہ کی غذاؤں کی لذت نے ابوہریرہ کو فریب دیا۔ اسی لئے انہوں نے نماز کے لطف سے آنکھ چرائی اور شکم پروری کی خاطر ذلت گوارہ کر کے ظلم وجور کی ترویج کا باعث ہوئے۔''

(تشریح ومحاکمہ در تاریخ آل محمدؐ ص:۷۲)

حضرت ابوہریرہ کو حاکم شام نے دمشق بلا کر رہنے کو عالی شان گھر دیا اور تاحیات وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ وہ احادیث بیان کرتے رہے ''اخبار الماضین'' اور موضوع روایات ایک صدی تک لوگوں میں گردش کرتی رہیں۔ حقائق کے بیان اور خاندان رسول کے کارناموں کے ذکر پر پابندیاں عائد کر دی گئیں جس کی وجہ سے آئندہ نسلیں حقیقتِ حالات اور صحیح اخبار سے بے خبر اور لاعلم رہیں اور بنی امیہ کے تمام عیوب ہنر میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ روشن نگینوی نے کیا خوب کہا۔

کمال فن میں فن کا ایک پہلو یہ بھی ہے روشن
کہ بن جاتے ہیں عیب اکثر ہنر آہستہ آہستہ

وہ وحدت پرستی کو ختم کر کے دوبارہ بت پرستی کو رواج تو نہ دے سکے کہ اسلام کے ماننے والوں کی اکثریت تھی وہ اسلام ترک کر کے مرتد بھی نہیں ہو سکے کہ اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑتے۔ بظاہر مسلمان رہ کر انہوں نے اقتدار کے بل بوتے پر خاندانِ رسولؐ کی خدمات کو یکسر ختم کر دیا اور اسلام کے قوانین وضوابط میں تبدیلی کر دی اور پھر وہی ضابطے اسلام کے پردہ میں رائج کر دیئے جو عہد جاہلیت میں رواج رکھتے تھے۔

اگر آج کے مسلمان برا محسوس نہ کریں اور اس حقیقت کو برداشت کرنے کا مظاہرہ کریں تو ہم یہ کہیں گے کہ جو اسلام ظالموں کو کامیاب بنانے کا ذریعہ بنا وہ اسلام حق پر قائم مظلوموں کو ناکام بنانے کا سبب ہوا۔ ہم دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے یہ بدطینت خاندان ہمیشہ ذلیل وکمزور رہا اور بنی ہاشم کے اشراف کے سامنے شکست پر شکست کھاتا رہا۔ اس وقت ان کا کوئی حیلہ وفریب کارگر نہ ہوا لیکن جوں ہی اسلام آیا اور اس نے اپنے جامع اصول رائج کیے ان ہی اصولوں پر بنی ہاشم مات کھا گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ اسلامی اصولوں پر قائم رہے جب کہ بنی امیہ نے خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے ان سے انحراف کیا حتیٰ کہ

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

اس گروہ کا خلافت پر قبضہ تو کوئی چیز ہی نہیں رسول اللہؐ کی وفات کے بعد ساٹھ سال کے دورانیہ میں ذات رسولؐ، قرآن حکیم اور اسلام سب پر قبضہ کر لیا اور ان کے ساتھ جو کچھ سلوک اس گروہ نے موضوع روایات واحادیث کے ذریعہ کیا اس پر کوئی طاقت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ آخر ان کا کیا بگڑا جب انہوں نے اسلام ہی کے ایک نظریہ اور قرآنی آیات کے حوالہ سے یہ کہہ دیا کہ "یہ سب کچھ خدا ہی نے کیا ہے۔ بھلا ہم جیسا مجبور انسان کیا کر سکتا ہے اور یہ حکومت بھی ہمیں اللہ ہی نے دی ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو نہیں چاہتا نہیں دیتا۔" اور کوئی آج تک اس کا جواب نہ دے سکا۔ معتزلہ نے جب ان کے اس دعویٰ کی تردید دلائل سے کی تو اسی گروہ کے علماء سوء نے انہیں خلیفہ وقت پر زور ڈال کر قتل کرا دیا۔

چنانچہ آج بھی بنی امیہ ان کے حلیف قبائل ان کی اولاد اور ان کے نظریات پر عمل کرنے والے مسلمان اور مومن کہے جاتے ہیں اور بنی ہاشم، اہل بیت رسولؐ کی اولاد اور ان کے اسلامی نظریات پر عمل کرنے والے کافر و مشرک سمجھے جاتے ہیں۔

ہاں، حق اور حقیقت نے اپنا وجود اس قدر ضرور منوالیا کہ ان تمام باتوں کے باوجود بنی امیہ، بنی ہاشم سے اس روحانی مفاخرت اور عظمت وجلالت کو نہ چھین سکے جس کے حصول کیلئے انہوں نے امیہ بن عبدالشمس کے زمانہ میں ابتدا کی تھی۔ دراصل امیہ کو ہم نسب ہونے کی وجہ سے فضیلت اور ہمسر ہونے کی غلط فہمی تھی جبکہ یہ مناصب انسانی کوشش سے نہیں ربانی تدابیر سے متعلق ہیں۔

ہم یہاں پھر اس منصوبہ کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائیں گے جو بنی مخزوم کے ایک فرد ابوجہل نے حضرت عمر کے مسلمان ہونے کے بعد بنایا تھا اور اس منصوبہ کا مرکزی کردار اسی وقت یعنی نبوت کے پانچویں سال سے برابر کام کرتا رہا تھا۔ بنی امیہ اور بنی مخزوم اپنے حلیف قبیلوں کے ان مسلمانوں سے خفیہ طور پر مدد حاصل کرتے رہے تھے جو ابتدا میں مسلمان ہو کر مدینہ پہنچ گئے تھے۔ بعض محققین نے ایسے منافقین کی تعداد مدینہ میں دو سو تک بتائی ہے۔ بنی امیہ اور بنی مخزوم یہ دو ہی قبیلے تھے جنہوں نے حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد بعثت تک اور رسول اللہؐ کی وفات کے بعد آئندہ ایک صدی کے دوران اسلام کو کفر و شرک سے قریب تر کر دیا تھا۔
علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن کی اس آیت۔ " **الم تر الی الذین بدّلوا نعمت اللہ کفراً** " کی تفسیر میں یہ روایت بیان کی ہے۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ اور حاکم نے بطریق صحیح حضرت علی ابن ابیطالب سے روایت کی ہے کہ۔

"جن لوگوں نے دین خدا کو کفر سے بدل ڈالا وہ فاجر ترین قوم قریش سے بنو امیہ اور بنو مغیرہ (مخزوم) ہیں۔"
(تفسیر در منثور، جلال الدین سیوطی)

کلام اختتام

ہمارے مورخ

مارکس اور انجلز نے کہا۔ "ہر دور کے افکار اس دور کے حاکموں ہی کے افکار ہوتے ہیں۔" سبط حسن نوید فکر میں اپنے ایک طویل مضمون "سیکولرازم" میں لکھتے ہیں:

"تاریخ کی کتابیں بیشمار لکھی گئیں لیکن انکے لکھنے والے بھی فلسفہ تاریخ سے نابلد تھے۔
وہ وقائع نویس ہیں نہ کہ مورخ۔ ان کو ابن خلدون کی ہوا تک نہیں لگی ہے۔"

اسی مضمون میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں یہ ہمارا شاید ہی کوئی شاعر ہو جس نے اسلامی تعلیمات کی پیروی کرنے کے باوصف کوتاہ آستین ملاؤں کی دست درازیوں پر، زہاد زشت خو کی ہوسنا کیوں پر پیران سالوں کی شعبدہ بازیوں پر، مفتیان شرع کی اقتدار پرستیوں پر، واعظوں کی لن ترانیوں پر اور فقیہان شہر کی ریاکاریوں پر لعن طعن نہ کی ہو۔ (نوید فکر ص:۱۴۶)

گلب پاشا اپنی کتاب "محمد رسول اللہؐ" کے اداریہ میں لکھتا ہے

"مذہبی تعصّبات نے حضور کی سوانح کو توڑ مروڑ کر پیش کیا۔ حضورؐ کی زندگی پر لکھی ہوئی تمام کتابوں میں تعصّبات نے جگہ لی...... اس کا جواب مسلم مورخین نے بھی ترکی بہ ترکی دیا۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ فریقین نے نہ صرف تاریخی حقائق کو مکمل طریقہ سے توڑ مروڑ کر پیش کیا بلکہ ایک دوسرے کیخلاف وہ نفرت پیدا کی جو مختلف قوموں، نسلوں اور ثقافتوں کے درمیان تقسیم اختلاف اور علیحدگی کا باعث بنی۔" (ص:۱۶)

گلب پاشا ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

" اس اچھی بات (یعنی احادیث وروایات کو سینہ بہ سینہ منتقل کرنا) کا بدقسمتی سے یہ نتیجہ نکلا کہ بے ایمان اور ضمیر فروش لوگ ہر اس بات کو جس میں ان کا اپنا مفاد وابستہ تھا حضورؐ کی ذات گرامی سے منسوب کرتے گئے تا کہ ایک طرف قانون کی گرفت سے آزاد ہوں اور دوسری طرف عوام کی نظروں میں باعزت رہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ سیاسی جماعتوں نے اپنی وضع کردہ پالیسیوں کو روبہ عمل لانے کے لئے بہت سی باتیں جو ان کی اپنی من مانی تھیں حضورؐ کی ذات گرامی سے منسوب کر دیں تا کہ حضورؐ کا نام لیکر وہ اپنی ہوس اقتدار کی آگ کو تیز سے تیز تر کریں۔" (ص:۲۳)

پھر ایک واضح مثال قائم کر کے کہتا ہے:

Presented by Ziaraat.net
Sabeel-e-Sakina (SA)

''جس طرح توریت وانا جیل (انجیل) میں انبیائے بنی اسرائیل کے متعلق بہت سی لغو اور شرمناک روایات منقول ہیں اسی طرح آنحضرتؐ کی سیرت کے متعلق ہمارے قدیم ماخذ کتب مغازی وسیر میں ویسی ہی روایات مندرج ہیں۔ ان کاذیب باطلہ کو جنہیں مورخین مابعد نے تقلیداً نقل کردیا۔ مستشرقین یورپ نے تنقیصِ رسولؐ اور تضحیک اسلام کیلئے خوشی سے تسلیم کرلیا۔ اس کے بعد سیرتِ پاک پر رطب و یابس روایات کا اثر پڑنے لگا۔ اس خرابی کی ابتدا عبدالملک بن مروان (بنوامیہ) کے عہد سے شروع ہوئی۔''
(محمد رسول اللہؐ)

اس قسم کا اظہار خیال صرف سبط حسن یا گلب پاشا ہی نے نہیں کیا بلکہ ہر مسلم وغیر مسلم تاریخ شناس نے کیا ہے اور تاریخ کی یہ تمام کوتاہیاں اور عیوب صرف اسلامی تاریخ وسیرت میں ہی ملتی ہیں جس کا بڑا سبب بنی امیہ کا تعصب تھا جو بظاہر مسلمان تھے مگر بباطن متعصب دشمن ان ہی تضاد واختلاف اور خرابیوں کے سبب اسلام جیسے فطری مذہب سے لوگوں کی رغبت کم ہونے لگی۔ چنانچہ یہی گلب پاشا اپنی کتاب میں واضح الفاظ کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ''یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام مجھے اپنی طرف مائل نہ کرسکا، اور میں مسلمان نہ بن سکا۔''
(محمد رسول اللہؐ، ص:۱۷)

جیسا کہ ہم نے کہیں کہیں اپنی اس تحریر میں اشارہ کیا ہے کہ مورخین اسلام نے نہ تو تاریخ کے ساتھ فن کو ملحوظ رکھا اور نہ ہی صاحب واقعہ کے ساتھ انصاف کیا۔ اس کی وجہ عصبیت اور نظریہ کے اختلاف کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ ان کی اس عصبیت نے ایک فطری اور عالمگیر مذہب اور امت کو اعتراضات اور نفرت کا نشانہ بنادیا ہے۔

یہ درست ہے کہ مورخین کے فرائض میں واقعات کا تجزیہ کرنا نہیں ہے اور نہ ہی واقعات کے انجام و علل پر رائے زنی ان کا فریضہ ہے۔ ایک مورخ کا کام صرف اس قدر ہے کہ وہ صحیح واقعات کو جوں کا توں ترتیب دیدے۔ لیکن اس کے فرائض میں یہ بھی شامل نہیں ہے کہ وہ واقعات کو زمانہ وقوعہ سے علیحدہ کرکے بیان کرے یا زمانہ کی نسبت واقعہ سے برقرار نہ رکھے۔ زمانہ اور وقت تاریخ اور سال کے ساتھ ہی واقعات کا بیان تاریخ کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ وہ ایک کہانی اور داستان کے سوا کچھ نہیں ہے۔ داستان کو تاریخ سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا مگر ان کے مابین وہ فاصلہ باقی رکھنا ایک مورخ کیلئے انتہائی ضروری ہے جو یہ بتا سکے کہ تاریخ کہاں تک ہے اور داستان کس حد تک۔

ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ ایک مورخ تمام تر اور سلسلہ کیساتھ واقعات کے حصول پر قادر نہیں ہوتا۔ تاریخ کا دارومدار محض ان ہی واقعات پر منحصر ہوتا ہے جو ماضی میں محفوظ رہ گئے اور مورخ تک پہنچ گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام تر واقعات منتشر حالت میں تاریخ کے اجزاء ہوتے ہیں۔ مورخ کا کام یہ ہے کہ وہ ان منتشر اجزاء کے درمیان خلا کو انتہائی دانشمندی اور فہم وفراست سے واقعات اخذ کرکے پُر کرے۔ مگر یہ نتائج قیاس پر

مبنی نہ ہوں بلکہ قبل وبعد کے واقعات وعلل، عمل وردعمل کی بنیاد پر قائم ہوں۔

ہمارے مورخین نے تاریخ کی وہی تعریف اپنالی ہے جو سوئیٹرزلینڈ کے مشہور مصنف ''جیکب برٹ ہارٹ'' (۱۸۱۸ء۔ ۱۸۹۷ء) نے کی ہے۔ وہ تاریخ کا مفہوم مختصر الفاظ میں یہ بیان کرتا ہے۔ ''جو کچھ ایک دور کے متعلق دوسرے دور کے نزدیک لکھ رکھنے کے لائق ہے۔'' یعنی ہمارے مورخین نے ماضی کے جن واقعات کو اپنی نظر میں لکھ رکھنے کے لائق سمجھا ان ہی کو تاریخی شکل میں پیش کیا ہے، اور یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ یہ فن تاریخ پر پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ اموی دورِ خلافت کے مورخین نے دوسرے یعنی آئندہ دور کے لئے جو مناسب خیال کیا لکھ کر پیش کردیا اور باوجود اس کے کہ ان واقعات میں خلا موجود تھا بعض واقعات کو عقل تسلیم نہیں کرتی تھی پھر بھی آئندہ مورخین کیلئے یہی تاریخ ان کی رہنمابنی۔ چنانچہ اصل حالات اور متعلقہ شخصیت کے خدوخال ابہام کی نذر ہوگئے اور واقعات تضاد کا شکار بن گئے۔ اس پر بھی ہمارا مورخ تاریخ آفرینی نہیں کرتا۔ تحقیق وتجسس سے کام نہیں لیتا اور تاویلات کا انبار لگادیتا ہے۔ اسکی وجہ صرف اور محض وہ روایت ہے جس پر اسلامی تاریخ کا انحصار رہا ہے۔ گویا ہمارا ابتدائی اور اولین مورخ راوی ہے۔ مورخ نہیں راوی جو بولتا ہے لکھتا نہیں جو کہتا ہے۔ میں نے سنا ہے وہ دیکھتا نہیں اور وہ جو چاہتا ہے پہلے کے حوالہ سے کہہ دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کم وبیش کردیتا ہے کیا ہم نہیں جانتے کہ ہمارے راوی اور ہماری روایتیں دونوں ہی جھوٹے ثابت ہوچکے ہیں روایتوں میں بیّن تضاد بھی ملتا ہے۔ اسی لئے علم الرجال کی ضرورت پیش آئی مگر بات پھر بھی نہ بن سکی۔ علم الرجال نے صرف راوی کے کردار پر بحث کی اور بقول طٰہٰ حسین رجال پر بھی تو ان ہی علماء نے لکھا۔'' ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے روایت پر کیا اثر پڑا؟ اس کے باوجود ہم نے روایت سے بغاوت نہیں کی اور نہ ہی کسی روایت کو متفقہ طور پر غلط قرار دے کر تاریخ پر اثر انداز کرنے سے باز آئے۔ اگر ہم نے کمال دکھایا تو تاویلات کی شعبدہ بازی کا یا زیادہ سے زیادہ متضاد روایات کو ایک ساتھ بیان کرکے، بزعم خود، غیر جانبداری کا تمغہ اپنے سینے پر سجالیا۔ ہم کہتے ہیں یہ غیر جانبداری ہے نہ منصف مزاجی ہم اس کو نا خود اعتمادی اور بزدلی کا نام دیتے ہیں۔ مورخ کو چاہیے تھا کہ وہ ماضی کے خلا کو پر کرتا اور ایک مسلسل، نتیجہ خیز تاریخ مستقبل کے حوالے کرتا۔

ماضی اپنے وجود میں حال پر انحصار نہیں کرتا۔ ہمارے انکار یا عدم بیان سے اس کا وجود مٹ نہیں جاتا، کیا دو جمع دو کے عمل کا نتیجہ چار نہیں نکلتا؟ اب اگر ہم حاصل جمع عبارت میں درج نہ کریں تو کیا چار کا وجود تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ ہم لاکھ اس کا ذکر نہ کریں مگر اس کا وجود اٹل ہے۔

گزشتہ واقعات کو ہم وجود میں نہیں لاتے بلکہ وہ بجائے خود موجود ہوتے ہیں اور موجود رہے ہیں۔ چاہے مورخ ان کے متعلق کوئی ریکارڈ رکھے یا نہ رکھے۔ انہیں معلوم کرسکے یا معلوم نہ کرسکے۔ ایک وقوعہ سے دوسرا متعلقہ وقوعہ ردعمل کے طور پر وجود میں آتا ہے۔ ایک عمل اپنے مقابل دوسرے عمل کو جنم دیتا ہے۔ مورخ ایک وقوعہ سے دوسرا وقوعہ معلوم کرکے تاریخ کے جاری سلسلہ کو قائم کرتا ہے۔ اس لئے کہ معلومہ واقعات جزدی

Presented by Ziaraat.net

ہوتے ہیں۔ایک ویرانہ کی زمین بوس دیواریں دیکھ کر کوئی اس آواز کو نظر انداز نہیں کرسکتا جو گرتے وقت پیدا ہوئی تھی۔اگرچہ اسے سننے والا کوئی متنفس وہاں موجود نہ تھا اور اس ویرانہ کی تاریخ کوئی مورخ اس وقت تک مکمل نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ اس کی موجودگی اور ویرانہ کے زمانہ کا تعین نہ کرلے۔اس کے ساتھ ہی اس کی ویرانی کے اسباب کا کھوج نہ لگالے۔

ہمارے یہاں تاریخ نویسی میں اس کا کوئی التزام نہیں کیونکہ ہم نے اس کی بنیاد روایت پر قائم کی ہے اور روایت زمانہ وقت اور اسباب وعلل سے بحث نہیں کرتی۔مورخ جب واقعات کے ان نامعلوم حصوں کو معلوم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس نے ایک نئی تاریخ کو جنم دینا ہے۔بلکہ درحقیقت ایک ایسے واقعہ کو جو پہلے موجود تھا یا وقوع پذیر ہو چکا تھا مگر نامعلوم تھا۔اس نے صرف اسے دریافت کر کے ماضی کی تاریخ کے خلا کو پورا کرنا ہے وہ اس لئے قابل تحسین ہے کہ اس نے پیش آمدہ نامعلوم واقعات کو معلوم کیا جو اس کے بغیر واقع ہو چکے تھے اور اس سے پیدا شدہ نتائج تک پہنچا جو اسکے بغیر برآمد ہو چکے تھے۔یا یہ کہئے کہ متعصب مورخین نے جن واقعات کو آئندہ نسلوں تک پہنچنے سے روک رکھا تھا اس نے معلوم کر کے نئی نسل کو اس سے آگاہی بخشی۔

ہم اس موقع پر عصر حاضر اور مستقبل کے تاریخ شناسوں تاریخ دانوں اور تاریخ نویسوں سے گزارش کرینگے کہ وہ اسلامی تاریخ وسیر کے گم شدہ واقعات کی تلاش کریں۔تاریخ کے تسلسل میں پیدا ہونے والے خلا کو پر کریں اور تاریخ کے غلط واقعات کی تصحیح کے ساتھ انکے واقعی کرداروں کو منظر عام پر لائیں۔

اسی طرح ہم قارئین سے گذارش کریں گے کہ وہ عقائد کی تاریکی سے باہر آئیں اور جدید نظریات وسائنس کی روشنی میں تاریخ کا مطالعہ کریں، فرقہ واریت کو ترک کردیں اور عصبیت کی عینک اتار پھینکیں حقیقت شناسی کو اپنا شعار بنائیں۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ عصبیت اپنا وجود رکھتی ہے اور خونی عصبی رشتے اس کا سبب ہوتے ہیں لیکن دنیا کے اکثریت رکھنے والے وہ مسلمان جن کا کوئی خونی وعصبی رشتہ عربوں سے نہیں وہ عرب عصبیت کے کیوں شکار ہوتے ہیں اور آج کی وہ مسلمان نسلیں جن کے اجداد کو بنی امیہ نے اپنے دور اقتدار میں ان پر حملے کر کے تلوار کے زور پر مسلمان بنایا تھا کیوں اموی عصبیت پر عمل پیرا ہیں؟ یہ بھی صحیح ہے کہ جب ان لوگوں نے اموی دور اقتدار میں اسلام قبول کیا تو ان کو تعلیم بھی اسی اسلام کی دی گئی اور روایات وتاریخ بھی ان ہی کی مرتب کردہ انہیں پڑھائی گئی۔مگر آج انہیں چاہئے کہ وہ تحقیق وتدقیق سے کام لیں اور اسلام، تاریخ، حدیث، قرآن اور شریعت کے حقائق معلوم کر کے ان پر عمل پیرا ہوں۔اللہ تعالیٰ انہیں یہ توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

والسلام

سرکار زینی جارچوی

کتابیات

۱۔ قرآن حکیم
۲۔ کتب احادیث
۳۔ اخلاق محمدی
۴۔ محمد رسول اللہؐ
۵۔ معارج النبوت
۶۔ سیرت سرور عالم
۷۔ سیرت رسول عربی
۸۔ نقوش سیرت
۹۔ شواہد النبوت
۱۰۔ حیات محمد
۱۱۔ روضۃ الاحباب
۱۲۔ اسوۃ الرسولؐ
۱۳۔ سیرت النبیؐ
۱۴۔ عہد نبوت کے ماہ وسال
۱۵۔ سیرت سلمان (فارسی)
۱۶۔ سیرت خاتم النبین
۱۷۔ شرح مواہب لدنیہ
۱۸۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی
۱۹۔ معالم فی الطریق (نقوش راہ)
۲۰۔ ابوجہل اور عکرمہ
۲۱۔ رسائل جاحظ
۲۲۔ فتح الباری
۲۳۔ الفاروق
۲۴۔ سوانح عبدالمطلب (مرتبہ محمد رحیم دہلوی)
۲۵۔ تاریخ ارض القرآن
۲۶۔ تاریخ ابن خلدون
۲۷۔ تاریخ ابوالفداء
۲۸۔ تاریخ زرقانی
۲۹۔ تاریخ طبقات ابن سعد
۳۰۔ تاریخ کامل۔ابن اثیر
۳۱۔ تاریخ طبری
۳۲۔ تاریخ القویم
۳۳۔ تاریخ تمدن اسلامی (جرجی زیدان)
۳۴۔ تاریخ مکۂ مکرمہ
۳۵۔ تاریخ ملت مسلمہ
۳۶۔ تاریخ القرآن
۳۷۔ قرآن مجید کا نزول اور وحی
۳۸۔ تشریح ومحاکمہ در تاریخ آل محمد
۳۹۔ کتاب الامامت والسیاسیات
۴۰۔ الاتقان
۴۱۔ البدایہ والنہایہ
۴۲۔ الاستیعاب
۴۳۔ سیرت ابن ہشام
۴۴۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا
۴۵۔ المعجز

Presented by Ziaraat.net

شرح نہج البلاغہ (مصنف: فقیہ عالیقدر حضرت آیت اللہ العظمیٰ منتظری) (جلد 1 تا 6)

ہدیہ -/3100

6 جلدیں شائع ہو چکی ہیں، کل 12 جلدیں ہیں ساتویں جلد عنقریب پیش کی جائے گی۔

●●●●●●

فرہنگ جامع فرقِ اسلامی (مولف: حجت الاسلام سید حسن خمینی) (مکمل سیٹ 3 جلدیں)

ہدیہ -/3500

یہ کتاب قابلِ احترام مولف حجت الاسلام سید حسن خمینی کی 10 سال کی مسلسل کاوشوں کا ثمر ہے، اس کتاب میں آغازِ اسلام تا دورِ حاضر کے ان تمام فرقوں کی تاریخ جو اسلام کے نام پر بنائے گئے۔ نیز ان فرقوں کی مذہبی وسیاسی وابستگی اور کن کن ممالک میں ان کا اثر ہے کی تفصیل موجود ہے۔ علاوہ ازیں سلسلہِ صوفیاء وعرفاً کے حوالے سے بھی تمام شاخوں کی تاریخ اور کن ممالک میں ان کا وجود اور اثر ہے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

●●●●●●

دلیلِ راہ (مولف: حجت الاسلام سید حسن خمینی)

ہدیہ -/400

Sabeel-e-Sakina (SA)
Presented by Ziaraat.net

مطبوعات ادارہ احیاء تراث اسلامی، کراچی پاکستان

احمد بک سیلرز اسٹاکسٹ اینڈ ہول سیلرز

Sabeel-e-Sakina (SA)

Presented by Ziaraat.net